إنعام الباری
دُروسِ بخاری شریف
افادات
شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالی
جامعہ دار العلوم کراچی میں درسِ بخاری شریف کے دوران
حضرت شیخ الحدیث کی جامع بصیرت افروز اور روح پرور تقاریر
صحیح البخاری : الجزء الثانی
٦٥_ کتاب التفسیر
(١) سورۃ الفاتحۃ ـ (٢٤) سورۃ النور
رقم الحدیث : ٤٤٧٥-٤٧٥٩
جلد-١١
کتاب التفسیر
حصہ اول
ضبط و ترتیب تخریج و مراجعت
محمد انور حسین عفی عنہ
فاضل و متخصص جامعہ دار العلوم کراچی 14
مکتبۃ الحراء
Ph:021-35046223, 35159291, Cell: 0300-3360816
E-mail: maktabahera@yahoo.com
website: www.deeneislam.com

نام کتاب	انعام الباری دروس صحیح البخاری جلد ۱۱
افادات	شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ
ضبط وترتیب تخریج ومراجعت	محمد انور حسین (فاضل ومتخصص جامعہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴)
ناشر	مکتبۃ الحراء، ۱۳۱/۸، ڈبل روم "K" ایریا کورنگی، کراچی، پاکستان۔
کمپوزنگ	حراء کمپوزنگ سینٹر فون نمبر: 0092 21 35046223
باہتمام	محمد انور حسین عفی عنہ

ناشر : مکتبۃ الحراء

8/131 سیکٹر 36A ڈبل روم، "K" ایریا، کورنگی، کراچی، پاکستان۔
فون: 35046223 موبائل: 03003360816
E-Mail:maktabahera@yahoo.com&info@deeneislam.com
website:www.deeneislam.com

ملنے کے پتے

مکتبۃ الحراء۔ فون: 35046223, 35159291 موبائل: 03003360816
E-Mail:maktabahera@yahoo.com

- ☆ ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار کراچی۔ فون 32722401 021
- ☆ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ پاکستان۔ فون 3753255 042
- ☆ مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴۔ فون 35031565-6 021
- ☆ ادارۃ المعارف، جامعہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴۔ فون 35032020 021
- ☆ دار الاشاعت، اردو بازار کراچی۔ فون 32631861 021

افتتاحیہ

از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم العالی
شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة و السلام على خير خلقه سيدنا و مولانا محمد خاتم النبيين و إمام المرسلين و قائد الغر المحجلين ، و على آله و أصحابه أجمعين ، و على كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين .

أما بعد :

۲۹ رذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو بندے کے استاذ معظم حضرت مولانا "**سحبان محمود**" صاحب قدس سرہ کا حادثۂ وفات پیش آیا تو دار العلوم کراچی کے لئے یہ ایک عظیم سانحہ تھا۔ دوسرے بہت سے مسائل کے ساتھ یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ صحیح بخاری کا درس جو سالہا سال سے حضرتؒ کے سپرد تھا، کس کے حوالہ کیا جائے؟ بالآخر یہ طے پایا کہ یہ ذمہ داری بندے کو سونپی جائے۔ میں جب اس گرانبار ذمہ داری کا تصور کرتا تو وہ ایک پہاڑ معلوم ہوتی۔ کہاں امام بخاری رحمہ اللہ علیہ کی یہ پرنور کتاب، اور کہاں مجھ جیسا مفلس علم اور تہی دست عمل؟ دور دور بھی اپنے اندر صحیح بخاریؒ پڑھانے کی صلاحیت معلوم نہ ہوتی تھی۔ لیکن بزرگوں سے سنی ہوئی یہ بات یاد آئی کہ جب کوئی ذمہ داری بڑوں کی طرف سے حکماً ڈالی جائے تو اللہ ﷻ کی طرف سے توفیق ملتی ہے۔ اس لئے اللہ ﷻ کے بھروسے پر یہ درس شروع کیا۔

عزیز گرامی مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہٗ مالک **مکتبۃ الحراء** ، **فاضل و متخصّص جامعہ** دار العلوم کراچی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ تقریر ضبط کی، اور پچھلے چند سالوں میں ہر سال درس کے دوران اس کے مسودے میری نظر سے گزرتے رہے اور کہیں کہیں بندے نے ترمیم و اضافہ بھی کیا ہے۔ طلبہ کی ضرورت کے پیشِ نظر مولانا محمد انور حسین صاحب نے اس کے "**کتاب بدء الوحی**" سے "**کتاب النکاح**" آخر تک کے حصوں کو نہ صرف کمپیوٹر پر کمپوز کرالیا، بلکہ اس کے حوالوں کی تخریج کا کام بھی کیا جس پر ان کے بہت سے اوقات، محنت اور مالی وسائل صرف ہوئے۔

دوسری طرف مجھے بھی بحیثیت مجموعی اتنا اطمینان ہوگیا کہ ان شاء اللہ اس کی اشاعت فائدے سے خالی نہ ہوگی، اور اگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں گی تو ان کی تصحیح جاری رہ سکتی ہے۔ اس لئے میں نے اس کی اشاعت پر رضامندی ظاہر کردی ہے۔ لیکن چونکہ یہ نہ کوئی باقاعدہ تصنیف ہے، نہ میں اس کی نظر ثانی کا اتنا اہتمام کرسکا ہوں جتنا کرنا چاہئے تھا، اس لئے اس میں قابلِ اصلاح امور ضرور رہ گئے ہوں گے۔ اہل علم اور طلبہ مطالعے کے دوران جو ایسی بات محسوس کریں، براہ کرم بندے کو یا مولانا محمد انور حسین صاحب کو مطلع فرمادیں تاکہ اس کی اصلاح کردی جائے۔

تدریس کے سلسلے میں بندے کا ذوق یہ ہے کہ شروع میں طویل بحثیں کرنے اور آخر میں روایت پر اکتفا کرنے کے بجائے سبق شروع سے آخر تک توازن سے چلے۔ بندے نے تدریس کے دوران اس اسلوب پر عمل کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ نیز جو خالص کلامی اور نظریاتی مسائل ماضی کے ان فرقوں سے متعلق ہیں جواب موجود نہیں رہے، ان پر بندے نے اختصار سے کام لیا ہے، تاکہ مسائل کا تعارف تو طلبہ کو ضرور ہوجائے لیکن ان پر طویل بحثوں کے نتیجے میں دوسرے اہم مسائل کا حق تلف نہ ہو۔ اسی طرح بندے نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جو مسائل ہمارے دور میں عملی اہمیت اختیار کرگئے ہیں، ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ تعارف ہوجائے، اور احادیث سے اصلاحِ اعمال واخلاق کے بارے میں جو عظیم روایات ملتی ہیں اور جو احادیث پڑھنے کا اصل مقصود ہونی چاہئیں، ان کی عملی تفصیلات پر بقدر ضرورت کلام ہوجائے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ بندۂ ناکارہ اور اس تقریر کے مرتّب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہٗ نے اس تقریر کو ضبط کرنے سے لیکر اس کی ترتیب، تخریج اور اشاعت میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے، اللہ ﷻ اس کی بہترین جزا انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائیں، ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر اسے طلبہ کے لئے نافع بنائیں، اور اس ناکارہ کے لئے بھی اپنے فضل خاص سے مغفرت ورحمت کا وسیلہ بنادے۔ آمین۔

۱۳ / رجب المرجب ۱۴۴۰ھ	بندہ محمد تقی عثمانی
بمطابق ۲۱ / مارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعرات	جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

عرضِ ناشر

نحمده و نصلي على رسوله الكريم

أمّا بعد۔ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا **سحبان محمود** صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ رذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیث کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مؤرخہ ۴ رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اُسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس (**کتاب بدء الوحی** سے **کتاب رد الجهمية على التوحيد**، ۹۷ کتب) ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے گئے۔ یہ سب کچھ احقر نے اپنی ذاتی دلچسپی اور شوق سے کیا، استاذ محترم نے جب یہ صورتحال دیکھی تو اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں آجائے تو بہتر ہوگا، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لاکر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، چنانچہ ان دروس کو تحریر میں لانے کا بنام باری تعالیٰ آغاز ہوا اور اب بحمد اللہ اس کی ۱۲ جلدیں **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** کے نام سے طبع ہو چکی ہیں۔

یہ کتاب **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ بڑا قیمتی علمی ذخیرہ ہے، استاد موصوف کو اللہ جل جلالہ نے جس تبحر علمی سے نوازا ہے اس کی مثال کم ملتی ہیں، حضرت جب بات شروع فرماتے ہیں تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے ہیں، علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ عطر ہے وہ **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** میں دستیاب ہے، آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کی فقہی آراء و تشریحات، أئمہ اربعہ کی موافقات و مخالفات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

صاحبان علم کو اگر اس کتاب میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جوان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور از راہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ جل جلالہ اسلاف کے ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** کے بقیہ جلدوں کی تکمیل کی بآسانی اور توفیق عطاء فرمائے تاکہ حدیث و علومِ حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین. وما ذلك على الله بعزيز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۳ ررجب المرجب ۱۴۴۰ھ بمطابق ۲۱ رمارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعرات

عنوان	صفحہ
(۳) باب: ﴿وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ﴾ الآية [۸]	۵۶۵
باب: ''اور عورت سے (زنا کی) سزا دُور کرنے کا راستہ یہ ہے۔''	۵۶۵
(۴) باب قوله: ﴿وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ﴾ [۹]	۵۶۶
اس ارشاد کا بیان: ''اور پانچویں مرتبہ یہ ہے کہ: اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔''	۵۶۶
(۵) باب قوله: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ﴾ الآية [۱۱]	۵۶۷
اس ارشاد کا بیان: ''یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گھڑ کر لائے ہیں، وہ تمہارے اندر ہی کا ایک ٹولہ ہے۔''	۵۶۷
تشریح	۵۶۸
(۶) باب: ﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ الى قوله: ﴿اَلْكَاذِبُوْنَ﴾ [۱۲-۱۳]	۵۶۸
باب: ''جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مؤمن مرد بھی اور مؤمن عورتیں بھی اپنے بارے میں نیک گمان رکھتے۔'' اس آیت کے آخر تک ''وہی جھوٹے ہیں۔''	۵۶۸
(۷) باب قوله: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا أَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [۱۴]	۵۷۸
اس ارشاد کا بیان: ''اور اگر تم پر دُنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے، اُن کی وجہ سے تم پر اُس وقت سخت عذاب آپڑتا۔''	۵۷۸
(۸) باب: ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ﴾ الآية [۱۵]	۵۷۸
باب: ''جب تم اپنی زبانوں سے اس بات کو ایک دوسرے سے نقل کر رہے تھے، اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا۔''	۵۷۸
سنگین جرم	۵۷۹
باب: ﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَا يَكُوْنُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهٰذَا﴾ الآية [۱۶]	۵۷۹
باب: ''جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، اُسی وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ: ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم یہ بات منہ سے نکالیں۔''	۵۷۹
مسلمان کے ایمانیت کا تقاضا	۵۷۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله و کفیٰ و سلام علی عباده الذین اصطفیٰ .

عرض مرتب

اساتذۂ کرام کی درسی تقاریر کو ضبطِ تحریر میں لانے کا سلسلہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے ابنائے دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں **فیض الباری ، فضل الباری ، انوار الباری ، لامع الدراری ، الکوکب الدری ، الحل المفهم لصحیح مسلم ، کشف الباری** ، تقریر بخاری شریف اور درس بخاری جیسی تصانیف اکابر کی ان درسی تقاریر ہی کی زندہ مثالیں ہیں اور علوم نبوت کے طالبین ہر دور میں ان تقاریر دل پذیر سے استفادہ کرتے رہیں اور کرتے رہیں گے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کی مسند تدریس پر رونق آراء شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم (سابق جسٹس شریعت اپیلٹ بینچ سپریم کورٹ آف پاکستان) علمی وسعت ، فقیہانہ بصیرت ، فہم دین اور شگفتہ طرز تفہیم میں اپنی مثال آپ ہیں ، درس حدیث کے طلبہ اس بحر بے کنار کی وسعتوں میں کھو جاتے ہیں اور بحث ونظر کے نئے نئے افق ان کے نگاہوں کو خیرہ کر دیتے ہیں ، خاص طور پر جب جدید تمدن کے پیدا کردہ مسائل سامنے آتے ہیں تو شرعی نصوص کی روشنی میں ان کا جائزہ ، حضرت شیخ الاسلام کا وہ میدان بحث ونظر ہے جس میں ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔

آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند کی دعاؤں اور تمناؤں کا مظہر بھی ہیں ، کیونکہ انہوں نے آخر عمر میں اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں انگریزی پڑھوں اور یورپ پہنچ کر ان دانایان فرنگ کو بتاؤں کہ حکمت وہ نہیں جسے تم حکمت سمجھ رہے ہو بلکہ حکمت وہ ہے جو انسانوں کے دل ودماغ کو حکیم بنانے کے لئے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے مبارک واسطے سے خدا کی طرف سے دنیا کو عطا کی گئی۔

افسوس کہ حضرتؒ کی عمر نے وفا نہ کی اور یہ تمنا تشنۂ تکمیل رہی ، لیکن اللہ رب العزت اپنے پیاروں کی تمناؤں اور دعاؤں کو رد نہیں فرماتے ، اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تمنا کو دور حاضر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی صورت میں پورا کر دیا کہ آپ کی علمی وعملی کاوشوں کو دنیا بھر کے مشاہیر اہل علم وفن میں سراہا جاتا ہے خصوصاً اقتصادیات کے شعبہ میں اپنی مثال آپ ہیں کہ قرآن وحدیث ، فقہ وتصوف اور تدین وتقوی کی جامعیت کے ساتھ ساتھ قدیم اور جدید علوم پر دسترس اور ان کو دور حاضر کی زبان پر سمجھانے کی صلاحیت آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئی ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب یہ میرے پاس پڑھنے کے لئے آئے تو بمشکل ان کی عمر گیارہ/ بارہ سال تھی مگر اسی وقت سے ان پر آثار ولایت محسوس ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی صلاحیتوں میں ترقی و برکت ہوتی رہی، یہ مجھ سے استفادہ کرتے رہے اور میں ان سے استفادہ کرتا رہا۔

سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مجھ سے مجلس خاص میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا ذکر آنے پر کہا کہ تم محمد تقی کو کیا سمجھتے ہو، یہ مجھ سے بھی بہت اوپر ہیں اور یہ حقیقت ہے۔

ان کی ایک کتاب ''علوم القرآن'' ہے اس کی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی حیات میں تکمیل ہوئی اور چھپی اس پر مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے غیر معمولی تقریظ لکھی ہے۔ اکابرین کی عادت ہے کہ جب کسی کتاب کی تعریف کرتے ہیں تو جانچ تول کر بہت جچے تلے انداز میں کرتے ہیں کہ کہیں مبالغہ نہ ہو مگر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں کہ:

> یہ مکمل کتاب ماشاء اللہ ایسی ہے کہ اگر میں خود بھی اپنی تندرستی کے زمانے میں لکھتا تو ایسی نہ لکھ سکتا تھا، جس کی دو وجہ ظاہر ہیں:
>
> **پہلی وجہ** تو یہ کہ عزیز موصوف نے اس کی تصنیف میں جس تحقیق وتنقید اور متعلقہ کتابوں کے عظیم ذخیرہ کے مطالعہ سے کام لیا، وہ میرے بس کی بات نہ تھی، جن کتابوں سے یہ مضامین لئے گئے ہیں ان سب مأخذوں کے حوالے بقید ابواب وصفحات حاشیہ میں درج ہیں، انہی پر سرسری نظر ڈالنے سے ان کی تحقیقی کاوش کا اندازہ ہوسکتا ہے۔
>
> **اور دوسری وجہ** جو اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے وہ یہ کہ میں انگریزی زبان سے ناواقف ہونے کی بناء پر مستشرقین یورپ کی ان کتابوں سے بالکل ہی ناواقف تھا، جن میں انہوں نے قرآن کریم اور علوم قرآن کے متعلق زہر آلود تلبیسات سے کام لیا ہے، برخوردار عزیز نے چونکہ انگریزی میں بھی ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا، انہوں نے ان تلبیسات کی حقیقت کھول کر وقت کی اہم ضرورت پوری کردی۔

اسی طرح شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے بارے میں

تحریر کیا:

لقد من الله تعالى بتحقيق هذه الأمنية الغالية الكريمة ، وطبع هذا الكتاب الحديثي الفقهي العجاب ،في مدينة كراتشي من باكستان ،متوجا بخدمة علمية ممتازة ، من العلامة المحقق المحدث الفقيه الأريب الأديب فضيلة الشيخ محمد تقي العثماني ،نجل سماحة شيخنا المفتي الأكبر مولانا محمد شفيع مد ظله العالي في عافية وسرور.

فقام ذاك النجل الوارث الألمعي بتحقيق هذا الكتاب والتعليق عليه،بما يستكمل غاياته ومقاصده،ويتم فرائده و فوائده ، في ذوق علمي رفيع ،وتنسيق فني طباعي بديع، مع أبهى حلة من جمال الطباعة الحديثة الراقية فجاء المجلد الأول منه تحفة علمية رائعة. تتجلى فيها خدمات المحقق اللوذعي لقاحة باكستان فاستحق بهذا الصنيع العلمي الرائع: شكر طلبة العلم والعلماء.

کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی کتاب شرح صحیح مسلم جس کا نام **فتح الملهم بشرح صحيح مسلم** اس کی تکمیل سے قبل ہی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ تو ضروری تھا کہ آپ کے کام اور اس حسن کارکردگی کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں اسی بناء پر ہمارے شیخ، علامہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ نے ذہین وذکی فرزند، محدث جلیل، فقیہ، ادیب واریب مولانا محمد تقی عثمانی کی اس سلسلہ میں ہمت وکوشش کو ابھارا کہ **فتح الملهم شرح مسلم** کی تکمیل کرے، کیونکہ آپؒ حضرت شیخ شارح شبیر احمد عثمانیؒ کے مقام اور حق کو خوب جانتے تھے اور پھر اس کو بھی بخوبی جانتے تھے کہ اس باکمال فرزند کے ہاتھوں ان شاء اللہ یہ خدمت کما حقہ انجام کو پہنچے گی۔

اسی طرح عالم اسلام کی مشہور فقہی شخصیت ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی "**تكملة فتح الملهم**" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد ادخر القدر فضل اكماله وإتمامه – إن شاء الله – لعالم

جليل من أسره علم و فضل "ذرية بعضها من بعض " هو الفقيه ابن الفقيه ،صديقنا العلامة الشيخ محمد تقى العثمانى ،بن الفقيه العلامة المفتى مولانامحمدشفيع رحمه الله وأجزل مثوبته ،و تقبله فى الصالحين .

وقد أتاحت لى الأقدار أن أتعرف عن كثب على الأخ الفاضل الشيخ محمد تقى، فقد التقيت به فى بعض جلسات الهيئة العليا للفتوى والرقابة الشرعية للمصارف الإسلامية ،ثم فى جلسات مجمع الفقه الإسلامى العالمى ، وهو يمثل فيه دولة باكستان، ثم عرفته أكثر فأكثر ، حين سعدت به معى عضوا فى الهيئة الشرعية لمصرف فيصل الإسلامى بالبحرين ، والذى له فروع عدة فى باكستان .

وقد لمست فيه عقلية الفقيه المطلع على المصادر،المتمكن من النظر والاستنباط،القادر على الاختيار والترجيح ،والواعى لما يدور حوله من أفكار و مشكلات – أنتجها

هذا العصر الحريص على أن تسود شريعة الاسلام وتحكم فى ديار المسلمين .

ولا ريب أن هذه الخصائص تجلت فى شرحه لصحيح مسلم ، وبعبارة أخرى : فى تكملته لفتح الملهم .

فقد وجدت فى هذا الشرح :حسن المحدث ، وملكة الفقيه ،وعقلية المعلم، وأناة القاضى،ورؤية العالم المعاصر،جنبا إلى جنب.

ومما يذكر له هنا: أنه لم يلتزم بأن يسير على نفس طريقة شيخه العلامة شبير أحمد، كما نصحه بذلك بعض احبابه، وذلك لوجوه وجيهة ذكرها فى مقدمته.

ولا ريب أن لكل شيخ طريقته وأسلوبه الخاص، الذى يتأثر بمكانه وزمانه وثقافته، وتيارات الحياة من حوله. ومن التكلف الذى لايحمد محاولة العالم أن يكون نسخة من غيره، وقد خلقه الله مستقلا.

لقد رأيت شروحا عدة لصحيح مسلم، قديمة وحديثة، ولكن هذا الشرح للعلامة محمد تقى هو أولاها بالتنويه، وأوفاها بالفوائد والفرائد، وأحقها بأن يكون هو (شرح العصر) للصحيح الثانى.

فهو موسوعة بحق، تتضمن بحوثا وتحقيقات حديثية، وفقهية ودعوية وتربوية. وقد هيأت له معرفته بأكثر من لغة، ومنها الإنجليزية، وكذلك قراءته لثقافة العصر، واطلاعه على كثير من تياراته الفكرية، أن يعقد مقارنات شتى بين أحكام الإسلام وتعاليمه من ناحية، وبين الديانات والفلسفات والنظريات المخالفة من ناحية أخرى وأن يبين هنا أصالة الإسلام وتميزه الخ–

انہوں نے فرمایا کہ مجھے ایسے مواقع میسر ہوئے کہ میں برادر فاضل شیخ محمد تقی کو قریب سے پہچانوں۔ بعض فتوؤں کی مجالس اور اسلامی محکموں کے نگراں شعبوں میں آپ سے ملاقات ہوئی پھر مجمع الفقہ الاسلامی کے جلسوں میں بھی ملاقات کے مواقع آتے رہے، آپ اس مجمع میں پاکستان کی نمائندگی فرماتے ہیں۔ الغرض اس طرح میں آپ کو قریب سے جانتا رہا اور پھر یہ تعارف بڑھتا ہی چلا گیا جب میں آپ کی ہمراہی سے فیصل اسلامی بینک (بحرین) میں سعادت مند ہوا آپ وہاں ممبر منتخب ہوئے تھے جس کی پاکستان میں بھی کئی شاخیں ہیں۔

تو میں نے آپ میں فقہی سمجھ خوب پائی اس کے ساتھ مصادر و مآخذ فقہیہ پر بھرپور اطلاع اور فقہ میں نظر و فکر اور استنباط کا ملکہ اور ترجیح و اختیار پر خوب قدرت محسوس کی۔

اس کے ساتھ آپ کے اردگرد جو خیالات ونظریات اور مشکلات منڈلا رہی ہیں جو اس زمانے کا نتیجہ ہیں ان میں بھی سوچ سمجھ رکھنے والا پایا اور آپ ماشاء اللہ اس بات پر حریص رہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی بالا دستی قائم ہو اور مسلمان علاقوں میں اس کی حاکمیت کا دور دورہ ہو اور بلاشبہ آپ کی یہ خصوصیات آپ کی شرح صحیح مسلم (تکملہ فتح الملہم میں خوب نمایاں اور روشن ہے۔

میں نے اس شرح کے اندر ایک محدث کا شعور، فقیہ کا ملکہ، ایک معلم کی ذکاوت، ایک قاضی کا تدبر اور ایک عالم کی بصیرت محسوس کی ۔ میں نے صحیح مسلم کی قدیم وجدید بہت سی شروح دیکھی ہیں لیکن یہ شرح تمام شروح میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور قابل استفادہ ہے، یہ جدید مسائل کی تحقیقات میں موجودہ دور کا فقہی انسائکلو پیڈیا ہے اور ان سب شروح میں زیادہ حق دار ہے کہ اس کو صحیح مسلم کی اس زمانے میں سب سے عظیم شرح قرار دی جائے۔

یہ شرح قانون کو وسعت سے بیان کرتی ہے اور سیر حاصل ابحاث اور جدید تحقیقات اور فقہی، دعوتی، تربیتی مباحث کو خوب شامل ہے۔ اس کی تصنیف میں حضرت مؤلف کو کئی زبانوں سے ہم آہنگی خصوصاً انگریزی سے معرفت کام آئی ہے اسی طرح زمانے کی تہذیب وثقافت پر آپ کا مطالعہ اور بہت سی فکری رجحانات پر اطلاع وغیرہ میں بھی آپ کو دسترس ہے۔ ان تمام چیزوں نے آپ کے لئے آسانی کردی کہ اسلامی احکام اور اس کی تعلیمات اور دیگر عصری تعلیمات اور فلسفے اور مخالف نظریات کے درمیان فیصلہ کن رائے دیں اور ایسے مقامات پر اسلام کی خصوصیات اور امتیاز کو اجاگر کریں۔

احقر بھی جامعہ دارالعلوم کراچی کا خوشہ چین ہے اور بحمد اللہ اساتذۂ کرام کے علمی دروس اور اصلاحی مجالس سے استفادے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ان مجالس کی افادیت کو عام کرنے کے لئے خصوصی انتظام کے تحت گذشتہ ستائیس (۲۷) سالوں سے ان دروس ومجالس کو آڈیو کیسٹس میں ریکارڈ بھی کر رہا ہے۔ اس وقت سمعی مکتبہ میں اکابر کے بیانات اور دروس کا ایک بڑا ذخیرہ احقر کے پاس جمع ہے، جس سے ملک وبیرون ملک وسیع پیمانے پر

استفادہ ہو رہا ہے؛ خاص طور پر درس بخاری کے سلسلے میں احقر کے پاس اپنے دو اساتذہ کے دروس موجود ہیں۔

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس بخاری جو دو سو کیسٹس میں محفوظ ہے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا درس حدیث تقریباً تین سو کیسٹس میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔

انہیں کتابی صورت میں لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ کیسٹ سے استفادۂ عام مشکل ہوتا ہے، خصوصاً طلبا کرام کے لئے وسائل وسہولت نہ ہونے کی بناء پر سمعی بیانات کو خریدنا اور پھر حفاظت سے رکھنا ایک الگ مسئلہ ہے جب کہ کتابی شکل میں ہونے سے استفادہ ہر خاص وعام کے لئے سہل ہے۔

چونکہ جامعہ دار العلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹/ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیثؒ کا حادثۂ وفات پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مؤرخہ ۴/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اُسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے۔ انہی لمحات سے استاذ محترم کی مؤمنانہ نگاہوں نے تاک لیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں موجود ہونا چاہئے، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لا کر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، جس پر اس کام (انعام الباری) کے ضبط وتحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کیسٹ میں بات منہ سے نکلی اور ریکارڈ ہوگئی اور بسا اوقات سبقت لسانی کی بناء پر عبارت آگے پیچھے ہو جاتی ہے (فالبشر یخطیء) جن کی تصحیح کا ازالہ کیسٹ میں ممکن نہیں۔ لہٰذا اس وجہ سے بھی اسے کتابی شکل دی گئی تاکہ حتی المقدور غلطی کا تدارک ہو سکے۔ آپ کا یہ ارشاد اس حزم واحتیاط کا آئینہ دار ہے جو سلف سے منقول ہے'' کہ سعید بن جبیرؒ کا بیان ہے کہ شروع میں سیدنا حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے آموختہ سننا چاہا تو میں گھبرایا، میری اس کیفیت کو دیکھ کر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

أو ليس من نعمة الله عليک أن تحدث و أنا شاهد فإن اصبت فذاک و إن اخطأت علمتک .

(طبقات ابن سعد: ص: ۱۷۹، ج: ۶ و تدوین حدیث: ص: ۱۵۷)

کیا حق تعالیٰ کی یہ نعمت نہیں ہے کہ تم حدیث بیان کرو اور میں موجود ہوں، اگر صحیح طور پر بیان کرو گے تو اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے اور اگر غلطی کرو گے تو میں تم کو بتادوں گا۔

اس کے علاوہ بعض بزرگان دین اور بعض احباب نے سمعی مکتبہ کے اس علمی اثاثے کو دیکھ کر اس خواہش

کا اظہار کیا کہ درس بخاری کو تحریری شکل میں بھی پیش کیا جائے اس سے استفادہ مزید سہل ہوگا'' درس بخاری'' کی یہ کتاب بنام ''انعام الباری'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی کاوش کا ثمرہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلام حفظہ اللہ کو بھی احقر کی اس محنت کا علم اور احساس ہے اور احقر سمجھتا ہے کہ بہت سی مشکلات کے باوجود اس درس کی سمعی ونظری تکمیل وتحریر میں پیش رفت حضرت ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

احقر کو اپنی تہی دامنی کا احساس ہے یہ مشغلہ بہت بڑا علمی کام ہے، جس کے لئے وسیع مطالعہ، علمی پختگی اور استحضار کی ضرورت ہے، جبکہ احقر ان تمام امور سے عاری ہے، اس کے باوجود ایسی علمی خدمت کے لئے کمربستہ ہونا صرف فضل الٰہی، اپنے مشفق اساتذہ کرام کی دعاؤں اور خاص طور پر موصوف استاد محترم دامت برکاتہم کی نظر عنایت، اعتماد، توجہ، حوصلہ افزائی اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

ناچیز مرتب کو مراحل ترتیب میں جن مشکلات ومشقت سے واسطہ پڑا وہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے اور ان مشکلات کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ کسی موضوع پر مضمون وتصنیف لکھنے والے کو یہ سہولت رہتی ہے کہ لکھنے والا اپنے ذہن کے مطابق بنائے ہوئے خاکہ پر چلتا ہے، لیکن کسی دوسرے بڑے عالم اور خصوصاً ایسی علمی شخصیت جس کے علمی تبحر وبرتری کا معاصر مشاہیر اہل علم وفن نے اعتراف کیا ہو ان کے افادات اور دقیق فقہی نکات کی ترتیب ومراجعت اور تعیین عنوانات مذکورہ مرحلہ سے کہیں دشوار وکٹھن ہے۔ اس عظیم علمی اور تحقیقی کام کی مشکلات مجھ جیسے طفل مکتب کے لئے کم نہ تھیں، اپنی بے مائیگی، نااہلی اور کم علمی کی بناء پر اس کے لئے جس قدر دماغ سوزی اور عرق ریزی ہوئی اور جو محنت وکاوش کرنا پڑی مجھ جیسے نااہل کے لئے اس کا تصور بھی مشکل ہے البتہ فضل ایزدی ہر مقام پر شامل حال رہا۔

یہ کتاب ''انعام الباری'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ سارا مجموعہ بھی بڑا قیمتی ہے، اس لئے کہ حضرت استاذ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے جو تبحر علمی عطا فرمایا وہ ایک دریائے ناپید کنارہ ہے، جب بات شروع فرماتے ہیں تو علوم کے دریا بہنا شروع ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت مطالعہ اور عمق فہم دونوں سے نوازا ہے، اس کے نتیجہ میں حضرت استاذ موصوف کے اپنے علوم ومعارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ وعطر ہے وہ اس مجموعہ انعام الباری میں دستیاب ہے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کی فقہی آراء وتشریحات، ائمہ اربعہ کی موافقات ومخالفات پر محققانہ مدلل تبصرے علم وتحقیق کی جان ہیں۔

یہ کتاب (صحیح بخاری) ''کتاب بدء الوحی سے کتاب التوحید'' تک مجموعی کتب ۹۷، احادیث ''۷۵۶۳'' اور ابواب ''۳۹۳۰'' پر مشتمل ہے، اسی طرح ہر حدیث پر نمبر لگا کر احادیث کے مواضع ومتکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے کہ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں [انظر] نمبروں کے ساتھ اور اگر حدیث گزری ہے تو [راجع] نمبروں کے ساتھ نشان لگادیئے ہیں۔

بخاری شریف کی احادیث کی تخریج **الکتب التسعة** (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطاء مالک، سنن الدارمی اور مسند احمد) کی حد تک کر دی گئی ہے، کیونکہ بسا اوقات ایک ہی حدیث کے الفاظ میں جو تفاوت ہوتا ہے ان کے فوائد سے حضرات اہل علم خوب واقف ہیں، اس طرح انہیں آسانی ہوگی۔

قرآن کریم کی جہاں جہاں آیات آئی ہیں ان کے حوالہ معہ ترجمہ، سورۃ کا نام اور آیتوں کے نمبر ساتھ ساتھ دیدیئے گئے ہیں۔ شروح بخاری کے سلسلے میں کسی ایک شرح کو مرکز نہیں بنایا بلکہ حتی المقدور بخاری کی مستند اور مشہور شروح کو پیش نظر رکھا گیا، البتہ مجھ جیسے مبتدی کے لئے **عمدۃ القاری** اور **تکملة فتح الملهم** کا حوالہ بہت آسان ثابت ہوا۔ اس لئے جہاں **تکملہ فتح الملهم** کا کوئی حوالہ مل گیا تو اسی کو حتمی سمجھا گیا۔

رب متعال حضرت شیخ الاسلام کا سایہ عاطفت عافیت وسلامت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے، جن کا وجود مسعود بلاشبہ اس وقت ملت اسلامیہ کے لئے نعمت خداوندی کی حیثیت رکھتا ہے اور امت کا عظیم سرمایہ ہے اور جن کی زبان وقلم سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن وحدیث اور اجماع امت کی صحیح تعبیر وتشریح کا اہم تجدیدی کام لیا ہے۔

رب کریم اس کاوش کو قبول فرما کر احقر اور اس کے والدین اور جملہ اساتذۂ کرام کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، جن حضرات اور احباب نے اس کام میں مشوروں، دعاؤں یا کسی بھی طرح سے تعاون فرمایا ہے، مولائے کریم اس محنت کو ان کے لئے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے اور خاص طور پر استاد محترم شیخ القرأ حافظ قاری مولانا عبدالملک صاحب حفظہ اللہ کو فلاح دارین سے نوازے جنہوں نے ہمہ وقت کتاب اور حل عبارات کے دشوار گزار مراحل کو احقر کے لئے سہل بنا کر لائبریری سے بے نیاز رکھا۔

صاحبان علم کو اگر اس درس میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت وتحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط ونقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور از راہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ جل جلالہ اسلاف کی ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور "انعام الباری" کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے تا کہ علم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین . و ما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل ومتخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۳ ررجب المرجب ۱۴۴۰ھ بمطابق ۲۱ رمارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعرات

كتاب التفسير

–حصه أول–

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۶۵ - کتاب التفسیر

تفسیر کا تعارف

لفظ **"تفسیر"** دراصل **"فسر"** سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں **"کھولنا"**، اس علم میں چونکہ قرآن کریم کے مفہوم کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے، اس لئے اسے "علمِ تفسیر" کہتے ہیں۔

چنانچہ قدیم زمانے میں تفسیر کا اطلاق قرآن کریم کی تشریح پر ہی ہوتا تھا، اور عہدِ رسالت ﷺ سے قرب اور علوم کے اختصار کی بناء پر اس علم میں زیادہ شاخیں نہیں تھیں۔

لیکن جب اس نے باقاعدہ ایک مدوّن علم کی صورت اختیار کی اور مختلف پہلوؤں سے اُس کی خدمت کی گئی تو یہ ایک انتہائی وسیع اور پہلودار علم بن گیا، اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق اس میں تفصیلات کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اب علم تفسیر جن تفصیلات کو شامل ہے اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

"علم يبحث فيه عن كيفية النطق بالفاظ القرآن ومدلولاتها واحكامها الافرادية والتركيبية ومعانيها التي تحمل عليها حالة التركيب وتتمات لذلك". [۱]

یعنی علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظِ قرآن کی ادائیگی کے طریقے، اُن کے مفہوم، اُن کے افرادی اور ترکیبی احکام اور اُن معانی سے بحث کی جاتی ہے جو اُن الفاظ سے ترکیبی حالت میں مراد لئے جاتے ہیں، نیز اُن معانی کا تکملہ، ناسخ و منسوخ، شانِ نزول اور مبہم قصوں کی توضیح کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔

تفسیر اور تاویل

قدیم زمانے میں "تفسیر" کے لئے ایک اور لفظ "تاویل" بھی بکثرت استعمال ہوتا تھا اور خود قرآن کریم نے بھی اپنی تفسیر کے لئے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے:

---

[۱] رُوح المعاني، للعلامة آلوسي رحمه الله، ج: ۱، ص: ۴، وعلوم القرآن، ص: ۳۲۳

﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ إِلَّا اللّٰهُ﴾ [۲]

ترجمہ: حالانکہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس لئے بعد کے علماء میں یہ بحث چھڑ گئی کہ آیا یہ دونوں لفظ بالکل ہم معنی ہیں، یا ان میں کچھ فرق ہے؟

امام ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ بالکل مرادف ہیں اور دوسرے حضرات نے ان دونوں میں فرق بیان کرنے کی کوشش کی ہیں، لیکن دونوں میں فرق بتانے کے لئے اتنی مختلف آراء ظاہر کی گئی ہیں کہ ان سب کو نقل کرنا بھی مشکل ہے۔ [۳]

کتاب التفسیر کا آغازِ حقیقی

﴿الرحمٰن الرحیم﴾: أسمان من الرحمة. الرحیم والراحم بمعنی واحد، کالعلیم والعالم.

ترجمہ: رحمٰن اور رحیم دونوں رحمت سے بنے ہیں، اور دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی مہربان جیسے علیم اور عالم کے ایک معنی ہیں جاننے والا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر کا حقیقی آغاز "**الرّحمٰن والرّحیم**" سے شروع کیا ہے۔

"رحمن" اور "رحیم" میں فرق

"**رحمن**" اور "**رحیم**" دونوں لفظ "**رحمت**" سے بنے ہیں اور دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی "مہربان" جیسے "**علیم**" اور "**عالم**" کے ایک ہی معنی ہیں یعنی "جاننے والا"۔

بعض حضرات مفسرین کہتے ہیں کہ "**الرحمٰن الرحیم**" دونوں ایک ہی معنی میں ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جبکہ دوسرے حضرات نے فرق بیان کیا کہ "**راحم**" میں معنی حدوث پائے جاتے ہیں اور "**رحیم**" کے معنی میں ثبوت ہے۔

---

[۲] [آل عمران: ۷]

[۳] الاتقان للسیوطی، ص: ۱۷۳، ج: ۲ ۔ ماخوذ از علوم القرآن، ص: ۳۲۵

"راحم" اس وقت کہا جائے گا کہ جب آدمی رحم کر رہا ہو، اور "الرحیم" یہ صفت مشبہ ہے اس کے معنی ہیں کہ رحم اس کی صفت ہے اور وہ عام طور سے رحم کرتا ہے، دونوں میں یہ فرق ہے۔

"کالعلیم والعالم" اور **"الرحمٰن"** اور **"الرحیم"** میں بہت سے لوگوں نے فرق بیان کئے ہیں، اس میں راجح یہ ہے کہ **"رحمٰن"** کے معنی ہیں **"عام الرحمة"** اور **"رحیم"** کے معنی ہے **"تام الرحمة"**۔

"رحمٰن" میں مبالغہ ہے، **"رحیم"** میں بھی مبالغہ ہے لیکن **"رحمٰن"** میں بحیثیت عموم کے مبالغہ ہے، یعنی جو سب کے لئے رحم والا ہے اور **"رحیم"** کے معنی ہیں **"تام الرحمة"** یعنی نفس رحمت کے اندر مبالغہ ہے کہ نفس رحمت اس کی زائد اور تام ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ **"رحمٰن الدنیا ورحیم الآخرة"** کہ دنیا کے اندر رحمٰن اور آخرت میں رحیم۔

دنیا کے واسطے رحمٰن اس واسطے کہ یہاں جو اس کی رحمت ہے اس میں مؤمن و کافر سب شامل ہیں جیسے مؤمن کو دے رہا ہے اسی طرح کافر کو بھی دے رہا ہے، تو رحمت عام ہے، اور آخرت میں رحیم ہے کہ وہ رحمت کافروں کیلئے نہیں ہے لیکن جنتی مسلمانوں کیلئے ہے وہ تام ہے وہ رحمت تام ہے۔ [۲۴]

[۲۴] الرحمٰن لجمیع الخلق، والرحیم للمؤمنین، وقیل: رحمٰن الدنیا ورحیم الآخرة. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۱۳

(۱) سورة الفاتحة

سورۂ فاتحہ کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) باب ما جاء فی فاتحة الکتاب

سورہ فاتحہ کی تفسیر اور فضیلت کا بیان

وسمیت أم الکتاب: أنه یبدأ بکتابتها فی المصاحف. ویبدأ بقراء تها فی الصلاة.
﴿الدّین﴾: الجزاء فی الخیر والشر، کما تَدین تُدان. وقال مجاهد: ﴿بالدِّین﴾ [الماعون: ۱]: **بالحساب. ﴿مَدِینِیْنَ﴾** [الواقعة: ۸۱]: **محاسبین.**

ترجمہ: اس (سورۃ الفاتحہ) کو ام الکتاب بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ سب سورتوں سے پہلے لکھی جاتی ہے اور نماز میں بھی سب سے پہلے اسی کو پڑھتے ہیں، اور "**الدّین**" کے معنی ہیں "**الجزاء**" یعنی بدلہ اچھا ہو یا برا ہو، جس طرح کہتے ہیں کہ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **﴿بالدِّین﴾** کے معنی حساب کے ہیں، اسی طرح **﴿مَدِینِیْنَ﴾** کے معنی ہیں حساب کئے گئے۔

اُمّ الکتاب کی وجہ تسمیہ

امام بخاری رحمہ اللہ آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "**وسمیت أم الکتاب**" سورۃ الفاتحہ کا نام "**أم الکتاب**" بھی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ام الکتاب کی وجہ تسمیہ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ "**انه یبدأ بکتابتها فی المصاحف ویبدأ بقراء تها فی الصلوٰة**" مصحف میں سب سے پہلے اسی کو لکھنا شروع کیا گیا اور نماز میں قرأت بھی اسی سے شروع کی جاتی ہے۔

کیونکہ "**ام**" سے آغاز ہوتا ہے، پھر بچے پیدا ہوتے ہیں تو "**ام**" سے ہوتے ہیں، اس لئے ابتداء اس

سے کی گئی اسی لئے اس کو "ام الکتاب" کہا گیا۔

دوسرے حضرات نے "ام الکتاب" کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ "ام" جو ہے وہ اصل / بنیاد کو کہتے ہیں، اور سارا قرآن کریم درحقیقت سورۃ فاتحہ کی تفسیر ہے، کیونکہ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ اس میں کہا گیا اور صراط مستقیم کی ہدایت مانگی گئی تو پورا قرآن کریم اس کا جواب ہے کہ صراط مستقیم یہ ہے۔

تو یوں سورۃ الفاتحہ "ام الکتاب" ہوئی اور پورا قرآن مجید اس کا تشریح وتفسیر ہوا۔

سورۃ الفاتحہ کے مختلف دیگر اسماء اور وجوہِ تسمیہ

شارحِ بخاری علامہ بدر عینی رحمہ اللہ نے سورۃ الفاتحہ کے تیرہ اسماء بیان کئے ہیں:

۱ – **فاتحة الكتاب**: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی ابتداء اسی سورت سے ہوتی ہے، اور بعض حضرات اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نزول کے اعتبار سے بھی یہ سب سے پہلی سورت ہے۔

۲ – **ام القرآن**: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ام اصل کو کہتے ہیں۔ ام کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔

۳ – **سورۃ الکنز**: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ کنز اس خزانہ اور مال کو کہتے ہیں جو حفاظت کی غرض سے زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے اور قرآن کریم کے خزائن اسی سورت میں پوشیدہ ہیں۔

۴ – **سورۃ الوافیة**: اس لئے کہتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ کی نماز میں دورانِ قرأت دوسری سورتوں کی طرح تنصیف وتقسیم نہیں ہوتی بلکہ اس سورت کو نماز میں مکمل پڑھا جاتا ہے، اور قرآن کریم کے سارے مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بھی کہا جاتا ہے۔

۵ – **سورۃ الحمد**: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد سے ہوتی ہے۔

۶ – **سورۃ الصلاۃ**: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہر نماز میں اس کی تلاوت ہوتی ہے۔

۷ – **السبع مثانی**: یہ دو الفاظ کا مرکب ہے۔

سبع اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ کے اندر بالاتفاق سات آیات ہیں۔

مثانی، مثنیٰ کی جمع ہے معنی ہے مکرر بار بار کی ہوئی چیز، سورۃ الفاتحہ کو مثانی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے یا اس وجہ سے کہتے کہ اس سورۃ کا نزول دو مرتبہ ہوا ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں فرضیت نماز کے وقت اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں تحویل قبلہ کے وقت ہوا۔ [۵]

---

۵ ((مثانی)) فقیل لأنها تثنی فی کل رکعة أی تعاد. فتح الباری، ج:۸، ص: ۱۵۸

۸ - **سورة الشفاء والشافية**: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں شفاء ہے۔
حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ سورۃ الفاتحہ میں ہر بیماری کا علاج ہے۔[۶]
۹ - **سورة الكافية**: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ تمام قرآن کے مضامین کو احاطہ کرتی ہے۔
۱۰ - **سورة الأساس**: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ قرآن کی اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔
۱۱ - **سورة السؤال**: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں بندہ اپنے رب سے سوال کرتا ہے۔
۱۲ - **سورة الشكر**: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں جو اللہ رب العزت کی حمد و تعریف بیان کی گئی یہ تعریف اللہ رب العزت کی نعمت ربوبیت اور رحمت کے مقابلہ میں بیان کی گئی ہے۔
۱۳ - **سورة الدعاء**: اس سورۃ میں ہدایت و نیکی کے راستے پر چلنے کی دعاء مانگی گئی ہے، **﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾** اس وجہ سے اس کو سورۃ الدعاء بھی کہتے ہیں۔[۷]

"﴿الدين﴾: الجزاء في الخير والشر، كما تَدين تُدان"

اس کے معنی ہیں **"الجزاء في الخير والشر"** یعنی بدلے کو کہتے ہیں چاہے وہ بدلہ اچھا ہو یا برا، یعنی سزا ہو یا جزاء ہو۔

اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ **"كما تَدين تُدان"** یعنی جیسا کرے گا ویسا بھرے گا، یہ اسی سے ہے۔
لہٰذا اگر کسی کو سزا دی جا رہی ہے تو اس کو بھی کہا جائے گا **"دين"** یعنی اس کو سزا دی گئی۔

"وقال مجاهد: بالدين بالحساب ﴿مدينين﴾: محاسبين."

اب **"مالك يوم الدين"** سے منتقل ہو گئے **"اريت الذى يكذب بالدين"** کی طرف۔ اس کی تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کر دی کہ **"بالدين"** کے معنی ہیں **"بالحساب الذى يكذب بالدين يكذب بالحساب"** تو دین یہاں حساب کے معنی میں آیا ہے، **"غير مدينين"** اب اس کی طرف منتقل ہو گئے، اس کے معنی ہیں۔ محاسبین یعنی جن کا حساب لیا جائے گا۔

۴۴۷۴ - حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن شعبة، قال: حدثني خبيب بن عبد الرحمن، عن حفص بن عاصم، عن أبي سعيد بن المعلى قال: كنت أصلي في المسجد فدعاني رسول الله ﷺ فلم أجبه فقلت: يا رسول الله، إني كنت أصلي فقال: ((ألم يقل الله:

---

[۶] أخبرنا قبيصة، أخبرنا سفيان، عن عبد الملك بن عمير، قال: قال رسول الله ﷺ: ((في فاتحة الكتاب شِفَاءٌ من كُلِّ داءٍ)). سنن الدارمي، كتاب فضائل القرآن، باب: فضل فاتحة الكتاب، رقم: ۳۳۱۳

[۷] عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۰۳

﴿اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ [الأنفال: ۲۴؟]) ثم قال لی: ((لأعلمنک سورة هی أعظم السور فی القرآن قبل أن تخرج من المسجد)). ثم أخذ بیدی فلما أراد أن یخرج قلت له: ألم تقل: ((لأعلمنک سورة هی أعظم سورة فی القرآن؟)) قال: ((﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ هی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی أوتیته)). [أنظر: ۴۶۴۷، ۴۷۰۳، ۵۰۰۶] ۸

ترجمہ: عاصم بن حفص رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید بن معلیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں ایک دن نماز ادا کر رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے طلب فرمایا، میں نماز سے فارغ ہوکر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نماز میں تھا، اس لئے حاضر ہونے میں تاخیر ہوئی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ تعالی نے یہ حکم نہیں دیا کہ

﴿اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائے تم کو۔ ۹

پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبل اس سے کہ میں مسجد سے جاؤں تم کو قرآن پاک کی ایک ایسی سورت بتاؤں گا جو ثواب کے لحاظ سے سب سے بڑی ہے، پھر آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور باہر جانے لگے، میں نے یاددہانی کرائی، تو ارشاد فرمایا کہ وہ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ہے، اور اس میں سات آیات ہیں، اس کو ہر رکعت میں پڑھتے ہیں، ان آیات کو سبع مثانی کہتے ہیں اور یہی قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا۔

---

۸ وفی سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب فاتحة الکتاب، رقم: ۱۴۵۸، وسنن النسائی، کتاب الافتتاح، باب تأویل قول الله عزوجل: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ [الحجر: ۸۷]، رقم: ۹۱۳، وسنن ابن ماجه، کتاب الأدب، باب ثواب القرآن، رقم: ۳۷۸۵، ومسند أحمد، مسند المکیین، حدیث ابی سعید بن المعلیٰ عن النبی ﷺ، رقم: ۱۷۸۵۱، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب أم القرآن: هی سبع المثانی، رقم: ۱۵۳۳، ومن کتاب فضائل القرآن، باب: فضل فاتحة الکتاب، رقم: ۳۴۱۴

۹ [یعنی خدا اور رسول تم کو جس کام کی طرف دعوت دیتے ہیں (مثلاً جہاد وغیرہ) اس میں از سرتا پا تمہاری بھلائی ہے۔ ان کا دعوتی پیغام تمہارے لئے دنیا میں عزت و اطمینان کی زندگی اور آخرت میں حیات ابدی کا پیغام ہے، پس مؤمنین کی شان یہ ہے کہ خدا اور رسول کی پکار پر فوراً لبیک کہیں، جس وقت وہ جدھر بلائیں سب اشغال چھوڑ کر ادھر ہی پہنچیں۔ یعنی حکم بجالانے میں دیر نہ کرو، شاید تھوڑی دیر بعد دل ایسا نہ رہے اپنے دل پر آدمی کا قبضہ نہیں بلکہ دل خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جدھر چاہے پھیر دے۔ بیشک وہ اپنی رحمت سے کسی کا دل ابتداءً نہیں روکتا نہ اس پر مہر کرتا ہے۔ ہاں جب بندہ امتثال احکام میں سستی اور کاہلی کرتا رہے تو اس کی جزا میں روک دیتا ہے۔ یا حق پرستی چھوڑ کر ضد وعناد کو شیوہ بنالے تو مہر کردیتا ہے۔ (فائدہ نمبر: ۲،۳، الانفال: ۲۴، ص: ۲۳۸ تفسیر عثمانی)]

حالتِ نماز میں نبی ﷺ کو جواب دینے کا مسئلہ

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب کسی مسلمان کو پکاریں تو اس پر جواب دینا فرض ہے، اگر چہ وہ نماز کی حالت میں ہو۔

حضور اقدس ﷺ کو جواب دینے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کا استدلال

اس روایت سے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ نماز کے دوران پکاریں تو نہ صرف یہ کہ جواب دینا جائز ہے بلکہ نماز فاسد بھی نہیں ہوگی۔ [۱۰]

اب یہ مسئلہ تو انتہاءِ نبوت سے ختم ہوگیا۔

حنفیہ کا قول

اصحابِ حنفیہ کہتے ہیں جواب دینا واجب ہے لیکن اسکے نتیجے میں نماز ختم ہو جائے گی، پھر سے اعادہ کرنا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز کے فساد کے بارے میں کوئی بات ارشاد نہیں فرمائی بلکہ یہ بتایا کہ جواب دینا چاہئے تھا۔ [۱۱]

یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے ابن جریج راہب کے سلسلے میں کہ ماں اگر پکارے تو جواب دینے کے بارے میں کیا حکم ہوگا۔ [۱۲]

عظیم سورت

"((لأعلمنک سورة هی أعظم سورة فی القرآن؟)) الخ"

---

[۱۰] فتح الباری، ج:۸، ص:۱۵۷

[۱۱] وقال صاحب (التوضیح): وصرح اصحابنا فقالوا: من خصائص النبی ﷺ، انه لو دعا انساناً وهو فی الصلاة وجب علیه الاجابة ولاتبطل صلاته. عمدة القاری، ج: ۵، ص: ۲۰۶

[۱۲] ام جریج کے واقعے کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب العمل فی الصلاة، باب من رجع القهقری فی الصلاة او تقدم بامر ینزل به، ج:۴، ص: ۳۶۵ تا ۳۶۳

سب سے عظیم سورۃ کس لحاظ سے ہے؟

بعض نے کہا اس کا ثواب عظیم ہے، بعض نے کہا کہ اس کا درجہ عظیم ہے۔

جن لوگوں نے کہا کہ ثواب عظیم ہے، اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی ایک آیت کو دوسری آیت پر کوئی فضیلت نہیں دی جا سکتی، درجہ کے اعتبار سے سارا قرآن برابر ہے۔ ہاں ثواب میں اللہ جل جلالہ فرق عطا فرماتے ہیں کہ ایک سورۃ کی تلاوت پر زیادہ ثواب ہو اور دوسری سورۃ کے تلاوت پر کم ثواب ہو، تو یہ ہو سکتا ہے لیکن درجہ میں سب مساوی ہیں۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ درجات میں بھی فرق ہے، وہ کہتے ہیں کہ اعظم سورۃ کے معنی یہ ہیں کہ یہ درجہ کے اعتبار سے دوسری سورتوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ [۱۳]

سبع مثانی سے مراد

"هي السبع المثاني والقرآن العظيم الذى أوتيته"

اس ارشاد سے اشارہ فرمایا اس آیت کریمہ کی طرف کہ

﴿وَلَقَدْ آتَيْنٰكَ سَبْعاً مِنَ الْمَثَانِي، وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ [۱۴]

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں، اور عظمت والا قرآن عطا کیا۔

اشارہ اس بات کی طرف فرما دیا کہ **"السبع المثانی"** سے مراد یہ سورۂ فاتحہ ہے یعنی وہ سات آیتیں جو بار بار نمازوں کے اندر پڑھی جاتی ہیں اور وہ یہی سورۂ فاتحہ ہے۔

سات آیتوں پر کون کونسی سورتیں مشتمل ہیں؟

---

[۱۳] قوله: ((أعظم سورة فى القرآن)) قال ابن بطال: يحتمل أن يكون أعظم بمعنى عظيم، وقال ابن التين: معناه أن ثوابها أعظم من غيرها، واستدل به على جواز تفضيل بعض القرآن على بعض، وقد منع ذلك الأشعرى وجماعة لأن المفضول ناقص عن درجة الأفضل، وأسماء الله وصفاته وكلامه لا نقص فيها، وأجيب عن هذا بأن الأفضلية من حيث الثواب والنفع للمتعبدين لا من حيث المعنى والصفة. عمدة القارى، ج:۱۸، ص: ۱۱۵

[۱۴] [الحجر:۸۷].

سارے قرآن میں صرف دو سورتیں ہیں جو سات آیتوں پر مشتمل ہیں:

ایک: **"سورة الفاتحه"** اور دوسری: **"سورة الماعون"**

ان میں سورۃ الفاتحہ کو ممتاز کرنے کے لئے مثانی فرمادیا کہ سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور جبکہ سورۂ الماعون بار بار نہیں پڑھی جاتی، لیکن سورۂ فاتحہ بار بار پڑھی جاتی ہے، اس واسطے اس کو سبع مثانی کہا گیا۔

آپ ﷺ نے یہ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ واؤ یہاں مغایرت کے لئے نہیں ہے سبع مثانی کوئی اور چیز ہو اور قرآن عظیم کوئی اور چیز ہو، بلکہ **"تعميم بعد التخصيص"** ہے۔

سورۃ فاتحہ کی فضیلت اور اس کے درجے کی وجہ سے اس کو پورے قرآن عظیم کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔ [۱۵]

(۲) باب: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ﴾

باب: "نہ کہ اُن لوگوں کے راستے جن پر غضب نازل ہوا، اور نہ اُن کے راستے جو بھٹکے ہوئے ہیں"۔

۴۴۷۵ - حدثنا عبدالله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن سمي، عن أبي صالح، عن أبي هريرة ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال: ((إذا قال الإمام: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ﴾ فقولوا: آمين، فمن وافق قوله قول الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه)). [راجع: ۷۸۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ، انہوں نے بیان کیا کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ﴾ کہے تو تم کو "آمین" کہنا چاہئے، جس کا آمین فرشتوں کے آمین سے مل جائیگا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

لفظ "غَیْر" کی تفصیل

لفظ "غَيْرِ" - ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کے "الذين" مضاف الیہ سے بدل ہونے کی بنا پر مجرور ہے اور یہی جمہور کی قرأت ہے اور "لا" نفی کی تاکید کے لئے ہے جو غیر سے مفہوم ہو رہا ہے تاکہ یہ وہم و گمان نہ ہو کہ **"الضَّآلِّين"** کا عطف **"انعمت عليهم"** پر ہے۔

---

[۱۵] عمدة القاری، ج:۱۸، ص:۱۱۶

(۲) سورة البقرہ
سورہ بقرہ کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نزول کے مختلف ادوار

یہ سورت ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد سب سے پہلے اس سورت کا نزول شروع ہوا اور مختلف اوقات میں مختلف آیتیں نازل ہوتی رہیں، یہاں تک کہ ربا یعنی سود کے متعلق جو آیات ہیں وہ آنحضرت ﷺ کی آخری عمر میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں اور اسی طرح اس سورت کی ایک آیت ﴿وَاتَّقُوا يَوْماً تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللهِ﴾ [۱۶]

تو قرآن حکیم کی آخری آیت ہے، جو ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں نازل ہوئی۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورت بقرہ ہے، چونکہ اس سورت میں ایک واقعہ کے متعلق بقرہ رگائے کا ذکر آیا ہے۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص عامیل نامی مارا گیا تھا اور اس کے قاتل معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ کون ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لوگوں سے فرمایا کہ **"اللہ جل جلالہ کا حکم یہ ہے کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا مردے پر مارو تو وہ جی اُٹھے گا، اور آپ اپنے قاتل کو بتادے گا"۔**

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس مردے کو زندہ کیا اور اس نے قاتل کو بتادیا کہ اس کے وارثوں نے ہی بطمع مال اس کو قتل کیا تھا۔ [۱۷]

---

[۱۶] [البقرة: ۲۸۱]

[۱۷] [سورة البقرة آیت ۶۷ تا ۷۳ میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔]

(۱) باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ [۳۱]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بیان کہ ”آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے“۔

ناموں سے مراد کائنات میں پائی جانے والی چیزوں کے نام، ان کی خاصیتیں اور انسان کو پیش آنے والی مختلف کیفیات کا علم ہے، مثلاً بھوک، پیاس، صحت اور بیماری وغیرہ۔

اگر چہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کی تعلیم دیتے وقت فرشتے بھی موجود تھے لیکن چونکہ ان کی فطرت میں ان چیزوں کی پوری سمجھ نہیں تھی اس لئے جب ان کا امتحان لیا گیا تو وہ جواب نہیں دے سکے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر انہیں باور کرادیا کہ جو کام اس نئی مخلوق سے لینا مقصود ہے وہ فرشتے انجام نہیں دے سکتے۔ [۱۸]

۴۴۷۶ - حدثنا مسلم: حدثنا هشام: حدثنا قتادة: عن أنس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ. وقال لی خليفة: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا سعيد، عن قتادة، عن أنس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: ((يجتمع المؤمنون يوم القيامة فيقولون: لو استشفعنا إلى ربنا، فيأتون آدم فيقولون: أنت أبو الناس، خلقك الله بيده وأسجد لك ملائكته و علمك أسماء كل شئ فاشفع لنا عند ربك حتى يريحنا من مكاننا هذا، فيقول: لست هناكم، ويذكر ذنبه فيستحى، ائتوا نوحاً فإنه أول رسول بعثه الله إلى أهل الأرض. فيأتونه فيقول: لست هناكم، ويذكر سؤاله ربه ماليس له به علم فيستحى، فيقول: ائتوا خليل الرحمن. فيأتونه فيقول: لست هناكم، ائتوا موسى عبدا كلمه الله وأعطاه التوراة. فيأتونه فيقول: لست هناكم، ويذكر قتل النفس بغير نفس فيستحى من ربه فيقول: ائتوا عيسى عبدالله ورسوله وكلمة الله وروحه، فيقول: لست هناكم، ائتوا محمدا ﷺ عبدا غفرالله له ما تقدم من ذنبه و ما تأخر. فيأتونى فانطلق حتى أستاذن على ربى فيؤذن، فإذا رأيت ربي وقعت ساجداً فيدعني ماشاء ثم يقال: ارفع رأسك وسل تعطه، وقل يسمع، واشفع تشفع. فأرفع رأسي فأحمده بتحميد يعلمنيه. ثم أشفع فيحد لى حدا فأدخلهم الجنة. ثم أعود إليه فإذا رأيت ربى، مثله، ثم أشفع فيحد لى حد فأدخلهم الجنة. ثم أعود إليه فإذا رأيت ربى، مثله، ثم أشفع فيحد لي حدا فأدخلهم

---

[۱۸] البقرة: ۳۱، صفحہ: ۵۵، ۵۴ - آسان ترجمہ قرآن

الجنة. ثم أعود إليه فإذا رأيت ربي، مثله، ثم أشفع فيحد لي حدا فأدخلهم الجنة. ثم أعود الرابعة فأقول: ما بقي في النار إلا من حبسه القرآن ووجب عليه الخلود)). قال أبوعبدالله: إلا من حبسه القرآن: يعني قول الله تعالى: ﴿خَالِدِيْنَ فِيْهَا﴾. [راجع: ۴۴]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز مسلمان آپس میں کہتے ہوں گے، کہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں کس کی سفارش لائی جائے، لہٰذا سب مل کر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، اور ان سے کہیں گے کہ آپ تمام انسانوں کے والد ہیں، اللہ ﷻ نے تمہیں خود اپنے ہاتھ سے بنایا، ملائکہ سے سجدہ کرایا، اور پھر تمام اشیاء کے نام آپ کو سکھائے، لہٰذا آپ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں ہم سب کی سفارش فرمائیں، تاکہ یہ مصیبت ختم ہو کر چین حاصل ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے، آج مجھے اپنا گناہ یاد آرہا ہے، مجھے پروردگار کی بارگاہ میں جاتے ہوئے حجاب معلوم ہوتا ہے، لہٰذا تم سب حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ ﷻ کی طرف سے زمین میں پہلے نبی بنائے گئے تھے۔ چنانچہ سب ان کی خدمت میں پہنچیں گے اور اپنی درخواست پیش کریں گے، وہ کہیں گے کہ آج مجھ میں یہ ہمت نہیں ہے، میں خود اس کی بارگاہ میں شرم محسوس کررہا ہوں، لہٰذا تم سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ، سب خلیل اللہ کے پاس پہنچیں گیا وران سے اپنی حاجت بیان کریں گے۔ وہ فرمائیں گے، میں اس قابل کہاں، تم سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ، وہ کلیم اللہ ہیں، خدا نے انہیں تورات دی ہے، تو سب لوگ حاضر خدمت ہوں گے۔ وہ کہیں گے کہ آج مجھ میں یہ ہمت نہیں ہے، مجھے ایک آدمی کے خون ناحق کا خیال بارگاہ الٰہی میں جانے سے مانع ہے، لہٰذا تم سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ روح اللہ ہیں، اللہ کے بندے، رسول اور کلمۃ اللہ ہیں، سب ان کے پاس جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں، تم سب محمد ﷺ کے پاس جاؤ، کہ اللہ ﷻ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرمادیئے ہیں۔ تو میں سب کو لے کر اللہ ﷻ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت چاہوں گا، اجازت ملنے پر سجدہ میں گر پڑوں گا اور جب تک خدا چاہے گا، سجدہ میں رہوں گا، حکم الٰہی ہوگا، اے محمد! سر کو سجدہ سے اٹھاؤ، مانگو کیا مانگتے ہو، ہم سنیں گے اور تمہاری سفارش قبول کریں گے، میں سر اٹھاؤں گا اور اللہ ﷻ کی وہ تعریف کروں گا جو مجھے اس کی طرف سے سکھائی جائے گی، اس کے بعد سفارش کروں گا جس کی حد مقرر کردی جائے گی۔ میں ایک گروہ کو بہشت میں داخل کر کے آؤں گا، پھر سجدہ میں گر جاؤں گا، اور وہی کیفیت ہوگی جو پہلے ہوئی تھی، پھر ایک گروہ کو بہشت میں داخل آؤں گا، پھر تیسری مرتبہ بھی داخل کروں گا، پھر چوتھی مرتبہ بھی سفارش کروں گا۔ پھر اپنے رب سے عرض کروں گا کہ اب تو وہی باقی رہ گئے ہیں، جن کو قرآن نے منع کیا ہے، اور وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوزخ میں وہ ہی لوگ ہمیشہ رہیں گے جن کے لئے قرآن میں

﴿خَالِدِيْنَ فِيْهَا﴾ وارد ہوا ہے۔

مقصود امام بخاری رحمہ اللہ

یہ حدیث، حدیث شفاعت ہے اور یہاں پر لانے کا منشأ صرف یہ جملہ ہے کہ روزِ قیامت جب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو کہیں گے کہ "**علمک اسماء کل شئی**" اور یہ اشارہ ہے ﴿**وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا**﴾ کی طرف۔

اور یہ بات آپ تفسیر کے اندر پڑھ چکے ہیں کہ اسماء کی تعلیم سے مراد جو جو چیزیں دنیا کے اندر پیش آنے والی تھیں ان کا علم اللہ ﷻ نے حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا کیونکہ وہ ابو البشر تھے تو بشر کو ضرورت تھی کہ دنیا میں آنے کے بعد اس کا علم حاصل کرے وہ دینا مقصود ہے۔

"**كُلَّهَا**"، جو ہے یہ "**كُل**" بمعنی اکثر کے ہے، یہ ضروری نہیں کہ جو چیز قیامت تک پیدا ہونے والی ہے وہ سب اس کے اندر مراد ہو۔ بالکل اسی طرح جیسے سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں دربار میں ہد ہد پرندے نے ملکہ بلقیس کے بارے میں خبر دی کہ

﴿**وَأُوْتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ**﴾ [19]

ترجمہ: اور اُس کو ہر طرح کا ساز و سامان دیا گیا ہے، اور اُس کا ایک شاندار تخت بھی ہے۔

شفاعت کا بیان

اس حدیث شفاعت میں آیا ہے کہ لوگ مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ ہماری شفاعت کریں، لیکن تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی عاجزی کا اظہار فرمائیں گے، پھر بالآخر نبی کریم ﷺ کے پاس جائیں گے تو آپ شفاعت فرمائیں گے۔

شفاعت کے معنی

شفاعت کا لفظ "شفع" سے نکلا ہے جس کے اصل معنی جوڑنے کے ہیں، کسی چیز کو ساتھ ملانے کے ہیں۔

---

19 [النمل: ۲۳]

یہاں پر شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت کرنے والا جرم و گناہ کرنے والے کی معافی کی درخواست و سفارش پیش کر کے گویا خود کو اس مجرم و گناہ گار کے ساتھ ملا لے۔

شفاعتِ کبریٰ

شفاعت کبریٰ وہ ہے جو آپ ﷺ تمام مخلوق کے سلسلے میں فرمائیں گے اور یہ شفاعت کرنے کا حق صرف اور صرف حضور اقدس ﷺ کو حاصل ہوگا، دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کو اس شفاعت کی مجال و جرأت نہیں ہوگی۔

شفاعت کبریٰ کا مقصد یہ ہے کہ روزِ محشر حضورِ اقدس ﷺ میدان حشر کی سختیوں اور ہولناکیوں سے لوگوں کو راحت دینے، اس دن کی طوالت و شدت کو ختم کرنے، حساب و کتاب جلدی شروع کرنے اور اللہ ﷻ کے آخری فیصلے کو ظاہر کرنے کی سفارش فرمائیں گے۔ اس حدیث میں جو انبیاء علیہم السلام کے پاس لوگوں کے جو جانے کا ذکر ہے، اس سے شفاعت کبریٰ مراد ہے۔

شفاعتِ صغریٰ

شفاعتِ صغریٰ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں کی سفارش کریں جو اپنے گناہوں اور جرائم کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں داخلے کے مستحق قرار پائیں گے تو جناب رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے عذاب ختم کرنے اور جنت میں داخلے کی سفارش فرمائیں گے۔ اس دوسری قسم کی شفاعت کرنے کا حق انبیاء کرام، ملائکہ، شہداء اور صدیقین کو بھی حاصل ہوگا۔

اس حدیث میں اختصار ہے دونوں شفاعتوں کو اکھٹا کر کے بیان کیا گیا ہے، شروع میں شفاعت کبریٰ کا ذکر ہے اور آخر میں شفاعتِ صغریٰ مراد ہے۔

"ثم اشفع فیحد لی حداً" اللہ ﷻ ایک حد مقرر فرما دیں گے، میں اس حد تک کی سفارش کروں گا۔ **"فادخلهم الجنة"** ان مؤمنین کو جنت میں داخل کراؤں گا، تین مرتبہ میں اس طرح حاضر ہوں گا اور شفاعت کروں گا اور لوگوں کو جنت میں داخل کراؤں گا۔

"ثم اعود الرابعة فاقول" پھر جب میں چوتھی مرتبہ جاؤں گا تو اپنے رب سے عرض کروں گا کہ **"مابقی فی النار إلّا من حبسه القرآن"** اب جہنم میں باقی نہیں رہا سوائے اس کے کہ جس کو قرآن کریم نے روک رکھا ہے۔

"**ووجب عليه الخلود**" اور وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

"حبسه القرآن" کی تفسیر

امام بخاری رحمہ اللہ آگے "**مابقي في النار إلا من حبسه القرآن**" یعنی جن لوگوں کو قرآن نے روک رکھا ہے، کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ ﴿**خلدين فيها**﴾ یعنی وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے اور ان کے لئے جہنم سے چھٹکارے کا کوئی طریقہ نہیں ہوگا یعنی کفار اور مشرکین۔

(۲) بابٌ:

یہ باب بلاعنوان ہے۔

قال مجاهد: ﴿إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ﴾ [۱۴]: أصحابهم من المنافقين والمشركين. ﴿مُحِيطٌ بِالكافِرِينَ﴾ [۱۹]: الله جامعهم. ﴿صِبْغَةَ﴾ [۱۳۸]: دين. ﴿عَلَى الخَاشِعِينَ﴾ [۴۵]: على المؤمنين حقا.

قال مجاهد: ﴿بِقُوَّةٍ﴾ [۶۳] يعمل بما فيه. وقال ابو العالية: ﴿مرض﴾ شك ﴿ومَاخَلْفَهَا﴾ عبرة لمن بقى ﴿لاشِيَةَ﴾ لابياض وقال غيره: ﴿يَسُومُونَكُمْ﴾: يولونكم.

﴿الولاية﴾ مفتوحة مصدر الولاء وهى الربوبية وإذا كسرت الواو فهى الإمارة وقال بعضهم الحجوب التى توكل كلها فوم وقال قتادة: ﴿فَبَاءُوا﴾ فانقلبوا وقال غيره: ﴿يَسْتَفْتِحُونَ﴾ يستنصرون ﴿شروا﴾ باعوا.

﴿راعنا﴾ من الرعونة اذا أرادوا أن يحمقوا انسانا قالوا راعنا ﴿لا يجزى﴾ لايغنى ﴿خطوات﴾ من الخطو والمعنى آثاره ﴿ابْتَلَىٰ﴾ اختبر.

ترجمہ وتشریح

﴿**إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ**﴾ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا بیان ہے شیاطین سے منافق اور مشرک مراد ہیں۔

﴿**مُحِيطٌ بِالكافِرِينَ**﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ کافروں کو جمع فرمائے گا۔

﴿صِبۡغَةَ﴾ کے معنی دین کے ہیں۔

﴿عَلَى الخَاشِعِينَ﴾ سے ایمان والے مراد ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿بِقُوَّةٍ﴾ جو کہ آیت کریمہ ﴿خُذُوا مَا آتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ﴾ میں آیا ہے، یہاں "قوۃ" سے عمل مراد ہے۔

حضرت ابو عالیہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ﴿مرض﴾ کا معنی شک کا ہے۔

﴿ومَاخَلۡفَهَا﴾ سے مراد یہ ہے کہ پچھلے لوگوں کے لئے عبرت ہے جو قائم رہے۔

﴿لاَشِيَةَ﴾ کا معنی ہے سفیدی نہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ﴿يَسُومُونَكُمۡ﴾ جو اس آیات میں ہے ﴿يَسُومُونَكُمۡ سُوٓءَ العَذَابِ﴾ یعنی بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فرعون کے لوگ تم کو بہت بری تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے۔

تو یہاں اس لفظ "یسومونکم" کی تفسیر کردی "یولونکم" سے اور یہ "ولایة" سے نکلا ہے۔

"الولایة" اگر یہ "مفتوح الواو" ہو تو اس کے معنی ربوبیت کے ہوتے ہیں اور اگر "مکسور الواو" ہو تو اس کے معنی "الإمارة" کے آتے ہیں تو امیر بھی امارت کے معنی میں ہوتا ہے۔

تو "یولونکم" کی جو تفسیر کی ہے اس کے معنی ہے کہ وہ تمہیں دکھ پہنچایا کرتے تھے اور تمہاری پرورش بُرے عذاب کے ساتھ کیا کرتے تھے، یہ تفسیر حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے کی ہے۔

اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ "سام۔ یسوم" کے معنی "یقصدون" کے ہیں کہ وہ قصد کرتے تھے تمہاری طرف بُرے عذاب کے ساتھ یعنی برا عذاب تم کو پہنچایا کرتے تھے۔

"وقال بعضهم الحبوب التی تؤکل کلها فوم" اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ جتنے بھی کھانے والے غلے راجناس ہیں وہ سب "فوم" ہیں، یہی حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کا قول ہے، ورنہ عام طور سے "فوم" لہسن اور گندم کو کہتے ہیں۔

﴿فَبَاۤءُوۡا﴾ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ بمعنی "انقلبوا" کے ہے معنی وہ لوگ پھر آئے، دوبارہ لوٹے۔

﴿يَسۡتَفۡتِحُونَ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ لوگ مدد مانگتے تھے۔

﴿شروا﴾ کے بیچ ڈالنے کے معنی میں ہے۔

﴿راعناً﴾ رعونت سے مشتق ہے یعنی بیوقوف، یہود جب کسی کو احمق کہتے تو "راعنا" کہتے تھے۔

﴿لایجزی﴾ کا معنی کچھ کام نہ آئے گی۔

﴿خطوات﴾ خطوہ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے قدموں کے نشانات۔

﴿ابۡتَلٰى﴾ کے معنی آزمائش کے ہیں۔

(۳) باب قوله تعالٰی: ﴿فَلا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَاداً وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [۲۲]

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: ”لہٰذا اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، جبکہ تم (یہ سب باتیں) جانتے ہو“۔

۴۴۷۷ ـ حدثنا عثمان بن أبي شيبة: حدثنا جرير: عن منصور، عن أبي وائل، عن عمرو بن شرحبيل، عن عبدالله قال: ((سألت النبي ﷺ أيّ الذنب أعظمُ عندالله؟ قال: ((أن تَجعَل لله نداً وهو خلقكَ))، قلتُ: إنّ ذلك لعظيمٌ، قلت: ثم أيّ؟ قال: ((وأن تقتُل ولدك تخافُ أن يطعم معَك))، قلتُ: ثم أيّ؟ قال: ((أن تُزانيَ حليلَة جارِكَ)). [أنظر: ۴۷۶۱، ۶۰۰۱، ۶۸۱۱، ۶۸۶۱، ۷۵۲۰، ۷۵۳۲] [۲۰]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا، یہ کہ تم کسی کو اللہ کے برابر قرار دے دو، حالانکہ اسی نے سب کو پیدا کیا ہے، میں نے عرض کیا صحیح ہے اور اس کے بعد دوسرا گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو اس اندیشہ سے مار ڈالنا کہ ان کو کھلانا اور پرورش کرنا پڑے گا، میں نے کہا صحیح ہے، اس کے بعد پھر بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا اپنے ہمسایہ کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا۔

شرک؛ سب سے بڑا گناہ

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ **”أيّ الذنب أعظمُ عندالله؟“** اللہ جل جلالہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟

---

[۲۰] وفي صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب كون الشرك أقبح الذنوب، وبيان أعظمها بعده، رقم: ۱۴۱، وسنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في تعظيم الزنا، رقم: ۲۳۱۰، وسنن الترمذي، أبواب التفسير القرآن، باب: ومن سورة الفرقان، رقم: ۳۱۸۲، ۳۱۸۳، وسنن النسائي، كتاب تحريم الدم، ذكر أعظم الذنب، رقم: ۴۰۱۳، ۴۰۱۴، ۴۰۱۵، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود ؓ، رقم: ۳۶۱۲، ۴۱۰۲، ۴۱۳۱، ۴۴۱۱، ۴۴۲۳

رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ **"أن تجعل لله ندا وهو خلقك"** تم کسی کو اللہ ﷻ کا شریک ٹھہراؤ، اس کے جیسا یا اس کے مقابل کسی کو معبود بناؤ، حالانکہ اللہ ﷻ نے ہی تم پیدا کیا ہے۔

ترجمۃ الباب میں جو آیتِ مبارکہ بیان کی گئی ہے اس میں **"أنداداً"** کی جمع **"ندٌ"** اس کا معنی ہیں کسی بھی چیز کا نظیر یا اس کا مقابل۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ **"إنّ ذلك لعظيمٌ"** بے شک یہ تو سب سے بڑا گناہ ہے۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے شرک کو ظلم قرار دیا تھا۔

"ظلم" کے معنی یہ ہیں کہ کسی کا حق چھین کر دوسرے کو دے دیا جائے۔

شرک اس لحاظ سے واضح طور پر بہت بڑا ظلم ہے کہ عبادت اللہ ﷻ کا خالص حق ہے، شرک کرنے والے اللہ ﷻ کا یہ حق اُس کو اَدا کرنے کے بجائے خود اُسی کے بندوں اور اُسی کی مخلوق کو دیتے ہیں۔ [۱۲]

پرورش کے خوف سے اولاد کا قتل گناہِ عظیم

فرماتے ہیں میں نے پھر عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا گناہ ہے جو اللہ ﷻ کے ہاں سب سے بڑا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **"وأن تقتل ولدك تخاف أن يطعم معك"** تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا اور اس کی پرورش تمہارے ذمہ ہوگی۔

اپنے ہی بیٹے کو قتل کرنا یہ صرف ایک قتل کا گناہ نہیں بلکہ یہ کئی گناہوں پر مشتمل ہے، ناحق قتل کرنا، اپنے ہی بیٹے کو قتل کرنا، ایسے انسان کو قتل کرنا جو اس حالت میں ہے کہ وہ اپنی مدافعت بھی نہیں کرسکتا، اس خوف کی وجہ سے قتل کرنا کہ ہمارے ساتھ کھائے گا، گویا خود پرورش کرنے والا ہے، اللہ ﷻ کے رازق ہونے پر توکل نہیں۔

پڑوسی کی بیوی سے زناء، تیسرا بڑا گناہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں. میں نے پھر سے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **"أن تزانيَ حليلةَ جارِك"** تیسرا بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زناء کرو۔

---

[۱۲] آسان ترجمہ قرآن، سورہ لقمان، ج۳، ص:۱۲۵۸

لفظ "تزانی" یہ ماخوذ ہے "مزاناۃ" سے جو باب مفاعلہ کا مصدر ہے، جس کا مطلب ہے مشارکت کرنا، یہاں اس کا مطلب ہے اپنے پڑوسی کی بیوی بہکا کر، ورغلا کر اس کو زناء پر آمادہ کرنا۔

پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زناء کرنا یہ گناہ بھی درحقیقت کئی ایک گناہوں پر مشتمل ہے، زناء کرنے کا گناہ ہے، کسی دوسرے کی بیوی کو بہکانا، اپنے پڑوسی کو ساتھ خیانت کرنا حالانکہ پڑوسی یہ سمجھتا ہے کہ اس کو اپنے ساتھ والے سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گا اور اس کی جان، مال اور عزت کی پڑوسی ہونے کی ناطے حفاظت کرے گا، زناء کے نتیجے میں کسی کے نسب کو خراب کرنا، یہ سب گناہ ہیں جو اس میں جمع ہو گئے ہیں۔

(۴) باب: ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ المَنَّ وَالسَّلْوىٰ﴾ الىٰ ﴿يَظْلِمُوْنَ﴾ [۵۷]

باب: "اور ہم نے تم کو بادل کا سایہ عطا کیا، اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا" آیت کے آخر تک

من وسلویٰ؛ بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمت کی بارش

بنی اسرائیل نے جہاد کے ایک حکم کی نافرمانی کی تھی جس کی پاداش میں انہیں صحرائے سینا میں مقید کر دیا گیا تھا، لیکن اس سزایابی کے دوران بھی اللہ ﷻ نے انہیں جن نعمتوں سے نوازا یہاں اُن کا ذکر ہو رہا ہے۔

صحراء میں چونکہ کوئی چھت ان کے سروں پر نہیں تھی اس لئے ان کو دُھوپ کی تمازت سے بچانے کے لئے اللہ ﷻ نے یہ انتظام فرمایا کہ ایک بادل ان پر مسلسل سایہ کئے رہتا تھا۔ اسی صحراء میں جہاں کوئی غذا دستیاب نہیں تھی، اللہ ﷻ نے غیب سے من وسلویٰ کی شکل میں انہیں بہترین خوراک مہیا فرمائی۔

بعض روایتوں کے مطابق من سے مراد ترنجبین ہے جو اس علاقے میں افراط سے پیدا کر دی گئی تھی، اور سلویٰ سے مراد بٹیریں ہیں جو بنی اسرائیل کی قیام گاہوں کے آس پاس کثرت سے منڈلاتی رہتیں، کوئی انہیں پکڑنا چاہتا تو بالکل مزاحمت نہیں کرتی تھیں۔

لیکن انہوں نے ان تمام نعمتوں کی بُری طرح ناقدری کی اور اس طرح خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔[۲۲]

وقال مجاهد: المن: صمغه والسلوى: الطير.

ترجمہ: مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں "من" وہ گوند جو درختوں پر آتی ہے اور "سلویٰ" پرندے کو کہتے ہیں۔

---

[۲۲] آسان ترجمہ قرآن، ج:۱، ص:۶۴

۴۴۷۸ ـ حدثنا أبو نعيم: حدثنا سفيان، عن عبدالملك، عن عمرو بن حريث، عن سعيد بن زيد ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: ((الكماة من المن وماؤها شفاء للعين)). [أنظر: ۴۶۳۹، ۵۷۰۸] [۲۳]

ترجمہ: حضرت سعید بن زید ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کھنبی (یعنی ترنجبین ایک قسم کا گوند ہے جو درختوں سے نکالا جاتا ہے) اس کا پانی آنکھوں کی بیماریوں کے لئے مفید ہے۔

آنکھوں کی بیماریوں کیلئے مفید دوا

"الکماۃ من المن"- کھنبی "من" کا حصہ ہے یعنی یہ جو "من" نازل کیا گیا تھا اس میں شامل تھی یا یہ کہ جس طرح "من" بنی اسرائیل کو بطور احسان دیا گیا تھا، بکثرت پایا جاتا تھا بغیر محنت ومشقت کے ان کو مل جاتا تھا۔ اسی طرح یہ "الکماۃ"- کھنبی بھی ہمارے لئے بغیر کسی مشقت کے اللہ ﷻ نے پیدا فرما دیا ہے اور اس کا پانی آنکھوں کی بیماریوں کیلئے مفید ہے۔

(۵) باب: ﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ﴾ [۵۸] الآية

باب: "اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا کہ: اِس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اِس میں جہاں سے چاہو جی بھر کر کھاؤ"

بنی اسرائیل کی ناشکری

بنی اسرائیل من وسلویٰ سے بھی اُکتا گئے تو انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر گزارہ نہیں کر سکتے۔ ہم زمین کی ترکاریاں وغیرہ کھانا چاہتے ہیں، اس موقع پر ان کی یہ خواہش بھی پوری کی گئی۔

---

[۲۳] وفي صحيح مسلم، كتاب الطب، باب المن من شفاء للعين، رقم: ۵۷۰۸، وكتاب الأشربة، باب فضل الكماة، ومداواة العين بها، رقم: ۳۰۴۹، وسنن الترمذي، أبواب الطب، باب ماجاء في الكماة والعجوة، رقم: ۲۰۶۷، وسنن ابن ماجه، كتاب الطب، باب الكماة والعجوة، رقم: ۳۴۵۴، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، مسند سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل ﷺ، رقم: ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۳۲، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵

اور یہ اعلان فرمایا گیا کہ اب تمہیں صحراء کی خاک چھاننے سے نجات دی جاتی ہے، سامنے ایک شہر ہے اس میں چلے جاؤ لیکن اپنے گناہوں پر ندامت کے اظہار کے طور پر سر جھکائے ہوئے اور معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہو، وہاں اپنی رغبت کے مطابق جو حلال غذا چاہو کھا سکو گے۔

لیکن ان ظالموں نے پھر ضد اور سرکشی کا مظاہرہ کیا، بجائے یہ کہ شہر میں داخل ہوتے ہوئے سر کو جھکاتے عاجزی اور ندامت کے مارے، بلکہ سینے تان تان کر شہر میں داخل ہوئے، معافی کے مانگنے کے لئے انہیں جو الفاظ کہنے کی تلقین کی گئی تھی ان کا مذاق بنا کر ان سے ملتے جلتے ایسے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوئے جن کا مقصد مسخرہ پن کے سواء کچھ نہ تھا۔ [۲۴]

﴿رَغَداً﴾: واسعًا كثيرًا.

ترجمہ: "رغداً" فراغت، وسعت کو کہتے ہیں۔

۴۴۷۹ - حدثنا محمد: حدثني عبدالرحمن بن مهدي، عن ابن المبارك، عن معمر عن همام بن منبه، عن أبي هريرة ﷺ عن النبي ﷺ قال: ((قيل لبني إسرائيل: ﴿أُدْخُلُوْا الْبَابَ سُجَّداً وَقُوْلُوا حِطَّةٌ﴾ فدخلوا يزحفون على أستاههم فبدلوا وقالوا: حطة: حبة في شعرة)). [راجع: ۳۴۰۳]

ترجمہ: ہمام بن منبہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کو کہا گیا تھا کہ **﴿أُدْخُلُوْا الْبَابَ سُجَّداً وَقُوْلُوا حِطَّةٌ﴾** - "تم دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور یہ کہتے ہوئے کہ "**حطة**" (یعنی اے اللہ! ہمارے گناہوں کو جھاڑ دے)"۔ تو وہ لوگ اس طرح داخل ہوئے کہ اپنی سرینوں کو زمین پر گھسٹ رہے تھے، اور بدل ڈالا "**حــــطة**" کو اور کہنے لگے کہ "**حبة**" گندم کا دانہ۔

الفاظ کی تشریح

"**استاہ**" جمع ہے "**است**" کی، یعنی سُرینوں کے بل۔

"**وبدلوا**" اور کلمہ بھی بدل دیا "**حطة**" کے ساتھ "**حبة في شعرة**" یعنی گندم کا دانہ بالی کے اندر۔

بعض روایتوں میں "**حبة**" کے بجائے "**حنطة**" آیا ہے یعنی "**حنطة حبة في شعرة**"۔

---

[۲۴] آسان ترجمہ قرآن، ج:۱، ص:۶۵

(٦) بابٌ: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ﴾ [٩٧]

باب: ''اگر کوئی شخص جبرائیل کا دشمن ہے''۔

وقال عكرمة: جبر، وميک، وسراف: عبد، ايل: الله.

ترجمہ: حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جبر، میک اور سراف کے معنی ہیں بندہ، ایل کے معنی ہیں اللہ یعنی اللہ کا بندہ۔

مقرب فرشتوں کا اسماء کا مطلب

اس آیت کا شانِ نزول بعد میں حدیث میں بیان کیا جارہا ہے۔ اس سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا کہ **''جبر''** و **''میک''** اور **''سراف''** تینوں کے معنی عبرانی زبان میں **''عبد''**۔ بندہ کے ہیں اور **''ایل''** کے معنی اللہ کے ہیں، تو جبرائیل کے معنی ہوئے **''اللہ کا بندہ''** اور میکائیل کے بھی یہی ہوئے اور اسرافیل کے بھی یہی معنی ہوئے۔

بعض لوگوں نے دوسری تفسیر کی ہے، مثلاً انہوں نے کہا کہ **''جبر''** پیغام کو کہتے ہیں تو **''جبرائیل''** کے معنی اللہ کا پیغام، اور **''میک''** بارش کو کہتے ہیں تو **''میکائیل''** کے معنی اللہ کی طرف سے بارش لانے والا، اور **''سراف''** **''صور''** کو کہتے ہیں تو اس کے معنی اللہ کا صور پھونکنے والا۔ واللہ اعلم۔ [۲۵]

۴۴۸۰ ۔ حدثنا عبدالله بن منير: سمع عبدالله بن بكر، حدثنا حميد، عن أنس قال: سمع عبدالله بن سلام بقدوم رسول الله ﷺ وهو في أرض يخترف، فأتى النبي ﷺ فقال: إني سائلك عن ثلاث لا يعلمهن إلا نبي، فما أول اشراط الساعة؟ وما اول طعام أهل الجنة؟ وما ينزع الولد إلى أبيه أو إلى أمه؟ قال: ((أخبرني بهن جبريل آنفا))، قال: جبريل؟ قال: ((نعم))، قال: ذاك عدو اليهود من الملائكة. فقرأ هذه الآية ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ﴾ أما أول أشراط الساعة فنار تحشر الناس من المشرق إلى المغرب، وأما أول طعام أهل الجنة فزيادة كبد الحوت، وإذا سبق ماء الرجل ماء المرأة

---

[۲۵] تفسير القرطبي، يونس: ۴، ج: ۸، ص: ۳۰۸

نزع الولد، وإذا سبق ماء المرأة نزعت)). قال: أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أنک رسول الله. یا رسول الله، إن الیهود قوم بهت، وإنهم إن یعلموا بإسلامی قبل أن تسألهم یبهتونی. فجاء ت الیهود، فقال النبی ﷺ: ((أی رجل عبدالله فیکم؟)) قالوا: خیرنا وابن خیرنا، و سیدنا وابن سیدنا. قال: ((أرأیتم إن أسلم عبدالله بن سلام؟)) فقالوا: أعاذه الله من ذلک. فخرج عبدالله فقال: أشهد أن لا إله إلا الله، و أن محمّداً رسول الله. فقالوا: شرنا وابن شرنا، وانتقصوه. قال: فهذا الذی کنت أخاف یا رسول الله. [راجع: ۳۳۲۹]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ یہودی عالم عبداللہ بن سلام باغیچہ میں میوہ توڑ رہے تھے کہ ان کو نبی ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کی خبر ہوئی، وہ فوراً حاضر خدمت ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں آپ سے تین باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں، جن کو ماسوائے نبی کے اور کوئی نہیں بتا سکتا، ایک یہ کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہوگی؟ دوسرے یہ کہ جنتی سب سے پہلے کیا چیز کھائیں گے؟ تیسرے یہ کہ بچہ اپنے باپ یا ماں کے مشابہ کس وجہ سے ہوتا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ابھی حضرت جبرائیل علیہ السلام بتا کر گئے ہیں، عبداللہ بن سلام نے کہا کہ جبرائیل! وہ تو یہودیوں کا سب فرشتوں میں سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ﴾، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا، قیامت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ ایک آگ اٹھے گی جو آدمیوں کو مشرق سے مغرب کی طرف بھا گا کر لے جائے گی، اور جنتیوں کو سب سے پہلے مچھلی کا جگر کھانے کو ملے گا، اور بچہ کے مشابہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرد عورت میں سے جس کا مادہ منویہ غالب رہتا ہے، بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے، اگر ماں کا غالب ہے تو ماں سے اگر باپ کا غالب ہے تو باپ سے۔

عبداللہ بن سلام نے اس کے بعد کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ابن سلام نے کہا کہ اے اللہ کے! یہودی بڑی جھوٹی قوم ہے، ان کو میرا مسلمان ہونا بہت ناگوار ہوگا، اور وہ بڑے بہتان میرے اوپر تراشیں گے، اتنے میں کچھ یہود آپ ﷺ کے پاس آئے، ابن سلام نے کہا کہ آپ میرے متعلق ان سے سوال کریں، اور خود آڑ میں ہوگئے، پھر آپ ﷺ نے یہودیوں سے پوچھا کہ تم ابن سلام کو کیسا جانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ وہ بہت اچھا آدمی ہے، اور اچھے آدمی کا بیٹا ہے، ہمارا سردار ہے اور سردار کا فرزند ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہو جائے، یہود نے کہا خدا اسے اس سے پناہ دے۔

ابن سلام سن کر باہر نکل آئے اور کہا کہ **أشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمداً رسول الله** یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہا، ابن سلام ہم میں بہت ذلیل اور ذلیل آدمی کا فرزند ہے، اور بہت سی برائیاں کرنے

لگے، عبداللہ بن سلام نے کہا یا رسول اللہ! مجھے تو پہلے ہی ڈر تھا کہ یہ لوگ برا کہنے لگیں گے۔

عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن سلام ﷺ تورات کے بڑے زبردست عالم تھے، حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا اصل نام حصین تھا، اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کا عبداللہ رکھا۔

اس روایت میں حضرت انس ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سلام ﷺ کے اسلام لانے کا واقعہ بیان فرمایا ہے، جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، جب حضرت عبداللہ بن سلام ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو اس وقت وہ اپنی زمین میں تھے اور درختوں سے پھل توڑ رہے تھے۔

"**اخترف**" کے معنی پھل توڑنا۔

خبر سنتے ہی یہ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آ کر عرض کیا کہ "**إنی سائلک عن ثلاث لا یعلمهن إلا نبی**" میں آپ سے تین باتیں پوچھنا چاہتا ہوں، وہ تین باتیں ایسی ہیں کہ سوائے نبی کے اور کوئی نہیں جانتا، لہٰذا اگر آپ نے بتا دیا تو پتہ چل جائے گا کہ آپ نبی ہیں۔

ایک سوال یہ ہے کہ "**فما أول اشراط الساعة؟**" یعنی قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ "**وما اول طعام أهل الجنة؟**" یعنی جنت کا سب سے پہلا کھانا کونسا ہوگا؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ "**وما ینزع الولد إلی أبیه أو إلی أمه؟**" وہ کونسی چیز ہے جو اولاد کو کھینچ لے جاتی ہے اپنے باپ ماں کی طرف یعنی مشابہت جو پیدا ہوتی ہے باپ یا ماں کی وہ کس وجہ سے پیدا ہوتی ہے؟

عبداللہ بن سلام کے یہ سوالات سن کر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "**أخبرني بهن جبریل آنفا**" یہ بات ابھی ابھی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتائی ہے۔

عبداللہ بن سلام نے یہ سن کر دریافت کیا کہ "**قال جبرائیل؟**" جبرائیل نے بتایا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! انہوں نے بتایا ہے۔

عبداللہ بن سلام نے کہا کہ "**ذاک عدو الیهود من الملائکة**" وہ تو ملائکہ میں سے یہودیوں کے دشمن ہیں یعنی اگر آپ اور کسی فرشتے کا نام لے لیتے تو تسلی ہوتی لیکن یہ تو آپ نے ہمارے دشمن کا نام لے لیا۔

تو حضورِ اقدس ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ﴾

اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ آیت اس واقعہ سے پہلے نازل ہو چکی تھی، اور اس موقع پر آپ ﷺ نے پڑھی۔

چنانچہ مسند احمد وغیرہ میں جو روایت آئی ہے اس میں ذکر ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو چند یہودی علماء خاص طور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آئے تھے اور اس وقت پوچھا کہ آپ کے پاس وحی کون لیکر آتا ہے؟

تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل لیکر آتے ہیں، تو اس پر انہوں نے کہا کہ اسرافیل یا میکائیل لیکر آتے تو ہم مان لیتے، جبرائیل تو ہمارے دشمن ہیں، تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی اس کو آپ نے اس موقع پر دوبارہ دہرایا۔ [۲۶]

اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے عبداللہ بن سلام کے سوالات کے جوابات کرتے ہوئے فرمایا کہ **"أما أول أشراط الساعة فنار تحشر الناس من المشرق إلى المغرب"** علاماتِ قیامت میں سے پہلی علامت وہ آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک ہنکا کے لے جائے گی۔

"وأما أول طعام أهل الجنة فزيادة كبد الحوت" اور جہاں تک سوال ہے کہ جنتیوں کا سب سے پہلا کھانا جو جنتی کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا حصہ کھائیں گے۔

اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ **"وإذا سبق ماء الرجل ماء المرأة نزع الولد"** اگر مرد کی منی عورت کی منی پر مقدم ہو جائے یعنی پہلے انزال ہو تو **"نزع الولد"** تو وہ ولد کو اپنی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے یعنی مشابہت باپ کی پیدا ہوتی ہے۔ **"وإذا سبق ماء المرأة نزعت"** اور اگر عورت کی منی مقدم ہو جائے تو وہ **"نزعت"** یعنی وہ اپنی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے یعنی مشابہت ماں کی پیدا ہوتی ہے۔

جب یہ تینوں جوابات عبداللہ بن سلام نے سنے تو فوراً اسلام کی حقانیت کا اعتراف کیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ **"إن اليهود قوم بهت"** اے اللہ کے رسول! یہ یہودی بہت بہتان تراش قسم کے لوگ ہیں۔

"بهت" یعنی بہتان لگانے والے، الزام تراشیاں کرنے والے لوگ ہیں۔

"وإنهم إن يعلموا بإسلامي قبل أن تسألهم يبهتوني" اور اگر ان کو آپ سے سوال کرنے سے پہلے میرے اسلام لانے کا پتہ چلا تو وہ میرے اوپر بہتان لگائیں گے یعنی میرا حال میرے اسلام ظاہر ہونے سے پہلے ان سے پوچھئے تو سچ بولیں گے۔

---

[۲۶] مسند أحمد، ومن مسند بني هاشم، مسند عبدالله بن العباس بن عبدالمطلب رضي الله عنهما عن النبي ﷺ، رقم: ۲۲۸۳، ۲۵۱۴

تھوڑی دیر کے بعد چند یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے ان یہودیوں سے پوچھا کہ **"ای رجل عبداللہ فیکم؟"** عبداللہ بن سلام تم لوگوں میں کیسے آدمی ہیں؟

ان یہودیوں نے کہا کہ **"خیرنا وابن خیرنا، وسیدنا وابن سیدنا"** پہلے ہم میں سے سب سے بہتر اور ہم میں سے سب سے بہتر شخص کا بیٹا ہے، ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے صاحبزادے ہیں۔

جب آپ ﷺ نے عبداللہ بن سلام کی اچھائیوں کا اعتراف ان یہودیوں سے کروالیا تو ان سے فرمایا کہ **"ارأیتم إن أسلم عبدا للہ بن سلام؟"** کہ اگر عبداللہ بن سلام اسلام لے آئیں تو کیا خیال ہے؟

تو ان یہودیوں نے کہا کہ **"أعاذہ اللہ من ذلک"** اللہ انہیں اس سے پناہ میں رکھے۔

"فخرج عبداللہ" یہ سن کر عبداللہ بن سلام باہر نکل آئے اور ان یہودیوں کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا۔

یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ **"شرنا وابن شرنا، وانتقصوہ"** ابن سلام ہم میں بہت بُرا آدمی ہے اور بُرے آدمی کا فرزند ہے اور بہت سی برائیاں کرنے لگے۔

عبداللہ بن سلام ؓ نے یہ سن کر کہا کہ **"فھذا الذی کنت أخاف"** اے اللہ کے رسول! مجھے تو پہلے ہی ڈر تھا کہ یہ لوگ میری برائی کرنے لگیں گے۔

(۷) باب قولہ: ﴿مَانَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾ [۱۰۶]

اس ارشاد کے بیان میں کہ: "ہم جب بھی کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اُس سے یا اُسی جیسی (آیت) بھی لے آتے ہیں"۔

یہود کا اعتراض وطعن

یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں، اگر یہ کتاب من جانب اللہ ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب یہ آیتیں منسوخ ہوئی اُس عیب کی خبر کیا اللہ کو پہلے نہیں تھی؟

اللہ نے ان کے اس طعن کا جواب دیا کہ عیب نہ تو پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں، لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے، اُس وقت وہی مناسب حکم تھا اور اب دوسرا حکم مناسب ہے۔ [۲۷]

---

[۲۷] عمدۃ القاری، ج:۱۸، ص: ۱۳۰

نسخ کی حکمت

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ مختلف زمانوں کے حالات کی مناسبت سے شریعت کے فروعی احکام میں تبدیلی فرماتے رہے ہیں۔ اگر چہ دِین کے بنیادی عقائد مثلاً توحید، رسالت، آخرت وغیرہ ہر دور میں ایک رہے ہیں جو عملی احکام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے ان میں سے بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں تبدیل کر دیئے گئے، اور آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ان میں مزید تبدیلیاں واقع ہوئیں۔

اسی طرح جب آنحضرت ﷺ کو شروع میں نبوت عطاء ہوئی تو آپ کی دعوت کو مختلف مراحل سے گذرنا تھا، مسلمانوں کو طرح طرح کے مسائل درپیش تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اَحکام میں تدریج اختیار فرمائی۔ کسی وقت ایک حکم دیا گیا، بعد میں اس کی جگہ دوسرا حکم آ گیا، جیسا کہ قبلے کے تعین کے احکام بدلے گئے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

فروعی احکام میں ان حکیمانہ تبدیلیوں کو اصطلاح میں "نسخ" کہتے ہیں۔ [۲۸]

۴۴۸۱ - حدثنا عمرو بن علي: حدثنا يحيى: حدثنا سفيان، عن حبيب، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال: قال عمر ﷺ: أقرؤنا أبيٌّ، وأقضانا عليٌّ. وإنا لندع من قول أبيٍّ و ذاك أن أبيا يقول: لا أدع شيئا سمعته من رسول الله ﷺ. وقد قال الله تعالى: ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا﴾. [أنظر: ۵۰۰۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ہم سب میں قرآن کے بہترین قاری حضرت ابی بن کعب ﷺ ہیں، اور دینی احکام کو حضرت علی ﷺ زیادہ جانتے ہیں، مگر اس کے باوجود ہم ابی بن کعب ﷺ کی اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ میں قرآن کریم کی کسی آیت کی تلاوت کو نہیں چھوڑوں گا، جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، حالانکہ خود اللہ جل جلالہ نے یہ فرمایا کہ **﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا﴾**۔

نسخ آیات کے متعلق حضرت عمر ﷺ اور جمہور کا مؤقف

﴿نُنسِهَا﴾ میں ایک قرأت "**نَنسَاها**" ہے، "**ننساها**" کے معنی "**نؤجلها و نؤخرها**" ہے، یہ بھی

---

[۲۸] آسان ترجمہ قرآن، ج:۱، ص:۸۶

ایک قرأت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ ہم میں سے زیادہ قرآن کو جاننے والے حضرت ابی ابن کعب ﷺ ہیں اور سب سے زیادہ قضاء کے جاننے والے حضرت علی ﷺ ہیں، لیکن ہم کبھی کبھی ابی ابن کعب ﷺ کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں، جو بات وہ کہتے ہیں اس کو ہم نہیں مانتے، اس پر عمل نہیں کرتے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے **"ان ابیاً یقول"** کہ حضرت ابی بن کعب ﷺ یہ کہتے ہیں **"لا أدع شیئاً سمعته من رسول الله ﷺ"** کہ جو کچھ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے وہ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

حالانکہ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ

﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾

جب آیت کریمہ یہ کہہ رہی ہے کہ بعض اوقات احکام بعد میں منسوخ ہو جاتے ہیں اور آیتیں بھی بعض اوقات منسوخ ہوئی ہیں لیکن حضرت ابی بن کعب ﷺ یہ کہتے ہیں کہ میں کوئی بھی بات جو رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو کبھی نہیں چھوڑوں گا، گویا کہ وہ نسخ کے قائل نہیں۔

حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ اس واسطے بعض اوقات ہم کسی ایسی بات کے قائل ہو جاتے جو منسوخ ہو چکی تو ہم ایسے میں ان کے قول کو اختیار نہیں کرتے ان کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ قرآن کریم کی آیت میں نسخ ہوا ہے، لہٰذا وہ بعض معتزلہ کا جیسے ابو مسلم اصفہانی وغیرہ کا یہ کہنا کہ آیت قرآنی میں نسخ نہیں ہوا، اس قول کی اس سے تردید ہو جاتی ہے۔

(۸) باب: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَداً سُبْحَانَهُ﴾ [۱۱۶]

باب: ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہوا ہے، (حالانکہ) اسکی ذات (اس قسم کی چیزوں سے) پاک ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے صاحبِ اولاد ہونے کی نفی

بعض یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور مشرکینِ عرب ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں، جیسا کہ مختلف آیات میں ان اقوال کی خبر دی گئی ہے۔

تو یہاں پر اس آیت میں اور قرآن کریم میں دیگر کئی مقامات پر حق تعالیٰ اس قول کی قباحت اور بطلان کا بیان فرماتے ہیں۔ [۲۸]

۴۴۸۲ ـ حدثنا أبو الیمان : أخبرنا شعیب، عن عبداللہ بن أبی حسین : حدثنا نافع بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ قال : ((قال اللہ : کذبنی ابن آدم ولم یکن لہ ذلک، وشتمنی ولم یکن لہ ذلک. فأما تکذیبہ ایای فزعمہ أنی لا أقدر أن أعیدہ کما کان. وأما شتمہ ایای فقولہ لی ولد فسبحانی أن أتخذ صاحبۃ أو ولدا)).

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ بنی آدم مجھے جھٹلاتا ہے، حالانکہ اس کو یہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں مارنے کے بعد زندہ نہیں کرسکتا ہوں اور گالی یہ ہے کہ آدمی کہتا ہے کہ خدا کے اولاد ہے، حالانکہ میری ذات اس سے بالکل پاک ہے کہ کسی کو بیوی اور کسی کو اولاد بناؤں۔

(۹) باب : ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ [۱۲۵]

باب: ''اورتم مقام ابراہیم کونماز پڑھنے کی جگہ بنالو''۔

مقام ابراہیمؑ کی اہمیت ومقام

آیت مذکورہ میں مقام ابراہیم کو مصلّٰی بنانے کا حکم ہے۔اس کی وضاحت خود رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے قول وفعل سے اس طرح فرمادی کہ آپ ﷺ طواف کے بعد مقامِ ابراہیم کے پاس پہنچے جو بیت اللہ کے سامنے تھوڑے فاصلے سے رکھا ہوا ہے، وہاں پہنچ کر یہ آیت تلاوت فرمائی اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے اس طرح دو رکعت نماز پڑھی کہ مقامِ ابراہیم کو درمیان میں رکھتے ہوئے بیت اللہ کا استقبال ہو جائے۔

اسی لئے فقہائے امت نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو مقامِ ابراہیم کے پیچھے متصلاً جگہ نہ ملے، وہ کتنے ہی فاصلے پر بھی جب اس طرح کھڑا ہو کہ مقامِ ابراہیم بھی اس کے سامنے رہے، اور بیت اللہ بھی تو اس حکم کی پوری تعمیل ہو جائے گی۔ [۲۹]

---

[۲۸] معارف القرآن، ج:۱،ص:۳۰۳، عمدۃ القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۳۰

[۲۹] عمدۃ القاری، ج:۱۸، ص: ۱۳۱

﴿مَثَابَةً﴾: يثوبون: يرجعون.

ترجمہ: ﴿مَثَابَةً﴾ مصدر ہے "يثوبون" کا، بمعنی لوٹنے کی جگہ۔

۴۴۸۳ ــ حدثنا مسدد: عن يحيى بن سعيد، عن حميد، عن أنس قال: قال عمر ﷺ: وافقت الله في ثلاث، أو وافقني ربي في ثلاث. قلت: يارسول الله لو اتّخذت من مقام ابراهيم مصلى، وقلت: يا رسول الله يدخل عليك البر والفاجر فلو أمرت أمهات المؤمنين بالحجاب، فأنزل الله آية الحجاب. قال: و بلغني معاتبة النبي ﷺ بعض نسائه فدخلت عليهن قلت: إن انتهيتن أو ليبدلن الله رسوله ﷺ خيراً منكن حتى أتيت إحدى نسائه قالت: يا عمر، أما في رسول الله ﷺ ما يعظ نساءه حتى تعظهن أنت؟ فأنزل الله ﴿عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجاً خَيْراً مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ﴾ [التحريم:۵] الآية. [راجع: ۴۰۲]

وقال ابن أبي مريم: أخبرنا يحي بن أيوب: حدثني حميد: سمعت أنسا، عن عمر.

ترجمہ: حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا تین باتیں میری ایسی ہیں جو وحی الٰہی کے موافق ہوئیں، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے میری تین باتوں سے اتفاق کیا، میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ طواف کے بعد مقام ابراہیم میں نماز ادا کریں، چنانچہ اس کے موافق مقامِ ابراہیم میں نماز کا حکم ہوا، دوسری بات یہ ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس ہر طرح کے نیک اور بُرے لوگ آتے ہیں، اچھا ہوا گر آپ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ حجاب نازل فرمائی، تیسری یہ کہ مجھے معلوم ہوا آنحضرت ﷺ بیویوں سے ناراض ہیں، تو میں ان کے پاس پہنچا اور کہا کہ دیکھو تم آنحضرت ﷺ کو ناراض نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے بہتر عورتیں اپنے رسول کو عطاء فرما سکتا ہے، مگر ایک بیوی نے کہا کہ اے عمر! کیا حضور ﷺ ہم کو نصیحت نہیں کر سکتے، جو تم نصیحت کرنے آئے ہو، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجاً خَيْراً مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ﴾ یعنی کوئی تعجب نہیں کہ رسول تم کو طلاق دیدے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے بدلے میں تم سے بھی بہتر بیویاں ان کو عطا فرمائے۔

ابن ابی مریم کہتے ہیں کہ یہی حدیث یحییٰ بن ایوب، حمید، حضرت انس ﷺ سے اور وہ حضرت عمر ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

موافقاتِ عمر بن خطاب ﷺ

اس حدیث میں تین موافقات عمر کا ذکر ہے:

ایک مقام ابراہیم کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اے اللہ کے رسول! کاش آپ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیتے تو یہ آیت ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق، طواف کے بعد مقام ابراہیم کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

دوسرا ازواج مطہرات کو حجاب کا حکم دیا گیا ہے، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں چونکہ ہر طرح کے لوگ آتے نیک، متقی لوگ، اور فاسق و فاجر اور منافق لوگ بھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ اے اللہ کے رسول! کاش آپ امہات المؤمنین کو حجاب ر پردہ کا حکم دیتے، تو اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش کے موافق آیت الحجاب نازل ہوئی ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ الخ﴾ [الاحزاب: ۵۹] جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امہات المؤمنین کو پردہ کا حکم دیا گیا۔

تیسرا واقعہ جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موافق حکم نازل ہوا۔ اس کی تفصیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی بعض ازواج مطہرات یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی ناراضگی کا معلوم ہوا تو میں انکے پاس گیا اور ان سے کہا کہ دیکھو! تم آنحضرت ﷺ کو ناراض کرنے سے باز آجاؤ، ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تم سے بہتر ازواج عطاء فرما سکتا ہے۔

پھر میں آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سے ایک دوسری زوجہ کے پاس گیا، دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں، انہوں نے کہا "**أما في رسول الله ﷺ ما يعظ نساءه حتى تعظهن أنت؟**" اے عمر! رسول اللہ ﷺ کو اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنی ازواج کو نصیحت کر سکیں جو آپ ہمیں نصیحت کرنے آگئے ہیں یعنی کوئی بات ہماری ایسی ہوتی تو حضور ﷺ خود نصیحت فرماتے آپ نصیحت کرنے کیوں آگئے ہیں۔

پھر اس وقت حضرت عمر رضی اللہ کی بات کے موافق اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا ﴿عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ﴾ [التحريم: ۵]۔

اس روایت میں یہ تین باتیں بیان فرمائی ہیں جن میں موافقتِ عمر کا ذکر ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے تتبع وتلاش سے بکثرت موافقاتِ عمر رضی اللہ عنہ کا ثبوت ملتا ہے، بعض بزرگوں نے بیس کے قریب مقامات میں موافقاتِ عمر کو بیان کیا ہے۔ [۳۰]

---

[۳۰] كذا ذكر في فيض الباري: وقد عدّ العلماء موافقاته الى عشرين. ج: ۴، ص: ۱۵۷، و تاريخ الخلفاء، ج: ۱، ص: ۹۹، وعمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۱۳۲

(۱۰) باب: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [۱۲۷]

باب: ''اور اُس وقت کا تصور کرو جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے، اور اسماعیل بھی (انکے ساتھ شریک تھے، اور یہ دونوں کہتے جاتے تھے کہ:) اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے۔ بیشک تو، اور صرف تو ہی، ہر ایک کی سننے والا، ہر ایک کو جاننے والا ہے''۔

بیت اللہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء

بیت اللہ جسے کعبہ بھی کہتے ہیں درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے تعمیر چلا آتا ہے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں وہ حوادثِ روزگار سے منہدم ہو چکا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسے ازسرنو انہی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا حکم ہوا تھا جو پہلے سے موجود تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی آپ کو بتا دی تھیں۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ وہ بیت اللہ تعمیر کر رہے تھے، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ وہ اس کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے۔

دِل سے نکلی ہوئی اس دُعا کی تاثیر کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں منتقل نہیں کی جاسکتی، چنانچہ ترجمہ صرف اس کا مفہوم ہی ادا کرسکتا ہے۔ یہاں اِس دُعا کو نقل کرنے کا مقصد ایک تو یہ دِکھانا ہے کہ انبیائے کرام اپنے بڑے سے بڑے کارنامے پر بھی مغرور ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور اور زیادہ عجز و نیاز کا مظاہرہ فرماتے ہیں، اور اپنے کارنامے کا تذکرہ کرنے کے بجائے اپنی اُن کوتاہیوں پر توبہ مانگتے ہیں جو اس کام کی ادائیگی میں ان سے سرزد ہونے کا امکان ہو۔ دُوسرے اُن کا ہر کام صرف اللہ کی رضاجوئی کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا وہ اُس پر مخلوق سے تعریف کرانے کی فکر کے بجائے اللہ تعالیٰ سے اسکی قبولیت کی دعا مانگتے ہیں۔

القواعد: أساسه، واحدتها قاعدة. ﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ﴾[النور: ۶۰] **واحدها قاعد.**

ترجمہ: ''**القواعد**'' کے معنی ہیں بنیاد کے، اور اس کا واحد ''**قاعدة**'' ہے۔ اور آیت ﴿**وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ**﴾ [النور: ۶۰] میں ''**القواعد**'' آیا ہے، اس کا واحد ''**قاعد**'' ہے۔ یہاں ''**القواعد**'' سے مراد وہ عورت ہے جو بہت بوڑھی ہو کر بیٹھ گئی ہو۔

۴۴۸۴ ـ حدثنا إسماعيل قال: حدثني مالك، عن ابن شهاب، عن سالم بن عبدالله: ان عبدالله بن محمد بن أبي بكر أخبر عبدالله بن عمر، عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها زوج النبي ﷺ أن النبي ﷺ قال: ((ألم ترى انّ قومك بنوا الكعبة واقتصروا عن قواعد إبراهيم؟)) فقلت: يارسول الله، ألاتردها على قواعد إبراهيم؟ قال: ((لولا حدثان قومك بالكفر)). فقال عبدالله بن عمر: لئن كانت عائشة سمعت هذا من رسول الله ﷺ ماأرى رسول الله ﷺ ترك استلام الركنين اللذين يليان الحجر الاأن البيت لم يتمّم على قواعد ابراهيم. [راجع: ۱۲۶]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم کو اس بات کا علم نہیں کہ تمہاری قوم کے آدمیوں یعنی قریش نے جب کعبہ کو جب اپنے وقت میں تعمیر کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے اس کو چھوٹا کر دیا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ اسے پھر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر بنادیجئے، آپ نے فرمایا میں تو کر دیتا، مگر تمہاری قوم نے نیا نیا اسلام قبول کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کی سماعت کے بعد کہا، کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے یہ بات سنی ہے تو میں خیال کرتا ہوں، کہ شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان دونوں کونوں کو نہیں چھوتے تھے، جو حطیم کے پاس ہیں، کیونکہ وہ کونے بنیاد ابراہیمی پر نہیں بنائے گئے تھے۔ [۳۱]

(۱۱) باب: ﴿قُولُوْا آمَنَّا بِاللهِ وَمَاأُنْزِلَ إِلَيْنَا﴾ [۱۳۶]

باب: "(مسلمانو!) کہہ دو کہ: "ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور اُس کلام پر بھی جو ہم پر اُتارا گیا ہے"۔

۴۴۸۵ ـ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا عثمان بن عمر: أخبرنا على بن المبارك، عن يحيى بن أبي كثير، عن ابي سلمة، عن ابي هريرة ﷺ قال: كان اهل الكتاب يقرؤن التوراة بالعبرانية ويفسرونها بالعربية لاهل الاسلام. فقال رسول الله ﷺ: ((لا تصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم و﴿قُولُوْا آمَنَّا بِاللهِ وَمَاأُنْزِلَ إِلَيْنَا﴾ الآية)). [أنظر: ۷۳۶۲، ۷۵۴۲] [۳۲]

---

[۳۱] بناء اور تعمیر کعبہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ۲، ص: ۲۳۹-۲۳۷، رقم الحدیث: ۱۲۶

[۳۲] انفرد به البخاري.

ترجمہ: ابوسلمہ حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ اہل کتاب یعنی یہودی تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے اس کی تفسیر عربی زبان میں کرتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم ان اہل کتاب کو نہ سچا کہو، اور نہ جھوٹا کہو، بلکہ تم اس طرح کہا کرو کہ ﴿**قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا**﴾۔

اسرائیلی روایات اوران کی اقسام

یہ حدیث اصل میں اسرائیلی روایتوں کے بارے میں ہے۔

اسرائیلی روایات اُن روایات کو کہتے ہیں جو یہودیوں یا عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں، ان میں بعض براہ راست بائبل یا تالمود سے لی گئی ہیں، بعض مشنا اوران کی شروح سے اور بعض وہ زبانی روایات ہیں جو اہل کتاب میں سینہ بسینہ چلی آئی ہیں، اور عرب کے یہود ونصاری میں مشہور ومعروف تھیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایسی روایات کی تین قسمیں بیان کی ہیں اور ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے:

پہلی قسم: وہ اسرائیلی روایات ہیں جن کی تصدیق دوسرے خارجی دلائل سے ہو چکی ہے مثلاً فرعون کا غرقاب ہونا، حضرت موسیٰ ﷤ کا جادوگروں سے مقابلہ، کوہِ طور پر جانا وغیرہ۔

ایسی روایات اس لئے قابلِ اعتبار ہیں کہ قرآن کریم یا صحیح احادیث نے ان کی تصدیق کر دی ہے۔

دوسری قسم: وہ اسرائیلی روایات ہیں جن کا جھوٹا ہونا خارجی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے مثلاً یہ کہانی کہ حضرت سلیمان ﷤ آخری عمر میں -**معاذ اللہ**- بُت پرستی میں مبتلاء ہو گئے تھے، اسی طرح حضرت داؤد ﷤ کے بارے میں یہ من گھڑت کہانی کہ آپ ﷤ -**معاذ اللہ**- اپنے سپہ سالار اوریا کی بیوی پر فریفتہ ہو گئے تھے۔

یہ روایات اس وجہ سے قطعاً باطل ہیں قرآن کریم نے صراحۃً ان کی تردید کی ہے۔

تیسری قسم: اُن اسرائیلی روایات کی ہے جن کے بارے میں خارجی دلائل سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ سچی ہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جھوٹی ہیں مثلاً تورات کے احکام وغیرہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسرائیلی روایتوں کے بیان کرنے میں تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن نہ تصدیق کی جائے گی نہ تردید کی جائے گی، ہوسکتا ہے صحیح ہو، ہوسکتا ہے کہ غلط ہو۔

البتہ کوئی اسرائیلی روایت اگر اسلامی دلائل کے خلاف ہو تو اسکی تردید کی جائے گی یعنی امت محمدیہ کی گواہی ان کی امتوں کے خلاف انبیائے کرام کے حق میں ہوگی۔

تیسری قسم کی اسرائیلی روایات کے بارے میں ہی نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "**لا تصدقوا أهل**

الکتاب ولا تکذبوھم " یعنی تم ان اہل کتاب کو نہ سچا کہو، اور نہ جھوٹا کہو۔

موجودہ تورات اور انجیل کو تاریخی کتاب کی حیثیت سے سمجھ سکتے ہیں لیکن اسی شرط کے ساتھ کہ نا تو ان کی تصدیق کریں گے کہ یہ بالکل ٹھیک ہیں، اور نہ ہی ان کی مکمل تکذیب کریں گے۔ ۳۳

بنی اسرائیل کا خطاب

سوال: کیا بنی اسرائیل کا خطاب صرف یہودیوں کیلئے خاص ہے یا اس میں نصاریٰ بھی شامل ہیں؟ اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کیلئے ناسخ تھے اور یہودیوں پر ان کی اتباع ضروری تھی یا نہیں؟

جواب: اصل میں بنی اسرائیل میں یہود و نصاریٰ سب داخل ہیں، کیونکہ سب حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں، لیکن قرآن کریم میں جہاں خطاب آتا ہے "**یا بنی اسرائیل**" تو زیادہ تر اس سے مراد یہودی ہوتے ہیں، سوائے چند مواقع کے اکثر و بیشتر مواقع پر مراد یہودی ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے زیادہ تر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر ہی عمل کرایا۔

البتہ چند مسائل میں انکی شریعت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے مختلف تھی، کچھ مسائل میں اللہ جل جلالہ نے تخفیف کر دی تھی یعنی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بنی اسرائیل پر سختیاں تھیں، ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں کم کر دیا تھا۔

تو وہ معدودے چند مسائل ہیں ورنہ بحیثیت مجموعی شریعت وہی ہے۔

(۱۲) قوله تعالىٰ: ﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَاوَلَّاهُم عَنْ قِبْلَتِهِمُ﴾

[۱۴۲] الآیۃ

اس ارشادِ باری تعالیٰ کا بیان کہ: "اب یہ بے وقوف لوگ کہیں گے کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس نے اِن (مسلمانوں) کو اُس قبلے سے رُخ پھیرنے پر آمادہ کر دیا"۔ ۳۴

---

۳۳ علوم القرآن، ص: ۳۴۵ـ۳۴۶

۳۴ [اول سے آپ ﷺ کیلئے خانہ کعبہ قبلہ مقرر ہوا تھا، .... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾ ....

۴۴۸۶ - حدثنا أبو نعيم: سمع زهيرا، عن أبي اسحاق، عن البراء ﷺ أن النبي ﷺ صلى الى بيت المقدس ستة عشر شهراً أو سبعة عشر شهراً. وكان يعجبه أن تكون قبلته قبل البيت، وانه صلى أو صلاها صلاة العصر وصلى معه قوم فخرج رجل ممن كان صلى معه فمر على أهل المسجد وهم راكعون، قال: أشهد بالله لقد صليت مع النبي ﷺ قبل مكة فداروا كما هم قبل البيت وكان الذى مات على القبلة قبل أن تحول قبل البيت رجال قتلوا لم ندر مانقول فيهم. فانزل الله: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [۱۴۳]. [راجع: ۴۰]

ترجمہ: حضرت براء ﷺ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (مدینہ منورہ میں) سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، مگر کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا خیال دل میں بسا ہوا تھا، آخر ایک دن بحکم الٰہی آپ ﷺ نے عصر کی نماز کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی، سب لوگوں نے بھی آپ ﷺ کی اقتداء کی، ایک شخص جو آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر چکے تھے، مسجد قبا کی طرف گئے، دیکھا کہ لوگ وہاں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس شخص نے اسی حالت میں جب کہ وہ رکوع میں تھے پکار کر کہا کہ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ابھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے، یہ سن کر سب کعبہ کی سمت گھوم گئے، البتہ لوگوں کو یہ تشویش تھی کہ جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہوئے انتقال کر گئے ان کی نمازیں ہوئیں یا نہیں۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یعنی اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہاری عبادتوں کو ضائع کر دے بلکہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان اور رحیم ہے۔ ۳۵

..........﴿گذشتہ سے پیوستہ﴾..........بیچ میں چند عرصہ کیلئے امتحاناً بیت المقدس کو قبلہ مقرر فرمایا اور سب جانتے ہیں کہ امتحان اسی چیز میں ہوتا ہے جو نفس پر دشوار ہو، سوحق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک بجائے کعبہ بیت المقدس کو قبلہ بنانا لوگوں کو بھاری معلوم ہوا، عوام مسلمین کو اس وجہ سے کہ عموماً عرب اور قریش تھے اور کعبہ کے افضلیت کے معتقد تھے، ان کو اپنے خیال اور رسم وعادت کے خلاف کرنا پڑا، اور خواص کے گھبرانے کی وجہ یہ تھی کہ ملت ابراہیمی کے خلاف تھا، جس کے موافقت کے مامور تھے، اور اخص الخواص جن کو ذوق سلیم اور تمیز و مراتب کی لیاقت عطا ہوئی تھی وہ کعبہ کے بعد بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونے کو ترقی معکوس خیال کرتے تھے، مگر جن حضرات کو حکمت واسرار تک رسائی تھی اور حقیقت کعبہ اور حقیقت بیت المقدس کو بنور فراست جدا جدا مع فرق مراتب سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء کے کمالات کے جامع اور آپ کی رسالت جملہ عالم اور تمام امتوں کیلئے شامل ہے اس لئے ضروری ہے کہ استقبال بیت المقدس کی نوبت بھی آئے یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں تمام انبیاء سابقین سے ملاقات بھی ہوئی اور اس کے بعد استقبال بیت المقدس کا بھی حکم ہوا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی، سورۂ بقرہ۔)]

۳۵ اس کی تفصیل کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، ج: ۱، ص: ۵۱۶- ۴۹۸، رقم: ۴۰

(۱۳) باب قوله تعالىٰ: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِتَكُوْنُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْداً﴾ [۱۴۳]

ارشادِ باری تعالیٰ کا بیان: ''اور (مسلمانو!) اِسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل اُمت بنایا ہے تا کہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول تم پر گواہ بنے''

امتِ محمدیہ کی خصوصیات

جس طرح ہم نے آخری زمانے میں تمام دوسری جہتوں کو چھوڑ کر کعبے کی سمت کو قبلہ بننے کا شرف عطاء فرمایا اور تمہیں اسے دِل و جان سے قبول کرنے کی ہدایت دی، اسی طرح ہم نے تم کو دوسری اُمتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ معتدل اور متوازن اُمت بنایا ہے۔ چنانچہ اس اُمت کی شریعت میں ایسے مناسب احکام رکھے گئے ہیں جو قیامِ قیامت تک انسانیت کی صحیح رہنمائی کرسکیں۔ معتدل اُمت کی یہ خصوصیت بھی اِس آیت میں بیان فرمائی گئی ہے کہ اس اُمت کو قیامت کے دن انبیائے کرام کے گواہ کے طور پر پیش کیا جائے گا۔

آگے حدیث میں تفصیل آرہی ہے کہ جب پچھلے انبیاء کی اُمتوں میں سے کافر لوگ صاف انکار کردیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا تو اُمتِ محمدیہ کے لوگ انبیائے کرام کے حق میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے رسالت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی اپنی اُمتوں کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچادیا تھا، اگرچہ ہم خود اُس موقع پر موجود نہیں تھے لیکن ہمارے نبی ﷺ نے وحی سے باخبر ہوکر ہم کو یہ بات بتلادی تھی اور ہمیں اُن کی بات پر اپنے مشاہدے سے زیادہ اعتماد ہے۔ دوسری طرف رسولِ کریم ﷺ اپنی اُمت کی اس بات کی تصدیق خود فرمائیں گے۔

نیز بعض مفسرین نے امتِ محمدیہ کے گواہ ہونے کے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ شہادت سے مراد حق کی دعوت و تبلیغ ہے، اور اُمت پوری انسانیت کو اسی طرح حق کا پیغام پہنچائے گی جس طرح آنحضرت ﷺ نے ان کو پہنچایا تھا۔ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور ان میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے۔ [۳۶]

۴۴۸۷۔ حدثنا یوسف بن راشد: حدثنا جریر وأبو أسامة واللفظ لجریر، عن الأعمش، عن أبي صالح. وقال أبو أسامة: حدثنا أبو صالح، عن أبي سعید الخدری ﷺ قال: قال

---

[۳۶] عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۳۵

رسول اللہ ﷺ: ((یدعی نوح یوم القیامة فیقول: لبیک وسعدیک یارب. فیقول: هل بلغت؟ فیقول: نعم، فیقال لأمته: هل بلغکم؟ فیقولون: ما أتانا من نذیر، فیقول: من یشهد لک؟ فیقول: محمد وأمته، فیشهدون أنه قد بلغ ﴿وَیَكُونَ الرَّسُولُ عَلَیْكُمْ شَهِیْداً﴾ فذالک قوله عز وجل: ﴿وَكَذَالِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِتَكُوْنُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْداً﴾)) والوسط: العدل. [راجع: ۳۳۳۹]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ ﷻ حضرت نوح ﷺ کو بلائیں گے، وہ آئیں گے اور عرض کریں گے کہ اے رب میں حاضر ہوں، پھر اللہ ﷻ فرمائے گا کہ کیا تم نے ہمارے احکامات لوگوں تک پہنچا دیئے تھے؟ حضرت نوح ﷺ کہیں گے جی ہاں! اس کے بعد ان کی امت سے دریافت کیا جائے گا کہ تمہارے پاس خدا کے احکامات لے کر کوئی رسول آیا تھا یا نہیں؟ وہ لوگ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، پھر اللہ ﷻ (حضرت نوح ﷺ سے) فرمائیں گے کہ تمہاری بات کی گواہی کون دے گا؟ وہ فرمائیں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت، چنانچہ اس وقت امت محمد یہ گواہی دے گی کہ بے شک حضرت نوح ﷺ نے احکام الٰہی کی تبلیغ کی تھی اور رسول اللہ تم پر گواہ ہوں گے۔ اور یہی مراد ہے اس آیت سے: ﴿وَكَذَالِكَ جَعَلْنَا الخ﴾ آیت میں "والوسط" بمعنی عدل کے ہے۔

باب قول اللہ تعالی: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِی كُنْتَ عَلَیْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ﴾ الآیة [۱۴۳]

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان کہ: ''اور جس قبلے پر تم پہلے کاربند تھے، اُسے ہم نے کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کیلئے مقرر کیا تھا کہ کون رسول کا حکم مانتا ہے''۔

بیت المقدس کو قبلہ بنانا، مقصد امتحان تھا

مطلب یہ ہے کہ پہلے کچھ عرصے کیلئے بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا جو حکم ہم نے دیا تھا اس کا مقصد یہ امتحان لینا تھا کہ کون قبلے کی اصل حقیقت کو سمجھ کر اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور کون ہے جو کسی ایک قبلے کو بذاتِ خود ہمیشہ کیلئے مقدس مان کر اللہ کے بجائے اُسی کی عبادت شروع کر دیتا ہے۔

قبلے کی تبدیلی سے یہی واضح کرنا مقصود تھا کہ عبادت بیت اللہ کی نہیں، اللہ کی کرنی ہے، ورنہ اس میں اور

بت پرستی میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟

اگلے جملے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ جو لوگ صدیوں سے بیت المقدس کو قبلہ مانتے چلے آرہے تھے، اُن کیلئے اچانک بیت اللہ کی طرف رُخ پھیر دینا کوئی آسان بات نہ تھی کیونکہ صدیوں سے دلوں پر حکمرانی کرنے والے اعتقادات کو یکا یک بدل لینا بڑا مشکل ہوتا ہے، لیکن جن لوگوں کو اللہ نے یہ سمجھ عطاء فرمائی کہ کسی بھی چیز میں ذاتی تقدس نہیں، اور اصل تقدس اللہ تعالیٰ کے حکم کو حاصل ہے ان کو نئے قبلے کی طرف رُخ کرنے میں ذرا بھی دِقت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم پہلے بھی اللہ کے بندے اور اسکے تابع فرمان تھے اور آج بھی اسی کے حکم پر ایسا کر رہے ہیں۔ ۳۷

۴۴۸۸ - حدثنا مسدد: حدثنا یحیی، عن سفیان، عن عبداللہ بن دینار، عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما: بینا الناس یصلون الصبح فی مسجد قباء إذ جاءَ جاءٍ فقال: أنزل اللہ علی النبی ﷺ قرآنا أن یستقبل الکعبة فاستقبلوھا، فتوجھوا الی الکعبة. [راجع: ۴۰۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کچھ آدمی مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص آئے اور انہوں نے پکار کر کہا کہ اللہ ﷻ نے قرآن میں اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اپنا منہ کعبہ کی طرف کرلو، لہٰذا تم بھی کعبہ کی طرف رُخ کرو۔ چنانچہ سب لوگ نماز ہی کی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

(۱۵) باب قولہ تعالیٰ: ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾ الآیۃ [۱۴۴]

ارشادِ باری تعالیٰ کا بیان: ”(اے پیغمبر!) ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اُٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں“۔

نبی کریم ﷺ کی قبلہ کی تبدیلی کی خواہش واشتیاق

جب بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تو آنحضرت ﷺ کو یہ اندازہ تھا کہ یہ حکم عارضی ہے، اور چونکہ بیت اللہ، بیت المقدس کے مقابلے میں زیادہ قدیم بھی تھا اور اُس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادیں بھی وابستہ تھیں، اس لئے آپ کی طبعی خواہش بھی یہی تھی کہ اُسی کو قبلہ بنایا جائے۔

---

۳۷ آسان ترجمہ قرآن، ج:۱، ص:۱۰۳

چنانچہ آنحضرت ﷺ قبلے کی تبدیلی کے انتظار اور اشتیاق میں کبھی کبھی آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر دیکھتے تھے۔اس آیت ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾ میں اسی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

۴۴۸۹ ۔ حدثنا علی بن عبداللہ : حدثنا معتمر، عن أبيه، عن أنس رضی اللہ عنہ قال: لم يبق ممن صلى القبلتين غيري.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ تمام لوگوں میں اب صرف میں وہ شخص باقی رہ گیا ہوں جس نے دونوں قبلوں کی طرف نماز ادا کی ہے۔

تشریح

"لم یبق ممن صلی القبلتین غیري" کوئی باقی نہیں رہا سے مراد یہ ہے کہ اب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے خواہ وہ مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے جس نے دونوں قبلوں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی ہو میرے علاوہ اب (بصرہ میں) کوئی بھی باقی نہیں ہے۔

خادمِ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری عمر میں یہ ارشاد فرمایا تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۰ھ یا ۹۱ھ یا ۹۳ھ میں بصرہ شہر میں ہوئی، اور آپ کی عمر صحیح ترین قول کے مطابق ایک سو تین برس تھی اور بعض کے نزدیک ایک سو تیس سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ [۳۸]

(۱۶) باب: ﴿وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ﴾ الآیۃ [۱۴۵]

باب: "اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی اگر تم ان کے پاس ہر قسم کی نشانیاں لے آؤ تب بھی یہ تمہارے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے"۔

۴۴۹۰ ۔ حدثنا خالد بن مخلد: حدثنا سليمان قال: حدثني عبد الله بن دينار، عن ابن عمر رضي الله عنهما: بينما الناس في الصبح بقباء جاء هم رجل فقال: ان رسول الله ﷺ قد أُنزل عليه الليلة قرآن وقد أمر أن يستقبل الكعبة، الا فاستقبلوها. وكان وجه الناس الى الشام فاستداروا بوجوههم الى الكعبة. [راجع: ۴۰۳]

---

[۳۸] كذا ذكره الحافظ ابن حجر العسقلاني في فتح الباري، ج: ۸، ص: ۱۷۳

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا کہ آج رات کو رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنا منہ کعبہ کی طرف کرلو۔ چنانچہ یہ بات سنتے ہی سب لوگ اسی نماز کی حالت میں ہی کعبہ کی طرف گھوم گئے، حالانکہ پہلے رخ شام کی طرف تھا۔ [۳۹]

(۱۷) باب: ﴿اَلَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَهُ كَمَا يَعْرِفُوْنَ أَبْنَائَهُمْ﴾

باب: ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں''۔

پہچاننے سے کیا مراد ہے؟

اسکے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ کعبے کے قبلہ ہونے کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں جیسا کہ اُوپر گزرا۔

اور یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ اچھی طرح پہچانتے ہیں کہ یہ وہی رسول ہیں جن کی خبر پچھلے انبیاء کرام کے صحیفوں میں دی جا چکی ہے۔ لیکن ضد کی بناء پر ان حقائق کو تسلیم نہیں کر رہے ہیں۔ [۴۰]

۴۴۹۱ - حدثنا يحيى بن قزعة: حدثنا مالك، عن عبدالله بن دينار، عن ابن عمر قال: بينا الناس بقباء في صلاة الصبح إذ جاء هم آتٍ فقال: ان النبي ﷺ قد أنزل عليه الليلة قرآن، وقد أمر أن يستقبل الكعبة فستقبلوها، وكانت وجوههم الى الشام فاستداروا الى الكعبة. [۴۱]

---

[۳۹] تشریح وتفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحيح البخاری، ج:۳، ص: ۱۴۲، کتاب الصلاة، رقم: ۴۰۳

[۴۰] عمدة القاری، ج:۱۸، ص: ۱۳۸

[۴۱] وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب تحويل القبلة من القدس الى الكعبة، رقم: ۵۲۶، وسنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، رقم: ۲۹۶۳، وسنن النسائي، كتاب الصلاة، باب استبانة الخطأ بعد الاجتهاد، رقم: ۴۹۳، وكتاب القبلة، باب استبانة الخطأ بعد الاجتهاد، رقم: ۷۴۵، وموطا مالک، كتاب القبلة، باب ماجاء في القبلة، رقم: ۲، ومسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود رضى الله عنهما، رقم: ۴۶۴۲، ۵۸۲۷، ۵۱۴۳، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب في تحويل القبلة من بيت المقدس الى الكعبة، رقم: ۱۲۷۰

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ صبح کی نماز لوگ مسجد قبا میں پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آئے اور انہوں نے کہا کہ آج رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور آپ ﷺ کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا آپ حضرات بھی اپنا منہ کعبہ کی طرف کر لیجئے، وہ لوگ شام (بیت المقدس) کی طرف نماز پڑھ رہے تھے، لہٰذا اس بات کو سن کر سب کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

(۱۸) باب: ﴿وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا﴾ الآیۃ [۱۴۸]

باب: "اور ہر گروہ کی ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رُخ کرتا ہے"۔

بحث و مباحثہ کے بجائے نیکیوں میں اضافہ کا حکم

جو لوگ قبلے کی تبدیلی پر اعتراض کر رہے تھے اُن پر حجت تمام کرنے کے بعد مسلمانوں کو یہ ہدایت دی جارہی ہے کہ ہر مذہب کے لوگوں نے اپنے اپنے الگ الگ قبلے بنا رکھے ہیں، اور تمہارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس دنیا میں اُن کو کسی ایک قبلے پر جمع کر سکو۔

لہٰذا اب ان لوگوں سے قبلے کی بحث میں پڑنے کے بجائے تمہیں اپنے کام میں لگ جانا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اپنے نامۂ اعمال میں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا اضافہ کرو، اور اس کام میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔

آخری انجام یہ ہوگا کہ تمام مذاہب والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلائے گا اور اُس وقت ان سب کی ٹرکی تمام ہو جائے گی۔ وہاں سب کا قبلہ ایک ہی ہو جائے گا، کیونکہ سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ [۲۲]

۴۴۹۲ - حدثنا محمد بن المثنی قال: حدثنا یحیی، عن سفیان: حدثنی أبی اسحاق قال: سمعت البراء ﷺ قال: صلینا مع النبی ﷺ نحو بیت المقدس ستة عشر شهراً أو سبعة عشر شهراً، ثم صرفه نحو القبلة. [راجع: ۴۰]

ترجمہ: سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو اسحاق نے بیان کیا کہ میں حضرت براء بن عازب ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا منہ کعبہ کی طرف پھیر لیا اور ہم بھی پھر گئے۔

---

[۲۲] آسان ترجمہ قرآن، ج:۱، ص:۱۰۶، وعمدة القاری، ج:۱۸، ص:۱۳۹

(۱۹) باب: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [۱۴۹] الآية

باب: ''اورتم جہاں سے بھی (سفر کیلئے) نکلو، اپنا منہ (نماز کے وقت) مسجدِ حرام کی طرف کرو''۔

شطره: تلقاؤه.

ترجمہ: "شطره" کے معنی طرف کے ہیں یعنی مسجد حرام کی طرف۔

۴۴۹۳ ـ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا عبدالعزيز بن مسلم: حدثنا عبدالله ابن دينار قال: سمعت ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يقول: بينما الناس في الصبح بقباء إذ جاء هم رجل فقال: أنزل الليلة قرآن فأمر أن يستقبل الكعبة فاستقبلوها، واستداروا كهيئتهم فتوجهوا إلى الكعبة وكان وجه الناس إلى الشام. [راجع: ۴۰۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ بات ہوئی کہ کچھ لوگ مسجد قبا میں فجر کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص وہاں آئے اور کہا کہ آج رات کو قرآن نازل ہوا ہے اور کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا ہے، لہٰذا آپ لوگ بھی اپنا اپنا منہ کعبہ کی طرف کرلیں اور جس حالت میں ہیں اسی حال میں رُخ پھیر لے، یہ سنتے ہی سب لوگ اسی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے، اس وقت لوگ شام (بیت المقدس) کی طرف نماز پڑھ رہے تھے۔

(۲۰) باب: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُمَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ [۱۵۰]

باب: ''اور جہاں سے بھی تم نکلو، اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف کرو۔ اور تم جہاں کہیں ہو، اپنے چہرے کو اُسی کی طرف رکھو''۔

۴۴۹۴ ـ حدثنا قتيبة بن سعيد: عن مالك، عن عبدالله بن دينار، عن ابن عمر قال: بينا الناس في صلاة الصبح بقباء إذ جاء هم آتٍ فقال: إن رسول الله ﷺ قد أنزل عليه الليلة وقد أمر أن يستقبل الكعبة فاستقبلوها وكانت وجوههم الى الشام، فستداروا الى القبلة. [راجع: ۴۰۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص وہاں آئے اور کہا کہ آج رات کو رسول اللہ ﷺ کے پاس خدا کا یہ حکم آیا ہے کہ کعبہ کو اپنا قبلہ بناؤ، لہٰذا تم سب بھی اپنا اپنا منہ کعبہ کی طرف کرلو، چنانچہ ہم سب لوگ بیت المقدس کی طرف سے کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

تحویلِ کعبہ کے مراحل

یہ ساری روایتیں مسجدِ قبا سے متعلق ہیں اور صلوٰۃ فجر سے متعلق ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تحویلِ قبلہ کا واقعہ فجر میں پیش آیا، تو گویا چار مرحلے ہوئے:

پہلا بنو سلمہ میں کہ جہاں آپ ﷺ نے ظہر کے دوران رخ بدلا۔

دوسرا واقعہ مسجد نبوی میں کہ مکمل نماز کعبہ کی طرف رُخ کرکے پڑھی۔

تیسرا واقعہ مسجد بنو حارثہ میں لوگوں کو اطلاع دی گئی اور لوگوں نے رخ بدلا۔

اور

چوتھا واقعہ مسجد قبا میں جو اگلے دن فجر میں پیش آیا۔

یہ بات اگر ذہن میں رہے تو تمام روایات اپنی اپنی جگہ پر درست بیٹھ جاتی ہیں، اور ان میں کوئی اشکال کی بات باقی نہیں رہتی۔ [۴۳]

(۲۱) باب قوله تعالى: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ﴾ الآية [۱۵۸]

ارشادِ باری تعالیٰ کا بیان کہ: ''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں''۔ [۴۴]

---

[۴۳] تحویل قبلہ کے متعلق علماء کے اقوال کی مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ۱، ص: ۵۰۳

[۴۴] پہلے ذکر تھا تحویل الی الکعبہ کا کہ سب قبلوں سے افضل ہونے کا اب اس کے محل ادائے حج وعمرہ ہونے کا بیان فرماتے ہیں تاکہ ﴿وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ﴾ تصدیق اور تکمیل خوب ہوجائے، یا یوں کہئے کہ اس سے پہلے صبر کی فضیلت مذکور تھی اب یہ فرمایا گیا کہ دیکھو صفا و مروہ جو شعائر اللہ میں داخل ہوئیں اور ان میں سعی کرنا حج وعمرہ میں ضروری ہوا اس کی وجہ یہی تو ہے کہ یہ فعل صابرین یعنی حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے آثار میں سے ہے، حدیث وتفسیر وتاریخ میں یہ قصہ مصرح مذکور ومشہور ہے جس کے دیکھنے سے ﴿ان الله مع الصابرين﴾ کی تصدیق ہوتی ہے۔ تفسیر عثمانی، سورۂ بقرہ، آیت: ۱۵۸، فائدہ: ۹۔

شعائر: علامات، واحدتها شعيرة، وقال ابن عباس: الصفوان: الحجر، ويقال: الحجارة الملس التي لا تنبت شيئا والواحدة صفوانة بمعنى الصفا. والصفا للجميع.

ترجمہ: "شعائر" جمع "شعيرة" - اس کے معنی ہیں نشانیاں یعنی علامتیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ "صفوان" کا جو لفظ ہے اس کا مطلب ہے پتھر۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ "صفوان" کے معنی چکنے پتھر کے ہیں جس پر کوئی چیز نہیں اُگتی، اسکا واحد "صفوانة" بمعنی "صفا" ہے اور یہ جمع کیلئے آتا ہے۔

۴۴۹۵ - حدثنا عبدالله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن هشام بن عروة، عن أبيه أنه قال: قلت لعائشة زوج النبي ﷺ وأنا يومئذ حديث السن: أرأيت قول الله تبارك وتعالى: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاجُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ فما أرى على أحد شيئا أن لا يطوف بهما، فقالت عائشة: كلا لو كانت، تقول كانت: فلا جناح عليه ان لا يطوف بهما، انما انزلت هذه الآيت في الأنصار كانوا يهلون لمناة وكانت مناة حذو قديد، وكانوا يتحرجون أن يطوفوا بين الصفا والمروة. فلما جاء الاسلام سألوا رسول الله ﷺ عن ذلك فانزل الله ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاجُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾. [راجع: ۱۶۴۳]

ترجمہ: ہشام بن عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے زوجۂ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا اور میں اس وقت بچہ تھا کہ یہ جو اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاجُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾، کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص صفا ومروہ کا طواف نہ بھی کرے تو بھی اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا یہ بات نہیں ہے، اگر یہ بات ہوتی تو اللہ ﷻ اس طرح فرماتا کہ اگر کوئی ان کا طواف نہ بھی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ درحقیقت یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی، کیونکہ وہ (اسلام سے قبل) منات بت کیلئے احرام باندھتے تھے، جو قدید کے پاس رکھا ہوا تھا، انصار کو صفا ومروہ کا طواف اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ جب اسلام آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسکے متعلق دریافت کیا، تو اس وقت اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاجُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾۔

۴۴۹۶ - حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا سفيان، عن عاصم بن سليمان قال:

سألت أنس بن مالک ﷺ عن الصفا والمروۃ، فقال: کنا نری أنھما من أمر الجاھلیۃ فلما کان الاسلام أمسکنا عنھما فأنزل اللہ تعالیٰ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ﴾. [راجع: ۱۶۴۳]

ترجمہ: عاصم بن سلیمان رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالک ﷺ صفا اور مروہ کے بارے میں سوال کیا تو حضرت انس ﷺ نے فرمایا کہ ہم لوگ صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنے کو جاہلیت کے کاموں میں سمجھتے تھے، جب اسلام آیا تو ہم اس سے رُک گئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ **﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ الخ﴾**۔

صفا ومروہ

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہذا جو شخص بھی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس کے لئے اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ ان کے درمیان چکر لگائے۔

اس آیت میں اللہ رب العزت نے صفا ومروہ کو شعائر اللہ میں سے قرار دیا ہے۔ شعائر اللہ سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی علامات قرار دیا ہے۔

حج وعمرہ میں اللہ تعالیٰ نے صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا واجب قرار دیا ہے۔

اس آیت میں اگرچہ سعی واجب ہے، لیکن یہاں "کوئی گناہ نہیں" کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہاں دو بت، جن کے نام مناۃ اور قدید تھے، رکھے گئے تھے اور یثرب (انصار) کے لوگ اسلام لانے سے قبل زمانہ جاہلیت میں اس بت مناۃ کے نام پر احرام باندھتے تھے، اسلام لانے کے بعد حضراتِ انصار کو یہ شک ہوا کہ صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا یہ جاہلیت کی نشانی ہونے کی وجہ سے گناہ ہو، تو آیت میں یہ شک دُور کر دیا۔ [۴۵]

---

[۴۵] آسان ترجمہ قرآن، ج:۱، ص:۱۱۱، وعمدۃ القاری، ج:۱۸، ص: ۱۳۲

(۲۲) باب قوله تعالی: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللهِ أَنْدَاداً يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللهِ﴾ [۱۶۵]

ارشادِ باری تعالیٰ کا بیان کہ: ''اور (اس کے باوجود) لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کی خدائی میں طرح شریک قرار دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ کی محبت (رکھنی چاہئے)''۔

یعنی أضداداً، واحدها ند.

آیت میں ''أَنْدَاداً'' سے مراد ضد کے ہیں، اور اس کا ''ند'' ہے۔

۴۴۹۷ ـ حدثنا عبدان، عن أبی حمزة، عن الأعمش، عن شقیق، عن عبدالله قال: قال النبی ﷺ کلمة وقلت أخری، قال النبی ﷺ: ((من مات وهو یدعو من دون الله ندا دخل النار))، وقلت أنا: من مات وهو لایدعو لله ندا دخل الجنة .[راجع: ۱۲۳۸]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اللہ جل جلالہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا اور پھر مر گیا وہ دوزخ میں جائے گا، میں نے کہا اور جس شخص نے اللہ جل جلالہ کا کسی کو شریک نہیں کیا اور وہ مر گیا، آپ ﷺ نے فرمایا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۲۳) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ﴾ الآية [۱۷۸]

باب: ''اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے''۔ ۳۶

۳۶ یعنی حکم قصاص بظاہر نظر اگر چہ بھاری معلوم ہو لیکن عقلمند سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حکم بڑی زندگانی کا سبب ہے، کیونکہ قصاص کے خوف سے ہر کوئی کسی کو قتل کرنے سے رکے گا، تو دوں کی جان محفوظ رہے گی اور قصاص کے سبب قاتل اور مقتول دونوں کی جماعتیں بھی قتل سے محفوظ اور مطمئن رہیں گی۔
عرب میں ایسا ہوتا تھا کہ قاتل اور غیر قاتل کا لحاظ نہیں کرتے تھے...............﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾...............

﴿عُفِيَ﴾: ترک.

"عُفِيَ" بمعنی ترک، چھوڑنا۔

۴۴۹۸ - حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان: حدثنا عمرو قال: سمعت عن مجاهدا قال: سمعت ابن عباس رضی الله عنهما یقول: کان فی بنی اسرائیل القصاص ولم تکن فیهم الدیة فقال الله تعالی لهذه الأمة: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ﴾ فالعفو أن یقبل الدیة فی العمد ﴿فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ یتبع بالمعروف ویؤدی باحسان ﴿ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ مما کتب علی من کان قبلکم ﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ قتل بعد قبول الدیة. [أنظر: ۶۸۸۱] ۷۷

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ بنی اسرائیل میں صرف قصاص کا قانون تھا، دیت کا رواج نہیں تھا۔ پھر اللہ ﷻ نے اس امت سے فرمایا کہ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الخ﴾ اور معافی یہ ہے کہ قتل عمد میں دیت دی جائے، ﴿فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ الخ﴾ مقتول کے وارثوں کو چاہئے کہ معقول طریقے سے دیت کا مطالبہ کریں اور قاتل کو اچھی طرح دیت ادا کرنا چاہئے ﴿ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ الخ﴾ اس کے مقابلے میں جو پہلے تم پر فرض تھا ﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ الخ﴾ زیادتی یہ ہے کہ دیت لینے کے بعد پھر قتل بھی کر دیا۔

دیت؛ امت محمدیہ پر اللہ کی خاص عنایت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بنی اسرائیل میں صرف قصاص تھا یعنی خون کا بدلہ خون تھا، دیت کا کوئی تصور نہیں تھا، مگر امت محمدیہ ﷺ پر اللہ ﷻ نے اپنی خاص مہربانی اور فضل فرمایا کہ ان پر

.......﴿گذشتہ سے پیوستہ﴾....... جو ہاتھ آجاتا مقتول کے وارث اس کو قتل کر ڈالتے تھے، اور فریقین میں اس کے باعث ایک خون کی وجہ سے ہزاروں جانیں ضائع ہونے کی نوبت آتی تھی، جب خاص قاتل ہی سے قصاص لیا گی تو یہ تمام جانیں بچ گئیں اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ قصاص قاتل کے حق میں باعث حیات اخروی ہے۔ تفسیر عثمانی، سورہ بقرہ، آیت: ۱۷۸، فائدہ: ۳۔

۷۷ وفی سنن النسائی، کتاب القسامة، باب تأویل قوله عزوجل: ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾. رقم: ۴۷۸۱

دیت کا حکم نازل فرمایا:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کردیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کردیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت (ہی کو قتل کیا جائے گا)، پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے۔

یعنی اگر کوئی کسی کو ناحق قتل کرڈالے تو اس پر قصاص واجب ہے، قصاص کا مطلب ہے برابر کا بدلہ، اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو جان بوجھ کر ناحق قتل کیا کردیا جائے اور قاتل کا جرم ثابت ہو جائے تو مقتول کے وارث کو حق حاصل ہے کہ وہ قاتل سے قصاص کا مطالبہ کرے۔

ہاں اگر مقتول کے تمام ورثاء یا مقتول کے وارثوں میں سے اگر بعض بھی خون کو معاف کردیں تو اب قاتل کو قصاص میں قتل تو نہیں کرسکتے بلکہ دیکھیں گے کہ ان وارثوں نے معاف کس طرح پر کیا ہے؟

بلا معاوضہ مالی محض ثواب کی غرض سے معاف کیا یا دیت شرعی اور بطور مصالحت خوں بہا کے طور پر کسی مقدار مال پر راضی ہوکر صرف قصاص سے دستبرداری کی ہے۔

اول **صورت** میں قاتل ان وارثوں کے مطالبہ سے بالکل سبکدوش ہو جائے گا اور **دوسری صورت** میں قاتل کو چاہئے کہ وہ معاوضہ ادا کرے۔

یہ معافی کا حکم قتل عمد کے سلسلے میں ہے کہ چاہو تو قصاص لو چاہو تو دیت لو چاہو تو معاف کردو۔

﴿فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾

ترجمہ: تو معروف طریقے کے مطابق (خوں بہا کا) مطالبہ کرنا (وارث کا) حق ہے، اور اُسے خوش اُسلوبی سے ادا کرنا (قاتل کا) فرض ہے۔

دیت لینے کا ارادہ ہو تو مقتول کے وارثوں کو چاہیئے عام دستور کے موافق دیت کا مطالبہ کریں، دیت کے سلسلے میں زیادہ تنگ نہ کریں بلکہ پہلے باہمی رضامندی کے ساتھ دیت مقرر کرلیں، اور قاتل کو بھی دیت

ممنونیت اور خوشدلی کے ساتھ ادا کرنی چاہئے کہ اس معاملے میں ٹال مٹول سے کام نہ لے۔

﴿ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَةٌ﴾

ترجمہ: یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک آسانی پیدا کی گئی ہے اور ایک رحمت ہے۔

یہ دیت کا حکم اللہ ﷻ کی طرف سے سہولت، مہربانی اور تخفیف ہے قاتل اور وارثان مقتول دونوں پر، جو پہلے لوگوں پر نہیں ہوئی تھی کہ یہود پر خاص قصاص کا حکم تھا اور نصاریٰ پر دیت یا عفو مقرر تھا۔

﴿فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾

ترجمہ: پھر اس کے بعد بھی کوئی زیادتی کرے تو وہ دردناک عذاب کا مستحق ہے۔

"بعد ذلک" کے معنی ہیں کہ دیت وصول کرلی اور قاتل کو دوبارہ قتل کر بھی دیا۔

یعنی اس تخفیف و رحمت کے بعد بھی اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا، دستور جاہلیت پر چلے گا معافی اور دیت قبول کر لینے کے بعد قاتل کو قتل کرے گا تو اس کیلئے سخت عذاب ہے آخرت میں یا ابھی اسکو قتل کیا جائے گا۔

قصاص اور مسالک ائمہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ کوئی آزاد شخص کسی غلام کو قتل کر دے تو قصاصاً اس آزاد کو قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح قتل عورت کے قصاص میں مرد قاتل کو قتل کیا جائے گا، نیز کوئی کافر ذمی کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا جائے تو قاتل مسلمان قصاص میں قتل کیا جائے گا، البتہ اگر مسلمان نے کسی حربی کافر کو قتل کیا ہے تو قصاص نہیں ہوگا۔

امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آزاد بمقابلہ غلام اور مرد بمقابلہ عورت قتل نہیں کیا جائے گا۔

استدلال اسی آیت سے کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا قول ہے کہ ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾۔

حالانکہ اس آیت کریمہ کا نزول ایک خاص واقعہ کی بنا پر ہے جس پر یہ آیت نازل ہوئی، زمانہ جاہلیت میں یعنی اسلام سے کچھ پہلے دو عرب قبیلوں میں جنگ ہوگئی، طرفین کے بہت سے لوگ قتل ہوگئے اسلام لانے کے بعد اپنے اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کی گفتگو شروع ہوئی تو ایک قبیلہ جو قوت شوکت والا تھا، اس نے کہا کہ ہم اس وقت تک راضی نہ ہونگے جب تک ہمارے غلام کے بدلے تمہارا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے میں مرد قتل نہیں کیا جائے۔

ان کے جاہلانہ مطالبہ کی تردید کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی ﴿الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ﴾ جس کا حاصل ان کے اس مطالبہ کو رد کرنا تھا کہ غلام کے بدلے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے اگر چہ وہ قاتل نہ ہو۔

اسلام نے اپنا عادلانہ قانون یہ نافذ کر دیا کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے، اگر عورت قاتل ہے تو کسی بے گناہ مرد کو اس کے بدلے میں قتل کرنا ظلم عظیم ہے جو اسلام میں قطعا برداشت نہیں کیا جاسکتا، آیت کا مطلب یہ نہیں کہ عورت کو کوئی مرد قتل کر دے یا غلام کو کوئی آزاد قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ [۳۸]

۴۴۹۹ ـ حدثنا محمد بن عبدالله الأنصاري: حدثنا حميد أن أنسا حدثهم عن النبی ﷺ قال: ((كتاب الله: القصاص)). [راجع: ۲۷۰۳]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ ﷻ کی کتاب قصاص کا حکم دیتی ہے، بشرطیکہ دیت قبول نہ کریں۔

۴۵۰۰ ـ حدثني عبدالله بن منير: سمع عبدالله بن بكر السهمي: حدثنا حميد، عن أنس: أن الربيع عمته كسرت ثنية جارية فطلبوا اليها العفو فأبوا، فعرضوا الأرش فأبوا، فأتوا رسول الله ﷺ وأبوا الا القصاص، فأمر رسول الله ﷺ بالقصاص، فقال أنس بن النضر: يارسول الله، أتكسر ثنية الربيع؟ لا والذى بعثك بالحق لا تكسر ثنيتها، فقال رسول الله ﷺ: ((يا أنس، كتاب الله القصاص))، فرضى القوم فعفوا، فقال رسول الله ﷺ: ((ان من عبادالله من لو أقسم على الله لأبره)). [راجع: ۲۷۰۳]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میری پھوپھی ربیع نے ایک لڑکی کا سامنے کا دانت توڑ دیا، ربیع کے رشتہ داروں نے اس لڑکی سے معافی طلب کی، مگر لڑکی کے رشتہ داروں نے معافی سے انکار کر دیا، پھر ان لوگوں نے دیت پیش کی اس کو بھی قبول نہیں کیا گیا۔ آخر معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور لڑکی کے ورثاء قصاص کے علاوہ کسی چیز پر راضی نہیں تھے، رسول اللہ ﷺ نے قصاص کا حکم جاری کر دیا۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ (ربیع کے بھائی اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا) نے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا واقعی ربیع کا دانت توڑ دیا جائے گا؟ نہیں، میں اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے، ان کا دانت نہ توڑا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انس! اللہ کی کتاب قصاص کا حکم دیتی ہے۔

---

[۳۸] عمدة القاری، ج: ۱۲، ص: ۴۳۸، ـ وحد اللہ فضلے، جلد اول، ص: ۲۸۳۔

اس کے بعد لڑکی کے رشتہ دار معاف کرنے پر راضی ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ جل جلالہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر اللہ کی قسم کھائیں تو اللہ جل جلالہ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔

(۲۴) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [۱۸۳]

باب: ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو'' ۔ ۴۹

پچھلی اُمتوں کا روزہ

روزے کی فرضیت کا حکم مسلمانوں کو ایک خاص مثال سے دیا گیا ہے، حکم کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا کہ یہ روزے کی فرضیت کچھ تمہارے ساتھ خاص نہیں، پچھلی امتوں پر بھی روزے فرض کئے گئے تھے۔

اس سے روزے کی خاص اہمیت بھی معلوم ہوئی، اور مسلمانوں کی دل جوئی کا بھی انتظام کیا گیا کہ روزہ اگرچہ مشقت کی چیز ہے، مگر یہ مشقت تم سے پہلے لوگ بھی اُٹھاتے چلے آئے ہیں۔

طبعی بات ہے کہ مشقت میں بہت سے لوگ مبتلاء ہوں تو وہ ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے۔ ۵۰

---

۴۹ یہ حکم روزہ کے متعلق ہے جو ارکان اسلام میں داخل ہے اور نفس کے بندوں ہوا پرستوں کو نہایت ہی شاق ہوتا ہے، اس لئے تاکید اور اہتمام کے الفاظ سے بیان کیا گیا اور یہ حکم حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے اب تک برابر جاری رہا ہے گو تعیین ایام میں اختلاف ہوا اور اصول مذکورہ سابقہ میں جو صبر کا حکم تھا روزہ اس کا ایک بڑا رکن ہے حدیث میں روزہ کو نصف صبر فرمایا ہے۔ یعنی روزہ سے نفس کو اس کی مرغوبات سے روکنے کی عادت پڑے گی تو پھر اس کو ان مرغوبات سے جو شرعاً حرام ہیں روک سکو گے اور روزے سے نفس کی قوت و شہوت میں ضعف بھی آئے گا تو اب تم متقی ہو جاؤ گے بڑی حکمت روزہ میں یہی ہے کہ نفس سرکش کی اصلاح ہو اور شریعت کے احکام جو نفس کو بھاری معلوم ہوتے ہیں ان کا کرنا سہل ہو جائے اور متقی بن جاؤ، جاننا چاہیئے کہ یہود و نصاریٰ پر بھی رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے مگر انہوں نے اپنی خواہشات کے موافق ان میں اپنی رائے سے تغیر و تبدل کیا تو "لعلکم تتقون" میں ان پر تعریض ہے معنی یہ ہوں گے کہ اے مسلمانو! تم نافرمانی سے بچو یعنی مثل یہود و نصاریٰ کے اس حکم میں خلل نہ ڈالو۔ تفسیر عثمانی، سورہ بقرہ، آیت: ۱۸۳۔

۵۰ تفسیر الآلوسی- روح المعانی، ج: ۱، ص: ۴۵۳

قرآن کریم کے الفاظ ﴿الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ عام ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت خاتم الانبیاء ﷺ تک کی تمام شریعتوں اور امتوں کو شامل ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح نماز کی عبادت سے کوئی شریعت اور امت خالی نہیں رہی اسی طرح روزہ بھی ہر شریعت میں فرض رہا ہے۔

جن حضرات نے فرمایا ہے کہ ﴿الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ سے اس جگہ نصاری مراد ہیں، وہ بطور ایک مثال کے ہے، اس سے دوسری امتوں کی نفی نہیں ہوتی۔ [روح المعانی]

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ میں اشارہ ہے کہ تقویٰ کی قوت حاصل کرنے میں روزہ کو بڑا دخل ہے، کیونکہ روزہ سے اپنی خواہشات کو قابو رکھنے میں ایک ملکہ پیدا ہوتا ہے، وہی تقویٰ کی بنیاد ہے۔ [۵۱]

۴۵۰۱۔ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن عبيدالله قال: أخبرني نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كان عاشوراء يصومه أهل الجاهلية، فلما نزل رمضان قال: من شاء صامه ومن لم يشا لم يصمه. [راجع: ۱۸۹۲]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ زمانۂ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، جب رمضان کے روزے نازل ہوئے تو فرمایا کہ عاشورہ کا روزہ تمہاری مرضی پر ہے چاہے تو رکھو اور نہ چاہو تو نہ رکھو۔

۴۵۰۲۔ حدثني عبدالله بن محمد: حدثنا ابن عيينة، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان عاشوراء يصام قبل رمضان فلما نزل رمضان ((من شاء صام ومن شاء أفطر)). [راجع: ۱۵۹۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کے روزوں سے پہلے لوگ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب جو چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے جو نہ چاہے نہ رکھے۔

۴۵۰۳۔ حدثني محمود: أخبرنا عبيدالله، عن اسرائيل، عن منصور، عن ابراهيم، عن علقمة، عن عبدالله قال: دخل عليه الأشعث وهو يطعم فقال: اليوم عاشوراء، فقال كان يصام قبل أن ينزل رمضان، فلما نزل رمضان ترک فادن فكل.

ترجمہ: علقمہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس اشعث آئے اور وہ اُس وقت کھانا کھا رہے تھے، تو اشعث نے کہا کہ آج تو عاشورہ کا دن ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رمضان کے روزے نازل ہونے سے پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا، مگر رمضان بعد عاشورہ کا روزہ ختم ہوگیا، تو آؤ تم بھی کھاؤ۔

---

۵۱ تفسیر القرطبی، ج: ۲، ص: ۲۵۷

۴۵۰۴ ـ حدثنا محمد بن المثنی: حدثنا یحیی: حدثنا هشام قال: أخبرني أبي، عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: کان یوم عاشوراء تصومه قریش في الجاهلیة و کان النبي ﷺ یصومه فلما قدم المدینة صامه و أمر بصیامه، فلما نزل رمضان کان رمضان الفریضة و ترک عاشوراء فکان من شاء صامه ومن شاء لم یصمه. [راجع: ۱۵۹۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ جاہلیت کے زمانے میں قریش کے لوگ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے اور نبی کریم ﷺ بھی یہ روزہ رکھتے تھے اور جب آپ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو یہاں بھی اس دن روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی رکھنے کا حکم دیا، مگر جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو عاشورہ کا روزہ ترک کر دیا گیا اور فرمایا گیا کہ جس کا دل چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے اور جو نہ چاہے وہ نہ رکھے۔

(۲۵) باب قوله تعالى: ﴿أَيَّاماً مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضاً أَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْراً فَهُوَخَيْرٌ لَّهُ وَأَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌلَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

ارشادِ باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”گنتی کے چند دِن روزے رکھنے ہیں۔ پھر بھی اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے اور جو لوگ اسکی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر (روزے کا) فدیہ ادا کر دیں۔ اسکے علاوا اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یہ اسکے حق میں بہتر ہے اور اگر تم کو سمجھ ہو تو روزے رکھنے میں تمہارے لئے زیادہ بہتری ہے“۔

ابتداء میں فدیہ دینے کی اجازت

شروع میں جب روزے فرض کئے گئے تو یہ آسانی بھی دی گئی تھی کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ ادا کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ بعد میں یہ سہولت واپس لے لی گئی، اور حتمی حکم دے دیا گیا کہ جو شخص بھی رمضان کا مہینہ پائے وہ روزے ضرور رکھے۔

تاہم فدیہ کی سہولت ان لوگوں کیلئے اب بھی باقی رکھی گئی ہے جو نہایت بوڑھے ہوں اور ان میں روزہ

رکھنے کی بالکل طاقت نہ ہو، اور آئندہ ایسی طاقت پیدا ہونے کی امید بھی نہ ہو۔ [۵۲]

وقال عطاء: يفطر من المرض كله كما قال الله تعالىٰ. وقال الحسن وابراهيم في المرضع والحامل: اذا خافتا على أنفسهما أو ولدهما تفطران ثم تقضيان. وأما الشيخ الكبير اذا لم يطق الصيام فقد أطعم أنس بن مالك بعدما كبر عاما أوعامين كل يوم مسكيناً خبزاً ولحماً وأفطر، قراءة العامة: يطيقونه وهو أكثر.

ترجمہ: حضرت عطار رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ ہر بیماری میں روزہ چھوڑ سکتے ہیں، جیسے کہ اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت حسن بصری اور حضرت ابراہیم رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ اگر کسی دودھ پلانے والی یا حاملہ کو اپنی جان یا بچہ کی جان جانے کا اندیشہ ہو تو وہ روزے کو قضا کر سکتی ہے اور بہت ضعیف العمر شخص اگر روزہ نہ رکھ سکے تو اسے چاہئے کہ فدیہ ادا کرے۔ حضرت انس بن مالک ؓ جب بہت بوڑھے ہو گئے اور روزہ کی طاقت نہ رہی تو ایک یا دو سال آپ نے روزہ نہیں رکھا اور بطور فدیہ ہر روز ایک مسکین کو گوشت روٹی کھلاتے رہے۔ عام قرأت **"يطيقونه"** ہے اور یہی اکثر حضرات کی رائے ہے۔

مریض کا روزہ افطار کرنے کا مسئلہ

"يفطر من المرض كله"

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرض کسی قسم کا بھی ہو اس میں افطار کرنا جائز ہے، **"كله"** یعنی ہر قسم کے مرض میں۔ جمہور علماء نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ مطلقاً مرض مراد نہیں ہے، ہاں اگر مرض ایسا ہو کہ جس سے روزہ رکھنے کے اندر شدت پیدا ہو، تو افطار جائز ہے۔ [۵۳]

"قراءة العامة: يطيقونه وهو أكثر" امام بخاری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ یہاں اس آیت میں لفظ **"يطيقونه"** میں قرأت **"يُطِيْقُوْنَهٗ"** ہے، یہی اکثر لوگوں کی قرأت ہے اور مشہور و معروف ہے اگرچہ بعض قرأتوں میں **"يُطَوَّقُوْنَهٗ"** ہے۔

"طُوِّقَ يُطَوَّقُ تَطْوِيْقاً" کے معنی ہیں مشقت میں ڈالنا اور **"يُطَوَّقُوْنَ"** اس سے صیغۂ مجہول ہے۔

تو وہ لوگ جن پر مشقت ڈالی جاتی ہے ان پر فدیہ ہے، یعنی جو روزہ رکھنے میں بہت مشقت محسوس

---

[۵۲] آسان ترجمہ قرآن، ج:۱، ص:۱۲۱

[۵۳] **وقال جمهور من العلماء: اذا كان به مرض يؤلمه ويؤذيه أو يخاف تماديه أو يخاف تزيده صح له الافطار. تفسير القرطبي، ج: ۲، ص: ۲۷۶**

کریں، تو پھران کے اوپر فدیہ ہے اور "مطوّقين" سے مراد شیخ فانی وغیرہ ہے۔

۴۵۰۵ ـ حدثني اسحاق: أخبرنا روح: حدثنا زكريا بن اسحاق: حدثنا عمرو بن دينار، عن عطاء: سمع ابن عباس يقول: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ قال ابن عباس: ليست بمنسوخة، هو الشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لايستطيعان أن يصوما فليطعمان مكان كل يوم مسكينا. ۵۳

ترجمہ: عطاء رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ آیت اس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے **﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾** یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں، ان کے ذمہ ایک غریب کو کھانا کھلانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں، بلکہ اس کا حکم ضعیف مردوں اور بوڑھی عورتوں کے حق میں ہے، جو روزہ نہیں رکھ سکتے، لہٰذا وہ ایک مسکین کو ہر روز کھانا کھلائیں۔

(۲۶) باب: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۱۸۵]

باب: "لہٰذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے، وہ اس میں ضرور روزہ رکھے"۔

۴۵۰۶ ـ حدثنا عياش بن الوليد: حدثنا عبدالأعلى: حدثنا عبيدالله، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أنه قرأ ﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِيْنَ﴾ قال: هي منسوخة. [راجع: ۱۹۴۹]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی **﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِيْنَ﴾** پھر فرمایا کہ یہ منسوخ ہوگئی ہے۔

۴۵۰۷ ـ حدثنا قتيبة: حدثنا بكر بن مضر، عن عمرو بن الحارث، عن بكير بن عبدالله، عن يزيد مولى سلمة بن الأكوع، عن سلمة قال: لما نزلت ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ كان من أراد أن يفطر ويفتدي حتى نزلت الآية التي بعدها فنسختها.

---

۵۳ وفي سنن ابن داود، كتاب الصوم، باب نسخ قوله تعالىٰ: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ﴾ رقم: ۲۳۱۶. وباب من قال: هي مثبتة للشيخ والحبلى، رقم: ۲۳۱۷، ۲۳۱۸. وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب تأويل قول الله عزوجل ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾، رقم: ۲۳۱۷

قال أبو عبداللہ: مات بكير قبل يزيد. ۵۵

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی **﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾** تو جو چاہتا تھا روزہ چھوڑ دیتا اور فدیہ ادا کر دیتا تھا، یہاں تک کہ اس کے بعد والی آیت نے اس کو منسوخ کر دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بکیر بن عبداللہ، یزید سے پہلے وفات پا گئے تھے۔

روزے میں تبدیلی کے تین مراحل

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ت **﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾** تو ہمیں اختیار دیا گیا تھا کہ جس کا جی چاہے روزے رکھے، جس کا جی چاہے ہر روزے کا فدیہ دے۔ پھر جب اس کے بعد والی آیت یعنی **﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾** نازل ہوئی تو یہ اختیار ختم ہو کر طاقت رکھنے والوں پر صرف روزہ ہی رکھنا لازم ہو گیا۔

نیز مسند احمد میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے، جس میں ذکر ہے کہ نماز کے معاملات میں ابتدائے اسلام میں تین تغیرات ہوئے اور روزے کے معاملے میں بھی تین تبدیلیاں ہوئیں، روزے میں تین تبدیلیاں یہ ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہر مہینہ میں تین روزے اور ایک روزہ یوم عاشورا یعنی دس محرم الحرام کا رکھتے تھے۔

پھر رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو ہر شخص کو یہ اختیار تھا کہ روزہ رکھ لے یا فدیہ ادا کر دے، روزہ رکھنا بہتر اور افضل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت **﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾** نازل فرما دی، اس آیت نے تندرست اور قوی کیلئے یہ اختیار ختم کر کے صرف روزہ رکھنا لازم قرار دیا، ہاں مگر بہت بوڑھے اور ضعیف شخص کے حق

---

۵۵ وفی صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب بیان نسخ قوله تعالیٰ: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامٌ﴾ [البقرة: ۱۸۴] بقوله: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۱۸۵]، رقم: ۱۹۴۹، وسنن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب نسخ قوله تعالیٰ: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ﴾، رقم: ۲۳۱۵، وسنن الترمذی، أبواب الصوم، باب ماجاء: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ﴾، رقم: ۷۹۸، وسنن النسائی، کتاب الجنائز، تأویل قوله اللہ عزوجل: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامٌ﴾، رقم: ۲۳۱۶، وسنن الدارمی، باب ومن کتاب الصوم، باب فی تفسیر قوله تعالیٰ: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾، رقم: ۱۷۷۵

میں یہ حکم باقی رہا کہ وہ چاہے تو فدیہ ادا کردے۔ یہ تو دو تبدیلیاں ہوئیں۔

تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ شروع میں افطار کے وقت کھانے پینے اور اپنی خواہش پوری کرنے کی اجازت صرف اس وقت تک تھی جب تک آدمی سوئے نہیں، جب سو گیا تو دوسرا روزہ شروع ہو گیا، کھانا پینا وغیرہ ممنوع ہو گیا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ کر کے یہ آسانی عطاء فرمادی کہ اگلے دن کی صبح صادق تک کھانا پینا وغیرہ سب جائز ہیں۔ سو کر اُٹھنے کے بعد سحری کھانے کو سنت قرار دے دیا۔ ۵۶

(۲۷) باب: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ﴾ الی قوله: ﴿وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ [۱۸۷]

باب: ”تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔“ تا ”اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے اسے طلب کرو“۔

﴿أُحِلَّ لَكُمْ الخ﴾ کے لفظ سے معلوم ہوا کہ جو چیز اس آیت کے ذریعے حلال کی گئی ہے وہ اس سے پہلے حرام تھی، آگے حضرت براء بن عازب ﷺ کی روایت میں مذکور ہے کہ ابتداء میں جب رمضان کے روزے فرض فرض کئے گئے تو افطار کے بعد کھانے پینے اور بیویوں کے ساتھ اختلاط کی صرف اُس وقت تک اجازت تھی جب تک سو نہ جائے، سو جانے کے سبب یہ سب چیزیں حرام ہو جاتی تھیں، اس حکم کی وجہ سے مسلمانوں کو مشکلات پیش آئیں۔

ان واقعات کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں پہلا حکم منسوخ کر کے غروب آفتاب کے طلوع صبح صادق تک پوری رات میں کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت دی گئی، اگر چہ سو کر اُٹھنے کے بعد ہو، بلکہ سو کر اُٹھنے کے بعد آخری شب میں سحری کھانا سنت قرار دے دیا گیا، جس کا ذکر مختلف روایات میں ہے۔ ۵۷

﴿فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ اس کا مطلب اکثر مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ بیوی سے جماع کرنے میں وہ اولاد حاصل کرنے کی نیت کرکھنی چاہئے جو اللہ نے تقدیر میں لکھ دی ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جماع کے وہی لذت طلب کرنی چاہئے جو اللہ نے جائز قرار دی ہے، ناجائز طریقوں مثلاً غیر فطری طریقوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ۵۸

---

۵۶ ، ۵۷ تفسیر معارف القرآن، ج:۱، ص:۴۴۶، ۴۴۵، ۴۵۴، ۴۵۳، وتفسیر القرطبی، ج:۲، ص: ۳۱۵

۵۸ آسان ترجمہ قرآن، ج:۱، ص:۱۲۳، ۱۲۲

۴۵۰۸ ـ حدثنا عبیداللہ، عن اسرائیل، عن أبی اسحاق، عن البراء. وحدثنا أحمد بن عثمان: حدثنا شریح بن مسلمة قال: حدثنا ابراهیم بن یوسف، عن أبیه، عن أبی اسحاق قال: سمعت البراء ﷺ: لما نزل صوم رمضان كانوا لايقربون النساء رمضان كله وكان رجال يخونون أنفسهم، فأنزل الله تعالىٰ: ﴿عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ الآية. [راجع: ۱۹۱۵]

ترجمہ: ابواسحاق روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازب ﷺ سے سنا کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو لوگ پورے رمضان اپنی عورتوں سے الگ رہا کرتے، مگر کچھ لوگوں خودکو خیانت میں مبتلاء کرتے تھے (چپکے سے جماع کر لیتے تھے) اسوقت اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی

﴿عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾

یعنی اللہ کو علم تھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کرر ہے تھے، پھر اس نے تم پر عنایت کی اور تمہاری غلطی معاف فرمادی۔

(۲۸) باب: ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ الآية [۱۸۷].

باب: ''اوراس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہوکر تم پر واضح (نہ) ہوجائے''۔

سحر اور صبح صادق کی واضح تعیین

اس آیت میں رات کی تاریکی کو سیاہ خط اور صبح کی روشنی کو سفید خط کی مثال سے بتلا کر روزہ شروع ہونے اور کھانا پینا حرام ہوجانے کا صحیح وقت متعین فرمادیا، اوراس میں افراط وتفریط کے احتمالات کوختم کرنے کیلئے ''حَتّٰى يَتَبَيَّنَ'' کا لفظ بڑھادیا، جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ نہ تو وہمی مزاج لوگوں کی طرح صبح صادق سے کچھ پہلے ہی کھانے پینے وغیرہ کو حرام سمجھو اور نہ ایسی بے فکری اختیار کرو کہ صبح کی روشنی کا یقین ہوجانے کے باوجود کھاتے پیتے رہو، بلکہ کھانے پیتے رہو۔

بلکہ کھانے پینے اور روزہ کے درمیان حد فاصل صبح صادق کا تیقن ہے، اس تیقن سے پہلے کھانے پینے کو حرام سمجھنا درست نہیں اور تیقن کے بعد کھانے پینے مشغول رہنا بھی حرام اور روزے کیلئے مفسد ہے، اگرچہ ایک ہی منٹ کیلئے ہو، سحری کھانے میں وسعت و گنجائش صرف اسی وقت تک ہے جب تک صبح صادق کا یقین نہ ہو۔ [۵۹]

﴿العَاكِفُ﴾ [الحج: ۲۵]: المقيم.

ترجمہ: ﴿العَاكِفُ﴾ کے معنی مقیم کے ہیں۔

۴۵۰۹ ــ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا أبو عوانة، عن حصين، عن الشعبي، عن عدي قال: أخذ عدي عقالا أبيض وعقالا أسود، حتى كان بعض الليل نظر فلم يستبينا فلما أصبح قال: يا رسول الله، جعلت تحت وسادتي، قال: ((ان وسادك اذاً لعريض أن كان الخيط الأبيض والأسود تحت وسادتك)). [راجع: ۱۹۱۶]

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم ﷺ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دو دھاگے ایک سیاہ اور ایک سفید پاس رکھے اور جب رات کا کچھ حصہ باقی رہا تو میں نے دیکھا کہ ان میں کوئی فرق واضح معلوم نہیں ہوا، پھر جب صبح ہوئی تو میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے دو دھاگے اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لئے تھے، لیکن وہ مجھے نظر نہیں آئے، آپ ﷺ نے (عدی کی بات سن کر ہنستے ہوئے) فرمایا کہ پھر تو تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہوگا کہ صبح کی سفید دھاری اور رات کی کالی دھاری اس کے نیچے آگئی۔

۴۵۱۰ ــ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا جرير عن مطرف، عن الشعبي، عن عدي ابن حاتم ﷺ قال: قلت: يارسول الله، ماالخيط الأبيض من الخيط الأسود؟ أهماالخيطان؟ قال: ((انك لعريض القفا ان أبصرت الخيطين))، ثم قال: ((لا، بل هو سواد الليل وبياض النهار)). [راجع: ۱۹۱۶]

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم ﷺ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اس آیت میں سفید و کالے دھاگے سے کیا مطلب ہے؟ کیا ان سے مراد دو دھاگے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم بھی عجیب نادان ہو کہ اگر تم رات کو سفید اور کالے دھاگے دیکھتے ہو، پھر فرمایا کہ اس مراد دھاگے نہیں ہیں! بلکہ اس سے رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی مراد ہے۔

۴۵۱۱ ــ حدثنا ابن أبي مريم: حدثنا أبو غسان محمد بن مطرف: حدثني أبوحازم، عن سهل بن سعد قال: أنزلت ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ

---

[۵۹] معارف القرآن، ج:۱، ص:۴۵۴

الأسود﴾ ولم ينزل ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ وكان رجال اذا أرادوا الصوم ربط أحدهم في رجليه الخيط الأبيض والخيط الأسود لايزال يأكل حتى يتبين له رؤيتهما. فأنزل الله بعد ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ فعلموا أنما يعني الليل من النهار. [۲۰]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ﷺ نے بیان کیا کہ جب ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الخ﴾ والی آیت نازل ہوئی اور ابھی ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ والا لفظ نہیں ہوا تھا تو کچھ لوگ جب روزہ رکھنے کا ارادہ کرتے تو اپنے پیروں میں کالا اور سفید دھاگہ باندھ لیتے اور رات کو جب تک وہ دھاگے صاف دکھائی نہ دیتے اس وقت تک کھاتے پیتے رہے، پھر اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ کے الفاظ نازل فرمائے تو سب کو معلوم ہوا کہ مراد رات اور دن ہیں۔

(۲۹) باب: ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾ الآية [۱۸۹]

باب: ''اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ سے اور گھروں میں آئے دروازوں سے''۔

۴۵۱۲ ـ حدثنا عبيدالله بن موسى، عن اسرائيل، عن أبي اسحاق، عن البراء قال: كانوا اذا أحرموا في الجاهلية أتوا البيت من ظهره، فأنزل الله تعالىٰ ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾ [راجع: ۱۸۰۳]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ﷺ نے بیان کیا کہ جاہلیت کے زمانے میں جب لوگ احرام کی حالت میں اپنے گھر آتے تو مکان کی پشت کی طرف سے آتے تھے، اس کیلئے اللہ ﷻ نے اس پر یہ آیت کو نازل فرمائی ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ الخ﴾۔

جاہلیت کے طریقوں پر تنبیہ

جاہلیت کے زمانے میں اہل عرب کا دستور و طریقہ تھا کہ جب حج کا احرام باندھ لیتے تو پھر گھر میں

---

[۲۰] وفي صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب بيان أن الدخول في الصوم يحصل بطلوع الفجر الخ، رقم: ۱۰۹۱

داخل نہ ہوتے، اگر جانا پڑ جاتا تو گھر کے پچھلی جانب سے دیوار پھاند کر یا چھت پر چڑھ کر گھر میں داخل ہوتے تھے، اور اس کو نیکی شمار کرتے تھے۔

اس آیت میں اس دستور و رواج پر تنبیہ فرمادی کہ ان رسوم پر عمل کر کے کوئی نیکی نہیں ہے، بلکہ اصل نیکی اللہ کے احکامات پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اپنی طرف سے کسی جائز اور مباح امر کو نیکی بنالینا اور دین میں داخل کرلینا مذموم اور ممنوع ہے، جس سے بہت سی باتوں کا بدعت و مذموم اور غلو فی الدین ہونا معلوم ہوگیا۔

(۳۰) باب قوله: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ [۱۹۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین اللہ کا ہوجائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو کہ) تشدد سوائے ظالموں کے کسی پر نہیں ہونا چاہئے“۔

۴۵۱۳ ۔ حدثني محمد بن بشار: حدثنا عبدالوهاب: حدثنا عبيدالله، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أتاه رجلان في فتنة ابن الزبير فقالا: إن الناس قد ضيعوا وأنت ابن عمر وصاحب النبي ﷺ فما يمنعك أن تخرج؟ فقال: يمنعني أن الله حرم دم أخي، قالا: ألم يقل الله: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾؟ فقال: قاتلنا حتى لم تكن فتنة وكان الدين لله، وأنتم تريدون أن تقاتلوا حتى تكون فتنة ويكون الدين لغير الله. [راجع: ۳۱۳۰]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فتنہ کے زمانہ میں دو آدمی آئے اور کہنے لگے کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگوں میں کیسا فتنہ وفساد برپا ہے، آپ حضرت عمر ﷺ کے صاحبزادے اور صحابی رسول ﷺ ہیں، کیا چیز مانع ہے کہ آپ اس وقت کیوں نہیں اٹھتے اور اس فتنہ وفساد کو کیوں نہیں روکتے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں اس لئے خاموش ہوں کہ اللہ نے مسلمان کو مسلمان کا خون کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ کہنے لگے کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ کام ہم نے قتال کیا یہاں تک کہ فتنہ باقی نہیں رہا اور دین خالص اللہ کے لئے ہوگیا، لیکن اب تم لوگ چاہتے ہو کہ جنگ ہوتا کہ فتنہ بڑھ جائے اور دین غیر اللہ کا ہوجائے۔

پرفتن وقت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی احتیاط

حضرت نافع رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کررہے ہیں کہ "**أتاه رجلان في فتنة ابن الزبير**" ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتنے کے زمانے میں یعنی جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خلاف حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن مروان کے حکم پر مکہ مکرمہ پر لشکر کشی کی اور ان کا محاصرہ کیا تھا تو اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس دو آدمی، جن کے نام علاء بن عرار اور حبان تھے، آئے۔ [۱۷]

اورانہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ "**إن الناس قد ضيعوا**" لوگ ضائع ہورہے ہیں یعنی اس فتنہ کی وجہ سے لوگ مررہے ہیں، "**وأنت ابن عمر وصاحب النبي ﷺ فما يمنعك أن تخرج؟**" آپ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں اور نبی کریم ﷺ کے صحابی ہیں تو آپ کو کون سی بات مانع ہے کہ آپ اس فتنہ کے خلاف نہیں نکلتے یعنی اس فتنے کے خلاف جہاد کیوں نہیں کرتے؟

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "**يمنعني أن الله حرم دم أخي**" مجھے اس بات نے روکے رکھا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے میرے بھائی کا خون مجھ پر حرام کردیا ہے یعنی کسی مسلمان کو قتل کرنے سے منع کیا ہے تو اس وجہ سے میں اس معاملے میں تلوار اٹھانا نہیں چاہتا۔

پھران دونوں نے کہا کہ "**ألم يقل الله: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾؟**" کیا اللہ جل جلالہ نے یہ حکم نہیں دیا ہے کہ اوران سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے؟

تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "**قاتلنا حتى لم تكن فتنة وكان الدين لله**" ہم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اس آیت کے حکم کے مشرکین سے جہاد وقتال کرتے رہے، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہیں رہا یعنی شرک کا فتنہ ختم ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہوگیا۔

"**وأنتم تريدون أن تقاتلوا حتى تكون فتنة**" لیکن اب تم لوگ چاہتے ہو کہ جنگ ہو یعنی مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ کریں یہاں تک فتنہ بڑھ جائے "**ويكون الدين لغير الله**" اور دین غیر اللہ کا ہوجائے یعنی آپس کی لڑائیوں کی وجہ سے مسلمان کمزور ہوجائیں اور کافروں کا غلبہ ہوجائے۔

---

[۱۷] قوله: ((رجلان))، أحدهما: العلاء بن عرار، بالمهملات والأولى مكسورة، ... والآخر: حبان، بكسر الحاء المهملة وتشديد الباء الموحدة. عمدة القاري، ج:۱۸، ص: ۱۵۶

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور مشاجراتِ صحابہ

اصل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک مشاجراتِ صحابہ ﷺ کے دوران یہ تھا کہ کسی فریق کا ساتھ نہیں دیا بلکہ فتنے سے کنارہ کش رہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس وقت صحابہ ﷺ کے تین فریق تھے۔

(۱)......بعض صحابہ کرام ﷺ نے ایک فریق کا ساتھ دیا۔

(۲)......بعض صحابہ کرام ﷺ نے دوسرے فریق کا ساتھ دیا۔

اور

(۳)......بعض صحابہ کرام ﷺ بالکل کنارہ کش رہے، جن پر حق واضح نہیں ہوا وہ کنارہ کش رہے۔

فتنے کے عالم میں یہی حکم بھی ہے کہ اگر مختلف مسلمانوں کے درمیان آپس میں لڑائی ہو رہی ہو تو جس کے اوپر یہ واضح ہو جائے کہ حق فلاں کے ساتھ ہے، تو اس کو چاہئے کہ اسکی معاونت کرے اور اگر کسی پر حق واضح نہیں تو وہ کنارہ کش رہے، یہی حکم ہے۔

اب وہ شخص جس پر حق واضح ہوگیا ہے کہ حق فلاں کے ساتھ ہے اور وہ اس کا ساتھ دے رہا ہے تو اس کو یہ نہیں کرنا چاہئے کہ اس شخص کو مجبور کرے جن پر حق واضح نہیں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انہیں حضرات میں سے تھے جو اس آپس کے فتنے کے دوران یہ فرماتے تھے کہ بھئی! مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی ہے اور دونوں طرف مسلمان ہی ہیں، ایسی صورتِ حال میں کسی فریق کا ساتھ نہیں دوں گا، کیونکہ اگر تلوار اٹھاؤں گا تو کسی نہ کسی مسلمان کے گردن پر پڑے گی اور میں مسلمان کا خون اپنے ہاتھ سے نہیں بہانا چاہتا۔

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف تھا اور وہ یہ فرماتے تھے کہ اگر کتنا ہی بُرے سے بُرا حکمران آجائے اور مسلط ہو جائے لیکن جب اس کا غلبہ ہوگیا تو اب اس کے خلاف بغاوت نہیں ہوگی، بلکہ اب وہ جس وقت تک کسی گناہ پر مجبور نہ کرے اس وقت تک اس کی اطاعت کی جائے گی۔

چنانچہ اس وقت عبدالملک بن مروان حکمران تھا اور حجاج بن یوسف اس کا گورنر تھا، یہ عام طور سے ایسے لوگ تھے جن کو صحابہ کرام ﷺ ناپسند کرتے تھے۔ مگر یہ مسلط ہو گئے تھے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کا ساتھ دیا اس معنی میں کہ ان کی اطاعت قبول کی اور ان کے خلاف تلوار اٹھانے کا اقدام نہیں کیا۔

وہ یہ فرماتے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ:

امیر کی بات سنو اور اطاعت کرو، چاہے وہ امیر کٹے ہوئے اعضاء والا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔

یعنی اگر تمہارے اوپر بدصورت حبشی غلام بھی امیر بنا دیا جائے تو تم ان کی اطاعت کرنا تو میں ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھاؤں گا۔ [۶۲] [۶۳]

ایسے مواقع پر جو جوشیلے لوگ ہوتے ہیں وہ ایسے آدمی کو پریشان کرتے ہیں، تنگ کرتے ہیں کہ دیکھیں ایک معمولی آدمی آکر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے انسان کو، جس نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مشرکین کے خلاف جہاد کیا، ان کو جہاد کا درس دے رہے ہیں، اُبھار رہے ہیں کہ **﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾** اس آیتِ قتال پر عمل کرو۔ جو جوشیلے لوگ ہوتے ہیں وہ ایسے مواقع پر معتدل المزاج لوگوں کو پریشان کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ان پر سختیاں ہوئیں اور لوگوں نے ان کو تنگ کیا اور مطعون کیا، تہمتیں لگائیں کہ یہ تو حکومت کے ساتھ مل گئے ہیں، اس واسطے ان کی بات نہیں ماننی چاہئے۔

یہ سب طعنے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سہے اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

حکیمانہ اُصول

اسی واسطے امام زہری رحمہ اللہ کا ایک مقولہ بڑا ہی حکیمانہ ہے، جب میں نے پہلی بار پڑھا تو واقعی وجد آ گیا، فرماتے ہیں کہ **"اقتدوا بعمر فی السّلم وبابنه فی الفتنة"** کہ جب امن اور سلامت کی حالت ہو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرو اور جب فتنے کا زمانہ ہو تو انکے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرو۔

اس لئے ان کا یہ موقف تھا، جب بھی مسلمانوں کے درمیان تلوار چلے تو اس میں اگر کسی کے اوپر حق واضح ہو جاتا ہے کہ فلاں حق پر ہے اور فلاں باطل پر تو جس کو حق پر سمجھتا ہے اس کا ساتھ دے، اس کے ساتھ تعاون کرے اور جس پر حق واضح نہیں ہوا وہ خاموش رہے، کسی کا ساتھ نہ دے اور اس معاملے میں دوسرے لوگوں کو مطعون کرنا درست نہیں۔

اسی سے پتہ چلا کہ یہ سیاسی معاملات میں جو لوگوں کے موقف مختلف ہو جاتے ہیں، کسی نے ایک موقف اختیار کیا، کسی نے دوسرا موقف اختیار کر لیا اور دونوں کسی نہ کسی دلیل شرعی کی طرف مستند ہیں، تو ان میں سے کسی کو بھی ملامت نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی فریق کو یہ حق حاصل ہے کہ دوسرے کو مجبور کرے کہ میرا موقف کو اختیار کرو۔

---

[۶۲] عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال: ((ان خلیلی اوصانی ان اسمع واُطیع، وان کان عبداً مجدع الأطراف))، صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب امامة العبد، رقم: ۶۹۳، وایضاً باب سمع والطاعة، رقم: ۷۱۴۲، وصحیح مسلم، باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة، وتحریمها فی المعصیة، رقم: ۱۸۳۷

[۶۳] اسلام اور سیاسی نظریات، ص: ۲۳۱

جنگ صفین اور صحابہ کرام ﷺ کا طرزِ عمل

جنگ صفین کے موقع پر حضرت علی ﷺ اور حضرت معاویہ ﷺ کے درمیان میدان کارزار گرم ہے، صحابہ کرام ﷺ کا ایک گروہ ایک جماعت کے ساتھ اور دوسرا گروہ دوسری جماعت کے ساتھ ہے، لڑائی ہورہی ہے، باقاعدہ خون ریزی ہورہی ہے، شام کو جب جنگ ختم ہوئی تو کہتے ہیں کہ ادھر کے صحابہ ادھر کے صحابہ کے ساتھ جاکر ملے، کھانا اکٹھے کھارہے ہیں اور نماز اکٹھی پڑھ رہے ہیں، صبح کو پھر جنگ کے میدان میں آگئے۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ کھانا حضرت معاویہ ﷺ کے لشکر میں جاکر کھاتے اور نماز حضرت علی ﷺ کے لشکر میں جاکر پڑھتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے کہ آپ کھانا حضرت معاویہ ﷺ کے لشکر میں جاکر کھاتے ہیں اور نماز حضرت علی ﷺ کے ساتھ پڑھتے ہیں؟

حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے کہا کہ کھانا وہاں اچھا ہوتا ہے اور نماز یہاں اچھی ہوتی ہے، لہٰذا دونوں کا حق ادا کررہا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی یہ باہمی لڑائیاں اقتدار کی خاطر نہیں تھیں، اور نہ ان کا اختلاف آج کی سیاسی پارٹیوں کا سا اختلاف تھا، دونوں فریق دین ہی کی سربلندی چاہتے تھے، ہر ایک کا دوسرے سے نزاع دین ہی کے تحفظ ہی کے لئے تھا، اور یہ خود ایک دوسرے کے بارے میں یہی جانتے اور سمجھتے تھے کہ ان کا مؤقف دیانتدارانہ اجتہاد پر مبنی ہے، چنانچہ ہر فریق دوسرے کو رائے اور اجتہاد میں غلطی پر سمجھتا تھا، لیکن کسی کو فاسق قرار نہیں دیتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ شاید دنیا کی تاریخ میں یہی ایک جنگ ہو جس میں دن کے فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جاکر انکے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے۔[۶۴]

حالانکہ اتنا زبردست اختلاف ہے کہ تلوار چل رہی ہے، اس کے باوجود یہ بات ہے کہ دوسرے کے موقف کا احترام کیا جارہا ہے۔

مشہور محدث وفقیہ حضرت اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ نے جنگ جمل یا صفین کے موقع پر ایک شخص کو سنا کہ وہ (مقابل لشکر والوں کے حق میں) تشدد آمیز باتیں کہہ رہا ہے، اس آپ نے فرمایا کہ ان حضرات کے بارے میں کلمۂ خیر کے سواء کوئی بات نہ کہو، دراصل ان حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ

---

[۶۴] البدایة والنہایة، ج:۷، ص: ۲۷۳

ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے، اس بناء پر ہم ان سے لڑتے ہیں۔ ٦٥

ایک اور روایت میں حضرت علی ﷺ سے اہل جمل کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا یہ لوگ جو آپ کے خلاف لڑ رہے ہیں یہ لوگ کافر و منافق ہو گئے ہیں؟ حضرت علی ﷺ نے فرمایا کہ نہیں! یہ لوگ نہ تو کافر ہیں، نہ منافق ہیں، پوچھا کہ پھر کون ہیں؟ تو حضرت علی ﷺ نے فرمایا کہ **"اخواننا بغوا علینا"** یہ ہمارے بھائی ہیں اور ہمارے سے باغی ہو گئے ہیں۔ ٦٦

یہ بڑی اہم بات ہے جس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایسے معاملات کے اندر ایسا موقف اختیار کر لینا جس میں کوئی لچک نہ ہو۔ جس میں دوسرے آدمی کا کوئی احترام نہ ہو اور اس کو مطعون کرنا ہر حالت میں صحیح طریقہ نہیں ہے۔ یہ صحابۂ کرام ﷺ کا طریقہ نہیں ہے۔

اختلافات صحابہ کرام ﷺ میں بھی ہوئے لیکن اس کے باوجود انہوں نے ایک دوسرے کے موقف کا احترام کیا۔ لہٰذا اس میں ضرورت سے زیادہ جذباتی و جوشیلا ہو جانا اور دوسرے کو مطعون کرنا، اس کو طرح طرح کے القاب سے یاد کرنا یا اس کے ایمان پر شک کرنا یا اس کی نیتوں پر حملہ کرنا یہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔

۴۵۱۴ - وزاد عثمان بن صالح، عن ابن وهب قال: أخبرني فلان وحيوة بن شريح، عن بكر بن عمرو المعافري: أن بكير بن عبدالله حدثه عن نافع: أن رجلاً أتى ابن عمر فقال: يا أباعبدالرحمن، ماحملك على أن تحج عاما وتعتمر عاما وتترك الجهاد في سبيل الله عزوجل قد علمت مارغب الله فيه؟ قال: ياابن أخي، بُني الاسلام على خمس: ايمان بالله ورسوله، والصلوات الخمس، وصيام رمضان، وأداء الزكاة وحج البيت. قال: ياأبا عبدالرحمن، الاتسمع ماذكرالله في كتابه ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللهِ﴾ [الحجرات: ۹]. **﴿قَاتِلُوْهُمْ حَتَّى**

---

٦٥ قال اسحاق بن راهويه: حدثنا أبونعيم، حدثنا سفيان، عن جعفر بن محمد، عن ابيه، قال: سمع علي ﷺ يوم الجمل أويوم صفين رجلاً يغلو في القول، فقال: لا تقولوا الا خيراً، انماهم قوم زعموا: انا بغينا عليهم، وزعمنا انهم بغوا علينا فقاتلناهم. منهاج السنة النبوية، ج:۵، ص: ۲۴۴-۲۴۵

٦٦ عن أبي البختري، قال: سئل علي عن اهل الجمل، قال: قيل: أمشركون هم؟ قال: من الشرك فروا، قيل: امنافقون هم؟ قال: ان المنافقين لا يذكرون الله الا قليلاً. قيل: فما هم؟ قيل: اخواننا بغوا علينا. مصنف ابن شيبة، كتاب الجمل والصفين والخوارج وصلى الله على سيدنا محمد النبي وآله، رقم: ۳۷۷۶۳

لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ قال: فعلنا على عهد رسول الله ﷺ وكان الاسلام قليلا، فكان الرجل يفتن دينه اما قتلوه واما يعذبوه حتى كثر الاسلام فلم تكن فتنة. [راجع: ۳۱۳۰]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابوعبدالرحمٰن! یہ آپ کو کیا ہوا کہ ایک سال حج کرتے ہیں اور ایک سال عمرہ کرتے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیتے ہیں، حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ ﷻ نے جہاد کرنے کی رغبت دلائی ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بھتیجے! اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لانا، پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، (صاحبِ حیثیت ہونے پر) حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کرنا۔ اُس آدمی نے کہا کہ کیا آپ نے اللہ ﷻ کا یہ حکم نہیں سنا کہ

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي حَتّٰى تَفِيْءَ إِلَى أَمْرِ اللّٰهِ﴾

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر اُن میں سے ایک گروہ دُوسرے کے ساتھ زیادتی کرے تو اُس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ [۶۷]

---

[۶۷] اول مسلمانوں میں نزاع واختلاف کو روکنے کی تدابیر بتلائی تھیں، پھر بتلایا گیا کہ اگر اتفاقاً اختلاف رونما ہو جائے تو پرزور اور مؤثر طریقے سے اس کو مٹایا جائے لیکن جب تک نزاع کا خاتمہ نہ ہو کوشش ہونی چاہئے کہ کم از کم جذبات منافرت ومخالفت زیادہ تیز اور مشتعل ہونے نہ پائیں، عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا بس ایک دوسرے کا تمسخر اور استہزاء کرنے لگتا ہے۔ ذرا سی بات لگ گئی اور ہنسی مذاق اڑانا شروع کر دیا، حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید جس کا مذاق اڑا رہا ہے، وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو، بلکہ بسا اوقات یہ خود بھی اختلاف سے پہلے اس کو بہتر سمجھتا ہوتا ہے۔ مگر ضد ونفسانیت میں دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔

اس طریقہ سے نفرت وعداوت کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے۔ اور قلوب میں اس قدر بعد ہو جاتا ہے کہ صلح واتلاف کی کوئی امید باقی نہیں رہتی، آیہ ھذا میں خداوند قدوس نے اسی قسم کی باتوں سے منع فرمایا ہے، یعنی ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ نہ مسخراپن کرے نہ ایک دوسرے پر آوازیں کسے جائیں اور نہ برے ناموں اور برے القاب سے فریق مقابل کو یاد کیا جائے، کیونکہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی اور فتنہ وفساد کی آگ تیزی سے پھیلتی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی بیش بہا ہدایات ہیں۔ آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب سے برے مرض کا مکمل علاج اسی ایک سورہ حجرات میں موجود ہے۔ تفسیر عثمانی، سورہ حجرات۔

اوراسی طرح یہ فرمان کہ ﴿قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم زمانہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ کام کر چکے ہیں حالانکہ اس وقت اسلام (مسلمان) بہت قلیل تھا اور آدمی اپنے دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا کر دیا جاتا تھا، یا تو لوگ اس کو قتل کر ڈالتے تھے، یا تو اس کو سخت تکالیف اور اذیت پہنچاتے، یہاں تک کہ اسلام بڑھ چکا (یعنی مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور وہ طاقت میں آ گئے)، اس لئے اب وہ فتنہ ختم ہو گیا۔

۴۵۱۵ ۔ قال: فما قولک فی علی وعثمان؟ قال: أما عثمان فكان الله عفا عنه، وأما أنتم فكرهتم أن يعفو عنه. وأما علی فابن عم رسول الله ﷺ وختنه، وأشار بيده فقال: هذا بيته حيث ترون. [راجع: ۸]

ترجمہ: اس آدمی نے پھر کہا کہ عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ حضرت عثمان ﷺ کے قصور کو اللہ نے معاف فرما دیا تھا، مگر تم لوگ تو نہیں چاہتے کہ اُن کو معاف کیا جائے، اور جہاں تک بات ہے حضرت علی ﷺ کی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ اور ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ان کا گھر ہے جو تم سامنے دیکھ رہے ہو۔

عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کا دفاع

پھر اس شخص نے عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے متعلق سوال کیا کہ **"فما قولک فی علی وعثمان؟"** اچھا یہ تو فرمائیں کہ حضرت علی ﷺ اور حضرت عثمان ﷺ کے بارے میں آپ کی کیا رائے اور خیال ہے؟

کیونکہ یہ شخص خارجی تھا جو کہ عثمان ﷺ اور علی ﷺ کے خلاف تھا، اس لئے بدنیتی کی وجہ سے یہ سوال کیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ **"أما عثمان فكان الله عفا عنه"** جہاں تک بات ہے حضرت عثمان ﷺ کے بارے میں تو ان کے قصور کو اللہ ﷻ نے معاف فرما دیا ہے، **"وأما أنتم فكرهتم أن يعفو عنه"** مگر تم لوگوں نے اس بات کو برا سمجھا کہ اللہ ﷻ نے حضرت عثمان ﷺ کو معاف کر دیا یعنی اللہ نے تو ان کی معافی کا اعلان کر دیا لیکن تم لوگوں نے ان معاف نہیں کیا اور انکے اوپر چڑھ دوڑے اور شہید کر ڈالا۔

اور جہاں تک بات ہے حضرت علی ﷺ کی تو **"فابن عم رسول الله ﷺ وختنه"** حضرت علی ﷺ تو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں، پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ **"هذا بيته حيث ترون"** یہ ان کا گھر تم سامنے دیکھ رہے ہو، ان کے لئے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مقصد قریبی رشتہ داری کے ساتھ ساتھ گھر قریب ہونے کا بھی بتانا مقصد تھا۔

محتاط وتصویب راہِ مستقیم

مطلب یہ ہے کہ بظاہر تو دو الگ الگ فریق ہیں یعنی شیعان عثمان وشیعان علی رضی اللہ عنہما، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دونوں کی فضیلت بیان فرمائی کہ حضرت عثمان ﷺ بھی قابل صد احترام ہیں اور حضرت علی ﷺ بھی قابل صد احترام ہیں۔ لہٰذا میں ان میں سے کسی کو بھی غلط نہیں سمجھتا ہوں اور میں ان کے بارے میں کوئی ایسا کلمہ تکفیر نہیں کہنا چاہتا کہ جس سے ان کی شان میں کوئی ادنیٰ سی گستاخی بھی لازم آئے۔

علمائے اہل سنت کا یہی موقف ہے کہ کسی بھی صحابی کے شان میں ادنیٰ گستاخی کا کلمہ بھی نہ کہا جائے۔

سوال: مشاجراتِ صحابہ میں اہل سنت والجماعت کا اصل مسلک توقف ہے یا تخطیہ اور تصویب؟

جواب: بات یہ ہے کہ اس حد تک تصویب اور تخطیہ علمائے اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ جس سے حضرت علی ﷺ کی خلافت راشدہ پر حرف نہ آئے۔

اس پر امت کا اجماع ہے کہ حضرت علی ﷺ خلیفۂ راشد تھے اور خلیفۂ راشد ہونے کی وجہ سے علمائے اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ وہ حق پر تھے اور انکے مخالفین سے اجتہادی خطا ہوئی تھی، لیکن اگر کوئی شخص حضرت علی ﷺ کی خلافت راشدہ کا انکار کئے بغیر توقف اختیار کرے تو علمائے اہل سنت کے مسلک میں اسکی بھی گنجائش ہے۔

مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں کسی نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے انکی رائے پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ **"تلک دماء طهر الله معها يدى فلا أحب أن أخضب بها لساني"** جب اللہ نے ہمارے ہاتھوں یعنی ہماری تلواروں کو ان حضرات کے پاکیزہ خون میں ملوث ہونے سے محفوظ رکھا تو میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس معاملہ میں اپنی زبانوں کو خراب کریں۔ [۶۸]

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت علی ﷺ کی خلافت راشدہ مسلّم ہے، البتہ اس خاص معاملے میں جو حضرت علی ﷺ اور حضرت معاویہ ﷺ کے درمیان پیش آیا اس میں کون **"أقرب الى الحق"** تھا؟ اس معاملے میں توقف کرتا ہوں، تو علماء اہل سنت کے مسلک میں اسکی بھی گنجائش ہے، لیکن اسکی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی شخص حضرت علی ﷺ کی خلافت راشدہ پر شک کرے اور کہے کہ ان کی خلافت راشدہ مشکوک ہے کیونکہ ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ وہ خلیفۂ راشد تھے۔

---

۶۸ منهاج السنة النبوية، باب: الرد على قول الرافضيان ابن مسعود و كان يطعن على عثمان ويكفره رضى الله عنهما، ج:٦، ص:٢٥٤، و التدوين فى أخبار قزوين، باب: حرف الألف فى آبائهم، ج:١، ص:١٩٢

(۳۱) باب قوله: ﴿وَأَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوْا إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [۱۹۵]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو، اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

دشمن سے دفاع کی تیاری نہ کرنا ہلاکت کا ذریعہ

اشارہ یہ ہے کہ گرتم نے جہاد میں خرچ کرنے سے بخل سے کام لیا اور اس کی وجہ سے جہاد کے مقاصد حاصل نہ ہوسکے تو یہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنے کے مرادف ہوگا، کیونکہ اس کے نتیجے میں دشمن مضبوط ہوکر تمہاری ہلاکت کا سبب بنے گا۔

''ولا تلقوا'' کے لفظی معنی تو ظاہر ہیں کہ اپنے اختیار سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت بیان فرمائی ہے، اب یہ ہلاکت میں ڈالنے سے اس جگہ کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

امام جصاص رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان سب اقوال میں کوئی تضاد نہیں، سب ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے، ہم اس کی تفسیر کو بخوبی جانتے ہیں، بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ اور قوت عطاء فرمادیا تو ہم میں یہ گفتگو ہوئی کہ اب جہاد کی کیا ضرورت ہے، ہم اپنے وطن میں ٹھہر کر اپنے مال و جائداد کی خبر گیری کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس نے یہ بتلا دیا کہ ہلاکت سے مراد اس جگہ ترکِ جہاد ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں حد سے زیادہ تجاوز کرنا کہ بیوی، بچوں کے حقوق ضائع ہوجائیں، یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، ایسا اسراف جائز نہیں ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایسی صورت میں قتال کیلئے اقدام کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، جبکہ یہ اندازہ ظاہر ہے کہ دشمن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، خود ہلاک ہوجائیں گے، ایسی صورت میں اقدامِ قتال اس آیت کی بناء پر ناجائز ہے۔ [۲۹]

---

[۲۹] تفسیر القرطبی، ج:۲، ص:۳۶۱، وتفسیر معارف القرآن، ج:۱، ص:۴۷۴

التهلكة والهلاک واحد.

ترجمہ: "**التهلكة**" اور "**هلاک**" کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ہلاکت، بربادی۔

۴۵۱۶ - حدثني اسحاق: حدثنا النضر: حدثنا شعبة، عن سليمان قال: سمعت أبا وائل: عن حذيفة: ﴿وَأَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَاتُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ قال: نزلت في النفقة.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿**وَأَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الخ**﴾ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے متعلق اتاری گئی ہے۔

اگلے ابواب کے متعلق تمہید

یہاں سے حج کا بیان شروع ہو رہا ہے، حج کا تعلق چونکہ مکہ مکرمہ اور بیت اللہ یعنی کعبہ سے ہے اس لئے اس کے متعلق کچھ مسائل تو قبلہ کے بیان میں ضمنی طور پر سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۲۵ سے ۱۲۸ میں ذکر کئے گئے ہیں۔ پھر بحث قبلہ کے اختتام پر ایک آیت ۱۵۸ میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا حکم بھی ضمنی طور پر بیان ہو چکا ہے۔

اب آیت ۱۹۶ سے آیت ۲۰۳ تک آٹھ آیات، مسلسل حج وعمرہ کے احکام و مسائل کے متعلق ہیں۔

(۳۲) باب قوله تعالىٰ: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضاً أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ﴾ [۱۹۶]

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان کہ: "ہاں اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو"۔

۴۵۱۷ - حدثنا آدم: حدثنا شعبة، عن عبدالرحمن بن الأصبهاني قال: سمعت عبدالله بن معقل قال: قعدت الى كعب بن عجرة في هذا المسجد، يعني مسجد الكوفة، فسألته عن: فدية من صيام فقال: حملت الي النبي ﷺ والقمل يتناثر على وجهي فقال: ((ماكنت أرى أن الجهد قد بلغ بک هذا، أما تجد شاة؟)) قلت: لا، قال: ((صم ثلاثة أيام، أو اطعم ستة مساكين لكل مسكين نصف صاع من طعام، واحلق رأسک)). فنزلت في خاصة وهي لكم عامة. [راجع: ۱۸۱۴]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن معقل ﷺ نے بیان کیا کہ میں کوفہ کی مسجد میں حضرت کعب بن عجرہ ﷺ کے

ہمراہ بیٹھا ہوا تھا میں نے ان سے روزہ کے فدیہ کے متعلق دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، اس وقت سر سے جوئیں میرے چہرہ پر گر رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا تم اس حد تک تکلیف میں مبتلاء ہو گئے ہو، کیا تمہارے پاس کوئی بکری نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تین روزے رکھ لو یا چھ مساکین کو کھانا کھلا دو کہ ہر مسکین کو نصف صاع اناج کامل جائے اور اپنے سر کو منڈوا دو۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت خاص میرے لئے نازل ہوئی تھی، مگر اس کا حکم تم سب لوگوں کیلئے یکساں عام ہے۔

حالتِ احرام میں بیماری کی وجہ سے سر منڈانے کا حکم

﴿**فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ**﴾ احرام کی حالت میں سر منڈانا جائز نہیں ہوتا، لیکن اگر کسی شخص کو بیماری یا تکلیف کی وجہ سے سر منڈانا پڑ جائے تو اسکو یہ فدیہ دینا ہوگا جو اس آیت میں ذکر ہے۔

تفصیل حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے ہیں کہ "**حملت الي النبي ﷺ والقمل يتناثر على وجهي**" حج کے موقع پر مجھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لیجایا گیا اور اس وقت میرے سر سے جوئیں میرے چہرہ پر گر رہی تھیں۔

نبی کریم ﷺ نے ان کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ "**ما كنت أرى أن الجهد قد بلغ بك هذا**" مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ تم اس حد تکلیف میں پہنچ گئے ہو۔

پھر آپ ﷺ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ "**أما تجد شاة؟**" کیا تمہارے پاس کوئی بکری نہیں ہے؟

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں میرے پاس بکری نہیں ہے۔

پھر نبی ﷺ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "**صم ثلاثة أيام**" اچھا تم تین دن روزے رکھ لو۔

"**أو أطعم ستة مساكين لكل مسكين نصف صاع من طعام**" یا چھ مساکین کو کھانا کھلا دو کہ ہر مسکین کو نصف صاع اناج کامل جائے یعنی صدقۃ الفطر کے برابر صدقہ کیا جائے۔

"**واحلق رأسك**" اور اپنے سر کو منڈوا دو تا کہ تم اس تکلیف سے نجات حاصل کر سکو۔

پھر حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "**فنزلت في خاصة وهي لكم عامة**" مذکورہ آیت خاص میرے بارے میں نازل ہوئی تھی، لیکن اب اس کا حکم تم سب لوگوں یعنی تمام مسلمانوں کے حق میں یکساں عام ہے، ہر ایک اس پر عمل کر سکتا ہے۔

(۳۳) باب: ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ﴾ [۱۹۶]

باب: ''تو جو شخص حج کے ساتھ عمرے کا فائدہ بھی اُٹھائے''۔ ۰؎

۴۵۱۸ ـ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن عمران أبي بكر: حدثنا أبو رجاء، عن عمران بن حصين رضي الله عنه قال: نزلت آية المتعة في كتاب الله ففعلناها مع رسول الله ﷺ ولم ينزل قرآن يحرمه ولم ينه عنها حتى مات، قال رجل برأيه ما شاء. قال محمد يقال: انه عمر. [راجع: ۱۵۷۱]

ترجمہ: عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب تمتع کی آیت نازل ہوئی تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حج تمتع ادا کیا، پھر اسکے بعد ایسی کوئی آیت نہیں آئی جسکی رو سے تمتع سے منع کیا گیا ہو، اور نہ ہی تمتع سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے، یہ تو صرف ایک شخص ہیں جو اپنی رائے علیحدہ رکھتے ہیں۔ محمد فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمتع سے منع کرنے کی حکمت

"نزلت آية المتعة في كتاب الله الخ" حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اس حدیث میں حج تمتع کا ذکر کررہے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ حج تمتع کیا، اور آنحضرت ﷺ کی وفات تک ہم حج تمتع کرتے رہے اور اس وقت تمتع کی ممانعت میں کوئی آیت بھی نازل نہیں ہوئی۔

پھر کہا کہ **"قال رجل برأيه ماشاء"** صرف ایک شخص ہیں جو اپنی رائے علیحدہ رکھتے ہیں حج تمتع نہیں کرنا چاہئے، اور منع کرنے والے شخص سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ وہ حج تمتع کرنے سے منع کرتے تھے۔

۰؎ یعنی جو محرم کہ دشمن کی طرف سے اور مرض سے مطمئن ہو خواہ اس کو کسی قسم کا اندیشہ پیش ہی نہ آیا یا دشمن کا خوف یا بیماری کا کھٹکا پیش تو آیا مگر جلد زائل ہو گیا احرام حج وعمرہ میں اس سے خلل نہ آنے پایا تو اس کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے حج اور عمرہ دونوں ادا کئے، یعنی قران یا تمتع کیا افراد نہیں کیا تو اس پر قربانی ایک بکرا، یا ساتواں حصہ اونٹ کا یا گائے کا لازم ہے، اس کو دم قران اور دم تمتع کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس دم شکر کہتے ہیں اور اس کو اس میں سے کھانے کی اجازت دیتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس کو دم جبر کہتے ہیں اور قربانی کرنے والے کو اس میں سے کھانے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ تفسیر عثمانی، سورہ بقرہ: ۱۹۶، فائدہ: ۲۔

حضرت عمر ﷺ کیوں حج تمتع ادا کرنے سے منع کرتے تھے اس کی دو توجیہات ہیں:

پہلی توجیہ حضرت عمر ﷺ اس معنی میں منع نہیں کرتے تھے کہ تمتع ناجائز ہے بلکہ ان کا منشأ یہ تھا کہ اگر آدمی حج اور عمرہ دونوں کیلئے مستقلاً الگ الگ سفر کرے تو یہ اس کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے کہ ایک ہی سفر میں دونوں کو جمع کرے، یعنی ایک سفر حج کیلئے اور دوسرا سفر عمرہ کیلئے۔

کیونکہ حج اور عمرہ کو الگ الگ بیان کیا ہے **"واتموا الحج والعمرۃ للہ"**۔

اور اگر حضور ﷺ کے زمانہ میں ایسا کیا گیا تو وہ ایک خاص عارض کی وجہ سے کیا گیا کہ جاہلیت کے عقیدۂ باطلہ کو زائل کرنا تھا، ورنہ عام حالت میں یہی افضل ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ انہوں نے تمتع بالمعنی الاصطلاحی سے منع نہیں فرمایا بلکہ **"فسخ الحج الی العمرۃ"** سے منع فرمایا ہے یعنی اگر کوئی شخص حج افراد کا احرام باندھ کر آیا اب بعد میں اس احرام کو تبدیل کر کے عمرہ کا احرام بنانا چاہتا ہے تو اس سے منع فرمایا، کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص تھا جو کہ ایک عارض کی وجہ سے ہوا تھا، اگر عام حالات میں کوئی شخص افراد کا احرام باندھ کر گیا تو اسے ضروری ہے کہ حج پورا کرے پھر حلال ہو، اس کو عمرہ میں تبدیل کرنا جائز نہیں۔ [۱]

(۳۴) باب: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلاً مِن رَّبِّكُمْ﴾ [۱۹۸]

باب: "حج کے زمانہ میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو"۔

زمانہ جاہلیت کی تمام بیہودہ رسموں کا قلع قمع

زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب نے جس طرح تمام عبادات و معاملات کو مسخ کر کے طرح طرح کی بیہودہ رسمیں ان میں شامل کر دی تھیں اور عبادات کو بھی کھیل تماشہ بنا دیا تھا، اسی طرح افعالِ حج میں طرح طرح کی بیہودگیاں کرتے تھے، منیٰ کے عظیم اجتماع میں ان کے خاص خاص بازار لگتے تھے، نمائش ہوتی تھی، تجارتوں کے فروغ کے ذرائع لگائے جاتے تھے۔

اسلام آیا اور حج مسلمانوں پر فرض کیا گیا تو ان تمام بیہودہ رسموں کا قلع قمع کیا گیا۔

---

[۱] مزید تفصیل و دلائل کے لئے مراجعت فرمائیں: **انعام الباری کتاب الحج، باب من اهل فی زمن النبی ﷺ کاهلال النبی ﷺ**، ج: ۵، ص: ۲۱۳، ۲۱۴

صحابۂ کرام ﷺ جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر مٹ جانے والے تھے، اب ان کو خیال ہوا کہ ایام حج میں تجارت کرنا یا مزدوری کر کے کچھ کمالینا یہ بھی جاہلیت کی پیداوار ہے، شائد اسلام میں اس کی مطلقاً حرمت وممانعت ہو جائے۔

اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ اگر کوئی شخص دوران حج میں کوئی بیع وشراء یا مزدوری کرے جس سے کچھ نفع ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، ہاں کفار نے جو حج کو تجارت کی منڈی اور نمائش گاہ بنالیا تھا اس کی اصلاح قرآن نے کردی کہ جو کچھ کمائیں اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور عطاء سمجھ کر حاصل کریں اور اس پر شکر گذار ہوں۔ [۲۷]

۴۵۱۹ - حدثنی محمد قال: أخبرنا ابن عيينة، عن عمرو، عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: كانت عكاظ ومجنة وذوالمجاز أسواقا فی الجاهلية فتأثموا أن يتجروا فی المواسم فنزلت ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلاً مِن رَّبِّكُم﴾ فی مواسم الحج. [راجع: ۱۷۷۰]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں تین بازار تھے: عکاظ، مجنہ، ذوالمجاز ۔ حج کے زمانہ میں بھی ان بازاروں میں لوگ تجارت کیا کرتے تھے، مگر مسلمان ہونے کے بعد اس کو معیوب خیال کرتے تھے، چنانچہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ **﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلاً مِن رَّبِّكُم﴾** حج کے زمانہ میں تجارت کرنا گناہ نہیں ہے۔

(۳۵) باب: ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ [۱۹۹]

باب: ”اس کے علاوہ (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) تم اسی جگہ سے روانہ ہو جہاں سے عام لوگ روانہ ہوتے ہیں“۔

جاہلیت میں اہل عرب نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا تھا کہ اور تمام انسان تو ۹ رذوالحجہ کو عرفات کے میدان میں وقوف کرتے تھے، مگر قریش اور بعض دوسرے قبائل جو حرم کے قریب رہتے تھے اور ”حمس“ کہلاتے تھے، عرفات میں جانے کے بجائے مزدلفہ میں رہتے تھے، اور وہاں وقوف کرتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم حرم کے مجاور ہیں اور عرفات چونکہ حدودِ حرم سے باہر ہے اس لئے وہاں نہیں جائیں گے۔

---

[۲۷] معارف القرآن، ج:۱، ص: ۴۸۷، ۴۸۶

نتیجہ یہ کہ عام لوگوں کو نویں تاریخ کا دن عرفات میں گذارنے کے بعد رات کو مزدلفہ کیلئے روانہ ہونا پڑتا تھا، مگر قریش وغیرہ شروع ہی سے مزدلفہ میں ہوتے تھے، اوران کو عرفات نہیں آنا پڑتا تھا۔

اس آیت نے یہ رسم ختم کردی، اور قریش کے لوگوں کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ عرفات میں وقوف کریں، اورانہی کے ساتھ روانہ ہوکر مزدلفہ آئیں۔

۴۵۲۰ ـ حدثنا علی بن عبداللہ: حدثنا محمد بن حازم: حدثنا هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي اللہ عنها قال: كانت قريش ومن دان دينها يقفون بالمزدلفة وكانوا يسمون الحمس، وكان سائر العرب يقفون بعرفات، فلما جاء الاسلام أمر اللہ نبيه ﷺ أن يأتي عرفات ثم يقف بها ثم يفيض منها، فذلك قوله تعالىٰ: ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾. [راجع: ۱۶۶۵]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قریش اوران کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے اورانہیں "حُمس" کہا جاتا تھا اورعرب کے دوسرے قبائل عرفات میں قیام کرتے تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد اللہ جل جلالہ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ سب کو عرفات پہنچ کر وقوف کرنا چاہئے اور واپسی پر مزدلفہ میں ٹھہرے۔ چنانچہ اس آیت ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ کو اسی مقصد کیلئے نازل کیا گیا تھا۔

۴۵۲۱ ـ حدثني محمد بن أبی بکر: حدثنا فضيل بن سليمان: حدثنا موسى بن عقبة: أخبرني كريب، عن ابن عباس قال: يطوف الرجل بالبيت ما كان حلالا حتى يهل بالحج، فاذا ركب الى عرفة فمن تيسر له هدية من الابل أو البقر أو الغنم ما تيسر له من ذلک اي ذلک شاء غير ان لم يتيسر له فعليه ثلاثة أيام في الحج وذلک قبل يوم عرفة، فان كان آخر يوم من الأيام الثلاثة يوم عرفة فلاجناح عليه، ثم لينطلق حتى يقف بعرفات من صلاة العصر الى أن يكون الظلام ثم ليدفعوا من عرفات فاذا أفاضوا منها حتى يبلغوا جمعا الذي يتبرر فيه، ثم ليذكروا اللہ كثيرا وأكثروا التكبير والتهليل قبل أن تصبحوا ثم أفيضوا فان الناس كانوا يفيضون. وقال اللہ تعالى: ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ، وَاسْتَغْفِرُوا اللہَ إِنَّ اللہَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ حتى ترموا الجمرة. [۴۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص عمرہ کرکے احرام اتاردے اور پھر حج کا احرام باندھنے تک بیت اللہ کا طواف کرتا رہے، پھر حج کا احرام باندھ کر عرفات جائے اور جو جانور مل سکے،

---

[۴۳] انفرد به البخاری.

اونٹ، گائے یا بکری اس کی قربانی کرے اور جس کے پاس قربانی کی طاقت نہ ہو اسے پر ایام حج سے پہلے تین دن کے روزے رکھنا لازم ہے اور اگر تیسرا روزہ عرفات کے دن آجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ عرفات میں پہنچ کر عصر کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی تک قیام کرے، پھر سب کے ساتھ واپس لوٹے اور پھر سب کے ساتھ مزدلفہ میں رات کو وقوف کرے اور پھر زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا تکبیر و تہلیل کی کثرت کرے صبح ہونے تک، پھر مزدلفہ سے سب کے ہمراہ واپس آجائے، جیسا کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ، وَاسْتَغْفِرُوا اللهَ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ پھر شیطان کے کنکریاں مارو۔

(۳۶) باب: ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً﴾ الآية [۲۰۱]

باب: ''اور انہی میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطا فرما''۔

جامع ترین دعاء

یہ دعاء ایک ایسی جامع ہے کہ اس میں انسان کے تمام دنیوی اور دینی مقاصد آجاتے ہیں، دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں راحت و سکون میسر آتا ہے، آخر میں خاص طور پر جہنم کی آگ سے پناہ کا بھی ذکر ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بکثرت یہ دعاء مانگا کرتے تھے۔

اس آیت میں ان جاہل درویشوں کی بھی اصلاح کی گئی ہے جو صرف آخرت ہی کی دعاء مانگنے کو عبادت جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں دنیا کی کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ درحقیقت یہ ان کا دعویٰ غلط اور خیالِ خام ہے، انسان اپنے وجود اور بقاء اور عبادت و طاعت سب میں ضروریات دنیوی کا محتاج ہے، وہ نہ ہوں دین کا بھی کوئی کام کرنا مشکل ہے۔

اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ جس طرح وہ آخرت کی بھلائی اور بہتری اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں، اسی طرح دنیا کی بھلائی اور آسائش بھی طلب کرتے ہیں۔ [۴۷]

---

[۴۷] تفسیر معارف القرآن، ج:۱، ص:۴۹۲

۴۵۲۲ - حدثنا أبو معمر: حدثنا عبدالوارث، عن جریج، عن أنس قال: كان النبی ﷺ يقول: ((اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّار)). [أنظر: ۶۳۸۹] ۷۵

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اس طرح دعا فرماتے تھے کہ "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّار" اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

(۳۷) باب: ﴿وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ [۲۰۴]

باب: ''حالانکہ وہ (تمہارے) دشمنوں میں سب سے زیادہ کٹر ہے''۔

آیت کا پس منظر

بعض روایت میں ہے کہ اخنس بن شریق نامی ایک شخص مدینہ منورہ آیا تھا، اور اس نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر چکنی چپڑی باتیں کیں اور اللہ کو گواہ بنا کر اپنے ایمان لانے کا اظہار کیا، لیکن جب واپس گیا تو راستے میں مسلمانوں کی کھیتیاں جلا دیں اور ان کے مویشیوں کو ذبح کر ڈالا۔

یہ آیات اس پس منظر میں نازل ہوئی تھی البتہ ہر قسم کے منافقوں پر پوری اُترتی ہے۔ ۷۶

---

۷۵ وفی صحیح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب كراهة الدعاء بتعجيل العقوبة فی الدنيا، رقم: ۲۶۸۸، وباب فضل الدعاء باللهم آتنا فی الدنيا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار، رقم: ۲۶۹۰، وسنن ابی داؤد، كتاب الصلاة، باب فی الاستغفار، رقم: ۱۵۱۹، وسنن الترمذی، أبواب الدعوات، باب ماجاء فی عقد التسبيح باليد، رقم: ۳۴۸۷، ومسند أحمد، ومسند المكثرين من الصحابة، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، رقم: ۱۱۹۸۱، ۱۲۰۴۹، ۱۲۶۶۳، ۱۳۱۸۶، ۱۳۵۸۰، ۱۳۹۳۶، ۱۴۰۶۷

۷۶ اراد به الأخنس بن شريق، وكان رجلاً حلو المنطق اذا لقى رسول الله ﷺ، الان له القول وادعى انه يحبه. وانه مسلم ﴿وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلىٰ مَا فِي قَلْبِهٖ﴾ الآية، اى يحلف ويقول: الله شاهد على مافى قلبى من محبتک ومن الاسلام، فقال الله فى حقه: ﴿وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾، اى: شديد الجدال والخصومة والعداوة للمسلمين والألد افعل التفضيل من اللدد وهو: شدة الخصومة. عمدة القارى، ج: ۱۸، ص: ۱۶۲

وقال عطاء: النسل: الحيوان.

ترجمہ: حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ "**النسل**" سے مراد حیوان ہے۔

حیوان سے مراد

عطاء بن رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیتِ مبارکہ ﴿وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ [البقرة: ۲۰۵] اس میں نسل سے مراد ہے حیوان ہے، یعنی حیوان کی طرح کھیتیوں اور مویشیوں کو تباہ کرتا ہے۔ [۷۷]

۴۵۲۳ ۔ حدثنا قبيصة: حدثنا سفيان، عن ابن جريج، عن ابن أبي مليكة، عن عائشة ترفعه قال: ((أبغض الرجال الى الله الألد الخصم)). وقال عبدالله: حدثنا سفيان: حدثني ابن جريج، عن أبي مليكة، عن عائشة رضي الله عنها عن النبي ﷺ. [راجع: ۲۴۵۷]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اور وہ اس حدیث کو مرفوع بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ سب سے زیادہ اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو خصومت رکھنے والا اور جھگڑا کرنے والا ہے۔

(۳۸) باب: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوْا الجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ الآية [۲۱۴]

باب: "(مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں (یونہی) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تمہیں اس جیسے حالات پیش نہیں آئے جیسے اُن لوگوں کو پیش آئے تھے جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں"۔

مقصودِ امام بخاری رحمہ اللہ

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد سورہ یوسف کی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرنا ہے جس میں یہ آیا ہے ﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾۔

---

[۷۷] أي: قال عطاء بن أبي رباح النسل في تعالى: ﴿وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ [البقرة: ۲۰۵] الحيوان، ووصله الطبري من طريق ابن جريج. قلت لعطاء في قوله تعالى: ﴿وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ قال: الحرث الزرع، والنسل من الناس والأنعام. عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۱۶۲

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر نقل فرمائی ہے اور دوسرے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر نقل فرمائی ہے۔ پہلے ان دونوں تفسیروں کو ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر اس قرأت پر مبنی ہے، جس میں ﴿کُـــذِبُـــوْا﴾ آیا ہے یعنی "ذ" کی تخفیف کے ساتھ۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو تفسیر ہے وہ ﴿کُذِّبُوا﴾ یعنی "ذّ" پر تشدید والی قرأت پر مبنی ہے۔

دونوں قرأتیں تواتر سے ثابت ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق "کُـــذِبُـــوْا" کی ضمیر نائب الفاعل خود رسول کی طرف راجع ہے، مراد یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے نصرت آنے سے پہلے ان حضرات نے امید قائم کی تھی کہ اللہ ﷻ کی طرف سے مدد آئے گی، لیکن جب بہت دیر گزر گئی اور مایوسی ہونے لگی تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم نے اپنے طور پر جو یہ بات سوچی تھی یہ غلط سوچ تھی۔

"کُـــذِبُـــوْا" کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان سے جھوٹ بولا گیا بلکہ یہ اس معنی میں ہے جیسے کہتے ہیں کہ "کذَب رجائی" یا "کذَب رجائی" میری امید جھوٹی ہوگئی۔

ایسا نہیں کہ اللہ ﷻ ان کے دلوں میں یہ خیال لائے کہ اللہ ﷻ نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا وہ جھوٹا ہے یا ہم سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا یہ معنی نہیں ہیں بلکہ یہ معنی ہے کہ ہمارے دل میں ایک امید تھی وہ امید جھوٹی پڑ گئی۔

﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾

ان کو گمان ہوا کہ ان کے ساتھ ان کے نفس نے جھوٹ بولا، یعنی ان کے نفس نے ایک غلط امید قائم کر دی جو واقعہ نفس الامر کے مطابق نہیں ہے۔

پھر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کرنے کے بعد کہا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی اس آیت میں آرہا ہے کہ

﴿حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ﴾

یہاں تک رسول اور ان کے ایمان والے ساتھی بول اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟۔

اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اسی حالت میں کہہ رہے ہیں جبکہ بظاہر یہ لگ رہا ہے کہ مدد نہیں آرہی ہے۔ جیسے اِس وقت میں ان کو ایک مایوسی کی سی کیفیت تھی اور دل میں یہ خیال تھا کہ جو امید تھی وہ پوری نہیں ہوئی۔ اسی

طرح یہاں پر "**انهم قد كُذِبوا**" اسی معنی میں ہے یعنی ان دونوں آیتوں کو ایک ہی معنی میں لیا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی منشأ تھا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تفسیر بیان کی گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا مطلب یہ سمجھیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے معنی یہ ہیں کہ رسولوں نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا، تو ظاہر ہے یہ بڑی سنگین بات تھی کہ رسولوں کو یہ گمان ہو کہ اللہ ﷻ نے ان سے جھوٹا وعدہ کیا تھا - **معاذ اللہ**۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ بات تو بالکل غلط ہے، اللہ ﷻ تو جھوٹا وعدہ کر ہی نہیں سکتے اور رسول کبھی سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ہم سے جھوٹا وعدہ کیا گیا ہو، کیونکہ اللہ ﷻ جب وعدہ کرتے ہیں تو اس بات کا وعدہ کرتے ہیں جس کا ان کے علم میں ہو کہ یہ بات ہونی ہے۔ قیامت تک جو واقعات ہونے والے ہیں ان میں سے کسی کا وعدہ کریں گے اور جو پیش ہونے والا واقعہ نہیں ہے اس کا وعدہ تو نہیں کریں گے۔

لہٰذا یہ تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ لفظ یوں ہے کہ ﴿قَدْ كُذِّبُوْا﴾ جب رسولوں کو مایوسی ہونے لگی، تو انکو گمان ہوا کہ "**انهم قد كذّبوا**" اب ان کی (رسولوں کی) تکذیب کی جائے گی۔

یعنی یا تو کافر لوگ ان کی تکذیب کریں گے دیکھو! بہت اترا رہے تھے، فخر کر رہے تھے کہ ہمارے پاس اللہ کی مدد آئے گی لیکن کچھ بھی نہیں آیا۔

یا جو ضعیف الایمان قسم کے لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کہیں گے کہ صاحب! آپ تو اللہ کی نصرت کے وعدے کر رہے تھے، لیکن کوئی نصرت نہیں آئی۔ تو رسول کو کبھی گمان نہیں ہوتا کہ وعدہ جھوٹا ہوگا لیکن جو آس پاس کے لوگ ہیں وہ تکذیب کر سکتے ہیں۔ [۸۷]

۴۵۲۴ - حدثنی إبراهيم بن موسى: أخبرنا هشام، عن ابن جريج قال: سمعت ابن أبي مليكة يقول: قال ابن عباس رضی الله عنهما: ﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْاَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾ خفيفة ذهب بها هناك. وتلا ﴿حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ فلقيت عروة بن الزبير فذكرت له ذلك.

۴۵۲۵ - فقال: قالت عائشة: معاذ الله، والله ما وعد الله رسوله من شيء قط إلا علم

---

[۸۷] التفسير الكبير، ج:٦، ص: ٣٧٩، فتح الباری، ج:٨، ص: ٣٦٨، وعمدة القاری، ج:١٨، ص: ١٦٤

أنه كائن قبل أن يموت، ولكن لم يزل البلاء بالرسل حتى خافوا أن يكون من معهم يكذبونهم فكانت تقرؤها: ﴿وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوْا﴾ مثقلة. [راجع: ۳۳۸۹]

ترجمہ: ابن جریج کہتے ہیں کہ میں ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾ تخفیف کے ساتھ قرأت کی اور اس آیت کو وہاں لے گئے یعنی سورہ بقرہ کی اس آیت کی طرف ﴿حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾، ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ پھر میری ملاقات عروہ بن زبیر سے ہوئی تو میں نے ان سے اس کا ذکر کیا۔

تو عروہ بن زبیر نے کہا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ معاذ اللہ، اللہ کی قسم! اللہ نے اپنے رسولوں سے جو بھی وعدہ کیا ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ وعدہ ان کی وفات سے پہلے لازمی ہو کر رہے گا، البتہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جب مصیبتیں اور پریشانیاں دراز اور لمبے عرصے تک پہنچتیں تو وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ لوگ انہیں نہ جھٹلا دیں جو ان کے ساتھ ہیں،، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آیت ﴿وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوْا﴾ پڑھتی تھیں۔

تشریح

اور اس آیت (بقرأت تخفیف) کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے **"وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا"** کی ضمیریں کافروں کی طرف راجع ہے یعنی وہ لوگ سمجھے کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے۔

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کو یوں پڑھتے ہیں "﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾ **خفيفةً**"۔ یعنی "ذ" کی تخفیف کے ساتھ۔

"ذهب بها هناك" یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کو وہاں لے گئے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ اس آیت کے مفہوم کو سورہ بقرہ کی آیت ﴿حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ کی طرف لے گئے اور یہ کہا کہ دونوں آیتوں کا مفہوم ایک جیسا ہے۔

"ذهب بنا هناك" کا یہ مطلب ہے۔

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعد میں میری ملاقات حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے ہوئی تو میں نے ان سے یہ بات ذکر کی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ بات کہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تفسیر دوسری طرح کی ہے۔

اور پھران کی تفسیر بیان کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ **"معاذ الله والله ما وعد الله رسوله من شئ قط إلا علم أنه كائن قبل أن يموت"** اللہ کی پناہ! - اللہ کی قسم! اللہ نے اپنے رسولوں سے جو بھی وعدہ کیا ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ وعدہ، صاحب وعدہ کی موت سے پہلے پہلے لازمی ہوکر رہے گا۔

"ولكن لم يزل البلاء بالرسل حتى خافوا أن يكون من معهم يكذبونهم" البتہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جب مصیبتیں اور پریشانیاں دراز اور لمبے عرصے تک پہنچتیں ہیں اور آزمائشوں کی وجہ سے بعض اوقات مدد آنے میں دیر لگتی ہے، تو وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ لوگ انہیں نہ جھٹلا دیں، تکذیب نہ کردیں جو ان کے ساتھ ہیں۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آیت **﴿وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوْا﴾** پڑھتی تھیں۔

اور جو تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی ہے وہ **"كذبوا" بالتخفيف** کے اندر بھی کہی جاسکتی ہے اور **"كذّبوا" بالتشديد** میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر صرف **"كُذِبوا"** کی قرأت کے مطابق ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر دونوں قرأتوں کے مطابق ہے۔

(۳۹) باب: ﴿نِسَاءُ كُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ﴾ [۲۲۳]

باب: "تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں؛ لہذا اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ"۔

۴۵۲۶ - حدثني إسحاق: أخبرنا النضر بن شميل: أخبرنا ابن عون، عن نافع قال: كان ابن عمر رضي الله عنهما إذا قرأ القرآن لم يتكلم حتى يفرغ منه. فأخذت عليه يوما فقرأ سورة البقرة حتى انتهى إلى مكان قال: تدري فيم أنزلت؟ قلت: لا، قال: أنزلت في كذا وكذا، ثم مضى. [أنظر: ۴۵۲۷] [۹۷]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قرآن کی تلاوت کے درمیان کسی سے بات نہ کرتے تھے، جب تک فارغ نہ ہوجاتے۔ ایک دن میں ان کے پاس گیا تو وہ سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے، جب ایک مقام پر پہنچے یعنی **﴿نِسَاءُ كُمْ الخ﴾** تو فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو آپ نے وجہ نزول بیان کی اور پھر تلاوت میں مصروف ہوگئے۔

---

[۹۷] انفرد به البخاري.

تشریح

اس روایت میں ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔

حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"کان ابن عمر رضی اللہ عنهما إذا قرأ القرآن لم یتکلم حتی یفرغ منه"** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب قرآن پڑھتے تھے تو اس دوران کوئی بات نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ تلاوت سے فارغ نہ ہو جاتے۔

"فأخذت علیه یوما" ایک دن میں قرآن لیکر ان کے پاس بیٹھ گیا، تاکہ دیکھوں کب تک پڑھتے ہیں، **"فقرأ سورة البقرة حتی انتهی إلی مکان"** تو وہ سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے، یہاں تک کہ ایک خاص جگہ تک پہنچ گئے یعنی یہی آیت ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾۔

پھر وہاں تک پہنچنے کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ (حضرت نافع رحمہ اللہ) سے سوال کیا کہ **"تدری فیم أنزلت؟"** کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی تھی؟

"قلت: لا" میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ آیت بارے میں نازل ہوئی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ **"أنزلت فی کذا و کذا"** یہ آیت فلاں فلاں بات کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی عورت سے دبر میں جماع کرنے کے بارے میں ہے۔

"ثم مضی" یہ بات بتانے کے بعد پھر تلاوت شروع کردی۔

۴۵۲۷ ـ وعن عبدالصمد: حدثنی أبی: حدثنی أیوب، عن نافع، عن ابن عمر ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ قال: یأتیها فی. رواه محمد بن یحیی بن سعید، عن أبیه، عن عبیدالله، عن نافع، عن ابن عمر. [راجع: ۴۵۲۶]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ سے مطلب یہ ہے کہ جس طرح چاہو آسکتے ہو۔ یہی حدیث یحییٰ قطان، عبید اللہ، نافع، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

مبہم انداز میں ذکر کرنے کی وجہ

یہاں اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت نافع رحمہ اللہ سے مروی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی دو روایتیں نقل کی ہیں اور دونوں میں اجمال اور ابہام ہے۔

پہلی روایت میں اس طرح کہا کہ **"نزلت فی کذا و کذا"** یہ آیت فلاں فلاں بات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

جبکہ دوسری روایت میں ہے **"یاتیھا فی"** امام بخاری رحمہ اللہ نے **"فی"** کے بعد مجرور ذکر نہیں کیا۔

یہ اس وجہ سے ہے غالباً - **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم** - کہ روایت میں جو الفاظ تھے ان کا مفہوم ظاہری طور پر بڑا شنیع تھا، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے تشنیع کیلئے اس کو ذکر ہی نہیں کیا یا اس وجہ کو جان بوجھ کر چھپایا اور اس کو پردہ ابہام میں رکھا اور وضاحت نہیں کی تا کہ اس شنیع کی زیادہ تبلیغ نہ ہو۔

مسئلہ کی تفصیل اور اقوالِ علما

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کا مفہوم یہ بتایا تھا کہ **﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ﴾** کے معنی یہ ہیں کہ مرد اپنی بیوی سے دبر میں بھی استمتاع کرسکتا ہے۔

﴿أَنّٰى شِئْتُمْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ **"یاتیھا فی"** یعنی **"فی دبرھا"**۔

"نزلت فی کذا و کذا" اس کا معنی یہ ہے کہ عورت سے دبر میں جماع کر سکتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا کہ یہ انصار کے ایک صاحب نے اپنی عورت سے دبر میں جماع کیا، جماع کرنے کے بعد ان کو اس بارے میں پریشانی ہوئی کہ یہ بات درست بھی ہے کہ نہیں؟ تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ [۸۰]

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری ﷛ کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے دبر میں جماع کیا اس بات پر لوگوں نے کچھ اعتراض کیا، حضور اقدس ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [۸۱]

---

۸۰ حدثنا محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، حدثنا أبوبکر بن ابی أویس، حدثني سليمان بن بلال، عن زيد بن اسلم، عن عبدالله بن عمر: أن رجلا، أتى امرأته في دبرها، فوجد في نفسه من ذلک وجدا شديدا، فأنزل الله تعالى: ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ﴾. شرح مشكل الآثار، رقم: ۶۱۱۷، ج: ۱۵، ص: ۴۱۰

۸۱ وحدثنا أحمد بن داود قال: حدثنا يعقوب بن حميد بن كاسب، حدثنا عبدالله بن نافع، عن هشام بن سعد، عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد: أن رجلا أصاب امرأته في دبرها، فأنكر الناس ذلک عليه وقالوا: أثفرها فأنزل الله تعالى: ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ﴾ ففي هذين الحديثين ما قد ذكر قوم أنهم استدلوا به على الإباحة. شرح مشكل الآثار، رقم: ۶۱۱۸، ج: ۱۵، ص: ۴۱۱

ان روایات کی وجہ سے یہ بات مشہور و معروف ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وطی فی الدبر کی جواز کے قائل تھے۔اسی بنیاد پر امام مالک رحمہ اللہ کا قول قدیم بھی یہی ہے کہ دبر میں جماع کرنا جائز ہے۔ ۸۲

البتہ اصحابِ مالکیہ امام مالک رحمہ اللہ کی طرف سے اس قول کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ سے کہیں یہ ثبوت صحیح نہیں ہے۔ ۸۳

لیکن قاضی ابن عربی رحمہ اللہ، جو مالکیہ کے فقہاء میں بڑے درجے کے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ تردید کرنا بالکل غلط ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول ہے۔امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد ابن القاسم سے یہ کہا کہ میں نے اپنے علمائے مدینہ میں سے کسی کو بھی ایسا نہیں پایا جو اس کو ناجائز اور حرام کہتا ہو اور اس میں ذرا سا بھی شک ہو ان کو، لہٰذا وہ اس کی حرمت کے زیادہ قائل نہیں تھے۔ ۸۴

انہوں نے ایک واقعہ یہ لکھا ہے محمد بن سعد، ابوسلیمان جوزجانی سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں ایک دفعہ انس بن مالک یعنی امام مالک رحمہ اللہ کے پاس تھا، تو ان سے دبر میں جماع کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا کہ سنا ہے کہ یہ بہت حرام و ناجائز کام ہے، تو انہوں نے کہا کہ **"الساعة اغتسلت منه"** یعنی میں نے کچھ دیر پہلے اس سے فارغ ہو کر غسل کیا ہے۔

یعنی یہاں تک کہہ دیا تو جواز کے قائل ہونے کی بات اس وجہ سے ان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

دوسرے حضرات یہ کہتے ہیں کہ امام مالک کا پہلے یہ قول تھا بعد میں اس سے رجوع کر لیا گیا۔ ۸۵

۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵ وأما اختلاف العلماء في هذا الباب فذهب محمد كعب القرظي وسعيد بن يسار المدني ومالك الى اباحة ذلك، واحتجوا في ذلك بما رواه أبو سعيد، وقالوا: معنى الآية. حيث شئتم من القبل والدبر، وقال عياض: تعلق من قال بالتحليل بظاهر. الآية وقال ابن العربي في كتابه ((أحكام القرآن)): جوزته طائفة كثيرة، وقد جمع ذلك ابن شعبان في كتابه ((جماع النسوان)) وأسند جوازه الى زمرة كبيرة من الصحابة والتابعين والى مالك من روايات كثيرة، وقال أبو بكر الجصاص في كتابه ((أحكام القرآن)): المشهور عن مالك اباحة ذلك وأصحابه ينفون عنه هذه المقالة لقبحها وشناعتها وهي أشهر من أن تندفع بنفيهم عنه وقد روى محمد بن سعد عن أبي سليمان الجوزجاني، قال: كنت عند مالك بن انس، فسئل عن النكاح في الدبر، فضرب بيده على رأسه، وقال: الساعة اغتسلت عنه، ورواه عنه ابن القاسم: ما أدركت أحداً اقتدى به في ديني يشك فيه أنه حلال، يعني وطء المرأة في دبرها، ثم قرأ: ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ قال: فأي شيء أبين من هذا، وما أشك فيه. وأما مذهب الشافعي فيه فما قاله الطحاوي: حكى لنا محمد بن عبدالله بن عبدالحكم أنه سمع الشافعي يقول: ما صح عن رسول الله، في تحريمه ولا في تحليله، والقياس أنه حلال. وقال الحاكم: لعل الشافعي كان يقول ذلك في القديم، وأما في الجديد فصرح بالتحريم. عمدة القاري، ج:۱۸، ص: ۱۶۸، ۱۶۷

محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کہتے ہیں میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات بھی ثابت نہیں، نا تو حلال ہونے کی اور نا ہی حرام ہونے کی، اس وجہ سے قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ یہ درست ہے۔

لیکن یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم تھا، بعد میں انہوں نے اس کو صراحت کے ساتھ حرام قرار دیا ہے،، لہذا شافعیہ کا مذہب بھی حرمت کا ہے۔

بہرصورت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بات منقول ہے۔

احناف، شوافع، حنابلہ اور جمہور علمائے کرام کہتے ہیں کہ یہ عمل بالکل حرام ہے اور اسی وجہ سے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات باور نہیں ہوتی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایسی بات کہیں گے اور ان کی طرف اس قول کی نسبت مشکوک ہے۔

البتہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس موضوع پر روایات اتنی زیادہ ہیں کہ اس کی تردید مشکل ہے، ہاں یہ عین ممکن ہے کہ بعد میں انہوں نے اس سے رجوع فرمالیا ہو۔

اسی امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں بھی بعض فقہاء مالکیہ تردید کرتے ہیں کہ امام مالک کی طرف اس قول کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے، اگر ہو تو بھی امام مالک نے اس سے رجوع کرلیا ہوگا۔

لہٰذا اب اس مسئلہ پر تقریباً اجماع ہے جماع فی الدبر حرام ہے۔

جو لوگ امام مالک کی طرف یہ قول منسوب کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ قرآن میں یہ لفظ **﴿أَنَّى شِئْتُمْ﴾** عام ہے، **"انی"** بمعنی **"این"** کے ہے۔

"این شئتم" یا **"حیث شئتم"** تو پھر اس میں کوئی قید نہیں ہے۔

جمہور کا کہنا یہ ہے کہ جیسا حدیث میں آیا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ روایات میں اسکی تفسیر یہ آئی ہے کہ قریش اپنی بیویوں سے استمتاع میں زیادہ تنوع اختیار کرتے تھے یعنی مجامعت تو اگرچہ فرج ہی میں ہوتی تھی لیکن جانے کیلئے راستہ کبھی سیدھا، کبھی الٹا، کبھی پہلو سے، مستقبلۃً اور مستدبرہ رہتا تھا۔

جب مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں یہ قصہ نہیں تھا اور وہاں کے لوگ یہودیوں کے زیر اثر تھے، یہودی یہ کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص فرج میں جماع کرے، لیکن پیچھے کی طرف سے کرے تو اس کی اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے، تو اس واسطے وہ منع کرتے تھے۔ ۸۶

---

۸۶ وذهب الجمهور الى تحريمه فمن الصحابة: على بن أبى طالب وابن عباس وابن مسعود وجابر بن عبدالله وعبدالله بن عمرو بن العاص .... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾ ....

۴۵۲۸ - حدثنا أبو نعیم: حدثنا سفیان عن ابن المنکدر: سمعت جابرا ﷺ قال: کانت الیهود تقول: اذا جامعها من ورائها جاء الولد أحول، فنزلت ﴿ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ ﴾. ۸۷

ترجمہ: ابن منکدر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر ﷺ سے سنا کہ وہ فرمارہے تھے کہ یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو آدمی اپنی بیوی سے پیچھے کی طرف سے جماع کرتا ہے، اس کی اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمائی۔

..............﴿ گذشتہ سے پیوستہ ﴾..............وأبو الدرداء وخزیمة بن ثابت وأبو هریرة وعلی بن طلق وأم سلمة، وقد اختلف عن عبدالله بن عمر بن الخطاب، والأصح عنه المنع، ومن التابعین سعید بن المسیب ومجاهد وابراهیم النخعی وأبو سلمة بن عبدالرحمن وعطاء بن أبی رباح، ومن الأئمة: سفیان الثوری وأبو حنیفة والشافعی فی الصحیح، وأبو یوسف ومحمد وأحمد واسحاق وآخرون کثیرون، واحتجوا فی ذلک بأحادیث کثیرة. منها: حدیث ابن خزیمة: أن رسول الله ﷺ، قال: ((ان الله لا یستحیی من الحق، لا تأتوا النساء فی أدبارهن))، أخرجه الطحاوی والطبرانی واسناده صحیح. ومنها: حدیث عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده عن النبی ﷺ، قال: ((هی اللوطیة الصغریٰ))، یعنی وطء النساء فی ادبارهن، أخرجه الطحاوی باسناد صحیح، والطیالسی والبیهقی. ومنها: حدیث أبی هریرة قال: قال رسول الله ﷺ: ((لاینظر الله - عزوجل - الی رجل وطیء امرأة فی دبرها))، أخرجه الطحاوی وبن أبی شیبة وابن ماجه وأحمد. ومنها حدیث جابر بن عبدالله نحو حدیث خزیمة، وفی روایة: لا یحل ما تأتی النساء فی حشوشهن، وفی روایة: فی محاشهن، أخرجه الطحاوی. ومنها: حدیث طلق بن علی: أن رسول الله ﷺ قال: ((ان الله لایستحیی من الحق، لا تأتوا النساء فی اعجازهن))، أخرجه الطحاوی وابن أبی شیبة، وفی روایة فی أعجازهن، أو قال: فی أدبارهن، وأما الآیة فتاولوها: بفأتوا حرثکم أنه شئتم مقبلین ومستدبرین، ولکن فی موضع الحرث، وهو الفرج. فان قلت: القاعدة عندکم أن العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب. قلت: نعم لکن وردت أحادیث کثیرة فأخرجت الآیة عن عمومها والقصرها علی اباحة الوطء فی الفرج، ولکن علی أی وجه کان. عمدة القاری، ج:۱۸، ص: ۱۲۸

۸۷ وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز جماعة امرأته فی قبلها، من قدامها، ومن ورائها من غیر تعرض الدبر. رقم: ۱۴۳۵، وسنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی جامع النکاح، رقم: ۲۱۶۳، وسنن الترمذی، أبواب التفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة. رقم: ۲۹۷۹، وسنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب النهی عن ایتان النساء فی أدبارهن. رقم: ۱۹۲۵، وسنن الدارمی، کتاب الطهارة، باب ایتان النساء فی أدبارهن. رقم: ۱۱۷۲، ومن کتاب النکاح، باب النهی عن ایتان النساء فی أدبارهن. رقم: ۲۲۶۰

حدیث کی تشریح

ایک مہاجر صحابی ﷺ کا نکاح کسی انصاری صحابیہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو ان صحابی نے اپنی عام عادت کے مطابق یا عام معمول کے مطابق ان سے بھی استمتاع کرنا چاہا تو انصاریہ خاتون نے مزاحمت کی، یہ بات ہوتے ہوتے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئی کہ انصار کے لوگ اسلام سے پہلے چونکہ یہودیوں کے ساتھ رہتے تھے تو اور یہودی یہ کہتے تھے جو اپنی بیوی سے پیچھے کی طرف سے جماع کرتا ہے، تو اس طرح کرنے سے اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے۔

اس پر آیت نازل ہوئی کہ ﴿**نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ**﴾ اس آیت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ موضع جماع میں عموم پیدا کیا جارہا ہے بلکہ اس موضع تک پہنچنے کیلئے طریقہ میں عموم پیدا کیا جارہا ہے کہ جس طرف سے چاہو جاؤ لیکن جاؤ اسی جگہ پر یہ مقصود ہے نہ کہ مواضع کی تعمیم مقصود ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ **"حرثکم"** کا لفظ استعمال فرمایا کہ **"حرث"** تو موضع فرج ہی ہے اور جو دوسری جگہ ہے وہ **"فرث"** ہے حرث نہیں ہیں۔

اور کئی احادیث میں صراحتاً یہ ممانعت آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ((**ولا تأتوا النساء في أعجازهن / في أدبارهن، فان الله لا يستحي من الحق**)) یعنی عورتوں سے پیچھے (دبر میں) سے جماع مت کرو، بے شک اللہ حق بات سے نہیں شرماتا ہے۔ ۸۸

ذوق عربی ونحوی قاعدہ سے حرمت کی تائید

مجھے ایک بات لگتی تھی کہ کسی کی تائید مل جائے تو کہوں بغیر تائید کے کہنے کا دل نہیں چاہتا۔

وہ بات یہ ہے کہ **"انی"** کے معنی کئے گئے ہیں **"این شئتم"** کے یعنی **"این شئتم"** یا **"حیث شئتم"**، یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ **"انی"** کے معنی ہیں **"من این"** صرف **"این"** نہیں ہے۔

مجھے اپنے ذوق عربیت کی وجہ سے یہ بات لگتی تھی مگر کسی کی تائید نظر نہیں آتی تھی، بعد میں دیکھا کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کافیہ کی شرح رضی کے حوالے سے یہی بات کہی ہے کہ **"انی"** کے معنی **"من این"** کے ہیں **"من این شئتم"** جب **"من این شئتم"** ہے تو طریق کا عموم ہے نہ کہ

---

۸۸ سنن الترمذی، ابواب الرضاع، باب ماجاء في كراهة اتيان النساء في ادبارهن، رقم: ۱۱۶۴

موضع کا عموم، تو اس سے یہ بات واضح ہوگئی۔ ۸۹

(۴۰) باب: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ [۲۳۲]

باب: ''اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں، تو (اے میکے والو!) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں''۔

آیت کا شانِ نزول

آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جو آگے حدیث میں بھی آرہا ہے، حضرت معقل بن یسار ﷺ نے اپنی بہن کی شادی ایک شخص کے ساتھ کی، اس نے طلاق دیدی اور عدت بھی گذر گئی، اس کے بعد یہ شخص اپنے فعل پر پشیمان ہوا، اور چاہا کہ دوبارہ نکاح کرلیں، اس کی بیوی یعنی معقل بن یسار ﷺ کی بہن بھی اس پر آمادہ ہوگئیں، لیکن جب اس شخص نے معقل بن یسار ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو ان کو طلاق دینے پر غصہ تھا، انہوں نے کہا کہ میں نے پہلے تمہارا اعزاز کیا، اپنی بہن تمہارے نکاح میں دی اور تم نے اس کی قدر یہ کی کہ اس کو طلاق دے دی، اب پھر تم میرے پاس آرہے ہو کہ دوبادہ نکاح کروں، خدا کی قسم! اب وہ تمہارے نکاح میں نہ لوٹے گی۔

اسی طرح جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی چچازاد بہن کا بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو انہوں نے منع کردیا۔

ان واقعات پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں معقل بن یسار ﷺ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے اس رویہ کو ناپسند و ناجائز قرار دیا گیا۔ آیت کریمہ سنتے ہی حضرت معقل بن یسار ﷺ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہوگیا اور خود جاکر اس شخص سے اپنی بہن کا دوبارہ نکاح کردیا، اور قسم کا کفارہ ادا کیا، اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بھی تعمیل فرمائی۔ ۹۰

---

۸۹ وصرح الرضي، مع كونه شيعياً أن حرف ـ أنى ـ في القرآن ليس بمعنى أين، بل بمعنى: من أين، فهي لتعميم الحال، مستقبلاً، أو مستدبراً، مع كون الصماخ واحداً، لا لتعميم المكان ـ والعياذبالله. فيض الباري على صحيح البخاري، ج:۴، ص: ۱۶۳

۹۰ معارف القرآن، ج: ۱، ص: ۵۷۵، وعمدة القاري، ج:۱۸، ص: ۱۷۰، ۱۶۹

۴۵۲۹ ۔ حدثنا عبیداللہ بن سعید: حدثنا أبوعامر العقدی: حدثنا عباد بن راشد: حدثنا الحسن قال: حدثنی معقل بن یسار قال: کانت لی أخت تخطب إلیّ.

وقال إبراھیم عن یونس، عن الحسن: حدثنی معقل بن یسار حدثنا أبومعمر: حدثنا عبدالوارث: حدثنا یونس، عن الحسن: أن أخت معقل بن یسار طلقھا زوجھا فترکھا حتی انقضت عدتھا فخطبھا فأبی معقل فنزلت ﴿فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ . [أنظر: ۵۱۳۰، ۵۳۳۰، ۵۳۳۱][۱]

ترجمہ: حسن روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت معقل بن یسار ﷺ نے بیان کیا کہ میری ایک بہن تھی جس کے نکاح کا پیغام میرے پاس آیا۔

(دوسری سند) ابراہیم بیان کرتے ہیں، ان سے یونس نے، اوران سے حسن نے، اوران سے حضرت معقل بن یسار ﷺ نے بیان کیا۔ (تیسری سند) ابومعمر بیان کرتے ہیں، ان سے عبدالوارث نے، ان سے یونس نے، ان سے حسن بصری رحمہ اللہ نے، اوران سے حضرت معقل بن یسار ﷺ نے بیان کیا کہ ان کی بہن کو اسکے خاوند نے طلاق دی، یہاں تک کہ عدت ختم ہوگئی اس کے بعد اس سے نکاح کرنا چاہا اور پیغام بھیجا تو معقل نے نکاح سے انکار کردیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت نازل فرمائی۔

عورت کو نکاح کا حق

حسن بصری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ **"أن أخت معقل بن یسار طلقھا زوجھا فترکھا"** حضرت معقل بن یسار ﷺ کی بہن تھیں، ان کو انکے شوہر نے طلاق رجعی دیدی اور چھوڑ دیا یعنی عدت ختم ہونے تک رجوع بھی نہیں کیا، **"حتی انقضت عدتھا"** یہاں تک کہ ان کی عدت پوری ہوگئی، جب عدت پوری ہو گئی تو پھر وہی شوہر پیغام لے کر آ گیا کہ مجھ سے دوبارہ نکاح کرلو، خود خاتون یعنی حضرت معقل بن یسار ﷺ کی بہن بھی اس بات کیلئے راضی تھیں۔ **"فأبیٰ معقل"** معقل ابن یسار ﷺ نے انکار کیا کہ ایک آدمی تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کر چکا، اس کے بعد میں اس سے تمہارا نکاح تو نہیں کراؤں گا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُن﴾ جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، وہ اپنی عدت تک پہنچ جائیں اب اگر وہ دوبارہ اپنے شوہر سے نکاح کرنا چاہتی تو انکو روکو نہیں، منع نہ کرو۔

---

[۱] انفرد بہ البخاری.

طلاقِ رجعی اور عدت کی وضاحت

ایک عورت کو اس کے خاوند نے ایک یا دو طلاق دی اور پھر عدت میں رجعت بھی نہ کی جب عدت ختم ہو چکی تو دوسرے لوگوں کے ساتھ زوج اول نے بھی نکاح کا پیام دیا، عورت بھی اس پر راضی تھی مگر عورت کے رشتہ داروں نے اس کو نکاح سے روک دیا۔

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا کہ عورت کی خوشنودی اور بہبودی کو ملحوظ رکھو، اسی کے موافق نکاح ہونا چاہئے اپنے کسی خیال اور ناخوشی کو دخل مت دو۔

یہ خطاب عام ہے نکاح سے روکنے والے سب لوگوں کو خواہ زوج اول جس نے طلاق دی ہے وہ عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے سے روکے اور اسی طرح عورت کے ولی اور وارث عورت کو پہلے خاوند سے نکاح کرنے سے یا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے سے مانع ہوں۔

تو اس آیت میں ان سب کو روکنے سے ممانعت آگئی، ہاں اگر خلاف قاعدہ کوئی بات ہو مثلاً غیر کفو میں عورت نکاح کرنے لگے یا پہلے خاوند کی عدت کے اندر کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہے تو بیشک ایسے نکاح سے روکنے کا حق ہے، اسی آیت میں ﴿**امر بالمعروف**﴾ فرمانے کا یہی مطلب ہے۔

طلاق کے بعد رجعت یا انقطاعِ نکاح دونوں کیلئے خاص ہدایات

جب مطلقہ رجعی عورتوں کی عدت گزرنے کے قریب آئے تو شوہر کو دو اختیار حاصل ہیں:

ایک یہ کہ رجعت کر کے اس کو اپنے نکاح میں رہنے دے۔

دوسرے یہ کہ رجعت نہ کرے اور تعلق نکاح ختم کر کے اس کو بالکل آزاد کر دے۔

لیکن دونوں کو اختیاروں کے ساتھ قرآن کریم نے یہ قید لگائی کہ رکھنا ہو تو قاعدہ کے مطابق رکھا جائے اور چھوڑنا ہو تب بھی شرعی قاعدے کے مطابق چھوڑا جائے:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ [البقرة: ۲۳۱]

ترجمہ: اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدت کے قریب پہنچ جائیں، تو یا تو ان کو بھلائی کے ساتھ (اپنی زوجیت میں) روک رکھو۔

﴿فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة: ۲۳۲]

ترجمہ: اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں، تو (اے میکے والو!) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں، بشرطیکہ وہ بھلائی کے ساتھ ایک دوسرے سے راضی ہو گئے ہوں۔

اس میں "بِالْمَعْرُوفِ" کا لفظ دونوں جگہ علیحدہ علیحدہ لاکر اس کی طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ رجعت کیلئے بھی اور آزاد کرنے کیلئے بھی کچھ شرائط وقواعد ہیں۔ دونوں حالتوں میں سے جس کو بھی اختیار کرے شرعی قاعدے کے موافق کرے، محض وقتی غصے یا جذبات کے ماتحت نہ کرے، دونوں صورتوں کے شرعی قواعد کا کچھ حصہ قرآن کریم میں بیان کردیا گیا ہے اور باقی تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ [۹۲]

(۴۱) باب: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ [۲۳۴]

باب: "اور تم میں سے جو لوگ وفات پاجائیں، اور بیویاں چھوڑ کر جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن انتظار میں رکھیں گی۔ پھر جب وہ اپنی (عدت کی) معیاد کو پہنچ جائیں تو وہ اپنے بارے میں جو کارروائی (مثلاً دوسرا نکاح) قاعدے کے مطابق کریں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے"۔

﴿يَعْفُوْنَ﴾ [۲۳۷]: يهبن.

ترجمہ: "يَعْفُوْنَ" بمعنی ہبہ کرنے ہیں۔

---

[۹۲] معارف القرآن، ج:۱،ص:۵۷۱

مشکل ترین باب

یہ باب امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب التفسیر کی مشکل ترین ابواب میں سے ہے اور جو تعلیقات نقل کئے ہیں، ان سے بات کو سمجھنے میں دشواری پیدا ہوتی ہے۔ پہلے اس کا خلاصہ کتاب سے ہٹ کر سمجھ لیجئے۔ پھر آپ پڑھیں گے تو پھر آپ کو بات سمجھ میں آجائے گی۔

"متوفی عنها زوجها" کی عدت کا مسئلہ

صورت حال یہ ہے کہ **"متوفی عنہازوجہا"** کی عدت کے بارے میں سورۂ بقرہ میں دو آیتیں ہیں، ایک آیت ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَ يَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ [البقرة: ۲۳۴]

یعنی کہ وہ عورتیں جن کے شوہر انتقال کر جائیں وہ چار مہینے دس دن تک عدت گزاریں گی۔

یہ سورۂ بقرہ میں ترتیبِ قرأۃ کے لحاظ سے یہ آیت پہلے ہے، اور دوسری آیت ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً وَّصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ [البقرة: ۲۴۰]

ترجمہ: اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جایا کریں کہ ایک سال تک وہ (ترکے سے نفقہ وصول کرنے کا) فائدہ اُٹھائیں گی اور ان کو (شوہر کے گھر سے) نکالا نہیں جائے گا۔

یہ آیت کریمہ ترتیبِ قرأت کے لحاظ سے مؤخر ہے۔

جمہور کی تفسیر اور مسلک

جو معروف تفسیر ہے جس کو جمہور حضرات نے اختیار کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ **﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَ يَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً وَّصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ الخ﴾** اس میں یہ کہا گیا ہے کہ جس کا شوہر انتقال کر

جائے وہ عورت اسکی عدت کے دوران سال بھر تک اپنے شوہر کے گھر میں رہے گی اوران کو نکالنا جائز نہیں ہے۔

جمہور کا کہنا ہے کہ یہ حکم سال بھر کی عدت کا منسوخ ہوگیا اور دوسری آیت یعنی ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْراً﴾ یہ اس آیت (یعنی جس میں ایک سال تک شوہر کے گھر میں رکنے کا حکم ہے) کیلئے ناسخ ہے۔

اوراس آیت پر عمل نہیں ہے بلکہ ﴿أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْراً﴾ والی آیت پر عمل ہے۔

یہ جمہور حضرات کا قول ہے۔

جمہور کے مسلک پر اشکال

جمہور کے قول پر اور تو کچھ خاص اشکال وارد نہیں ہوتا سوائے اسکے کہ اس میں آیت ناسخہ پہلے اور آیت منسوخہ بعد میں ہے، جبکہ ترتیب طبعی کا تقاضا یہ ہے کہ آیت منسوخہ پہلے ہو اور ناسخ بعد میں آئے۔

جمہور کا جواب

جمہور کی طرف سے اسکا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ ترتیب قرأت، ترتیب نزول سے مختلف ہے اور **"اربعة اشهر"** والی آیت اگرچہ قرأت میں مقدم ہے لیکن نزول میں مؤخر ہے اور سارے ناسخ منسوخ میں یہ واحد آیت ایسی ہے جو قرأت میں مقدم ہے اور نزول میں مؤخر ہے، تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

یہ جمہور حضرات کی تفسیر تھی، اور اُس پر ہونے والے اشکال کا جواب۔

دوسری تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے حضرت مجاہد اور حضرت عطاء بن رباح رحمہما اللہ نے روایت کی ہے۔ یہ دونوں حضرات، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں۔

دونوں نے جو تفسیر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کی اس میں تھوڑا سا فرق ہے۔

امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول

مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ درحقیقت ان دونوں آیتوں میں کوئی ناسخ ومنسوخ نہیں ہے اور ﴿اربعة اشهر وعشراً﴾ والی آیت جس طرح قرأت میں مقدم ہے اسی طرح نزول میں بھی مقدم ہے۔

﴿مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ والی آیت جس طرح قرأت میں مؤخر ہے اسی طرح نزول میں بھی مؤخر ہے اور ان میں کوئی ناسخ ومنسوخ نہیں، دونوں پر عمل آج بھی ہے۔

ان کا کہنا یہ ہے کہ چار مہینے دس دن تک تو عدت مقرر ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ عورت جو **"متوفی عنها زوجها"** ہے، اس کے ذمے واجب ہے کہ چار مہینے دس دن عدت اپنے شوہر کے گھر میں گزارے، یہ تو واجب ہے اور عورت کا فریضہ ہے۔

پہلی آیت میں اس فریضے کو بیان کیا گیا ہے اور دوسری طرف جو ازواج ہیں ان کے ذمے اللہ تعالیٰ نے یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ جب وہ دیکھیں کہ ہمارے انتقال کا وقت قریب آرہا ہے اور ہم بیوی کو چھوڑ کر جارہے ہیں تو ان کو چاہئے کہ اپنی بیویوں کے متعلق وصیت کریں، کیا وصیت کریں؟

وصیت یہ کریں کہ میری بیوی کو سال بھر تک تم (ورثاء) میرے گھر میں رکھنا اور اس کو نہیں نکالنا۔

تو اُس حکم کا اِس حکم سے کوئی تعلق نہیں، اُس کی مخاطبہ عورت ہے کہ چار مہینے دس دن تمہیں اپنے شوہر کے گھر میں رہنے ہیں اور اِس کا مخاطب شوہر ہے کہ وصیت کرے کہ سال بھر تک میری بیوی کو گھر سے مت نکالنا اور **"غیر اخراج"** کے مخاطب اولیاء ہیں۔

اولیاء پر فرض ہے کہ وہ اسکو سال بھر تک نہ نکالیں، لیکن خود عورت کے ذمے تو چار مہینے دس دن کی عدت گزارنی ہے، اب اگر اس کے بعد وہ کہیں اور جانا چاہے تو اس کو اجازت ہے، اس لئے فرمایا کہ **"فلا جناح علیکم"** اگر وہ خود جانا چاہے تو جائے، تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں لیکن اگر وہ رہنا چاہے تو اے اولیاء! تم پر فرض ہے کہ سال بھر تک ان کو رکھو۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں، چار مہینے دس دن تک عورت کے ذمے فرض ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں بحیثیت عدت کے رہے اور چار مہینے دس دن کے آگے یعنی سات مہینے بیس دن وہ عورت کا حق ہے چاہے تو رہے چاہے تو نہ رہے۔

اگر رہنا چاہے تو اولیاء کا فریضہ ہے کہ سال بھر تک رکھیں اور اس کو نہ نکالیں اور یہ حکم آج بھی محکم ہے منسوخ نہیں ہوا، لہٰذا دونوں آیتیں محکم ہیں اور دونوں میں سے کوئی بھی منسوخ نہیں، دونوں پر عمل آج بھی ہے۔

یہ امام مجاہد رحمہ کے قول کی تفصیل ہے۔

حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کا قول

حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے جو تفسیر نقل کی ہے وہ اس کے قریب ہے لیکن تھوڑا سا فرق ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ ترتیب یوں ہوئی ہے کہ جس وقت سب سے پہلے آیت ﴿أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْراً﴾

والی نازل ہوئی کہ چار مہینے دس دن عورت عدت گزارے تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ چار مہینے دس دن شوہر کے گھر میں عدت گزارے۔ وہاں شوہر کے گھر میں عدت گزارنا واجب تھا، اگر کہیں اور جا کر عدت گزارنا چاہے تو یہ اس کا حق نہیں تھا۔

بعد میں آیت نازل ہوئی ﴿وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ تو اس میں اور اس چار مہینے والی آیت میں تھوڑا سا تغیر یہ پیدا ہوا کہ اولیاء کے ذمے تو یہ ہے کہ وہ اس کو نہ نکالیں لیکن عورت کے ذمے نہیں ہے کہ وہ وہاں رہے اور اگر عورت جانا چاہے تو جا سکتی ہے، البتہ اگر رہنا چاہے تو اولیاء پورے سال رکھنے پر مجبور ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت نے چار مہینے دس دن والی آیت میں یہ تغیر پیدا کیا کہ جب تک یہ آیت نہیں آئی تھی اس وقت عورت پر واجب تھا کہ چار مہینے دس دن مرد کے گھر میں ہی گزارے، اس آیت کے آجانے کے بعد یہ پابندی عورت پر سے اٹھ گئی لیکن عورت کا حق اولیاء پر یہ حق برقرار رہا کہ وہ سال بھر تک گھر میں رکنا چاہے تو اس کو نہ نکالیں۔

لیکن پھر تیسری آیت آئی جس نے اس حق کے حکم کو بھی ختم کر دیا اور وہ آیتِ میراث ہے کہ جب آیتِ میراث آگئی اور اس میں یہ کہہ دیا گیا کہ

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء: ۱۲]

ترجمہ: اور تم جو کچھ چھوڑ کر جاؤ اس کا ایک چوتھائی اُن (بیویوں) کا ہے، بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔ اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو اُس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو تم نے کی ہو، اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد ان کو تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا۔

تو اس آیتِ میراث نے ان کے حق سکنی کو ختم کر دیا کہ اگر چاہیں دوران عدت وہ اپنے شوہر کے گھر میں رہیں اور اولیاء کو نکالنے کا حق نہیں تھا۔

یہ سکنی کا حق آیت میراث نے ختم کر دیا کہ اگر تم کو شوہر کی میراث مل گئی تو اب شوہر کے گھر میں رہنا کوئی ضروری نہیں نہ تمہارا حق ہے، کیونکہ وہ گھر جو ہے اب تو شوہر کا نہ رہا وہ تو ورثاء کے درمیان تقسیم ہو گیا ان میں سے ایک حصہ تمہیں ملا، تو اب سکنی کا حق تمہیں نہیں ہے۔

تو آیت میراث نے سکنی کا حق ﴿مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ جو دیا تھا اسکو منسوخ کر دیا۔

مجاہد اور عطاء رحمہا اللہ کے اقوال میں فرق

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے قول اور حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کے قول میں یہ فرق ہے کہ مجاہدؒ کے قول کے مطابق دونوں آیتیں آج بھی محکم ہیں اور آج بھی اگر عورت مطالبہ کرنا چاہے کہ میں سال بھر تک رہوں گی تو مطالبہ کر سکتی ہے، لیکن عطاءؒ کے قول کے مطابق آیت میراث نے اس کے سکنی کا حق ختم کر دیا۔

حنفیہ کا قول بھی یہی ہے یعنی حنفیہ کے نزدیک بھی **"معوفی عنها زوجها"** وہ اپنے شوہر کے گھر میں رہنے کا مطالبہ نہیں کر سکتی بلکہ اگر شوہر کے اولیاء کہیں کہ ہم تو نہیں رہنے دیتے تو وہ کہیں اور رہے، یہی وجہ ہے کہ شوہر کے گھر میں بھی اگر عدت گزارے تو نفقہ خود برداشت کرے گی۔

اس مسئلے کی تفصیل میں یہاں پر تین مذاہب ہو گئے:

(۱)...... جمہور حضرات کا مسلک

(۲)...... مجاہد رحمہ اللہ کا مسلک

(۳)...... عطاء بن رباح رحمہ اللہ کا مسلک

امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے جمہور کے مسلک کے مطابق روایت کی ہے:

۴۵۳۰ ـ حدثني أمية بن بسطام: حدثنا يزيد بن زريع، عن حبيب، عن ابن أبي مليكة: قال ابن الزبير: قلت لعثمان بن عفان ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ قال: قد نسختها الآية الآخرى فلم تكتبها أو تدعها؟ قال: يا ابن أخي، لا أغير شيئا منه من مكانه. [أنظر: ۴۵۳۶]

ترجمہ: حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان ﷺ سے کہا کہ یہ آیت ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ دوسری آیت سے منسوخ ہو گئی، تو پھر آپ اسے مصحف میں کیوں درج کر رہے ہیں؟ یا آپ نے اس کو مصحف میں کیوں چھوڑ دیا؟ حضرت عثمان بن عفان ﷺ نے فرمایا اے بھتیجے! میں تو جو نازل ہوا اسے لکھوں گا اور کوئی چیز بدلوں گا نہیں۔

حکماً منسوخ، تلاوتاً اب بھی باقی

- حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے، حضرت عثمان بن عفان ﷺ کو انکے دورِ خلافت

میں جس وقت انہوں نے قرآن کریم کو جمع کرنے کا حکم فرمایا تھا، ان سے اس آیت ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ کے متعلق کہا کہ "قد نسختها الآية الاخرىٰ" اس آیت کو جب دوسری آیت یعنی ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْراً﴾ نے منسوخ کر دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا یہ خیال تھا کہ جو آیت حکماً منسوخ ہوگئی اس کو قرآن کریم میں داخل نہیں کرنا چاہئے۔

"فلم تكتبها" تو آپ مصحف میں یہ آیتیں کیوں لکھتے ہیں جو منسوخ ہوگئیں؟ یا راوی کو شک ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "أو قال لم تدعها" آپ اس آیت کو مصحف میں کیوں چھوڑتے ہیں جبکہ یہ منسوخ ہو چکی؟

تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اے بھتیجے! "لا أغير شيئا منه من مكانه" میں قرآن کریم کی کوئی چیز وہ لفظ ہو یا حرف ہو اس کی جگہ نہیں بدل سکتا چاہے اس کا حکم منسوخ ہو گیا ہو، لہٰذا اسکو جہاں اسکی جگہ ہے وہیں پر لکھوں گا کیونکہ اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہے۔

اس روایت سے بتانا یہ مقصود ہے کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما دونوں یہ سمجھتے تھے کہ ﴿مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ والی آیت کو ﴿يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْراً﴾ والی آیت نے منسوخ کر دیا، جو کہ جمہور کا مسلک ہے۔

۴۵۳۱ ـ حدثني إسحاق: حدثنا روح: حدثنا شبل، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً﴾ قال: كانت هذه العدة تعتد عند أهل زوجها واجب، فأنزل الله ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوْفٍ﴾ قال: جعل الله لها تمام السنة بسبعة أشهر وعشرين ليلة وصية، إن شاء ت سكنت في وصيتها، وإن شاء ت خرجت، وهو قول الله تعالى: ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ فالعدة كما هي واجب عليها، زعم ذلك عن مجاهد.

وقال عطاء: قال ابن عباس: نسخت هذه الآية عدتها عند أهلها فتعتد حيث شاء ت وهو قول الله تعالى: ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾. قال عطاء: إن شاء ت اعتدت عند أهله وسكنت في وصيتها، وإن شاء ت خرجت لقول الله تعالى: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ﴾. قال عطاء: ثم جاء الميراث فنسخ السكنى فتعتد حيث شاء ت ولا سكنى لها.

وعن محمد بن يوسف: حدثنا ورقاء، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد بهذا.

وعن ابن أبي نجيح، عن عطاء، عن ابن عباس قال: نسخت هذه الآية عدتها في اهلها فتعتد حيث شاء ت لقول الله تعالى: ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ نحوه. [انظر: ۴۵۳۱] ۹۳

ترجمہ: مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس آیت ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً﴾ سے پہلے یہ عدت جو عورت گذارتی تھی اپنے شوہر کے گھر والوں کے پاس وہ واجب تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً وَصِيَّةً وَّصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ الخ﴾ یعنی اگر یہ عورتیں چار ماہ دس دن کے بعد اپنے خاوند کے گھروں سے نکل جائیں تو خاوند کے وارثوں پر کوئی گناہ نہیں، اس آیت میں ایک سال پورا کرنے کیلئے سات ماہ اور بیس دن زیادہ خاوند کے گھر میں رکنا اس کی وصیت پر منحصر رکھا گیا ہے، مگر عورت کو اختیار ہے، چاہے تو شوہر کی وصیت کے مطابق شوہر کے گھر میں ایک سال پورا کرے اور چاہے تو عدت پوری کر کے چلی جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے عورت کے لئے سات مہینے اور بیس راتیں وصیت کے قرار دئے۔ اگر عورت چاہے تو عدت پوری ہونے وصیت کے مطابق شوہر کے گھر میں رہے اور چاہے تو چلی جائے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ کا یہی مطلب ہے، تو عدت کے ایام وہی ہیں جنہیں گذارنا اس پر واجب ہے۔ ایسا حضرت مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں۔

اور حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت نے عورت کے لئے صرف شوہر کے گھر میں عدت گذارنے کے حکم کو منسوخ کر دیا، اب عورت جہاں چاہے عدت پوری کر سکتی ہے، اور یہ حکم اس آیت ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ کی وجہ سے ہے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر عورت چاہے تو اپنے شوہر کے گھر میں عدت پوری کرے اور شوہر کی وصیت کے مطابق اسی کے گھر میں رہے، اور اگر جانا چاہے تو شوہر کے گھر سے جا سکتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ﴾ اور دستور کے موافق کوئی کام کرے تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ پھر حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد پھر میراث کی آیت نازل ہوئی، اور اس سے سکنیٰ کا حکم منسوخ ہو گیا، اب عورت جہاں چاہے اپنی عدت گذارے، اب اس کیلئے سکنیٰ (نان ونفقہ) ضروری نہیں رہا۔

---

۹۳ وفي سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب نسخ متاع المتوفى عنها زوجها بما فرض لها من الميراث، رقم: ۲۲۹۸، وباب من رأى التحول، رقم: ۲۳۰۱، وسنن النسائي، كتاب الطلاق، باب الرخصة للمتوفى عنها زوجها أن تعتد حيث شاء ت، رقم: ۳۵۳۱، وباب نسخ متاع المتوفى عنها بما فرض لها من الميراث، رقم: ۳۵۴۳

عدت کے بعد جانے کا اختیار

یعنی اگر یہ عورتیں چار ماہ دس دن کے بعد اپنے خاوند کے گھروں سے نکل جائیں تو خاوند وارثوں پر کوئی گناہ نہیں، اس آیت میں ایک سال پورا کرنے کیلئے سات ماہ اور بیس دن زیادہ خاوند کے گھر میں رکنا وصیت پر منحصر رکھا گیا ہے، مگر عورت کو اختیار ہے، چاہے تو شوہر کی وصیت کے مطابق شوہر کے گھر میں ایک سال پورا کرے، اور چاہے تو عدت پوری کر کے چلی جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اب حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر سے متعلق روایات نقل کر رہے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ **"کانت هذه العدة تعتد عند اهل زوجها واجب"** عورت یہ عدت یعنی چار مہینے دس دن اپنے شوہر کے ہاں گذارتی تھی اور یہ شوہر کے ہاں گذارنا واجب تھا یعنی یہ کہہ رہے ہیں **﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾** والی آیت پہلے آئی تھی۔

بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً وَصِيَّةً وَّصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ﴾

تم میں سے جو لوگ وفات پاجائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جایا کریں کہ ایک سال تک وہ (ترکے سے نفقہ وصول کرنے کا) فائدہ اُٹھائیں گی اور ان کو (شوہر کے گھر سے) نکالا نہیں جائے گا۔ ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنے حق میں قاعدے کے مطابق وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ **"جعل الله لها تمام السنة بسبعة أشهر وعشرين ليلة وصية"** اللہ ﷻ نے سارے سال معتدہ رکھے مطلب یہ کہ چار مہینے دس دن تو پہلی آیت کے ماتحت تھے، اب اس کے اوپر اضافہ کر دیا سات مہینے بیس راتوں کا وصیت کے طور پر کہ شوہر وصیت کر کے جائے کہ میری بیوی کو چار مہینے دس دن کے بعد سات مہینے بیس راتیں مزید رکھنا۔

"**إن شاء ت سكنت في وصيتها**" اگر عورت چاہے تو اس وصیت کی مدت میں یعنی سات مہینے بیس دن کی مدت میں چاہے تو وہ وہاں سکونت اختیار کرے، "**وإن شاء ت خرجت**" اور اگر چاہے تو نکل جائے۔

اللہ ﷻ کے ارشاد ﴿**غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ**﴾ کے یہی مطلب و معنی ہیں۔

"**فالعدة كما هي واجب عليها**" لہٰذا عدت جیسے پہلے چار مہینے دس دن واجب تھی، آج بھی چار مہینے دس دن واجب رہی، لیکن آگے سات مہینے بیس دن کے بارے میں عورت کو حق مل گیا کہ اگر وہ چاہے تو وہاں سکونت اختیار کرے اور اگر چاہے تو نہ کرے۔

"**زعم ذلک عن مجاهد**" راوی ابن ابی نجیح نے اسکو مجاہد سے روایت کیا ہے یعنی ان کا قول ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر بیان کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ اب حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کی تفسیر نقل کر رہے ہیں۔

عطاء بن رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "**نسخت هذه الآية عدتها عند أهلها**" اس آیت نے عورت کیلئے صرف شوہر کے گھر عدت گذارنے کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ "**هذه الآية**" سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے ﴿**مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ الخ**﴾۔

﴿**يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا**﴾ والی آیت کا تقاضا کیا تھا کہ عدت کہاں گزارے؟ تو جواب یہ تھا کہ شوہر کے گھر میں گذارے، اب اس آیت نے شوہر کے گھر عدت گزارنے کے حکم کو منسوخ کر دیا۔

یہ سمجھ لینا کہ یہ جو "**نسخت**" کا تعلق ہے "**عند أهلها**" سے ہے "**عدتها**" سے نہیں ہے یعنی عدت تو برقرار رہی لیکن وہ عدت اپنے شوہر کے گھر میں گذارے گی اس کو منسوخ کر دیا۔

"**فتعتد حيث شاء ت**" عورت جہاں چاہے عدت گذارے، شوہر ہی کے گھر پر گذارنے کی پابندی نہیں رہی اور یہ پابندی اس واسطے نہیں رہی کہ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ ﴿**غَيْرَ إِخْرَاجٍ**﴾ **گھر سے نہیں نکالی جائیں گی** یعنی اولیاء کے اوپر تو لازم ہے کہ ان کو رکھیں لیکن اگر وہ خود نکلنا چاہے تو جہاں چاہے چلی جائے۔

گویا کہ حضرت عطاء بن رباحؒ کا کہنا یہ ہوا کہ یہ جو حق دیا گیا ہے جہاں چاہے عدت گذارے، یہ صرف مدت وصیت سات مہینے بیس دن میں نہیں بلکہ پورے سال میں اور اس میں چار مہینے دس دن کے ابتدائی ایام بھی داخل ہیں، اس میں بھی اس کیلئے ضروری نہیں کہ شوہر کے گھر میں عدت گزارے۔

پھر حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں "**إن شاء ت اعتدت عند أهله وسكنت في وصيتها**" اگر چاہے تو اپنے شوہر کے گھر میں عدت یعنی چار مہینہ دس دن گزارے اور شوہر جو اس کے حق میں وصیت کر کے گیا ہے اس وصیت کی مدت یعنی ساتھ مہینہ بیس بھی شوہر کے ورثاء کے ہاں سکونت اختیار کرے۔

"**وإن شاء ت خرجت لقول الله تعالى: ﴿فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ﴾**" اور اگر عورت

چاہے تو عدت کہیں اور جا کر گذارے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ﴾ یعنی وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔

اس کا حاصل یہی ہوا کہ عورت کو اختیار ہے کہ پوری عدت کی مدت میں بلکہ پورے سال جب چاہے وہ شوہر کے ہاں رہے، جب چاہے چلی جائے، ہاں! لیکن اولیاء کے ذمے لازم ہے کہ اس کو سال بھر تک سکنی دیں۔

اسکے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت منسوخ ہو گیا کہ **"ثم جاء المیراث فنسخ السکنی"** پھر میراث کی آیت آ گئی تو سکنی کا جو حق عورت کا تھا، اور ورثاء کے ذمے تھا اس کو پورا کرنا، وہ منسوخ ہو گیا۔

"فتعتد حیث شاءت ولا سکنی لها" کہ اب جہاں چاہے عورت اپنی عدت گزارے ور اس کو سکنی ونفقہ کا حق اپنے شوہر کے گھر میں نہیں ملے گا۔

۴۵۳۲ - حدثني حبان: أخبرنا عبدالله: أخبرنا عبدالله بن عون، عن محمد بن سيرين قال: جلست إلى مجلس فيه عظم من الأنصار وفيهم عبدالرحمن بن أبي ليلى. فذكرت حديث عبدالله بن عتبة في شأن سبيعة بنت الحارث فقال عبدالرحمن: ولكن عمه كان لا يقول ذلک. فقلت: إني لجرئ إن كذبت على رجل في جانب الكوفة، ورفع صوته قال: ثم خرجت فلقيت مالک بن عامر، أو مالک بن عوف، قلت: كيف كان قول ابن مسعود في المتوفى عنها زوجها وهي حامل؟ فقال: قال ابن مسعود: أتجعلون عليها التغليظ ولا تجعلون لها الرخصة؟ لنزلت سورة النساء القصرى بعد الطولى. [أنظر: ۴۹۱۰] ۹۴

وقال أيوب، عن محمد: لقيت أبا عطية مالک بن عامر.

---

۹۴ وسنن ابی داؤد، كتاب النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم صداقاً حتى مات، رقم: ۲۱۱۴، وكتاب الطلاق، باب في عدة الحامل، رقم: ۲۳۰۷، وسنن الترمذي، أبواب النكاح، باب ماجاء في الرجل يتزوج المرأة فيموت عنها قبل ان يفرضلها، رقم: ۱۱۴۵، وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب اباحة التزوج بغير صداق، رقم: ۳۳۵۴، ۳۳۵۵، ۳۳۵۶، ۳۳۵۸، وكتاب الطلاق، باب عدة الحامل المتوفى عنها زوجها، رقم: ۳۵۲۱، ۳۵۲۳، ۳۵۲۳، ۳۵۲۴، وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب الرجل يتزوج ولا يفرض لها فيموت على ذلک، رقم: ۱۸۹۱، وكتاب الطلاق، باب الحامل المتوفى عنها زوجها اذا وضعت حلت للأزواج، رقم: ۲۰۳۰، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود، رقم: ۴۰۹۹، ۴۲۷۶، ومسند المكيين، حديث معقل بن سنان الأشجعي، رقم: ۱۵۹۴۳، وأول مسند الكوفيين، حديث الجراح وأبي سنان الأشجعي، رقم: ۱۸۴۶۰، ۱۸۴۶۱، ۱۸۴۶۲، ۱۸۴۶۳، ۱۸۴۶۶، وسنن الدارمي، ومن كتاب النكاح، باب الرجل يتزوج المرأة فيموت قبل أن يفرض لها، رقم: ۲۲۹۲

ترجمہ: حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مجلس میں موجود تھا، اس مجلس میں اکابر انصار موجود تھے اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے وہ حدیث بیان کی جو عبداللہ بن عتبہ نے سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے متعلق روایت کی تھی، تو عبدالرحمٰن کہنے لگے کہ لیکن عبداللہ بن عتبہ کے چچا (حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ) اس کے قائل نہیں تھے۔ پھر میں نے کہا کہ تب تو میں نے جھوٹ بولنے میں بہت جرأت کی ہے اس شخص کے بارے میں جو شخص کوفہ میں بیٹھے ہیں، ان کی آواز ذرا بلند ہوگئی۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں باہر نکلا تو میری ملاقات عامر بن مالک (راوی کو شک ہے) یا مالک بن عوف سے ہوئی، چنانچہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ بتائیے ابن مسعود ﷺ اس حاملہ عورت کے متعلق کیا کہتے ہیں جس کا خاوند مرجائے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابن مسعود ﷺ کا قول ہے کہ تم لوگ اس پر سختی کے متعلق کیوں سوچتے ہو اس کو رخصت کیوں نہیں دیتے ہو؟ کیونکہ چھوٹی سورۃ النساء بڑی سورت (سورۃ البقرۃ) کے نازل ہوئی۔

ابوایوب کہتے ہیں کہ محمد بن سیرینؒ نے بیان کیا کہ میں نے ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملاقات کی تھی۔

حاملہ کی عدت وضع حمل ہے

اس حدیث کے تشریح سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن کریم کی دو آیتیں ہیں:

ایک آیت وہی عدت والی ﴿يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾۔

دوسری آیت جو کہ سورۃ الطلاق کی ہے اس میں حاملہ کی عدت، اُس کا وضع حمل قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق: ۴]

ترجمہ: اور جو عورتیں حاملہ ہوں، اُن کی (عدت کی) میعاد یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں۔

یعنی حاملہ وضع حمل کے بعد عدت سے خارج ہوجاتی ہے، کیونکہ سورت الطلاق کی یہ آیت، سورۃ البقرۃ میں موجود عدت کے حکم کے بعد نازل ہوئی ہے۔

تو جمہور کا مسلک یہ ہے سورۂ طلاق کا حاصل یہ ہے کہ اگر عورت حاملہ ہے اور اس کا وضع حمل ہوگیا تو عدت پوری ہوجائے گی، چاہے چار مہینے دس دن پورے نہ ہوئے ہوں، گویا سورۃ الطلاق کی آیت نے سورۃ البقرۃ کی آیت میں تخصیص پیدا کی ہے کہ یعنی سورۃ البقرۃ کی آیات غیر حاملہ کے لئے آئی ہے اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے یعنی وضع حمل سے اس کی عدت پوری ہوجائے گی چاہے اگلے دن ہی وضع حمل ہوجائے، یہ جمہور کا قول ہے۔

اور اسکی تائید حضرت سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے ہوتی ہے کہ ان کا معاملہ یہ تھا کہ ان کے شوہر کا انتقال ہوا اور انتقال ہونے کے چار مہینے دس دن کی مدت پوری نہیں ہوئی تھی کہ بہت ہی کم دنوں میں ان کے ہاں ولادت ہوگئی تو ولادت ہونے کے بعد نفاس کی مدت گزر گئی۔

تو انہوں نے زیب وزینت شروع کردی اور لوگوں نے پیغام بھی دینا شروع کردیا، لوگوں نے اس بات کو برا سمجھا کہ ابھی تو چار مہینے دس دن کی مدت پوری نہیں ہوئی اور انہوں نے زیب وزینت شروع کردی اور پیغام بھی آنے لگے ہیں تو حضور اکرم ﷺ کے پاس معاملہ پہنچا تو آپ نے فرمایا **"قد حللتِ فانکحی ماشئت"** تم حلال ہوگئی ہو جس سے چاہو نکاح کرلو۔ [95]

لیکن حضرت علی ﷺ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ حاملہ ہو تو **"أبعد الأجلین"** عدت گزارے گی یعنی وضع حمل ہوگیا تو چار مہینے دس دن پورا کرے گی اور اگر چار مہینے دس دن پورے ہوگئے تو وضع حمل تک عدت پورا کرے گی اور روافض وشیعوں کا یہی مسلک ہے۔ [96]

حدیث کی تشریح

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسی مجلس میں بیٹھا جس میں اکابرین انصار کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی اور انہیں میں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ بھی تشریف فرما تھے۔

"فذکرت حدیث عبداللہ بن عتبة فی شأن سبیعة بنت الحارث" اس موقع پر میں نے وہاں سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں عبداللہ بن عتبہ کی حدیث ذکر کی جو وہ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ **"ولکن عمه کان لایقول ذلک"** لیکن ان کے چچا یہ بات نہیں کہتے ہیں یعنی آپ سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کا واقعہ عبداللہ بن عتبہ کے حوالہ سے بیان کررہے ہیں، حالانکہ ان کے چچا حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ اسکے قائل نہیں تھے۔

یعنی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ یہ سمجھتے تھے وہ **"أبعد الأجلین"** کے قائل تھے اور مجرد وضع حمل سے انقضاء عدت کے قائل نہیں تھے۔

---

[95] سنن النسائی، کتاب الطلاق، باب عدة الحامل المتوفی عنها زوجها، رقم: ۳۵۰۹

[96] وکان ابن عباس یجمع علیها العدتین فتعتد أقصاهما وذلک لأن احدهما ترفع الأخری، فلما أمکن الجمع بینهما جمع، وأما عامة الفقهاء فالأمر عندهم محمول علی التخصیص لخبر سبیعة الأسلمیة. عمدة القاری، ج:۱۸، ص: ۱۷۶

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں پھر میں نے کہا کہ **"إني لجرئ إن كذبت على رجل في جانب الكوفة"** یعنی عبدالرحمن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ اس طرح کہنے سے ایک طرح سے ان کی تکذیب ہوئی کہ تم عبداللہ بن عتبہ پر جھوٹ اور افتراء باندھ رہے ہو، انہوں نے یہ روایت نہیں کی ہوگی، تو اس پر میں نے کہا میں بڑا جری ہوں اگر میں جھوٹ بولوں ایک ایسے شخص کے اوپر جو کوفہ میں بیٹھا ہوا ہے، جس سے ہر وقت تصدیق کی جاسکتی ہے کہ اس نے یہ روایت بیان کی یا نہیں۔

"ورفع صوته" محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے یہ بات بلند آواز سے کہی تا کہ ان پر جو جھوٹ کا الزام ہے وہ جلدی سے دفع ہو جائے۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں پھر جب میں مجلس سے باہر نکلا **"فلقيت مالك بن عامر، أو مالك بن عوف"** تو میری ملاقات مالک بن عامر یا مالک بن عوف سے ہوئی، جو حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے شاگرد تھے، یہاں پر راوی کو شک ہے کہ محمد بن سیرین نے مالک بن عامر کہا تھا یا مالک بن عوف؟

تو میں نے پوچھا کہ **"كيف كان قول ابن مسعود في المتوفى عنها زوجها وهي حامل ؟"** وہ حاملہ عورت جس کے شوہر کا انتقال ہو جائے، اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کیا فرماتے تھے یعنی ان کا متوفی عنہا زوجہا کے بارے میں کیا مذہب تھا؟

تو عبداللہ بن عتبہ نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ نے تو اسکے بارے میں یہ کہا ہے کہ **"أتجعلون عليها التغليظ ولا تجعلون لها الرخصة؟"** اس بیچاری پر تم سختی تو کرتے ہو اور اسکو رخصت نہیں دیتے یعنی اگر چار مہینے دس دن پہلے پورے ہو گئے، وضع حمل نہیں ہوا اور حمل باقی ہے تو تم اس پر تغلیظ کرتے ہو کہ تمہاری عدت نہیں گزری، حمل تک انتظار کرنا ہوگا لیکن وضع حمل پہلے ہو جائے تو رخصت نہیں دیتے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ اس معاملے میں جمہور کے قول کے قائل تھے۔

اور فرمایا کہ **"لنزلت سورة النساء القصرى بعد الطولى"** یہ اس وجہ سے کہ چھوٹی سورۃ النساء بڑی سورت کے بعد بعد نازل ہوئی ہے۔

یہاں **"سورة نساء القصرىٰ"** سے مراد **"سورة الطلاق"** ہے جس میں حاملہ کی عدت کا حکم ہے، **"الطولىٰ"** سے مراد **"سورة البقرة"** ہے۔

سورۃ البقرۃ جس میں چار مہینے دس دن عدت کا حکم ہے، وہ پہلے نازل ہوئی اور سورۃ الطلاق جس میں حاملہ کی عدت وضع حمل کا بیان ہے وہ بعد میں نازل ہوئی۔

گویا اشارہ کر دیا کہ وضع حمل والی جو آیت ہے وہ ناسخ ہے یا مقید اور مخصص ہے **"سورة البقرة"** کی آیت کیلئے۔

متوفی شوہر کے گھر ساری زندگی گزارنے کا مسئلہ

سوال: کہ شوہر کے فوتگی کے [illegible] ری زندگی سسرال کے ہاں رہتی ہے صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: اس کو حق نہیں اس کا مطالبہ کرنے کا کہ وہ سسرال کے ہاں رہے گی، نہ سسرال والوں کو یہ حق ہے کہ اس کو روک کر رکھے لیکن اگر باہمی رضامندی سے رہے اور پردے وغیرہ کا انتظام کرے تو جائز ہے۔

(۴۲) باب: ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ [۲۳۸]

باب: ''تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو، اور (خاص طور پر) بیچ کی نماز کا''۔

''الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى'' سے مراد

''الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى'' - سے مراد عصر کی نماز ہے کہ دن اور رات کے بیچ میں ہے، اسکی تاکید زیادہ فرمائی، عام طور سے اس وقت دنیا کا مشغلہ زیادہ ہوتا ہے اور اس مشغولیت میں بے پروائی کا امکان زیادہ ہے۔

۴۵۳۳۔ حدثني عبدالله بن محمد: حدثنا يزيد: أخبرنا هشام، عن محمد، عن عبيدة، عن علي ﷺ: قال النبي ﷺ.

وحدثني عبدالرحمن: حدثنا يحيى بن سعيد: قال هشام: حدثنا محمد، عن عبيدة، عن علي ﷺ أن النبي ﷺ قال يوم الخندق: ((حبسونا عن صلاة الوسطى حتى غابت الشمس، ملأ الله قبورهم وبيوتهم، أو: أجوافهم ناراً)) شك يحيى. [راجع: ۲۹۳۱]

ترجمہ: حضرت علی ﷺ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے غزوۂ خندق کے دن ارشاد فرمایا کہ ان کافروں نے ہم کو درمیانی نماز سے روک دیا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، اللہ ﷻ ان کی قبروں کو اور ان کے گھروں کو یا ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔

(۴۳) باب: ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ [۲۳۸]

باب: ''اور اللہ کے سامنے باادب فرماں بردار بن کر کھڑے ہوا کرو''۔

أی مطیعین.

ترجمہ: "قانتین" یہاں پر "مطیعین" کے معنی میں ہے جسکا مطلب فرماں بردار ہے۔

۴۵۳۴ - حدثنا مسدد: حدثنا یحیی، عن اسماعیل بن أبی خالد، عن الحارث ابن شبیل، عن أبی عمرو الشیبانی، عن زید بن أرقم قال: کنا نتکلم فی الصلاة، یکلم أحدنا أخاه فی حاجته حتی نزلت هذه الآیة ﴿حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ﴾ فأمرنا بالسکوت. [راجع: ۱۲۰۰]

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم ﷺ نے بیان کیا کہ ہم کونماز میں اگر کوئی ضرورت پیش آجاتی تھی تو ہم باتیں کرلیا کرتے تھے، تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ﴾، تو ہمیں خاموشی کا حکم دیا گیا۔

(۴۴) باب قوله: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ﴾ [۲۳۹]

اس ارشاد کے بیان میں کہ: "اور اگر تمہیں (دشمن کا) خوف لاحق ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت ہی میں (نماز پڑھ لو) یہاں تک کہ تم امن میں آجاؤ"۔

صلاۃ الخوف

جنگ کی حالت میں جب باقاعدہ نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو اس بات کی اجازت ہے کہ انسان کھڑے کھڑے اشارے سے نماز پڑھ لے، البتہ چلتے ہوئے پڑھنا جائز نہیں۔ اگر کھڑا ہونے کا بھی موقع نہ ہو تو نماز قضاء کرنا بھی جائز ہے۔

وقال ابن جبیر: ﴿كُرْسِيُّهُ﴾ [۲۵۵]: علمه، یقال: ﴿بَسْطَةً﴾ [۲۴۷]: زیادة وفضلاً. ﴿أَفْرِغْ﴾ [۲۵۰]: أنزل. ﴿وَلَا يَئُودُهُ﴾ [۲۵۵]: لا یثقله، آدنی: أثقلنی، والآد والأید: القوة.

ترجمہ: حضرت ابن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "كُرْسِيُّهُ" سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے، اور بیان کیا جاتا ہے کہ "بَسْطَةً" سے مراد زیادتی اور فضیلت ہے۔ "أَفْرِغْ" سے مراد اتارنا ہے۔ "وَلَا يَئُودُهُ" سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں یعنی آسمان وزمین کی حفاظت کا کوئی بار نہیں ہے، اسی سے "آدنی" نکلا ہے یعنی مجھ کو بوجھل کردیا

اور ''الآد۔ الأید'' قوت کو کہتے ہیں۔

﴿السِنَةٌ﴾: النعاس، ﴿لَمْ يَتَسَنَّهْ﴾ [۲۵۹] لم يتغير، ﴿فَبُهِتَ﴾ [۲۵۸]: ذهبت حجته. ﴿خَاوِيَةٌ﴾ [۲۵۹] لا أنيس فيها. ﴿عُرُوْشِها﴾: ابنيتها، ﴿نُنْشِزُها﴾ [۲۵۹]: نخرجها.

ترجمہ: ''السِنَةٌ'' کے معنی اونگھنے کے ہیں، ''لَمْ يَتَسَنَّهْ'' بمعنی نہیں بگڑا، ''فبهت'' دلیل میں ہار گیا، ''خاوية'' کا مطلب ہے خالی جگہ جہاں کوئی ہمدم نہ ہو۔ ''عُرُوْشِها'' بمعنی اسکی عمارتیں، ''نُنْشِزُها'' کا مطلب ہے کہ ہم نکالتے ہیں۔

﴿إِعْصَارٌ﴾ [۲۶۶]: ريح عاصف تهب من الأرض الى السماء كعمود فيه نار. وقال ابن عباس: ﴿صَلْداً﴾ [۲۶۴]: ليس عليه شيء.

ترجمہ: ''إِعْصَارٌ'' کے معنی ہیں کہ تیز ہوا جو زمین سے اٹھ کر آسمان کی طرف سیدھی ایک تیر کی طرح جاتی ہے، اس میں آگ ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''صَلْداً'' کا معنی چکنا صاف جس پر کچھ نہ رہے۔

وقال عكرمة: ﴿وَابِلٌ﴾ [۲۶۴]: مطر شديد. الطل: الندى. وهذا مثل عمل المؤمن. ﴿يَتَسَنَّهْ﴾ [۲۵۹]: يتغير.

ترجمہ: حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے کہتے ہیں کہ ''وَابِلٌ'' بمعنی زور کا مینہ / بارش، ''الطل'' کے معنی شبنم، ہلکی بارش کے ہیں اور یہ مؤمن کے نیک عمل کی مثال ہے۔ ''يَتَسَنَّهْ'' کے معنی بدل جائے بگڑ جائے۔

۴۵۳۵ ـ حدثنا عبدالله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن نافع: أن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما كان اذا سئل عن صلاة الخوف قال: يتقدم الامام وطائفة من الناس فيصلي بهم الامام ركعة وتكون طائفةٌ منهم بينهم وبين العدو لم يصلوا، فاذا صلوا الذين معه ركعة استأخروا مكان الذين لم يصلوا ولا يسلّمون. ويتقدم الذين لم يصلوا فيصلون معه ركعة ثم ينصرف الامام وقد صلى ركعتين، فيقوم كل واحد من الطائفتين فيصلون لانفسهم ركعة بعد أن ينصرف الامام، فيكون كل واحد من الطائفتين قد صلى ركعتين. فان كان خوف هو اشد من ذلك صلوا رجالاً قياما على أقدامهم أو ركبانا مستقبلي القبلة أو غير مستقبليها.

قال مالك: قال نافع: لا أرى عبدالله بن عمر ذكر ذلك الا عن رسول الله ﷺ.

[راجع: ۹۴۲]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب کسی شخص

نے صلوٰۃ الخوف پڑھنے کا طریقہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ امام آگے کھڑا ہو اور کچھ لوگ اس کے ساتھ کھڑے ہوں اور کچھ لوگ دشمن کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ نماز میں شامل نہ ہوں، پھر جب امام کے ساتھ والے لوگ ایک رکعت پڑھ چکیں تو پیچھے ہٹ کر ان کی جگہ چلے جائیں، جو نماز میں شامل نہیں ہوئے تھے، اس کے بعد وہ لوگ آئیں اور امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھیں، اب امام کو سلام پھیر دینا چاہئے کیونکہ وہ دونوں رکعت پڑھ چکا ہے اور دوسرے لوگ اپنی دوسری رکعت پوری کریں اور اس طرح سب کی دو دو رکعت پوری ہو جاتی ہیں اور اگر خوف کی حالت اس سے بھی زیادہ شدید ہو، تو پھر ہر شخص اکیلا نماز پڑھ لے اپنے قدموں پر کھڑے کھڑے یا سواری کی حالت میں چاہے قبلہ کی رخ ہو یا نا ہو۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نافع رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ سے ہی روایت کیا ہے (یعنی آپ ﷺ کا بیان کردہ طریقہ ہی بتایا ہے)۔

فقہی مسئلہ: صلوٰۃ خوف

شافعیہ اور دیگر کا مسلک

امام شافعی، امام بخاری اور اکثر ائمہ رحمہم اللہ اجمعین یہ فرماتے ہیں کہ عین قتال کی حالت میں اگر نماز کا وقت آگیا اور وہ مجاہد اپنی سواری پر موجود ہے اور تلوار چلا رہا ہے تو اسی حالت میں گھوڑے پر بیٹھے ہوئے ہی اشارہ سے نماز پڑھ لے یہ **"رکباناً"** کی تفسیر ہے۔

اگر پیادہ ہے تو چلتے چلتے اشارہ سے جس طرح پڑھ سکتا ہو تو نماز پڑھے یہ **"فرجالاً"** کی تفسیر ہے۔ ۱۷

احناف کا مسلک

احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر یہ مجاہد سوار ہے اور مطلوب ہے یعنی کوئی دشمن اس کے تعاقب میں ہے اور اس کو طلب کر رہا ہے تو اس صورت میں گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

لیکن اگر یہ مجاہد مطلوب نہیں بلکہ طالب ہے یعنی کسی دشمن کے تعاقب میں ہے تو اس صورت میں یہ گھوڑے سے نیچے اتر کر نماز پڑھے، یہ **"رکباناً"** کی صورت ہے۔

"رجالاً" کا معاملہ یہ ہے کہ **"قائماً"** یعنی ایک ہی جگہ کھڑے کھڑے پڑھ سکتا ہے لیکن **"ماشیاً"**

یعنی چلتے ہوئے نہیں پڑھ سکتا۔ ۹۸

اگر ایسی نوبت آ جائے کہ کھڑا ہونے کا موقع نہ ملے تو مجبوری ہے، قضا پڑھے جیسا کہ حضورِ اقدس ﷺ نے غزوۂ خندق میں قضا فرمائی۔ ۹۹

اس لئے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے ہاں چلتے چلتے نماز کا کوئی تصور نہیں ہے جبکہ دوسرے حضرات کے ہاں یہ صورت جائز ہے۔

اور بظاہر یوں لگتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جزوی تائید کی ہے، اسی لئے یہ فرمایا ہے **"رجالاً قیاما علی أقدامهم"** یعنی **"ماشیا"** کے معنی نہیں کئے ہیں بلکہ **"قائم"** کے معنی کئے ہیں اور حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ **"قائم"** معنی **"ماشیا"** نہیں ہیں۔ ۱۰۰

(۴۵) باب: ﴿وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا﴾ [۲۴۰]

باب: ''اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں''۔

۴۵۳۶ - حدثنی عبداللہ بن أبی الأسود: حدثنا حمید بن الأسود ویزید بن زریع قالا: حدثنا حبیب بن الشهید، عن ابن أبی ملیکة قال: قال ابن الزبیر: قلتُ لعثمان: هذه الآیة التی فی ﴿وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا﴾ الی قوله: ﴿غَیْرَ اِخْرَاجٍ﴾ قد نسختها الآیة الأخرى فلم تكتبها؟ قال: تدعها یا ابن أخی، لا أغیر شیئا منه من مكانه.

قال حمید: أو نحو هذا. [راجع: ۴۵۳۰]

۹۷، ۹۸ ومذاهب الفقهاء فی هذا الباب، فعند أبی حنیفة: إذا كان الرجل مطلوبا فلا بأس بصلاته سائرا، وإن كان طالبا فلا. وقال مالک وجماعة من أصحابه: هما سواء، كل واحد منهما یصلی علی دابته. وقال الأوزعی والشافعی فی آخرین كقول أبی حنیفة، وهو قول عطاء والحسن والثوری وأحمد و أبی ثور وعن الشافعی: إن خاف الطالب فوت المطلوب أوما وإلا فلا. عمدة القاری، ج:۵، ص:۱۳۶

۹۹ والحدیث أخرجه البخاری ومسلم وغیرهما، وهو ما روی عن حذیفة قال: ((سمعت النبی ﷺ یقول یوم الخندق: شغلونا عن صلاة العصر۔ قال: ولم یصلها یومئذ حتی غربت الشمس ۔ ملأ الله قبورهم نارا وقلوبهم نارا وبیوتهم نارا)). هذا لفظ الطحاوی. عمدة القاری، ج:۵، ص: ۱۴۰، واعلاء السنن، ج:۸، ص ۲۰۶

۱۰۰ تفصیل کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، کتاب الخوف، رقم: ۹۴۳، ۹۴۳، ج:۴، ص: ۱۲۷

ترجمہ: حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہمار وایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان ﷺ سے کہا کہ یہ آیت ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَ يَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً﴾ تا ﴿غَيرَ اخْرَاجٍ﴾، دوسری آیت سے منسوخ ہوگئی، تو پھر آپ اسے مصحف میں کیوں لکھ رہے ہیں؟ حضرت عثمان بن عفان ﷺ نے فرمایا اے بھتیجے! میں تو جو نازل ہوا اسے لکھوں گا اور کوئی چیز بدلوں گا نہیں۔

راوی حمید بن اسود کہتے ہیں کہ یا اسی طرح کہا جیسے متن میں موجود ہے (حمید کو شک کو ہوا اس لئے کہا)۔

(۴۶) باب: ﴿وَإِذْقَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَى﴾ [۲۶۰]

باب: ''اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دکھایئے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟''۔

﴿فَصُرْهُنَّ﴾: قطعهن.

ترجمہ: ''فَصُرْهُنَّ'' بمعنی ''قَطِّعْهُنَّ'' کہ ان چڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کردو۔

۴۵۳۷ - حدثنا أحمد بن صالح: حدثنا ابن وهب: أخبرني يونس، عن ابن شهاب، عن أبي سلمة وسعيد، عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: ((نحن أحق بالشك من ابراهيم إذ قال: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَى قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ [۲۶۰])) [راجع: ۳۳۷۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم شک کرنے کے زیادہ حق دار ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہ جب انہوں نے کہا ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَى قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾۔

تشریح

حضرت ابو ہریرہ ﷺ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''**نحن أحق بالشك**'' ہم اس بات میں یعنی مردہ کو دوبارہ زندہ کرنے کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے حق دار ہیں۔

مراد یہ ہے کہ اگر شک ہوتا تو ہمیں ہوتا، لیکن جب ہمیں اس میں شک نہیں ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بطریق اولیٰ اس بات میں شک نہیں ہوگا، لہٰذا کوئی یہ نہ سمجھے کہ انہوں نے جو سوال کیا تھا وہ شک کی بناء پر کیا تھا، بلکہ اطمینانِ قلب کیلئے کیا تھا، یہ مقصود ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ "نحن احق" یہ تواضعاً ہے، ورنہ یہ بات ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں۔

پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، جس میں یہ واقعہ مذکور ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾

ترجمہ: اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دِکھایئے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ اللہ نے کہا: "کیا تمہیں یقین نہیں؟" کہنے لگے: "یقین کیوں نہ ہوتا؟ مگر (یہ خواہش اس لئے کی ہے) تاکہ میرے دِل کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے۔"

کیفیتِ احیاء دیکھنا مقصود تھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ سوال ہی کیوں پیدا ہوا، جبکہ وہ حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایمان لانے میں اس وقت کی ساری دنیا سے زیادہ یقین رکھتے تھے؟

جواب یہ ہے کہ درحقیقت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا سوال کسی شک وشبہ کی بنیاد پر تھا ہی نہیں، بلکہ سوال منشاء صرف یہ تھا کہ حق تعالیٰ قیامت میں مُردوں کو زندہ کریں گے، اُن کی قدرتِ کاملہ سے یہ کسی بھی طرح مستبعد یا حیرت انگیز نہیں، بلکہ یقینی ہے، لیکن مُردہ کو زندہ کرنے کا کام انسان کی طاقت سے باہر ہے، اس نے کبھی کسی مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھا نہیں اور مُردہ کو زندہ کرنے کی کیفیات وصورتیں مختلف ہوسکتی ہیں۔

انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اس کے مشاہدہ میں نہ ہو اس کی کیفیات کی کھوج لگانے کی فکر میں رہا کرتا ہے، اس میں اس کا خیال مختلف راہوں پر چلتا ہے، جس میں ذہنی انتشار کی تکلیف بھی برداشت کرتا ہے، اس ذہنی انتشار کو رفع کرکے قلب کو سکون مل جانے ہی کا نام اطمینان ہے، اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ درخواست پیش فرمائی تھی۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ **ایمان** اور **اطمینان** میں کیا فرق ہے۔

ایمان اس **اختیاری یقین** کا نام ہے جو انسان کو اللہ کے رسول کے اعتماد پر کسی غیب کی بات کے متعلق حاصل ہو جائے۔

اور **اطمینان** سکونِ قلب کا نام ہے، بعض اوقات نظروں سے غائب کسی چیز پر یقینِ کامل تو ہوتا ہے، مگر قلب کو سکون اس لئے نہیں ہوتا کہ اس کی کیفیات کا علم نہیں ہوتا، یہ سکون صرف مشاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی حیات بعد الموت پر تو کامل ایمان و یقین تھا، سوال صرف کیفیتِ احیاء کے متعلق تھا۔ [۱۰]

(۴۷) باب قوله: ﴿أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُوْنَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيْلٍ وَّأَعْنَابٍ﴾ إلى قوله: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ﴾ [۲۶۶]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو'' تا ''تا کہ تم غور کرو''۔

ریا کاری کا انجام

یہ صدقات کو برباد کرنے کی مثال ہے، جس طرح ایک آگ سے بھرا بگولا ہرے بھرے باغ کو یکا یک تباہ کر ڈالتا ہے، اسی طرح رِیا کاری یا صدقہ دے کر احسان جتلانا یا کسی اور طرح سے غریب آدمی کو ستانا صدقے کے عظیم ثواب کو برباد کر ڈالتا ہے۔

۴۵۳۸ - حدثنا إبراهيم: أخبرنا هشام، عن ابن جريج: سمعت عبد الله بن أبي مليكة يحدث عن ابن عباس قال: وسمعت أخاه أبا بكر بن أبي مليكة يحدث عن عبيد بن عمير قال: قال عمر رضي الله عنه يوما لأصحاب النبي ﷺ: فيم ترون هذه الآية نزلت؟ ﴿أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُوْنَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيْلٍ وَّأَعْنَابٍ﴾ قالوا: الله أعلم. فغضب عمر، فقال: قولوا: نعلم، أو لا نعلم. فقال ابن عباس: في نفسي منها شيء يا أمير المؤمنين، قال عمر: يا ابن أخي قل

---

[۱۰] معارف القرآن، ج:۱، ص:۶۲۴

ولاتحقر نفسک. قال ابن عباس: ضربت مثلاً لعمل قال عمر: أی عمل؟ قال ابن عباس: لعمل. قال عمر: لرجل غنی يعمل بطاعة الله عزوجل ثم بعث الله له الشيطان فعمل بالمعاصی حتی أغرق أعماله. ﴿فَصُرْهُنَّ﴾ قطعهن.

ترجمہ: (پہلی سند) ابراہیم، ہشام سے روایت کرتے ہیں کہ ابن جریج نے عبداللہ بن ابی ملیکہ سے سنا کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کرتے ہیں، (دوسری سند) ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی ملیکہ کے بھائی ابوبکر بن ابی ملیکہ سے سنا کہ وہ عبید بن عمیر سے روایت کرتے تھے کہ ایک دن حضرت عمر ﷺ نے اصحاب رسول ﷺ سے پوچھا کہ اس آیت کے بارے میں تم لوگ کیا کہتے ہو کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ **﴿أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُوْنَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيْلٍ وَأَعْنَابٍ﴾** ۔صحابہ کرام ﷺ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے اس کے بارے میں۔ حضرت عمر ﷺ نے اس پر غصہ کا اظہار کیا، پھر کہا کہ تم لوگ صاف کہو کہ ہم کو معلوم ہے یا نہیں معلوم؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! میرے دل میں اس کے بارے میں ایک خیال ہے، حضرت عمر ﷺ نے فرمایا اے میرے بھتیجے! ضرور کہو اور خود کو کم تر خیال مت کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ یہ عمل کی مثال ہے۔ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کیسے عمل کی؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا بس عمل کی مثال ہے۔ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک مالدار آدمی کی مثال ہے، جو اللہ عزوجل کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر شیطان کو مسلط کر دیا تو گناہوں میں مبتلا ہو کر اپنے تمام نیک اعمال برباد اور ضائع کر دیئے۔

اعمالِ صالح کو ضائع کرنے والا عمل

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے دریافت فرمایا کہ **"فيم ترون هذه الاية نزلت؟"** اس آیت کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ کیوں نازل ہوئی؟ یعنی یہ آیت کریمہ **﴿أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُوْنَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيْلٍ وَأَعْنَابٍ﴾** اس کے بارے میں پوچھا کہ یہ کس کے بارے میں یا کس سلسلے میں نازل ہوئی؟

صحابہ کرام ﷺ نے کہا کہ **"الله أعلم"** اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس کے بارے میں۔

"فغضب عمر" حضرت عمر ﷺ نے جب یہ جواب سنا تو اس پر ناراضگی اور غصہ کا اظہار کیا، پھر ان سے کہا کہ **"قولوا: نعلم، أو لانعلم"** تم لوگ صاف اور سیدھی بات کہو جانتے ہو یا نہیں جانتے؟ کیونکہ اللہ تو جانتا ہی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر جب رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام ﷺ سے کوئی بات پوچھتے تھے تو صحابہ یہ جواب دیتے تھے کہ **"اللہ ورسولہ أعلم"** کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے تو آپ ﷺ نے کبھی اس بات پر غصہ نہیں فرمایا کہ ایسے کیوں کہا، لیکن حضرت عمر ﷺ ناراض ہوگئے، اس کی کیا وجہ ہے؟

وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب اس طرح بات کرتے تھے کہ کیا یہ بات جانتے ہو؟ تو اس بات سے دراصل متوجہ کرنا مقصود ہوتا تھا یعنی آپ ایک بات فرمانا چاہتے ہیں اور اس کی طرف لوگوں کو متوجہ ہوجائیں۔

فی الواقعہ یہ مقصود نہیں کہ کون جانتا ہے اور کون نہیں جانتا بلکہ متوجہ کرنا مقصود ہوتا تھا تو اس لئے صحابۂ کرام ﷺ یہ جواب دیتے کہ **"اللہ ورسولہ أعلم"** یعنی آپ بتائیے! ہم محتاج ہیں۔

جبکہ یہاں حضرت عمر فاروق ﷺ کے پوچھنے کا جو منشأ تھا وہ امتحان تھا کہ بھئی! اس آیت کا مطلب کس کو آتا ہے اور کس کو نہیں آتا؟

اسکے جواب میں واضح طور یہ کہنا چاہئے تھا کہ مجھے آتا ہے یا مجھے نہیں آتا، اس لئے ناراضگی کا اظہار کیا۔

پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ **"فی نفسی منها شیءٌ یا أمیر المؤمنین"** اے امیر المؤمنین! میرے دل میں اس کے متعلق ایک بات ہے کہ یہ آیت اس بارے میں ہوگی۔

حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ **"یا ابن أخی قل ولا تحقر نفسک"** اے میرے بھائی کے بیٹے یعنی بھتیجے! کہو جو بات تمہارے دل میں ہے آیت کے متعلق، اور اپنے آپ کو حقیر مت سمجھو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ **"ضربت مثلاً لعمل"** یہ اللہ ﷻ نے کسی عمل کی مثال دی ہے۔

حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ **"أی عمل؟"** "کس عمل کی مثال دی ہے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ **"لعمل"** مطلقاً کوئی بھی عمل ہو، اس کے بارے میں فرمایا ہے۔

حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ **"لرجل غنی یعمل بطاعة اللہ عزوجل"** یہ اصل میں مثال ہے ایسے شخص کی جو غنی مالدار ہے اور اللہ ﷻ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے، **"ثم بعث اللہ له الشیطان فعمل بالمعاصی"** لیکن پھر اللہ ﷻ نے اس کے پاس شیطان کو بھیج دیا اور اس نے بہکاوے میں آکر گناہ کے کاموں پر عمل کیا، **"حتی أغرق أعماله"** یہاں تک کہ اس نے اپنے تمام نیک اعمال کو غرق کردیا، ضائع کردیا۔

اعمال کو حبط اور غرق کرنے کی صورت

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معصیت تو فی نفسہ ہے ہی معصیت، اس میں نیک اعمال کیسے ختم ہوسکتے؟

جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ معصیت خواہ کیسی بھی ہو لیکن وہ سابقہ کسی بھی نیکی کو باطل نہیں کرتی۔

پہلے اگر کوئی نیکی کی ہوئی ہے تو اپنی جگہ پر اس کا الگ ثواب ہے اور گناہ جو کیا ہے اس کا اپنی جگہ پر عذاب ہے، ﴿ومن یعمل مثقال ذرة﴾ تو دونوں کے اوپر عمل ہوتا ہے۔

یہ اعمال کو حبط کرنے والی اور اعمال کو غرق کرنے والی بات کیسے ہوسکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں "**اغرق اعماله**" کے معنی ہے اعمال میں معصیت غالب آ گئی ہے، یہ نہیں ہے کہ وہ نیکیاں نامۂ اعمال سے مٹ گئے، نامۂ اعمال میں تو ہے لیکن بعد کی معصیتوں نے غلبہ پالیا یعنی وہ کثیر ہوگئی اور غلبہ پانے کی وجہ سے پچھلے اعمال کو ڈبو دیا کہ اس پر غالب آ گئے، لہٰذا آدمی جب آخرت میں آئے گا تو نیکیوں کے مقابلے میں معصیتیں غالب ہوں گی اور اس کی وجہ وہ جہنم میں جائے گا۔

حبط صرف کفر کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہیں اس عمل کی نحوست کے نتیجے میں تم خود کفر میں مبتلا ہو جاؤ اور کفر میں مبتلا ہو کر حبط اعمال میں مبتلا ہو جاؤ۔

نبی کریم ﷺ کی بے ادبی، گستاخی اور تکلیف پہنچانا سب کفر ہے اور کفر سے حبط اعمال ہو جاتا ہے۔

(۴۸) باب: ﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾ [۲۷۳]

باب: ''وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے''۔

یقال: الحف علیّ الحّ علیّ واحفانی بالمسألة.

ترجمہ: "**الحف علیّ الحّ علیّ واحفانی**" کا مطلب یہ ہے کہ لپٹ کر مانگے یعنی مانگنے پر اصرار۔

آیت کا مفہوم

اس آیت سے بظاہر یہ مفہوم نکلتا ہے کہ مسکین وہ ہے جو لپٹ کر نہیں مانگتے، لیکن بغیر لپٹ کر مانگنے کی نفی نہیں ہے، چنانچہ بعض حضرات کا یہی قول ہے۔

لیکن جمہور کے نزدیک اس کے معنی یہ ہے کہ وہ سوال بالکل ہی نہیں کرتے، **لِأَنَّهُمْ مُتَعَفِّفُونَ عَنِ الْمَسْأَلَةِ عِفَّةً تَامَّةً**۔ [۱۰۲]

۴۵۳۹ - حدثنا ابن أبي مريم: حدثنا محمد بن جعفر قال: حدثني شريك بن أبي نمر:

---

[۱۰۲] تفسیر القرطبی، ج:۳، ص: ۳۴۳ - وتفسیر معارف القرآن، ج:۱، ص:۶۴۳

أن عطاء بن يسار وعبدالرحمن بن أبي عمرة الأنصاري قالا: سمعنا أباهريرة ﷺ يقول: قال النبي ﷺ: ((ليس المسكين الذي ترده التمرة والتمرتان ولا اللقمة ولا اللقمتان. انما المسكين الذي يتعفف، اقرؤا ان شئتم))، يعني قوله تعالىٰ: ﴿لَايَسْأَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾. [راجع: ۱۴۷۶]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے کہ جس کو ایک یا دو کھجور اور ایک یا دو لقمے کھانے کا لالچ دربدر لئے پھرتا ہے۔ بلکہ مسکین تو وہ ہے جو کسی سے سوال نہ کرے، اگر تم مسکین کا مطلب جاننا چاہتے ہو تو اس آیت کو پڑھو ﴿لَايَسْأَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾۔

(۴۹) باب: ﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [۲۷۵]

باب: ”حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے“۔

﴿اَلْمَسُّ﴾: الجنون.

ترجمہ: ”اَلْمَسُّ“ کے معنی جنون، دیوانگی کے ہیں۔

۴۵۴۰ - حدثنا عمر بن حفص بن غياث: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش: حدثنا مسلم، عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها قالت: لما أنزلت الآيات من آخر سورة البقرة في الربا قرأها رسول الله ﷺ على الناس. ثم حرم التجارة في الخمر. [راجع: ۴۵۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیات سود کے بارے میں نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے سب کے سامنے ان آیات کو پڑھا (اس کی حرمت ظاہر فرمادی)، اس کے بعد شراب کی تجارت کو بھی حرام کر دیا گیا۔

(۵۰) باب: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا﴾ [۲۷۶]

باب: ”اللہ سود کو مٹاتا ہے“۔

يذهبه.

ترجمہ: ”يَمْحَقُ“ بمعنی ”يُذْهِبُ“ یعنی اللہ اس کو زائل کر دے گا، ہلاک کر دے گا۔

۴۵۴۱ - حدثنا بشر بن خالد: أخبرنا محمد بن جعفر عن شعبة، عن سليمان

الأعمش: سمعت أبا الضحى يحدث عن مسروق، عن عائشة أنها قالت: لما أنزلت الآيات الأواخر من سورة البقرة، خرج رسول الله ﷺ فتلاهن في المسجد، فحرم التجارة في الخمر. [راجع: ۴۵۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ (گھر سے) باہر تشریف لائے، اور مسجد میں لوگوں کو پڑھ کر سنائیں، پھر اس کے بعد شراب کی تجارت کو حرام قرار دیا۔

(۵۱) باب: ﴿فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللهِ وَرَسُوْلِهِ﴾ [۲۷۹]

باب: ''اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو''۔

۴۵۴۲ ـ حدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن منصور، عن أبي الضحى، عن مسروق، عن عائشة، قالت: لما أنزلت الآيات من آخر سورة البقرة قرأهن النبي ﷺ في المسجد وحرّم التجارة في الخمر. [۱۰۳]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آخر کی آیات نازل ہوئیں، تو نبی کریم ﷺ نے مسجد میں لوگوں کو اس کا مطلب سمجھایا، پھر اس کے بعد شراب کی تجارت کو حرام قرار دیا۔

(۵۲) باب: ﴿وَإِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ﴾ [۲۸۰]

باب: ''اور اگر کوئی تنگ دست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے''۔

یعنی جب سود کی ممانعت آ گئی اور اس کا لینا دینا موقوف ہو گیا تو اب تم مدیون مفلس سے تقاضا کرنے لگو

---

۱۰۳ وفي صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب تحريم بيع الخمر، رقم: ۱۵۸۰، وسنن ابي داؤد، كتاب البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، رقم: ۳۴۹۰، وسنن النسائي، كتاب البيوع، بيع الخمر، رقم. ۴۶۶۵، وسنن ابن ماجه، كتاب الأشربة، باب التجارة في الخمر، رقم: ۳۳۸۲، ومسند أحمد، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنهما، رقم: ۴۶۹۲، ۲۴۹۶۰، ۲۵۵۳۲، ۲۵۵۷۶، ۲۶۳۷۵

یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے بلکہ مفلس کو مہلت دو اور توفیق ہو تو بخش دو۔ [۱۰۳]

۴۵۴۳ ـ وقال محمد بن يوسف، عن سفيان، عن منصور والأعمش، عن أبى الضحى، عن مسروق، عن عائشة قالت: لما أنزلت الآيات من آخر سورة البقرة قام رسول الله ﷺ فقرأهن علينا ثم حرم التجارة فى الخمر. [راجع: ۴۵۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سورہ بقرہ کی آخری چند آیات نازل ہوئیں، تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، ان آیات کو ہمارے سامنے پڑھا، پھر اس کے بعد شراب کی تجارت کو حرام فرمایا۔

حرمتِ خمر اور ربا

ان روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورۃ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے وہ آیات مسجد میں تلاوت فرمائی پھر خمر کی تجارت کو حرام قرار دیا۔

سوال: یہاں اشکال یہ ہے کہ یہاں کہا گیا ہے کہ سورۃ بقرہ کی آخری آیات نزول کے اعتبار سے بھی آخری آیات ہیں جو نبی کریم ﷺ کی عمر کے تقریباً آخری زمانے میں نازل ہوئیں۔ **﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ﴾** [البقرة: ۲۸۱] کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سب سے آخری آیت ہے جو نازل ہوئی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ آخری آیتیں پڑھیں اور اس کے بعد یہ کہا کہ **"ثم حرم التجارة فى الخمر"** پھر خمر کی تجارت کو حرام قرار دیا گیا، حالانکہ خمر کی تجارت بہت پہلے حرام ہو چکی تھی؟

جواب: یہاں پر **"ثم"** یہ **تراخی زمانی** کے لئے نہیں بلکہ **تراخی بیان** کیلئے ہے، کیونکہ بعض اوقات **"ثم" تراخی بیان** کیلئے آتا ہے۔

مثال کے طور پر **﴿ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾** [البقرة: ۲۹] - یہاں اس آیت میں **"ثم"** اس لئے نہیں ہے کہ پہلے زمین بنائی پھر آسمان بنائے، بلکہ بہت سے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ ترتیب اسکے برعکس ہے کہ آسمان پہلے بنایا گیا جیسا کہ قرآن شریف میں دوسری جگہ **﴿وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا﴾** [النازعات: ۳۰] ہے کہ زمین بعد میں بنائی آسمان پہلے بنے۔

لیکن یہاں **"ثم" تراخی بیان** کیلئے ہوگا، مطلب یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہہ رہی ہیں کہ خمر پینا تو حرام کیا ہی تھا پھر اس کی تجارت بھی حرام فرمائی۔

---

[۱۰۳] تفسیر عثمانی، سورہ بقرہ، آیت: ۲۸۰۔

یہاں ''پھر'' سے مطلب یہ ہے کہ اس کے علاوہ تجارت کو بھی حرام کیا۔

اگر ''ثم'' تراخی بیان کیلئے ہو، تراخی زمان کیلئے نہ ہو تو کوئی اشکال نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں پر تھوڑا سا کسی راوی سے لفظوں میں کوئی بات آگے پیچھے ہوگئی ہو۔

ربا رسود کب حرام ہوا؟

ربا کی حرمت کے وقت کے بارے میں مختلف روایتیں ملتی ہیں۔

بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری آیت ہے جو ربا کے بارے میں نازل ہوئی۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے جو بڑی کثرت سے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر ربا کی حرمت کا اعلان کیا۔

تیسرا یہ کہ سن دو ہجری میں، کیونکہ سود کے متعلق سورہ آل عمران میں یہ آیت آئی ہے ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوٓا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾ [آل عمران: ۱۳۰] اور سورۃ آل عمران غزوہ احد کے آس پاس نازل ہوئی ہے یعنی سن دو ہجری میں تو اس طرح روایتیں مختلف ہیں۔

بعض حضرات نے ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حرمت ربا غزوہ احد یعنی سن دو ہجری میں آ گئی تھی لیکن اس کی تفصیلات نہیں آئی تھیں اور تفصیلات کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر کیا گیا تو اس طرح ہوسکتا ہے کہ حرمت خمر کا تعلق سن دو ہجری کی تحریم سے ہے۔

یہاں ان روایات میں ''آخر سورۃ البقرۃ'' کا جو لفظ آیا ہے، اس سے ہوسکتا ہے کہ کسی راوی سے وہم ہوگیا ہو، مراد ''آخر سورۃ البقرۃ'' نہیں بلکہ مراد ربا کی تحریم ہے اور ربا کی تحریم کا اعلان آپ ﷺ نے مسجد میں فرمایا، اس کے بعد آپ ﷺ نے خمر کی تجارت کی حرمت کا اعلان فرمایا، تو پھر تراخی زمانی بھی مراد ہوسکتی ہے۔

(۵۳) باب: ﴿وَاتَّقُوْا يَوْماً تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ﴾ [۲۸۱]

باب: ''اور ڈرو اس دن سے جب تم سب اللہ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے''۔

۴۵۴۴ ـ حدثنا قبیصۃ بن عقبۃ: حدثنا سفیان، عن عاصم، عن الشعبی، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: آخر آیۃ نزلت علی النبی ﷺ آیۃ الربا۔ [۱۰۴]

---

[۱۰۴] انفرد بہ البخاری۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ پر آخر میں جو آیت نازل ہوئی، وہ سود کے متعلق تھی۔

باعتبار نزول آخری آیت

''آیة الربوا'' سے مراد یہی ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللهِ﴾ ہے۔

''آیة الربوا'' اس سے پہلے ہی نازل ہو چکی تھی، اسکی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ربوا کے معاملات ممنوع قرار فرما دیئے تھے اور اسی پر یہ آیت نازل ہوئی تھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ''واتقوا یوما'' مراد ہے، اسی کو آیت ربوا سے تعبیر فرمایا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا خیال ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں باعتبار نزول آخری آیت ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ [المائدة: ۳] ہے۔

کسی نے کہا باعتبار نزول آیت میراث آخری آیت ہے، غرض یہ کہ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

(۵۴) باب: ﴿وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ﴾ الآية [۲۸۴]

باب: ''اور جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں، خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے ان کا حساب لیگا''۔

احکام کے بیان کے بعد تہدید اور تنبیہ

اس سورت میں اصول وفروع عبادات ومعاملات جانی ومالی ہر قسم کے احکامات بہت کثرت سے مذکور فرمائے اور شاید اس سورت کے سنام القرآن فرمانے کی یہی وجہ ہو۔ اس لئے مناسب ہے کہ بندوں کو پوری تاکید وتہدید بھی ہر طرح سے فرمادی جائے تا کہ تعمیل احکام مذکورہ میں کوتاہی سے اجتناب کریں۔

سو اسی غرض کیلئے آخر سورت میں احکام کو بیان فرما کر اس آیت کو بطور تہدید وتنبیہ ارشاد فرما کر تمام احکام مذکورہ سابقہ کی پابندی پر سب کو مجبور کر دیا اور طلاق ونکاح قصاص وزکوٰۃ بیع وربوا وغیرہ میں جو اکثر صاحب حیلوں اور اپنی ایجاد کردہ تدبیروں سے کام لیتے ہیں اور ناجائز امور کو جائز بنانے میں خودرائی اور سینہ زوری سے کام لیتے ہیں ان کو بھی اس میں پوری تنبیہ ہوگئی۔

دیکھئے جس کو ہم پر استحقاق عبادت حاصل ہوگا اس کو مالک ہونا چاہئے اور جو ہماری ظاہری اور مخفی تمام اشیاء کا محاسبہ کر سکے اس کو تمام امور کا علم ہونا ضروری ہے، اور جو ہماری تمام چیزوں کا حساب لے سکے اور ہر ایک

کے مقابلے میں جزاء وسزا دے سکے اس کو تمام چیزوں پر قدرت ہونی ضروری ہے۔

سو انہی تین کمالات یعنی ملک اور علم اور قدرت کو یہاں بیان فرمایا اور انہی کا آیۃ الکرسی میں ارشاد ہو چکا ہے، مطلب یہی ہے کہ ذات پاک سبحانہ تمام چیزوں کی مالک اور خالق اس کا علم سب کو محیط، اس کی قدرت سب پر شامل ہے تو پھر اس کی نافرمانی کسی امر ظاہر یا مخفی میں کر کے بندہ کیونکر نجات پا سکتا ہے۔ [۱۰۵]

۴۵۴۵ ۔ حدثنا محمد: حدثنا النفیلی: حدثنا مسکین: حدثنا شعبة، عن خالد الحذاء، عن مروان الأصفر، عن رجل من أصحاب النبی ﷺ وهو ابن عمر أنها قد نسخت: ﴿وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْتُخْفُوْهُ﴾ الآية. [أنظر: ۴۵۴۶] [۱۰۶]

ترجمہ: مروان اصغر نے نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی انہوں نے فرمایا کہ ﴿وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْتُخْفُوْهُ﴾ والی آیت سے منسوخ ہوگئی ہے۔

تشریح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ﴾ یہ آیت اب حکماً منسوخ ہوگئی ہے۔ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ۲۸۶] نے اس کو منسوخ کر دیا۔

(۵۵) باب قوله تعالىٰ: ﴿آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [۲۸۵]

باری تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہ رسول (یعنی حضرت محمد ﷺ) اس چیز پر ایمان لائے ہیں جو ان کی طرف ان کے رَبّ کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور (ان کے ساتھ) تمام مسلمان بھی“۔

ہر حال میں رب کی اطاعت

پہلی آیت سے جب یہ معلوم ہوا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب اور گرفت ہے تو اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرائے اور ڈرے اور ان کو اتنا صدمہ ہوا کہ کسی آیت پر نہ ہوا تھا۔

---

[۱۰۵] تفسیر الکبیر، ج: ۷، ص: ۱۰۵، وتفسیر عثمانی، سورہ بقرہ، آیت: ۲۸۴، فائدہ: ۱۔

[۱۰۶] انفرد به البخاری.

آپ ﷺ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا "**قولوا سمعنا و اطعنا**" یعنی اشکال نظر آئے یا دقت محسوس ہو مگر حق تعالیٰ کے ارشاد کی تسلیم میں ادنیٰ توقف بھی مت کرو اور سینہ ٹھوک کر "**سمعنا و اطعنا**" عرض کر دو۔ آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی تو انشراح کے ساتھ کلمات زبان پر بے ساختہ جاری ہو گئے۔

مطلب ان کا یہ ہے کہ ہم ایمان لائے اور اللہ کے حکم کی اطاعت کی یعنی اپنی دقت اور خلجان سب کو چھوڑ کر ارشاد کی تعمیل میں مستعدی اور آمادگی ظاہر کی حق تعالیٰ کو یہ بات پسند ہوئی تب یہ دونوں آیتیں اتریں:

اول ﴿**آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ**﴾ اس میں رسول کریم ﷺ اور ان کے صحابہ ؓ کہ جن کو اشکال مذکور پیش آیا تھا ان کے ایمان کی حق سبحانہ نے تفصیل کے ساتھ مدح فرمائی جس سے ان کے دلوں میں اطمینان ترقی پاوے اور خلجان سابق زائل ہو۔

اس کے بعد دوسری آیت ﴿**لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا**﴾ میں فرمادیا کہ مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی، اب اگر کوئی دل میں گناہ کا خیال اور خطرہ پائے اور اس پر عمل نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں اور بھول چوک بھی معاف ہے غرض صاف فرمادیا کہ جن باتوں سے بچنا طاقت سے باہر ہے جیسے برے کام کا خیال وخطرہ یا بھول چوک ان پر مواخذہ نہیں۔

ہاں جو باتیں بندہ کے ارادے اور اختیار میں ہیں ان پر مؤاخذہ ہوگا اب آیت سابقہ کو سن کر جو صدمہ ہوا تھا اس کے معنی بھی پچھلے قاعدہ کے موافق لینے چاہئیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خلجان مذکور کا اب ایسا قلع قمع ہو گیا کہ سبحان اللہ۔ ۱۰۷

وقال ابن عباس: ﴿إِصْرًا﴾ [۲۸۶] عهدًا. ويقال: ﴿غُفْرَانَكَ﴾ [۲۸۵] مغفرتك، ﴿فَاغْفِرْ لَنَا﴾ [۲۸۶].

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "**إِصْرًا**" کے معنی عہد اور میثاق کے ہیں، "**غُفْرَانَكَ**" اور "**مغفرتك**" کے ایک ہی معنی ہے یعنی ہمیں معاف فرمادیجئے۔

---

۱۰۷ تفسیر الکبیر، ج:۷، ص: ۱۰۴ و تفسیر عثمانی، سورہ بقرہ، آیت: ۲۸۵، فائدہ: ۲۔

(۳) سورة آل عمران

سورۂ آل عمران کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہ تسمیہ

عمران- حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام ہے، اور "**آل عمران**" کا مطلب ہے "**عمران کا خاندان**"۔ اس سورت میں اس خاندان کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سورت کا نام "**آل عمران**" ہے۔

یہ سورت مدنی ہے، اس کے شروع کی تراسی آیتیں نجران کے عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ۹ھ میں آئے تھے، جس کا مفصل بیان مباہلہ کی آیت "**قل تعالوا**" کی تفسیر میں عنقریب آئے گا ان شاء اللہ۔

﴿تُقَاةً﴾ وتقية واحدة، ﴿صِرٌّ﴾ [۱۱۷]: برد. ﴿شَفَا حُفْرَةٍ﴾ [۱۰۳]: مثل شفا الركية وهو حرفها. ﴿تُبَوِّئُ﴾ [۱۲۱]: تتخذ معسكراً. ﴿رِبِّيُّونَ﴾ [۱۴۶]: الجموع، واحدها ربى. ﴿تَحُسُّونَهُمْ﴾ [۱۵۲]: تستاصلونهم قتلا. ﴿غُزًّى﴾: واحدها غاز. ﴿سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا﴾: سنحفظ. ﴿نُزُلًا﴾ [۱۹۸] ثواباً: ويجوز ومنزل من عند الله كقولك: أنزلته.

﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾: المسوم الذى له سيماء بعلامة أو بصوفة أو بما كان. وقال مجاهد: ﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾ [۱۴]: المطهمة الحسان. وقال سعيد بن جبير: ﴿وَحَصُورًا﴾ [۳۹]: لاياتي النساء. وقال عكرمة ﴿مِن فَوْرِهِمْ﴾ [۱۲۵]: غضبهم يوم بدر.

وقال مجاهد: ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾: النطفة تخرج ميتة، ويخرج منها الحى.

﴿الإِبْكَارُ﴾ [۴۱]: أول الفجر. ﴿وَالْعَشِيُّ﴾ [۴۱]: ميل الشمس الى أن تغرب.

ترجمہ وتشریح

"**تقاة**" اور "**تقية**" دونوں کے معنی ڈر اور بچاؤ کے ہیں، "**صِرٌّ**" بمعنی ٹھنڈک، سردی۔

"**شفا حفرة**" کا مطلب ہے گڑھے کا کنارہ جیسے کچے کنویں کا کنارہ۔

"تُبَوِّئُ"، یعنی تم محاذ پر فوج کو جمع کرتے تھے، "رِبِّيُّوْنَ" ربی کی جمع ہے، یعنی اللہ والے لوگ۔

"تَحُسُّوْنَهُمْ" کا معنی ہے کہ تم قتل کر کے ان کو جڑ سے ختم کر رہے تھے۔

"غُزًّا" جمع ہے "غَازٍ" کی یعنی جہاد کرنے والا۔ "سَنَكْتُبُ" ہم عنقریب محفوظ کرلیں گے۔

"نُزُلًا" بمعنی ثواب کے، اور منزل بھی اسی معنی میں ہے جیسے کہ کسی کے سامنے کچھ پیش کریں۔

"وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ" کے ترجمہ میں کہا کہ نشان لگانا، داغ لگانا، یہ لفظ "سيماء" سے مشتق ہے اور اسکا معنی ہے وہ چیز جس کی کوئی علامت ہو کسی نشان کے ذریعے یا اون کے ذریعے یا اور کوئی بھی علامت۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ" سے مراد مکمل ساخت والے کامل الاعضاء، خوبصورت عمدہ گھوڑا۔

حضرت سعید بن جبیر اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابزی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ "المسومة الراعية" سے مراد چرنے والے مویشی یعنی جنگل میں آزادی سے چرنے والے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "وَحَصُوْرًا" کے معنی ہیں وہ شخص جو عورت کے پاس نہ جائے یعنی مباشرت پر قادر نہ ہو۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "مِنْ فَوْرِهِمْ" کے معنی غضب اور جوش کے ہیں، جو کفار نے غزوۂ بدر کے دن دکھایا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ "يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ" سے مراد نطفہ ہے کہ پہلے بے جان ہوتا ہے، پھر اسے جاندار بنا کر پیدا کرتا ہے۔

"الْإِبْكَارُ" کے معنی ہیں فجر کا پہلا پہر یعنی صبح صادق۔

"وَالْعَشِيُّ" کے معنی ہیں جس وقت سورج ڈھلنے سے شروع ہو کر غروب تک جاتا ہے۔

(۱) باب: ﴿مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ﴾ [۷]

باب: "جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں"۔

قال مجاهد: الحلال والحرام ﴿وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ﴾ يصدق بعضها بعض، كقوله تعالى: ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِيْنَ﴾ [البقرة: ۲۶] وكقوله جل ذكره: ﴿وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ [يونس: ۱۰۰] وكقوله تعالى: ﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ

تَقْوَاهُمْ﴾ [محمد: ۱۷].

﴿زَيْغٌ﴾: شک ﴿فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ﴾ المشتبهات ﴿وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ يعلمون تأويله و﴿يَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِهِ﴾ الآية [۷].

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیات محکمات سے مراد وہ آیتیں ہیں جن میں حلال وحرام کے احکامات ہیں، اور آیاتِ متشابہات وہ آیتیں ہیں جو بعض، بعض کی تصدیق کرتی ہیں، جیسے کہ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

﴿وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِيْنَ﴾
(مگر) وہ گمراہ انہی کو کرتا ہے جو نافرمان ہیں۔

اسی طرح سورۂ یونس میں اللہ ﷻ ارشاد ہے کہ

﴿وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾
اور جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، اللہ ان پر گندگی کو مسلط کر دیتا ہے۔

سورۂ محمد میں اللہ تعالیٰ کا فرمان موجود ہے کہ

﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ﴾
اور جن لوگوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہے، اللہ نے اُنہیں ہدایت میں اور ترقی دی ہے، اور اُنہیں اُن کے حصے کا تقویٰ عطا فرمایا ہے۔

﴿زَيْغٌ﴾ کے معنی ہیں شک کے، اشارہ اس آیت کی طرف ہے کہ ﴿فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ﴾ اس جگہ فتنہ سے مراد متشابہات ہیں، ﴿وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ جو لوگ جانتے ہیں اس کی تاویل کو وہ کہتے ہیں ﴿يَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِهِ﴾۔

محکمات اور متشابہات کا حکم

آیت کریمہ ﴿مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ الخ﴾ اس آیت میں آیاتِ محکمات ومتشابہات کا ذکر ہے۔

"محکمات" وہ ہیں جن کی مراد کو ہم جانتے ہیں اس معنی میں کہ ان کی مراد کا معلوم ہونا کوئی ناممکن نہیں ہے، چاہے علم قطعی کے ساتھ ہو، چاہے علم ظنی کے ساتھ ہو، تو وہ **"محکمٰت"** ہیں۔

"متشابهات" کی ایک تفصیل وہ ہے جو جمہور حضرات نے اختیار کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات جن کی مراد ہمیں معلوم نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کی مراد معلوم نہیں۔

جیسا کہ حروف مقطعات یا آیات صفات باری تعالیٰ مثلاً **"استوىٰ"** کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کیفیت کیا ہے؟ یہ سب **"متشابهات"** ہیں جن کی مراد ہم نہیں جانتے۔

یہ جمہور کے مذہب کا مختصر ذکر ہے۔

امام مجاہدؒ اور متشابہات

امام مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر جمہور سے مختلف ہے۔

ان کی تفسیر یہ ہے کہ **"متشابهات"** کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کے معنی و مفہوم معلوم نہیں بلکہ **"يصدق بعضها بعض"** آیاتِ متشابہات وہ آیتیں ہیں جن کی تصدیق دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے، تو دونوں آیتیں متشابہ ہو جاتی ہیں یعنی ایک آیت مفہوم اور معنی کے لحاظ سے دوسری آیت جیسی ہے۔

اور اسی معنی میں قرآن کریم ہے کہ **﴿اللهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا﴾** [الزمر: ۲۳] تو یہاں یہی معنی ہیں کہ ایک حصہ دوسرے حصے کے مشابہ ہے اور ایک دوسرے کے تصدیق کرتا ہے۔

امام مجاہد رحمہ اللہ نے یہ تفسیر کی ہے۔

"محکمٰت" سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کے مشابہ کوئی اور آیت قرآن میں موجود نہیں، **"متشابهات"** وہ ہیں کہ جن سے مشابہ دوسری آیتیں موجود ہیں۔

اب مجاہد رحمہ اللہ کی اس تفسیر پر یہ اشکال ہوتا تھا کہ آگے جو فرمایا گیا ہے کہ **﴿فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِي قُلُوْبِهِمْ﴾** تو اگر متشابہ کے بعد یہ ہیں کہ وہ آیتیں جو ایک دوسرے کی تصدیق کر رہی ہیں تو ان کے اتباع سے کیوں منع کیا گیا؟

مجاہد رحمہ اللہ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اتباع سے منع نہیں کیا جا رہا، بلکہ **"ابتغاء الفتنة"** سے تاویل اور ایسی تأویل سے منع کیا جا رہا ہے کہ جو تحریف کی حد تک پہنچتی ہو، جن کے قلوب میں زیغ ہے جو متشابہ آیات برحق ہیں اور معلوم المراد ہیں ان کے پیچھے پڑتے ہیں کہ ان کے ذریعہ فتنہ پیدا کریں اور اس کے معنی توڑ موڑ کے بیان کریں کہ فتنہ پیدا ہو۔

معنی تو صحیح ہے اور معلوم المراد ہے لیکن یہ جو زیغ والے ہیں اس کو توڑ موڑ کر کسی اور طرف لے جا کر فتنہ

پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

آگے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی تشریح کر رہے ہیں کہ ایک آیت دوسری آیت کے مشابہ کیسے ہوتی ہے، جیسے قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا ﴿وَمَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ﴾ اللہ ﷻ فاسقین کو قرآن کے ذریعہ گمراہ کرتا ہے، اور دوسری جگہ فرمایا ﴿وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ دونوں کا مفہوم ایک جیسا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں اور بے عقلوں کو گمراہی کی نجاست میں ڈال دیتا ہے اور یہی بات ﴿وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ [مریم: ۷۶] کا مفہوم مخالف بھی ہے، لہٰذا تینوں آیتوں کا مفہوم ایک جیسا ہوا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان

تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں مجاہد کی تفسیر نقل کی ہے لیکن حدیث مرفوع جو لائے ہیں وہ جمہور کے مطابق لائے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رجحان ان کا بھی جمہور کی تفسیر کے مطابق ہے، البتہ ترجمۃ الباب میں ایک قول کے طور پر امام بخاری رحمہ اللہ نے امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول نقل کر دیا۔

"**وقال مجاهد الحلال والحرام**" مجاہد کہتے ہیں کہ متشبہات سے مراد حلال وحرام ہے۔

۴۵۴۷ ۔ حدثنا عبداللہ بن مسلمة: حدثنا یزید بن ابراهیم التستری، عن أبی ملیکة، عن القاسم بن محمد، عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: تلا رسول اللہ ﷺ هذه الآیة ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ قالت: قال رسول اللہ ﷺ: ((فاذا رأیت الذین یتبعون ما تشابه منه فأولئک الذین سمی اللہ فاحذروهم)). [۱]

---

[۱] وفی صحیح مسلم، کتاب العلم، باب النهی عن اتباع متشابه القرآن، والتحذیر من متبعیه، والنهی عن الاختلاف فی القرآن، رقم: ۲۶۶۵، وسنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب النهی عن الجدال واتباع المتشابه من القرآن، رقم: ۴۵۹۸، وسنن الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة آل عمران، رقم: ۲۹۹۳، ۲۹۹۴، وسنن ابن ماجه، افتتاح الکتاب فی الایمان وفضائل الصحابة والعلم، باب اجتناب البدع والجدل، رقم: ۴۷، ومسند أحمد، مسند الصدیقة عائشة بنت الصدیق رضی اللہ عنهما، رقم: ۲۴۲۱۰، ۲۴۹۲۹، ۲۵۰۰۴، ۲۶۱۹۷، وسنن الدارمی، کتاب العلم، باب من هاب الفتیا وکره التنطع والتبدع، رقم: ۱۴۷

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿هُوَ الَّذِیْ أَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ الخ﴾ پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیات کی ٹٹول میں لگے رہتے ہیں تو سمجھ لو کہ اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں انہیں لوگوں کا ذکر فرمایا ہے، لہٰذا ان کی صحبت سے پرہیز کرو۔

(۲) باب: ﴿وَإِنِّی أُعِیْذُهَا بِکَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ [۳٦]

باب: ''اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطانِ مردود سے حفاظت کیلئے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں''۔

۴۵۴۸ - حدثنی عبداللہ بن محمد: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهری، عن سعید بن المسیب، عن أبی هریرة ﷺ: أن النبی ﷺ قال: ((مامن مولود یولد إلا والشیطان یمسه حین یولد فیستهل صارخا من مس الشیطان إیاه إلا مریم وابنها))، ثم یقول أبو هریرة: واقرؤا ان شئتم ﴿وَإِنِّی أُعِیْذُهَا بِکَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ﴾. [راجع: ۳۲۸٦]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان ہر بچہ کو جب وہ پیدا ہوتا ہے چھوتا ہے اور وہ بچہ اس شیطان کے چھونے سے چلا کر روتا ہے، سوائے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے (کہ شیطان نے ان کو نہیں چھوا)۔ پھر حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو ﴿وَإِنِّی أُعِیْذُهَا بِکَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ﴾۔

(۳) باب: ﴿إِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلاً أُولٰئِکَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْآخِرَةِ﴾: لا خیر ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِیْمٌ﴾ [۷۷]

باب: ''جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اپنی کھائی ہوئی قسموں کا سودا کر کے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا'' - ان کیلئے کوئی خیر نہیں ہے - ''اور ان کا حصہ تو بس عذاب ہوگا، انتہائی دردناک!''۔

مؤلم موجع من الألم وهو فی موضع مفعل.

ترجمہ: ''الیم'' بمعنی ''مؤلم وموجع'' یعنی دردناک اور تکلیف دہ، اور یہ مفعل کے وزن پر ہے۔

۴۵۴۹، ۴۵۵۰ - حدثنا حجاج بن منهال: حدثنا أبوعوانة، عن الأعمش، عن أبی وائل، عن عبدالله بن مسعود ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: ((من حلف یمین صبر لیقطع بها مال امرئٍ مسلم لقی الله وهو علیه غضبان. فأنزل الله تصدق ذلک ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا أُولٰئِکَ لَاخَلَاقَ لَهُمْ فِی الْآخِرَةِ﴾ الی آخر الآیة، قال: فدخل الأشعث بن قیس وقال: مایحدثکم أبوعبدالرحمن؟ قلنا: کذاو کذا، قال: فیَّ أنزلت، کانت لی بئر فی أرض ابن عم لی، قال النبی ﷺ: ((بینتک أو یمینه))، فقلت: إذا یحلف یارسول الله. فقال النبی ﷺ: ((من حلف علی یمین صبر یقتطع بها مال امرئ مسلم وهو فیها فاجرٌ لقی الله وهوعلیه غضبان)). [راجع: ۲۳۵۶، ۲۳۵۷]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا جو آدمی مسلمان کا مال حاصل کرنے کی غرض سے جھوٹی قسم کھاتا ہے، جب وہ اللہ ﷻ سے ملے گا تو اللہ ﷻ اس پر غصہ فرمائے گا، پھر اللہ ﷻ نے یہی مضمون قرآن میں نازل فرمایا **﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا أُولٰئِکَ لَاخَلَاقَ لَهُمْ فِی الْآخِرَةِ﴾** آیت کے آخر تک۔

ابو ائل کہتے ہیں کہ حضرت اشعث بن قیس ﷺ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ابوعبدالرحمٰن یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے تم لوگوں سے کیا حدیث بیان کی ہے؟ ہم نے ان کو بتایا کہ یہ حدیث بیان کی، تو اس پر وہ کہنے لگے کہ یہ آیت تو میرے حق میں نازل ہوئی تھی، میرے ایک چچازاد بھائی کی زمین میں میرا کنواں تھا (میں نے اس پر مال خرچ کیا تھا، وہ انکار کرتا تھا)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم گواہ لے کر آؤ، ورنہ اس سے قسم لے لو۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ تو (جھوٹی) قسم کھالے گا، چنانچہ اس موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو کسی مسلمان کا مال حاصل کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے اللہ ﷻ اس پر غضب ناک ہوگا۔

۴۵۵۱ - حدثنا علی هو ابن أبی هاشم: سمع هُشیما: أخبرنا العوام بن حوشب، عن ابراهیم بن عبدالرحمن، عن عبدالله بن أبی أوفی رضی الله تعالی عنهما: أن رجلا أقام سلعة فی السوق فحلف فیها لقد أعطی بها مالم یعطه لیوقع فیها رجلا من المسلمین، فنزلت: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ الی آخر الآیة. [راجع: ۲۰۸۸]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بازار میں کوئی چیز فروخت کرتے ہوئے قسم کھائی کہ لوگ اس کی اتنی قیمت لگا رہے ہیں، حالانکہ اس کا یہ کہنا غلط تھا اور کوئی بھی اتنی قیمت جو وہ بتا رہا تھا نہیں دے رہا تھا، اور وہ یہ صرف اس لئے کر رہا تھا تا کہ کوئی مسلمان اس سے یہ سامان لے، اس وقت اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی **﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾**۔

۴۵۵۲ ـ حدثنا نصر بن علی بن نصر : حدثنا عبداللہ بن داؤد، عن ابن جریج، عن ابن أبی ملیکة: أن امرأتین کانتا تخرزان فی بیت أو فی الحجرة فخرجت إحداهما وقد أنفذ بإشفی فی کفها فادعت علی الأخری فرفع إلی ابن عباس فقال ابن عباس : قال رسول اللہ ﷺ : ((لو یعطی الناس بدعواهم لذهب دماء قوم وأموالهم، ذکّروها باللہ واقرؤا علیها ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ﴾)) فذکروها فاعترفت.

فقال ابن عباس: قال النبی ﷺ:((الیمین علی المدعی علیه)). [راجع: ۲۵۱۴]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ دو عورتیں کسی گھر یا حجرہ میں ساتھ بیٹھ کر موزے سیا کرتی تھیں، پھر ان میں سے ایک باہر آئی اور اس کے ہاتھ میں موزہ سینے والا سُوا چبھ گیا تھا، اور اس نے دوسری پر دعویٰ کر دیا کہ اس نے مجھے سُوا چبھویا ہے، یہ معاملہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کو دعویٰ کے مطابق مطالبہ پورا کیا جاتا، تو بہت سوں کا مال اور خون تلف وضائع ہو جاتے (جب پہلی عورت گواہ کو پیش نہیں کر سکی تو دوسری عورت قسم کھائے گی، جس پر الزام ہے)، اس کو اللہ ڈراؤ بھی (تا کہ جھوٹی قسم نہ کھائے)، اور اس کے سامنے یہ آیت پڑھو ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ﴾ چنانچہ اس کے بعد وہ عورت ڈر گئی اور اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قسم مدعی علیہ پر ہے (یعنی یا تو بینہ چاہیئے اور اگر بینہ نہ ہو تو مدعی علیہ جس پر الزام ہے اسکو قسم کھانا ہوگی)۔

(۴) باب: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللهَ﴾ [۶۴]

باب: ”(مسلمانو! یہود ونصاریٰ سے) کہہ دو کہ: ”اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سواء کسی کی عبادت نہ کریں“۔

سواء: قصداً.

ترجمہ: ”ســواء“ بمعنی قصد کرنے ہے یعنی ایسی بات کی طرف آجاؤ جو تمہارے، اور ہمارے درمیان میں بالکل برابر ہو۔

۴۵۵۳ ـ حدثنی ابراهیم بن موسی، عن هشام، عن معمر، وحدثنی عبداللہ بن

محمد: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري: أخبرني عبيدالله بن عبدالله ابن عتبة: حدثني ابن عباس: حدثني أبو سفيان من فيه الى فِيّ قال: انطلقت في المدة التي كانت بيني وبين رسول الله ﷺ قال: فبينا أنا بالشام اذ جيء بكتاب من النبي ﷺ الى هرقل، قال: وكان دحية الكلبي جاء به فدفعه الى عظيم بصرى، فدفعه عظيم بصرى الى هرقل. قال: فقال هرقل: هل هاهنا أحد من قوم هذا الرجل الذي يزعم أنه نبيٌّ؟ فقالوا: نعم، قال: فدعيت في نفر من قريش فدخلنا على هرقل فأجلسنا بين يديه فقال: أيّكم أقرب نسباً من هذا الرجل الذي يزعم أنه نبيٌّ؟ فقال أبو سفيان: فقلت: أنا، فأجلسوني بين يديه وأجلسوا أصحابي خلفي. ثم دعا بترجمانه فقال: قل لهم: اني سائل هذا عن هذا الرجل الذي يزعم أنه نبيٌّ، فان كذبني فكذبوه. قال أبو سفيان: وايم الله لولا أن يؤثر على الكذب لكذبت، ثم قال لترجمانه: سله: كيف حسبه فيكم؟ قال: قلت: هو فينا ذُوحسب. قال: فهل كان من آبائه ملكٌ؟ قال: قلت: لا، قال: فهل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال؟ قلت: لا، قال: أيتبعه أشراف الناس أم ضعفاؤهم؟ قال: قلت: بل ضعفاؤهم. قال: يزيدون أم ينقصون؟ قال: قلت: لا بل يزيدون، قال: هل يرتد أحد منهم عن دينه بعد أن يدخل فيه سخطة له؟ قال: قلت: لا، قال: فهل قاتلتموه؟ قال: قلت: نعم. قال: فكيف كان قتالكم اياه؟ قال: قلت: تكون الحرب بيننا وبينه سِجالاً يصيب منا ونصيب منه، قال: فهل يغدر، قال: قلت: لا، ونحن منه في هذه المدة لاندري ماهو صانع فيها. قال: والله ما أمكنني من كلمة أدخل فيها شيئاً غير هذه، قال: فهل قال هذا القول أحد قبله؟ قلت: لا، ثم قال لترجمانه: قل له: اني سألتك عن حسَبِه فيكم فزعمت أنه فيك ذوحسب، وكذلك الرسل تبعث في احساب قومها. وسألتك هل كان في آبائه ملك فزعمت أن لا. فقلت لوكان من آبائه ملك، قلت: رجل يطلب ملك أبيه. وسألتك عن أتباعه أضعفاؤهم أم أشرافهم. فقلت: بل ضعفاؤهم، وهم أتباع الرسل. وسألتك هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ماقال، فزعمت أن لا، فعرفت أنه لم يكن ليدع الكذب على الناس ثم يذهب فيكذب على الله. وسألتك هل يرتد أحد منهم عن دينه بعد أن يدخل فيه سخطة له، فزعمت أن لا، وكذلك الايمان اذا خالط بشاشة القلوب. وسألتك: هل يزيدون أم ينقصون؟ فزعمت أنهم يزيدون وكذلك الايمان حتى يتم. وسألتك هل قاتلتموه، فزعمت أنكم قاتلتموه فتكون الحرب بينكم وبينه سجالاً، ينال منكم وتنالون منه، وكذلك الرسل تبتلى ثم تكون

لهم العاقبة. وسألتك: هل يغدر فزعمت أنه لايغدر، وكذلك الرسل لاتغدر. وسألتك هل قال أحد هذا القول قبله فزعمت أن لا. فقلت: لو كان قال القول أحد قبله، قلت: رجل ائتم بقول قيل قبله. قال: ثم قال: بم يأمركم؟ قال: قلت: يأمرنا بالصلاة والزكاة والصلة والعفاف، قال: ان يك ماتقول فيه حقاً فانه نبي وقد كنت أعلم أنه خارج ولم أك أظنه منكم، ولو أني أعلم أني أخلص اليه لأحببت لقاء ه. ولو كنت عنده لغسلت عن قدميه. وليبلغن ملكه ماتحت قدمي. قال: ثم دعا بكتاب رسول الله ﷺ فقرأه فاذا فيه:

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله إلى هرقل عظيم الروم: سلام على من اتبع الهدى. أما بعد: فإني أدعوك بدعاية الإسلام، أسلم تسلم، وأسلم يؤتك الله أجرك مرتين. فان توليت فان عليك إثم الأريسيين. و﴿ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُم أَنْ لا نَعْبُدَ إِلاَ اللهَ﴾ إلى قوله: ﴿اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾. فلما فرغ من قراء ة الكتاب ارتفعت الأصوات عنده وكثر اللغط، وأُمرنا فأُخرجنا، قال: فقلت لأصحابي حين خرجنا: لقد أَمِرَ أَمْرُ ابن أبي كبشة، إنه ليخافه ملك بني الأصفر. فما زلت موقنا بأمر رسول الله ﷺ أنه سيظهر حتى أدخل الله عليَّ الإسلام.

قال الزهري: فدعا هرقل عظماء الروم فجمعهم في دار له فقال: يامعشر الروم، هل لكم في الفلاح والرشد آخر الأبد وأن يثبت لكم ملككم؟ قال: فحاصوا حيصة حمر الوحش إلي الأبواب فوجدوها قد غلقت، فقال: عليّ بهم، فدعابهم فقال: إني إنّما اختبرت شدتكم على دينكم فقد رأيت منكم الذي أحببت، فسجدوا له ورضوا عنه. [راجع: ۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان ﷺ نے یہ حدیث میرے سامنے بیان کی کہ جب ہماری اور رسول اللہ ﷺ کی صلح تھی، اس وقت میں ملک شام میں تھا، اسی زمانہ میں نبی کریم ﷺ کا خط دحیہ الکلبی ﷺ لے کر ہرقل کے پاس آئے تھے، انہوں نے یہ خط پہلے بصری کے سردار کو دیا، اس نے ہرقل کے پاس بھیج دیا، ہرقل نے خط پڑھ کر کہا کہ وہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، کیا اس کی قوم کا کوئی آدمی یہاں موجود ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں! اس کی قوم کے لوگ یہاں موجود ہیں۔

حضرت ابوسفیان ﷺ کا بیان ہے کہ مجھے قریش کے چندلوگوں کے ہمراہ ہرقل کے دربار میں بلایا گیا، تو اس نے ہم کو اپنے سامنے بٹھایا، پھر پوچھا کہ تم میں سے، اس شخص کا جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، اس کا سب قریبی رشتہ دار ہے؟ حضرت ابوسفیان ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے کہا میں ہوں، پھر اس نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا اور دوسرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھایا۔ پھر اس نے اپنے ترجمان کو بلایا اور اس سے کہا کہ ان لوگوں سے کہو کہ میں

اس سے (ابوسفیان سے) اُس شخص کے متعلق پوچھوں کا جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں، گر یہ غلط بیانی سے کام لے تو تم اس کی تردید کر دینا۔ حضرت ابوسفیان ؓ کہتے ہیں کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ میرے ساتھی مجھے جھٹلا دیں گے، تو ضرور کچھ غلط باتیں بھی کہتا۔

پھر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اس شخص کا حسب کیسا ہے تم لوگوں کے درمیان؟ یعنی محمد (ﷺ) کا حسب ونسب دریافت کرو، حضرت ابوسفیان ؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہ ہم میں سب سے زیادہ عالی حسب، نسب والے ہیں۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ کیا اس شخص کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟ تو میں نے جواب دیا کہ نہیں، پھر اس نے دریافت کیا کہ کیا تم نے دعویٰ نبوت سے پہلے کبھی ان کو جھوٹ بولتے سنا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔

پھر اس نے پوچھا کہ ان کی اطاعت میں معزز و مالدار لوگ زیادہ آتے ہیں یا غریب اور کمزور لوگ؟ میں نے جواب دیا کہ بلکہ غریب اور کمزور لوگ ان کی اتباع کرتے ہیں، پھر اس نے دریافت کیا کہ ان کے ماننے والوں تعداد زیادہ ہو رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ نہیں! ان کے ماننے والے تو مسلسل بڑھتے جا رہے ہیں، پھر اس نے پوچھا کہ کیا کوئی شخص ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد ناراض ہو کر اس دین سے پھرا (مرتد) بھی ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں۔

پھر اس نے پوچھا کیا تم لوگوں نے ان سے کبھی جنگ بھی کی ہے؟ کہتے ہیں میں کہا کہ ہاں ہمارے درمیان جنگیں ہوئی ہیں، پھر اس نے پوچھا کہ تمہاری ان سے جنگ کیسی رہی؟ میں نے جواب دیا ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی کنویں کے ڈول کی طرح ہے، کبھی وہ ہم سے لے لیتے ہیں، اور کبھی ہم ان سے لے لیتے ہیں، یعنی کبھی مسلمان غالب آجاتے ہیں اور کبھی ہم غالب آجاتے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا کبھی انہوں نے (محمد ﷺ) نے عہد و پیمان کی وعدہ خلافی کی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا، مگر آج کل ہمارا اور ان کا ایک معاہدہ ہوا ہے، معلوم نہیں اس میں کیا صورت ہوتی ہے۔ حضرت ابوسفیان ؓ نے بیان کیا کہ اللہ کی قسم! مجھ کو سوائے اس آخری بات کے کچھ زیادہ بڑھانے کی گنجائش نہیں ملی۔ پھر ہرقل نے پوچھا کہ کیا ان سے پہلے بھی کبھی کسی نے انکے خاندان میں ایسا دعویٰ (دعویٰ نبوت) کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں۔

اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ تم سے ان کا حسب پوچھا، تو تم نے کہا کہ وہ عالی حسب ہیں، اور پیغمبر ہمیشہ عالی حسب ونسب والے ہی ہوتے ہیں، پھر پوچھا کہ ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوا ہے، تم نے کہا نہیں۔ ہرقل نے کہا کہ اس وقت میں سوچا تھا کہ اگر تم نے کہا کہ کوئی بادشاہ ہوا ہے، تو میں کہہ دوں گا کہ دعویٰ نبوت ایک حیلہ ہے، وہ اپنے باپ دادا کی بادشاہت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

میں ے ان کے ماننے والوں کے متعلق پوچھا کہ وہ امیر اور معزز ہیں یا غریب اور کمزور لوگ ہیں؟ تو تم

نے کہا غریب اور کمزور لوگ ہیں اور پیغمبروں کے ماننے والے اکثر غریب و کمزور ہی ہوتے ہیں، اور میں نے پوچھا کہ کبھی تم نے اس دعویٰ نبوت سے پہلے ان کو جھوٹ بولتے سنا ہے؟ تو تم نے کہا نہیں، اس لئے میں جان گیا کہ بے شک جو لوگوں پر جھوٹ نہیں بولتا تو اللہ تعالیٰ پر وہ کیسے جھوٹ بولے گا۔

اور میں نے تم سے سوال کیا کہ اس کے دین سے کوئی بدظن ہو کر پھرا بھی ہے یعنی مرتد بھی ہوا ہے کوئی؟ تو تم نے کہا نہیں، لہٰذا ایمان کی علامت یہی ہے کہ جب وہ دل میں بیٹھ جاتا ہے، تو پھر نکلتا نہیں ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ ان کے ماننے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ تو تم نے کہا کہ ان کی تعداد بڑھ رہی ہے، اور ایمان کی یہی خاصیت ہے کہ وہ بڑھتا ہی رہتا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا تم نے ان سے کبھی جنگ بھی کی ہے؟، تو تم نے کہا ہاں، اور اس میں کبھی وہ، کبھی ہم غالب رہے ہیں اور رسولوں کی یہی حالت ہوا کرتی ہے، اور آخر وہی فتح پاتے ہیں۔

پھر میں نے پوچھا کہ وہ عہد و پیمان کی وعدہ خلافی کرتے ہیں یا نہیں؟، تو تم نے کہا نہیں، اور رسول وعدہ خلافی کبھی نہیں کرتے، پھر میں نے تم سے پوچھا کہ اس سے پہلے بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، تو تم نے کہا نہیں، ہرقل نے کہا کہ میں نے اپنے دل میں سوچا تھا اگر کسی نے دعویٰ کیا ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ یہ نبی نہیں ہیں، بلکہ اپنے پہلے والے کی پیروی کر رہا ہے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر ہرقل نے پوچھا کہ وہ تم کو کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ تو میں نے کہا کہ وہ ہمیں نماز، زکوٰۃ، صلہ رحمی اور پرہیزگاری کا حکم دیتے ہیں۔

اس کے بعد ہرقل نے کہا کہ اگر تم اپنے بیان میں سچا ہے تو بے شک وہ سچے نبی ہیں، اور میں جانتا تھا کہ ان کا ظہور ہونے والا ہے، مگر یہ معلوم نہ تھا کہ وہ تم میں پیدا ہوں گے، اگر یہ معلوم ہوتا تو میں ضرور ان کی خدمت میں پہنچتا، اور ان سے ملاقات کو پسند کرتا۔ اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو خود ان کے پاؤں دھوتا اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان کی حکومت ضرور میرے قدموں تک پہنچے گی۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہرقل نے پھر رسول اللہ ﷺ کا خط منگوایا اور اس کو دوبارہ پڑھا، مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم — یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے ہرقل کے نام جو روم کا بادشاہ ہے: جو دین حق کی پیروی کرے گا اس پر سلامتی۔ اما بعد! میں تم کو کلمہ اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو سلامت رہو گے، اور مسلمان ہو گئے تو دوگنا ثواب تم کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا، تو تمہاری رعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ بھی تمہارے ہی سر پر ہوگا۔ اور یہ کہ ﴿**قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ**﴾ یعنی اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ آخر آیت تک۔ جب ہرقل خط سے فارغ

ہوا تو اس کے دربار میں آوازیں بلند ہونے لگیں اور عجیب ہلچل مچ گئی، اور ہمارے متعلق حکم دیا کہ ہم کو باہر نکال دیا جائے۔ حضرت ابوسفیان ﷛ کا بیان ہے کہ میں نے باہر نکلتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابن ابی کبشہ یعنی رسول اللہ ﷺ کے کام میں بڑی مضبوطی پیدا ہوگئی ہے، اور اب اس سے بادشاہِ روم بھی ڈرنے لگا ہے ہیں۔

حضرت ابوسفیان ﷛ کا بیان ہے کہ اس وقت مجھے یہ یقین ہوگیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ضرور غلبہ ہوکر رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دین اسلام میں داخل ہونے کی سعادت عطا فرمائی۔

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہرقل نے تمام رؤسا کو بلایا اور انہیں اپنے ایک خاص گھر میں جمع کیا اور ان سے کہا کہ اے اہل روم! کیا تم چاہتے ہو کہ ہمیشہ سلامت رہو، اور تمہارے ملک تمہارے ہاتھ میں رہیں؟ (تو ہدایت اور ہمیشہ کی سلامتی کی طرف آؤ)، بیان کرتے ہیں کہ لوگ یہ بات سنتے ہی نیل گائے کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے، مگر انہوں نے دروازے بند پائے۔ پھر ہرقل نے سب کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ بھاگو نہیں، میرے قریب آؤ، سب آگئے تو ہرقل نے کہا کہ میں تم لوگوں کا امتحان لے رہا تھا، میں خوش ہوں کہ تم اپنے دین پر قائم اور ثابت ہو، اس کے بعد سب خوش ہوگئے، اور ہرقل کو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہوگئے۔

حدیث مذکورہ پر ایک تاریخی اشکال

یہاں تاریخی اعتبار سے ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سورہ آل عمران کی یہ آیت ﴿**قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ**﴾ جو نصاریٰ سے متعلق ہے، اس کا شان نزول جس پر بیشتر مفسرین متفق ہیں کہ نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا تھا جن سے نبی کریم ﷺ کا مکالمہ ہوا تھا اس موقعہ پر یہ آیات نازل ہوئیں انہیں کا ایک حصہ یہ بھی ہے۔

اب تاریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نصاریٰ نجران کا وفد ۹ھ میں آیا ہے، کیونکہ ان سے جزیہ کا مطالبہ کیا گیا تھا اور جزیہ فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں فرض ہوا اور قیصرِ روم ہرقل کو خط بھیجنے کا واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے جو زیادہ سے زیادہ ۶ھ بنتی ہے۔

۶ھ میں نہ نجران کا وفد آیا تھا اور نہ سورہ آل عمران کی متعلقہ آیات نازل ہوئیں تھیں، جن میں مذکورہ آیت بھی داخل ہے۔

تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ۶ھ میں قیصر روم ہرقل کے نام خط میں رسول اللہ ﷺ نے وہ آیات کریمہ تحریر فرمادیں، جو کہ ۹ھ میں تین سال بعد نازل ہوئیں؟

اس اشکال کی وجہ سے بعض لوگوں نے اس روایت کی صحت پر شک کا اظہار کر دیا کہ یہ روایت ہی صحیح

نہیں ہے، کیونکہ اس میں تاریخی اشکال ہے۔

اشکال کا جواب

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اعتراض اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ وفد کی آمد ٩ ھ میں متعین کی گئی اور یہ کہ جزیہ فتح مکہ کے بعد لاگو کیا گیا ہے، تو عین ممکن ہے کہ نجران کا وفد پہلے آ گیا ہو اور مکالمہ وغیرہ پہلے ہو چکا ہو اور جزیہ کے احکام بعد میں آئے ہوں، لہٰذا یہ آیت پہلے نازل ہو چکی ہو۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ سورۃ آل عمران کی جن آیتوں میں نصاریٰ کا ذکر ہے ان میں سے بیشتر نجران کے وفد کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی ہیں لیکن مذکورہ آیت پہلے نازل ہو چکی ہو۔

تو دونوں احتمال موجود ہیں، ان احتمالات کی موجودگی میں یہ کہنا درست نہیں کہ یہ آیت خط لکھنے کے بعد نازل ہوئی تھی۔[٢]

(٥) باب: ﴿لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ الآية [آل عمران: ٩٢]

باب: "تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کیلئے) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں"۔

٤٥٥٤ - حدثنا اسماعيل قال: حدثني مالك، عن اسحاق بن عبدالله بن أبي طلحة: انه سمع أنس بن مالك رضي الله عنه يقول: كان أبو طلحة أكثر أنصاري بالمدينة نخلا، وكان أحب أمواله اليه بيرحاء وكانت مستقبلة المسجد، وكان رسول الله ﷺ يدخلها ويشرب من ماء فيها طيب، فلما انزلت ﴿لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ قام أبو طلحة، فقال: يارسول الله ان الله يقول ﴿لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ وان أحب اموالي الي بيرحا وانها صدقة لله أرجو برّها وذخرها عندالله، فضعها يارسول الله حيث أراك الله. قال رسول الله ﷺ: ((بخ ذلك مال رايح. ذلك مال رايح. وقدسمعت ماقلت، واني أرى أن تجعلها في الأقربين)). قال أبو طلحة: افعل يارسول الله، فقسمها أبو طلحة في أقاربه وبني عمه.

---

[٢] مزید تفصیل وتشریح کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ١، ص: ٢٤٩-٢٨٩، وعمدة القاری، ج: ١، ص: ١٦٣

قال عبداللہ بن یوسف وروح بن عبادۃ: ((ذلک مال رابح)).

حدثنی یحیی بن یحیی قال: قرأت علی مالک: ((مال رایح)). [راجع: ۱۴۶۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں انصاری لوگوں میں سب سے زیادہ باغات حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور انہیں اپنی تمام جائیداد میں بیرحاء سب سے زیادہ پسند تھا اور یہ باغ مسجد نبوی سے قریب تھا، رسول اللہ ﷺ اکثر وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کو پیا کرتے تھے، پھر جب یہ آیت ﴿لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کو علم ہے کہ میں بیرحاء کو بہت پسند کرتا ہوں اور اللہ جل جلالہ فرماتا ہے کہ ﴿لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ یعنی تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کیلئے) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔ لہٰذا میں بیرحاء کو اللہ جل جلالہ کے نام پر صدقہ کرتا ہوں اور اللہ جل جلالہ سے ثواب کی امید رکھتا ہوں، تو اے اللہ کے رسول! آپ جس طرح چاہیں اس باغ کو اللہ جل جلالہ کی مرضی کے مطابق استعمال میں لائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ واہ شاباش (یعنی اس نیک کام پر ان کی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ) یہ مال تو فناء ہونے والا ہے (لیکن یہ کام تم کو آخرت میں بہت فائدہ پہنچائے گا)، اور میں نے سن لیا ہے جو کچھ تم نے کہا (یعنی تمہاری نیت معلوم کرلی ہے)، میرا خیال ہے تم اس باغ کو اپنے غریب رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ایسے ہی کرتا ہوں جیسے آپ نے فرمایا، پھر اس باغ کو انہوں نے اپنے رشتہ داروں میں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا۔

عبداللہ بن یوسف اور روح بن عبادہ نے (بجائے **"مال رایحٌ"** کے) **"ذلک مال رابح"** کہا ہے یعنی یہ مال نفع دینے والا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ بن یحییٰ نے اس طرح یہ روایت کی ہے کہ **"ذلک مال رایحٌ"** یعنی یہ مال فنا ہونے والا ہے۔

۴۵۵۵ ۔ حدثنا محمد بن عبداللہ: حدثنا الأنصاري: حدثنی أبی، عن ثمامۃ، عن انس رضی اللہ عنہ قال: فجعلها لحسان وأبی وأنا أقرب إلیه ولم یجعل لی منها شیئا. [راجع: ۱۴۶۱]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیرحاء کو تقسیم کرتے وقت حسان اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کو تو دیا، مگر مجھے کچھ نہیں دیا، حالانکہ میں ان سے رشتہ میں بہت قریب تھا۔

تشریح

یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کہہ رہے کہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے زیادہ قریب تھا لیکن مجھے کچھ نہیں دیا اور

حضرت حسان بن ثابت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کو اس میں سے حصہ دیا۔

پیچھے آپ وصایا میں پڑھ کر آئے ہیں کہ وہاں یہ کہا تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ قریب تھے۔ پورا نسب بتایا تھا، کہتے ہیں کہ نسب کے اعتبار سے وہ زیادہ قریب ہے، یہاں میں زیادہ قریب تھا، تو دونوں میں تطبیق یوں ہے کہ نسب کے اعتبار سے وہی قریب تھے لیکن اپنے تعلقات کے لحاظ سے حضرت ابوطلحہ سے یہ زیادہ قریب تھے تو تعلقات کا ذکر رہے ہیں۔

(۶) باب: ﴿قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوْهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾ [آل عمران: ۹۳]

باب: ''(اے پیغمبر! یہودیوں سے) کہہ دو کہ: ''اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اس کی تلاوت کرو''۔

یہ پوری آیت اس طرح ہے:

﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِبَنِيْ إِسْرَآءِيْلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوْهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾

ترجمہ: توارت کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں (جو مسلمانوں کے لئے حلال ہیں) بنی اسرائیل کیلئے (بھی) حلال تھیں، سوائے اُس چیز کے جو اِسرائیل (یعنی یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اُوپر حرام کر لی تھی۔ (اے پیغمبر! یہودیوں سے) کہہ دو کہ: ''اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اس کی تلاوت کرو''۔

یہود کے اعتراض کا جواب

یہود آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم اپنے کو دین ابراہیم پر کیسے بتلاتے ہو جب کہ وہ چیزیں کھاتے ہو جو اللہ جل جلالہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے پر حرام کی تھیں جیسے اونٹ کا گوشت اور دودھ۔ اس مقام پر اللہ جل جلالہ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں اب لوگ کھاتے ہیں سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت

میں بھی حلال تھیں یہاں تک کہ تورات نازل ہوئی۔

بے شک تورات میں خاص بنی اسرائیل پر بعض چیزیں حرام ہوئی ہیں، مگر اونٹ تورات سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کے کھانے کی قسم کھائی تھی، ان کی پیروی میں ان کی اولاد نے بھی اس کو کھانا چھوڑ دیا تھا اور اس قسم کا سبب یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ''عرق النساء'' کا درد تھا، تو اس بیماری کے وقت یہ نذر کی کہ اگر اس بیماری سے صحت پائی تو جو چیز میری رغبت کی ہے، میری پسند کی ہے اسے چھوڑ دوں گا، اور ان کو یہی اونٹ کا گوشت اور دودھ بہت زیادہ مرغوب تھا، سو نذر کے سبب چھوڑ دیا۔

اس قسم کی نذر جو تحریم حلال پر مشتمل ہو ہماری شریعت میں روا نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ [التحريم: ١]

ترجمہ: اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے، تم اُسے کیوں حرام کرتے ہو؟

اس لئے اگر ایسی نذر مان لی ہے تو اس کو توڑ دے اور کفارۂ یمین ادا کرے۔ [۳]

۴۵۵۶ ـ حدثني ابراهيم بن المنذر: حدثنا أبوضمرة: حدثنا موسى بن عقبة، عن نافع، عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما: أن اليهود جاؤا إلى النبي ﷺ برجل منهم وامرأة قد زنيا فقال لهم: ((كيف تفعلون بمن زنى منكم؟)) قالوا: نُحَمِّمُهما ونضربهما، فقال: ((لا تجدون في التوراة الرّجم؟)) فقالوا: لانجد فيها شيئا، فقال لهم عبدالله بن سلام: كذبتم فأتوا بالتوراة فاتلوها إن كنتم صادقين. فوضع مِدراسها الذى يدرسها منهم كفه على آية الرجم فطفق يقرأ مادون يده وما وراء ها ولايقرأ آية الرجم، فنزع يده عن آية الرجم فقال: ماهذه؟ فلما رأو ذلك قالوا: هي آية الرجم فأمربهما فرجما قريبا من حيث موضع الجنائز عند المسجد. قال: فرأيت صاحبها يجنأ عليها يقيها الحجارة. [راجع: ۱۳۲۹]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہودی اپنی قوم کے ایک مرد اور عورت کو جنہوں نے زنا کیا تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔ آپ نے ان دریافت فرمایا کہ تمہارے یہاں جو شخص زنا کرے اسکے ساتھ تم لوگ کیا کرتے ہو یعنی کیا سزا دیتے ہو؟ یہودی کہنے لگے کہ ان دونوں کا منہ کالا کرکے اچھی طرح مارتے پیٹتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو تورات میں سنگسار کرنے کا حکم نہیں ملا؟ کہنے لگے کہ ہم تورات میں اس طرح کا کوئی حکم نہیں پاتے، تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ان سے کہا کہ تم لوگ

---

[۳] تفسیر عثمانی، سورہ آل عمران، آیت: ۹۳، فائدہ: ۲، و آسان ترجمۂ قرآن، سورہ آل عمران، آیت: ۹۳، ج: ۱، ص: ۲۰۹

جھوٹ بولتے ہو، اگر تم سچے ہو تو رات لاکر پڑھو۔ (چنانچہ جب وہ یہودی تورات لے کر آئے) تو ان میں تورات کا عالم جو تورات پڑھایا کرتا تھا اس نے پڑھا تو رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور ادھر ادھر سے پڑھنا شروع کر دیا لیکن آیت رجم کو نہیں پڑھا۔ تو حضرت عبداللہ بن سلام ﷺ نے اس کا ہاتھ اُس آیتِ رجم سے ہٹایا اور کہا کہ یہ کیا ہے جس کو تم چھپا رہے تھے؟ جب انہوں نے اسے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہی آیتِ رجم ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کے بعد ان کو مسجد کے قریب ہی جنازہ گاہ میں سنگسار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ وہاں پر ان دونوں کو سنگسار کیا گیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ زانیہ کا ساتھی زانیہ پر جھک جاتا تھا، تاکہ پتھروں سے اس کو بچا سکے۔

(۷) باب: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [۱۱۰]

باب: ”(مسلمانو!) تم وہ بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے فائدے کیلئے وجود میں لائی گئی ہے“۔ [۲]

[۲] گزشتہ رکوع کے شروع میں فرمایا تھا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ﴾ درمیان میں اسی کی مناسبت کچھ اوامر و نواہی اور وعد و وعید آ گئی، یہاں سے پھر اسی اول مضمون کی تکمیل کی جاتی ہے یعنی اے مسلمانو! اللہ ﷻ نے تم تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے اسکے علم ازلی میں پہلے سے یہ مقدر ہو چکا تھا جس کی خبر بعض انبیاء سابقین کو بھی دیدی گئی تھی کہ جس طرح نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہوں گے، آپ کی امت بھی جملہ امم و اقوام پر گوئے سبقت لے جائیں گی، کیونکہ ان کو سب سے اشرف و اکرم پیغمبر نصیب ہوگا، دوم واکمل شریعت ملے گی علوم و معارف کے دروازے اس پر کھول دیے جائیں گے، ایمان و عمل و تقویٰ کی تمام شاخیں اسکی محنت اور قربانیوں سے سرسبز و شاداب ہوں گی، وہ کسی خاص قوم و نسب یا مخصوص ملک و اقلیم میں محصور نہ ہوگی، بلکہ اسکا دائرہ عمل سارے عالم کو اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا، گویا اس کا وجود ہی اس لئے ہوگا کہ دوسروں کی خیر خواہی کرے اور جہاں تک ممکن ہو انہی جنت کے دروازوں پر لا کھڑا کردے ﴿أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے۔

اس سورت کے نویں رکوع میں ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ﴾ سے نبی کریم ﷺ کی امامت و جامعیت کبریٰ کا بیان ہوا تھا، دسویں رکوع میں ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ بِبَكَّةَ﴾ سے اس امت کے قبلہ کی برتری دکھلائی، گیارہویں رکوع میں ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا﴾ سے اس امت کی کتاب و شریعت کی مضبوطی کا اظہار فرمایا۔ اب یہاں بارہویں رکوع کے آغاز سے خود امت مرحومہ کی فضیلت و عظمت کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

﴿وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ برے کاموں میں کفر، شرک، بدعات، رسوم قبیحہ، فسق و فجور اور ہر قسم کی بد اخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں، ان سے روکنا بھی کئی طرح ہوگا، کبھی زبان سے، کبھی ہاتھ سے، کبھی قلم سے، کبھی تلوار سے، غرض ہر قسم کا جہاد اس میں داخل ہو گیا، یہ صفت جس قدر عموم و اہتمام سے امت محمدیہ میں پائی گئی، پہلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ تفسیر عثمانی، سورہ آل عمران، آیت: ۱۱۰، فائدہ: ۸۔

۴۵۵۷ ۔ حدثنا محمد بن یوسف، عن سفیان، عن میسرة، عن أبی حازم، عن أبی هریرة ﷺ ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ قال: خیر الناس للناس، تأتون بهم فی السلاسل فی أعناقهم حتی یدخلوا فی الإسلام. [راجع: ۳۰۱۰]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بہتر انسان لوگوں کو نفع پہنچانے والے وہ ہیں جو لوگوں ان کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر انہیں لاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

تشریح

"خیر الناس للناس" یعنی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہ **"خیر"** سے متعلق ہے **"أخرجت"** سے متعلق نہیں ہے، یہ نہیں ہے کہ لوگوں کیلئے نکالی گئی بلکہ **"خیر أمة للناس"** تم لوگ دوسرے لوگوں کے لئے بہترین لوگ ہو۔

"یأتون" کہ وہ لے کر آئے ہیں لوگوں کو اس حالت میں کہ ان کی گردنوں میں زنجیریں ہوتی ہیں یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

بہت سے لوگ جنگ میں قیدی بن کر آتے ہیں لیکن بالآخر جنگ میں قید ہونا ان کے اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ وسبب بن جاتا ہے تو یہ قید ہو کر آنا انکے حق میں بہتر ہوتا ہے، اس لئے **"خیر أمة للناس"** ہے۔

اور دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں ہے کہ لوگوں کو اس حالت میں لائے ہیں کہ ان کے گردنوں میں کفر وشرک کی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں، غیر اللہ کی عبادت کی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں اور پھر امت کی تعلیم وتبلیغ سے مسلمان ہو جاتے ہیں تو اس واسطے یہ امت دوسرے لوگوں کیلئے بہتر ہے۔

(۸) باب ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا﴾ [۱۲۲]

باب: ''جب تم ہی میں سے دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں''۔ ۵

۵ اس آیت میں جنگ احد کا واقعہ یاد دلایا ہے، صورت یہ ہوئی تھی کہ رمضان المبارک سن ۲ ہجری میں بدر کے مقام پر قریشی فوج اور مسلمان مجاہدین میں مڈبھیڑ ہوگئی، جس میں کفار مکہ کے ستر نامور اشخاص مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے، اس تباہ کن اور ذلت آمیز شکست سے قریش کا شعلۂ انتقام بھڑک اٹھا، جو سردار مارے گئے تھے ان کے اقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی اور اہل مکہ سے اپیل کی کہ تجارتی قافلہ جو مال شام سے لایا ہے (وہی باعث جنگ بدر ہوا تھا) سب اسی مہم کے نذر کر دیں .... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾ ....

۴۵۵۸ - حدثنا علی بن عبداللہ: حدثنا سفیان قال: قال عمرو: سمعت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہما یقول: فینا نزلت ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾ قال: نحن الطائفتان، بنو حارثة و بنو سلمة وما نحب - وقال سفیان مرة: وما یسرنی - أنها لم تنزل لقول اللہ: ﴿وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾. [راجع: ۴۰۵۱]

﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾ .... تا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں سب نے منظور کیا اور سن ۳ ہجری میں قریش کے ساتھ بہت سے دوسرے قبائل بھی مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے حتی کہ عورتیں بھی ساتھ آئیں تا کہ موقع پیش آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں۔

جس وقت یہ تین ہزار کا لشکر اسلحہ وغیرہ سے پوری طرح آراستہ ہو کر مدینہ سے تین چار میل جبل احد کے قریب خیمہ زن ہوا، تو نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا، آپ ﷺ کی رائے مبارک یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ بہت آسانی اور کامیابی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے، اس کی تائید آپ کے ایک خواب سے ہوئی تھی، یہ پہلا موقع تھا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سے بھی رائے لی گئی جو حضور ﷺ کی رائے سے موافق تھی، مگر بعض پر جوش مسلمان جنہیں بدر کی شرکت نصیب نہ ہوئی تھی اور شوق شہادت بے چین کر رہا تھا، مصر ہوئے کہ ہم کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے، تا کہ دشمن ہماری نسبت بزدلی اور کمزوری کا گمان نہ کرے، کثرت رائے اسی طرف ہوگئی، اسی حیص بیص میں آپ ﷺ مکان کے اندر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر آئے اس وقت بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم نے آپ ﷺ کی رائے کے خلاف مدینہ سے باہر لڑائی کرنے پر مجبور کیا، انہوں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ ﷺ کا منشاء نہ ہو تو یہیں تشریف رکھئے، فرمایا ایک پیغمبر کو سزاوار نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے اور ہتھیار لگا لے پھر بدون قتال کئے بدن سے اتارے، جب آپ ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تقریباً ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ تھے مگر عبداللہ بن ابی تقریباً تین سو آدمیوں کو (جن میں بعض مسلمان بھی تھے) ساتھ لے کر راستہ سے یہ کہتا ہوا واپس ہوگیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہم کو لڑنے کی ضرورت نہیں۔ کیوں خواہ مخواہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں، بعض بزرگوں نے سمجھایا بھی مگر کچھ اثر نہیں ہوا۔

آخر آپ کل سات سو سپاہیوں کی جمعیت لے کر میدان جنگ پہنچ گئے، آپ ﷺ نے بنفس نفیس فوجی قاعدہ سے صفیں ترتیب دیں، ہر ایک دستہ کو اس کے مناسب ٹھکانہ پر بٹھلایا اور فرمایا جب تک حکم نہ دوں کوئی قتال نہ کرے، اسی اثناء میں عبداللہ بن ابی کی علیحدگی سے دو قبیلے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دلوں میں کچھ کمزوری پیدا ہوئی، مسلمانوں کی قلیل جمعیت پر نظر کر کے دل چھوڑنے لگے اور خیال آیا کہ میدان سے سرک جائیں مگر حق تعالیٰ نے ان کی مدد اور دستگیری فرمائی، دلوں کو مضبوط کیا اور سمجھا دیا کہ مسلمانوں کا بھروسہ تنہا خدائے واحد کی اعانت، ونصرت پر ہونا چاہئے تعداد اور سامان وغیرہ کوئی چیز نہیں جب وہ مظفر ومنصور کرنا چاہے تو سب سامان رکھے رہ جاتے ہیں اور غیبی تائید سے فتح مبین حاصل ہو جاتی ہے جیسے معرکہ بدر میں ہوا، پس مسلمانوں کو صرف اللہ ﷻ سے ڈرنا چاہئے تا کہ اس کی طرف سے مزید انعام واحسان ہو اور مزید شکر گزاری کا موقع ملے، دو فرقوں سے مراد بنو سلمہ و بنو حارثہ ہیں، گو اس آیت میں ان پر چشمک کی گئی، لیکن ان کے بعض بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کا نازل نہ ہونا ہم کو پسند نہ تھا کیونکہ ﴿واللہ ولیھما﴾ کی بشارت عتاب سے بڑھ کر ہے۔ تفسیر عثمانی، سورہ آل عمران، آیت: ۱۲۲، فائدہ: ۲، و آسان ترجمہ قرآن، ج: ۱، ص: ۲۱۸

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ قرآن کی یہ آیت ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾ ہمارے حق میں نازل کی گئی تھی، کیونکہ ہمارے ہی دو گروہ تھے، ایک بنی سلمہ، ایک بنی حارث، ہم اس آیت کے نزول کو اچھا خیال رپسند کرتے ہیں، اور سفیان بن عیینہ نے ایک مرتبہ اس طرح سے بیان کیا کہ ہم کو اس وجہ سے خوشی ہوئی کہ ﴿وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾ اللہ ان دونوں گروہوں کا محافظ و مددگار ہے۔

بنو حارثہ و بنو سلمہ کیلئے باعث فخر

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ الخ﴾ دو طائفوں یعنی بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

غزوۂ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی جب تین سو افراد کے ساتھ واپس چلا گیا تو بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دل میں بھی خیال پیدا ہوا کہ ہم بھی چلے جاتے۔ لیکن اللہ جل جلالہ نے پھر ان کو محفوظ رکھا۔

اگر چہ قرآن کریم میں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ ﴿أَنْ تَفْشَلَا﴾ اگر چہ اس میں ہماری کمزوری کا ذکر ہے جو بظاہر اچھی بات نہیں ہے، مگر اسکے باوجود مجھے اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ سے خوشی ہے بجائے اس کے کہ مجھے اس کا نازل نہ ہونا کوئی خوشی دیتا۔

اور وہ خوشی اس واسطے کہ اس آیت میں اللہ جل جلالہ نے فرمایا کہ ﴿وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾ یعنی اللہ ان دونوں گروہوں بنو حارثہ اور بنو سلمہ کا محافظ و مددگار ہے، تو اللہ جل جلالہ نے ہمارے لئے اپنے ولی ہونے کی شہادت دیدی کہ ہم ان کے ولی ہیں تو اس واسطے ہمیں تو اچھا لگتا ہے کہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے ایک سند ہے ہمارے لئے۔

(۹) باب: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ [۱۲۸]

باب: ''(اے پیغمبر!) تمہیں اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں''۔

آیت کے نزول کا پس منظر

غزوۂ احد میں ستر (۷۰) صحابہ شہید ہوئے تھے، جن میں حضور اقدس ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، مشرکینِ قریش نے نہایت وحشیانہ طور پر شہداء کا مثلہ کیا، ناک، کان وغیرہ کاٹے، پیٹ چاک کئے حتی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر نکال کر چبایا گیا۔

خود نبی کریم ﷺ کو بھی اس لڑائی میں زخم پہنچے، سامنے کے چار دانتوں میں سے نیچے کا دائیں طرف

کا دانت شہید ہوا، خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں، پیشانی زخمی ہوئی اور بدن مبارک لہولہان تھا اسی حالت میں آپ کا پاؤں لڑکھڑایا اور زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔

اس موقعہ پر کفار نے مشہور کر دیا کہ محمد (ﷺ) قتل ہو گئے ہیں - نعوذ باللہ - اس افواہ کے سنتے ہی مسلمانوں کے لشکر میں بدحواسی پھیل گئی، تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ کو ہوش آیا، اس وقت زبان مبارک سے نکلا **''وہ قوم کیونکر فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کیا اور ان کے دانت توڑ دیئے، اس لئے کہ وہ نبی ان کو خدا کی طرف بلاتا تھا''**۔ [۶]

مشرکین کے وحشیانہ شدائد و مظالم کو دیکھ کر آپ ﷺ سے نہ رہا گیا اور ان میں سے چند نامور اشخاص کے حق میں آپ ﷺ نے بددعا کا ارادہ کیا یا شروع کر دی جس میں ظاہر ہے آپ ﷺ ہر طرح حق بجانب تھے مگر حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ آپ اپنے منصب جلیل کے موافق اس سے بھی بلند مقام پر کھڑے ہوں، وہ ظلم کرتے جائیں آپ ﷺ خاموش رہیں جتنی بات کا آپ ﷺ کو حکم ہے (مثلاً دعوت و تبلیغ اور جہاد وغیرہ) اسے انجام دیتے رہیں، باقی ان کا انجام خدا کے حوالے کریں، اس کی جو حکمت ہوگی کرے گا۔

آپ ﷺ کی بددعا سے ہلاک کر دئے جائیں کیا اس کی جگہ یہ بہتر نہیں کہ ان ہی دشمنوں کو اسلام کا محافظ اور آپ ﷺ کا جاں نثار عاشق بنا دیا جائے؟

چنانچہ جن لوگوں کے حق میں آپ ﷺ بددعا کرتے تھے، چند روز کے بعد سب کو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے قدموں پر لا ڈالا، اور اسلام کا جانباز سپاہی بنا دیا، غرض **﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾** میں آپ ﷺ کو متنبہ فرمایا کہ بندہ کو اختیار نہیں نہ اس کا علم محیط ہے اللہ ﷻ جو چاہے سو کرے، اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں لیکن چاہے وہ ان کو ہدایت دے، چاہے عذاب کرے تم اپنی طرف سے بددعا نہ کرو۔

بعض روایات سے ان آیات کی شان نزول کچھ اور معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے کفار کیلئے کسی اور موقع پر بددعاء بھی فرمائی تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں حضور اقدس ﷺ کو صبر و تحمل کی تعلیم دی گئی ہے۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں کئی جگہ اس پر شافی کلام کیا ہے۔ [۷]

۴۵۵۹ - حدثنا حبان بن موسی: أخبرنا عبداللہ: أخبرنا معمر، عن الزهری قال:

---

[۶] حدثنا عفان، حدثنا حماد، اخبرنا ثابت، عن انس، انّ النبی ﷺ قال یوم احد، وهو یسلت الدم عن وجهه وهو یقول: کیف یفلح قوم شجّوا نبیهم، و کسروا رباعیته وهو یدعوهم الی الله، فانزل الله عزوجل: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ [آل عمران: ۱۲۸]. مسند احمد، مسند انس بن مالک رضی الله تعالی عنه، رقم: ۱۳۶۵۷

[۷] معارف القرآن، ج: ۲، ص: ۷۵، تفسیر عثمانی، آل عمران: ۱۲۸، حاشیه: ۲، - وفتح الباری، ج: ۸، ص: ۲۲۶

حدثني سالم عن أبيه انه سمع رسول الله ﷺ اذا رفع رأسه من الركوع في الركعة الآخرة من الفجر يقول: ((اللّهم العن فلانا وفلانا وفلانا)) بعد مايقول: ((سمع الله لمن حمده، ربنا ولک الحمد))، فأنزل الله: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ الى قوله: ﴿فَإِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾.

رواه اسحاق بن راشد، عن الزهري. [راجع: ۴۰۶۹]

ترجمہ: زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے سالم رحمہ اللہ نے حدیث سنائی جو وہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فجر کی نماز میں دوسری رکعت میں رکوع سے اُٹھنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ **"اللّهم العن فلانا وفلانا وفلانا"** اے اللہ! لعنت بھیج فلاں شخص پر، فلاں شخص پر اور فلاں شخص پر، یہ بدعاء آپ ﷺ نے **"سمع الله لمن حمده، ربنا ولک الحمد"** کہنے کے بعد کی تھی۔ تو اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی **﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾** آیت کے آخر تک۔

یہ روایت اسحاق بن راشد نے امام زہری کے واسطے سے بیان کی ہے۔

۴۵۶۰ ۔ حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا إبراهيم بن سعد: حدثنا ابن شهاب، عن سعيد بن المسيب وأبي سلمة بن عبدالرحمن، عن أبي هريرة ؓ: أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يدعو على أحد أو يدعو لأحد قنت بعد الركوع فربما قال ۔ إذا قال: ((سمع الله لمن حمده))۔: ((اللّهم ربنا لک الحمد. اللّهم أنج الوليد ابن الوليد، وسلمة بن هشام، وعياش بن أبي ربيعة. اللّهم اشدد وطأتک على مضر واجعلها سنين كسني يوسف))، يجهر بذلک، وكان يقول في بعض صلاته في صلاة الفجر: ((اللّهم العن فلانا وفلانا)) لأحياء من العرب حتى أنزل الله ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ [الآية].

[راجع: ۷۹۷]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی پر بددعاء فرماتے یا کسی کے لئے دعا کرتے تھے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے، جب آپ ﷺ **"سمع الله لمن حمده۔: ربنا لک الحمد"** کہہ دیتے تو بعض اوقات فرماتے تھے کہ اے اللہ! نجات دے ولید بن ولید کو، سلمہ بن ہشام کو اور عیاش بن ابی ربیعہ کو۔ اے اللہ! تکلیف پہنچانے والی قوم کو سختی سے پکڑ لیجئے اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ جیسی قحط سالی ڈال دیجئے۔ آپ ﷺ ہمیشہ یہ بلند آواز سے کہتے تھے، اور کبھی کبھی فجر کی نماز میں بعض قبائل عرب کے لئے یہ بدعاء فرماتے اے اللہ! لعنت بھیج فلاں شخص پر، فلاں شخص پر اور فلاں شخص پر۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

آیت ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾۔

(۱۰) باب قوله تعالىٰ: ﴿وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِي أُخْرٰكُمْ﴾ [۱۵۳]

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ''اور رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے''۔

وهو تانيث آخركم، وقال ابن عباس: ﴿إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ [التوبة: ۵۲]: فتحا أو شهادة.

ترجمہ: آیت مذکورہ میں ''آخركم'' تانیث ''أُخْرٰكُمْ'' ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت ﴿احدى الحسنيين﴾ تم دو نیکیوں میں سے کسی ایک کے منتظر رہو، کا یہ مطلب بیان فرمایا کہ ایک فتح اور دوسرے شہادت۔

۴۵۶۱ ۔ حدثنا عمرو بن خالد: حدثنا زهير: حدثنا أبو اسحاق قال: سمعت البراء بن عازب رضي الله عنهما قال: جعل النبي ﷺ على الرجالة يوم أحد عبدالله ابن جبير وأقبلوا منهزمين، فذاك اذ يدعوهم الرسول في أخراهم. ولم يبق مع النبي ﷺ غير اثنى عشرا رجلاً. [راجع: ۳۰۳۹]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہے کہ کچھ لوگوں پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جبیر ﷺ کو امیر بنایا، مگر ان لوگوں نے اپنے امیر سے روگردانی کی، اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے اور باقی سب منتشر ہو گئے تھے۔ ۵

۵ [illegible]

(۱۱) باب قوله: ﴿أَمَنَةً نُعَاساً﴾ [۱۵۴]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''طمانینت بھری اُونگھ''۔

۴۵۶۲ ــ حدثنی إسحاق بن إبراهيم بن عبدالرحمن أبو يعقوب: حدثنا حسين بن محمد: حدثنا شيبان، عن قتادة قال: حدثنا أنس: أن أبا طلحة قال: غشينا النعاس ونحن في مصافنا يوم أحد، قال: فجعل سيفي يسقط من يدي وآخذه، ويسقط وآخذه. [راجع: ۴۰۶۸]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُحد کے دن جب کہ ہم میدان جنگ میں موجود تھے، ایسی اونگھ رنیند آنے لگی کہ میری تلوار میرے ہاتھ سے تلوار گرنے لگی، مگر میں نے اس کو پکڑلیا، پھر گرنے لگی تو میں نے پکڑلیا۔

اُونگھ مسلط کرنے مقصد

''غشينا النعاس'' یعنی نیند طاری ہوگئی تھی تا کہ کفار کا رعب دور ہو جائے اور سکینت نازل ہو، تو ہاتھ میں تلوار ہوتی تھی اور وہ نیند کی وجہ سے گر جاتی تھی۔

(۱۲) باب قوله تعالیٰ: ﴿الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ [۱۷۲]

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ''وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کیلئے زبردست اَجر ہے''۔

﴿اَلْقَرْحُ﴾: الجراح. ﴿اسْتَجَابُوْا﴾: اجابوا، ﴿يَسْتَجِيْبُ﴾: يجيب.

ترجمہ: ''اَلْقَرْحُ'' کے معنی زخم کے ہیں، ''اسْتَجَابُوْا'' کے معنی حکم سن کر تعمیل میں جواب دینا، ''يَسْتَجِيْبُ'' اور ماننا۔

(۱۳) باب قوله: ﴿الَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْهُمْ﴾ [۱۷۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ: ''یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کیلئے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہذا ان سے ڈرتے رہنا''۔

۴۵۶۳ - حدثنا أحمد بن یونس أراه قال: حدثنا أبو بکر، عن أبی حصین، عن أبی الضحی، عن ابن عباس: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ﴾ قالها إبراهیم ﷺ حین ألقی فی النار، وقالها محمد ﷺ حین قالوا: ﴿إِنَّ الَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِیْمَاناً وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ﴾. [أنظر: ۴۵۶۴] [۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ آیت ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ﴾ حضرت ابراہیم ﷺ نے اس وقت کہی تھی جب ان کو آگ میں ڈالا گیا اور یہی آیت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس وقت پڑھی تھی ﴿إِنَّ الَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْهُمْ الخ﴾ یعنی جب منافقوں نے مسلمانوں کو ڈرانے کے لئے کہا تھا کہ تم سے لڑنے کو بہت لوگ جمع ہو گئے ہیں۔

صحابہ کرام ﷺ کی جانثاری اور عزم و ہمت

یہ **''حمراء الأسد''** والا واقعہ ہے۔

غزوۂ احد کے بعد جب کفار واپس گئے تو راستے میں ان کو خیال آیا کہ ہم سے غلطی ہو گئی کہ مسلمانوں کو شکست خوردہ حالت میں چھوڑ آئے، ہمیں یوں کرنا چاہئے تھا کہ ایک اور حملہ کر کے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتے، اس پر کفار مشورہ کرنے لگے کہ پھر مدینہ واپس چل کر مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کی خبر ہوئی کہ کفار دوبارہ حملہ کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ احد کی لڑائی میں جو لوگ شریک تھے، وہ دشمن کا تعاقب کرنے کیلئے تیار ہو جائیں، صحابہ کرام ﷺ باوجود یہ کہ تھکے ہوئے اور شکست خوردہ تھے، پھر اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر جانے کیلئے تیار ہو گئے۔

---

[۹] انفرد به البخاری.

راستے میں جب منافقوں نے مسلمانوں کو ڈرانے کیلئے کہا کہ تم سے لڑنے کو بہت لوگ جمع ہو گئے ہیں تو اس موقع پر رسول اللہ ﷺ اوران کے جانثار صحابہ ؓ نے کہا کہ **"حَسْبُنَا اللهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ"** ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

تو اس موقع پر یہ آیت اللہ رب العزت کی طرف سے نازل ہوئی۔

۴۵۶۴ ۔ حدثنا أحمد بن يونس أراه قال: حدثنا أبو بكر، عن أبي حصين، عن أبي الضحى، عن ابن عباس قال: كان آخر قول إبراهيم حين ألقي في النار: حسبي الله ونعم الوكيل. [راجع: ۴۵۶۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جارہا تھا اس وقت آخری بات انہوں نے یہ کہی تھی کہ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہی کارساز ہے۔

(۱۴) باب: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ [الآیۃ ۱۸۰]

باب: "اور جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے (مال) میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کیلئے کوئی اچھی بات ہے"۔

یہود اور منافقین کا بخل

ابتدائے سورت کا بڑا حصہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) سے متعلق تھا، درمیان میں خاص مناسبات ووجوہ کی بنا پر غزوۂ احد کی تفصیلات آ گئیں، انہیں بقدر کفایت تمام کر کے یہاں سے پھر اہل کتاب کی شنائع بیان کی جاتی ہیں۔

چونکہ ان میں یہود کا معاملہ بہت مضررساں وتکلیف دہ تھا، منافقین بھی اکثر ان ہی میں سے تھے اور اوپر کی آیت میں آگاہ کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ اب خبیث کو طیب سے جدا کر کے رہے گا، سو یہ جدائی جس طرح جانی و بدنی جہاد کے وقت ظاہر ہوتی تھی اسی طرح مالی جہاد کے وقت بھی کھرا کھوٹا، کچا پکا صاف طور پر الگ ہو جاتا تھا۔

اس لئے بتلا دیا کہ یہود منافقین جیسے جہاد کے موقع سے بھاگتے ہیں، مال خرچ کرنے سے بھی جی چراتے ہیں لیکن جس طرح جہاد سے بچ کر دنیا میں چند روز کی مہلت حاصل کر لینا ان کے حق میں کچھ بہتر نہیں، ایسے ہی بخل کر کے بہت مال اکھٹے کر لینا بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اگر دنیا میں فرض کرو کوئی مصیبت پیش بھی نہ

آئے تو قیامت کے دن یقیناً یہ جمع کیا ہوا مال عذاب کی صورت میں ان کے گلے کا ہار بن کر رہے گا۔

اس میں مسلمانوں کو بھی کھٹکھٹا دیا کہ زکوٰۃ دینے اور ضروری مصارف میں خرچ کرنے سے کبھی جی نہ چرائیں، ورنہ جو شخص بخل و حرص وغیرہ رذیل خصلتوں میں یہود منافقین کی روش اختیار کرے گا، اسے بھی اپنے درجہ کے موافق اسی طرح کی سزا کا منتظر رہنا چاہئے، چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مانعین زکوٰۃ کا مال سخت زہریلے اژدہے کی صورت میں متمثل کر کے ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔**نعوذ باللہ منہ**۔ [۱۰]

﴿سَيُطَوَّقُونَ﴾ كقولك: طوقته بطوق

ترجمہ: "**سَيُطَوَّقُونَ**" عنقریب ان لوگوں کو طوق پہنائے جائیں، جیسا کہ تمہارا قول ہے کہ میں اس کی گردن میں طوق پہنا دیا۔

۴۵۶۵ ـ حدثني عبدالله بن منير: سمع أبا النضر: حدثنا عبدالرحمن هو ابن عبدالله بن دينار، عن أبيه، عن أبي صالح، عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ((من آتاه الله مالا فلم يؤده زكاته مثل له ماله شجاعا أقرع، له زبيبتان، يطوقه يوم القيامة يأخذ بلهزمتيه ـ يعني بشدقيه ـ يقول: أنا مالك، أنا كنزك)). ثم تلا هذه الآية ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ﴾ الى آخر الآية. [راجع: ۱۴۰۳]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ عزوجل نے مال عطاء کیا ہو اور پھر اس نے اس مال کی زکوٰۃ اداء نہ دی، تو قیامت کے روز اس کا مال اس کے لئے سانپ بن جائے گا، جو گنجا ہوگا اس کی آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے اور پھر یہ سانپ اس کے گلے میں ہار کی طرح ڈالا جائے گا اور پھر وہ سانپ اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ کر کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کردہ خزانہ ہوں، اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی **﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ﴾**۔

بخل اور زکوۃ نہ دینے پر شدید عذاب

اس آیت میں بخل کی مذمت اور اس پر وعید مذکور ہے۔

"بخل" کے معنی شرعی یہ ہیں کہ جو چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کسی پر واجب ہو اور وہ اس کو خرچ نہ کرے، جیسے زکوۃ ادا کرنا واجب ہے لیکن بخل کی وجہ سے کہ مال کم ہو جائے گا اس لئے زکوۃ اداء نہ کرے۔

---

[۱۰] تفسیر عثمانی، سورہ آل عمران، آیت: ۱۸۰، فائدہ: ۶

اسی لئے بخل حرام ہے، اور اس پر جہنم کی وعید شدید ہے۔

اور جن مواقع میں خرچ کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، وہ اس بخل حرام میں داخل نہیں، البتہ معنیٔ عام کے اعتبار سے اس کو بھی بخل کہہ دیا جاتا ہے، اس قسم کا بخل حرام نہیں، مگر خلافِ اولیٰ ہے۔

بخل کی جو سزا اس آیت میں ذکر کی گئی ہے کہ قیامت کے روز جس چیز کے دینے میں بخل کیا اس کو طوق بنا کر اس گلے میں ڈالا جائے، اس کی تفسیر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوتی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطاء کیا، پھر اس شخص نے اس مال کا حق یعنی اس کی زکوۃ ادا نہیں کی تو روزِ قیامت اس کا یہ مال ایک خوفناک سانپ کی شکل اختیار کرلے جو اتنا زہریلا ہوگا کہ اس کے سر پر کوئی بال نہیں ہوگا، اور آنکھوں پر دو دھبے ہوں گے، اور یہ سانپ اس کی گردن میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا، وہ سانپ اس شخص کے دونوں جبڑوں / باچھوں کو جکڑ کر کہے گا کہ میں تیرا مال و دولت ہوں اور وہ خزانہ ہوں جسے تو بڑے شوق سے جمع کرتا تھا۔ [۱۱]

(۱۵) باب: ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا أَذًى كَثِيْراً﴾ [۱۸۶]

باب: ''اور تم اہلِ کتاب اور مشرکین دونوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے''۔

صبر اور برداشت کی تلقین

اس آیت میں مسلمانوں کا بتلایا گیا ہے کہ دین کیلئے جان و مال کی قربانیوں سے اور کفار و مشرکین اور اہل کتاب کی بدزبانی کی ایذاؤں سے گھبرانا نہیں چاہئے، یہ سب ان کی آزمائش ہے، اور اس میں بہتر یہی ہے کہ صبر سے کام لیں اور اپنے اصل مقصد تقویٰ کی تکمیل میں مصروف رہیں، کفار و مشرکین کی جواب دہی کی فکر میں نہ پڑیں۔

۴۵۶۶ - حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري: أخبرني عروة بن الزبير أن أسامة بن زيد رضي الله عنهما أخبره أن رسول الله ﷺ ركب على حمار على قطيفة فدكية وأردف أسامة بن زيد وراءه يعود سعد بن عبادة في بني الحارث بن الخزرج قبل

---

[۱۱] معارف القرآن، ج:۲، ص:۲۵۲

وقعة بدر، قال: حتى مر بمجلس فيه عبدالله بن أبي بن سلول وذلك قبل أن يسلم عبدالله بن أبي، فإذا في المجلس أخلاط من المسلمين والمشركين عبدة الأوثان، واليهود والمسلمين، وفي المجلس عبدالله بن رواحة. فلما غشيت المجلس عجاجة الدابة خمّر عبدالله بن أبي أنفه بردائه ثم قال: لاتغبروا علينا، فسلم رسول الله ﷺ عليهم ثم وقف فنزل فدعاهم إلى الله، وقرأ عليهم القرآن. فقال عبدالله بن أبي بن سلول: أيها المرء إنّه لا أحسن مما تقول. إن كان حقا فلا تؤذنا به في مجالسنا. ارجع إلى رحلك، فمن جاءك فاقصص عليه. فقال عبدالله بن رواحة: بلى يا رسول الله فاغشنا به في مجالسنا فإنا نحب ذلك. فاستب المسلمون والمشركون واليهود حتى كادوا يتثاورون فلم يزل النبي ﷺ يخفضهم حتى سكنوا ثم ركب النبي ﷺ دابته فسار حتى دخل على سعد بن عبادة، فقال له النبي ﷺ: ((أيا سعد ألم تسمع ما قال أبو حباب؟ -يريد عبدالله بن أبي- قال كذا وكذا))، قال سعد بن عبادة: يارسول الله أعف عنه واصفح عنه، فوالذي أنزل عليك الكتاب لقد جاء الله بالحق الذي أنزل عليك، ولقد اصطلح أهل هذه البحيرة على أن يتوجوه فيعصبوه بالعصابة فلما أبى الله ذلك بالحق الذي أعطاك الله شرق بذلك، فذلك فعل به مارأيت، فعفا عنه رسول الله ﷺ وكان النبي ﷺ وأصحابه يعفون عن المشركين وأهل الكتاب كما أمرهم الله ويصبرون على الأذى، قال الله تعالى: ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوْا الكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ أشرِكُوْا أَذًى كَثِيْراً﴾ الآية. وقال الله: ﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ أَهْلِ الكِتَابِ لَوْيَرُدُّوْنَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ﴾ إلى آخر الآية. وكان النبي ﷺ يتأول العفو ما أمره الله به حتى أذن الله فيهم، فلما غزا رسول الله ﷺ بدرا فقتل الله به صناديد كفار قريش قال ابن أبي بن سلول ومن معه من المشركين وعبدة الأوثان: هذا أمر قد توجه، فبايعوا الرسول ﷺ على الإسلام فأسلموا. [راجع:۲۹۸۷]

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک گدھے پر سوار تھے، جس پر فدک کی بنی ہوئی چادر رکھی تھی، آپ ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار کرلیا، پھر آپ بنو حارث بن خزرج میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیکھنے تشریف لے گئے اور یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔

اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ راستہ میں آپ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے، ان میں (مشہور منافق) عبداللہ بن ابی بن سلول بھی بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت تک ظاہراً ابھی اسلام نہیں لایا تھا، اس مجلس میں مسلمان، بت

پرست مشرک اور یہودی سب بیٹھے ہوئے تھے اور ان میں حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ بھی بیٹھے تھے۔

جب گدھے کے چلنے سے گرد اڑی، جس نے اس مجلس کو ڈھانپ لیا، تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک کو چادر سے چھپا دیا اور کہنے لگا کہ ہم پر گرد مت اڑاؤ، رسول اللہ ﷺ نے مجلس والوں کو سلام کیا، پھر ٹھہرے اور سواری سے اترے، قرآن کی تلاوت فرمائی اور ان سب کو اللہ ﷻ کی طرف آنے کی دعوت دی، عبداللہ بن ابی نے کہا کہ جو کلام تم نے پڑھا اس سے عمدہ کوئی کلام نہیں ہے۔ اگر چہ جو تم کہہ رہے وہ سچ ہے، مگر پھر بھی اس کو ہماری مجلس میں سنا کر ہمارے کان مت کھاؤ، اپنے گھر میں جاؤ اور وہاں جو تمہارے پاس آئے اس کو سناؤ۔

تو حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ ضرور ہماری مجالس میں تشریف لایا کیجئے اور ہم کو سنایا کیجئے کیونکہ ہم کو یہ باتیں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں، ہمیں یہ باتیں پسند ہیں۔

اس کے بعد مسلمانوں، مشرکین اور یہودیوں میں آپس میں کچھ ناگوار تلخ گفتگو شروع ہوگئی یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپس میں ہاتھا پائی شروع کردیں، تو نبی کریم ﷺ ان لوگوں کو روکنے لگے، آخر معاملہ رفع دفع ہوگیا اور سب خاموش ہوگئے۔

پھر نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوگئے، اور حضرت سعد بن عبادہ ﷺ کے پاس تشریف لے گئے اور سعد بن عبادہ ﷺ سے فرمایا کہ اے سعد! کیا تم نے سنا کہ ابوحباب یعنی عبداللہ بن ابی - نے کیا باتیں کی ہیں؟ اُس نے اس قسم کی باتیں کی ہیں۔ حضرت سعد بن عبادہ ﷺ نے یہ سن کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اسے معاف کردیجئے اور اس کی باتوں کا کوئی خیال نہ فرمائیں بلکہ درگذر فرمائیں، میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس نے آپ پر قرآن اتارا ہے جو کچھ آپ پر نازل ہو رہا ہے وہ برحق اور صحیح ہے اور آپ اللہ ﷻ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔

بات یہ ہے کہ مدینہ کے لوگوں نے آپ کے تشریف لانے سے پہلے یہ طے کرلیا تھا کہ ہم عبداللہ بن ابی کو اپنا سردار بنائیں گے اور اس کو تاج پہنائیں گے، لیکن پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس حق کے ذریعے آپ کو اس نے عطاء کیا ہے، اس کو روک دیا تو یہ بات اس کو ناگوار گذری اور وہ چڑ گیا، اس لئے وہ آپ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جو آپ نے خود دیکھا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاف کردیا، کیونکہ نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام ﷺ کی یہ عادت تھی کہ وہ ہمیشہ مشرکین اور کفار کی گستاخیوں کو معاف کردیا کرتے تھے، جیسا کہ اللہ ﷻ نے ان کو حکم دیا اور ان کی جانب سے دی جانے والی تکالیف پر صبر اختیار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے کہ ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا أَذًى كَثِيْرًا﴾ اور فرمایا اللہ ﷻ نے فرمایا کہ ﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِنْ بَعْدِ

﴿إِيْمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ﴾۔

نبی کریم ﷺ ہمیشہ کافروں کی تکلیفوں پر صبر اختیار کیا کرتے تھے، جس کا اللہ ﷻ نے حکم فرمایا تھا، یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے کافروں سے جہاد کا حکم نازل فرمایا اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بدر کی جنگ کی اور اللہ نے اس غزوہ کے ذریعے سے کفار قریش کے بڑے بڑے سردار مسلمانوں کے ہاتھ قتل کروائے، تو اس وقت عبداللہ بن ابی اور اس کے مشرکین و بت پرست ساتھیوں نے کہا کہ اب تو معاملہ پلٹ گیا ہے یعنی یہ دین غالب ہوگیا اور اس میں شریک ہونے کا وقت آ گیا ہے، چنانچہ ظاہر میں آنحضرت ﷺ سے اسلام پر بیعت کرکے (بظاہر) اسلام میں داخل ہوگئے۔

(۱۶) باب: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا أَتَوْا﴾ [۱۸۸]

باب: ''یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو لوگ اپنے کئے پر بڑے خوش ہیں''۔

۴۵۶۷ـ حدثنا سعيد بن أبي مريم: حدثنا محمد بن جعفر قال: حدثني زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد الخدري ﷺ: أن رجالا من المنافقين على عهد رسول الله ﷺ، كان إذا خرج رسول الله ﷺ إلى الغزو تخلفوا عنه وفرحوا بمقعدهم خلاف رسول الله ﷺ، فإذا قدم رسول الله ﷺ اعتذروا إليه وحلفوا وأحبوا أن يحمدوا بما لم يفعلوا، فنزلت: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّوْنَ أَنْ يُحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا﴾. [۱۱]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو لوگ منافق تھے، جب رسول اللہ ﷺ جہاد کے ارادے سے تشریف لے جاتے، تو یہ منافق لوگ پیچھے رہ جاتے، اور اس بات پر بہت خوش ہوتے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں نہیں گئے، پھر جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لاتے تو یہ لوگ حاضر ہوکر عذر اور مجبوریاں بیان کرنے لگ جاتے اور قسمیں اُٹھا لیتے، اور وہ چاہتے تھے کہ جہاد کرنے والوں کے ساتھ ان کی بھی تعریف کی جائے، اس عمل پر جو انہیں نے کیا ہی نہیں تھا، اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّوْنَ أَنْ يُحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا﴾۔

---

[۱۱] وفي صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين وأحكامها، رقم: ۲۷۷۷

منافقین کیلئے عذاب کی وعید

یہ آیت ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا﴾ کہ جولوگ اتراتے ہیں اپنے عمل پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں میں جو انہوں نے نہیں کئے تو ان کیلئے عذاب کی وعید اس آیت میں ہے۔

یہ ان منافقین کے بارے میں ہے جو حضور ﷺ کے ساتھ جہاد میں نہیں جاتے تھے اور بڑے خوش ہوتے تھے کہ ہم نے بڑا اچھا کام کیا کہ نہیں گئے۔ تو جب حضور ﷺ واپس تشریف لاتے تو عذر کچھ ایسے پیش کرتے کہ حضور ﷺ ہماری تعریف کریں، کہ تم نے اچھا ہی کیا، ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

۴۵۶۸ ۔ حدثنی إبراهيم بن موسى: أخبرنا هشام: أن ابن جريج أخبرهم، عن ابن أبی مليكة أن علقمة بن وقاص أخبره: أن مروان قال لبوابه: اذهب يا رافع إلى ابن عباس فقل: لئن كان كل امرئ فرح بما أوتي وأحب أن يحمد بما لم يفعل معذبا لنعذبن أجمعون. فقال ابن عباس: مالكم ولهذه؟ إنما دعا النبی ﷺ يهود فسألهم عن شیء فكتموه إياه وأخبروه بغيره فأروه أن قد استحمدوا إليه بما أخبروه عنه فيما سألهم وفرحوا بما أتوا من كتمانهم. ثم قرأ ابن عباس ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ﴾ كذلك حتى قوله: ﴿يَفْرَحُوْنَ بِمَا أَتَوْا وَ يُحِبُّوْنَ أَنْ يُّحْمَدُوْا﴾.

تابعه عبدالرزاق، عن ابن جريج. حدثنا ابن مقاتل: أخبرنا الحجاج، عن ابن جريج: أخبرني ابن أبي مليكة، عن حميد بن عبدالرحمن بن عوف: أنه أخبره أن مروان: بهذا.

ترجمہ: حضرت علقمہ بن وقاص نے بیان کیا کہ ایک دن مروان بن حکم نے اپنے دربان سے کہا کہ اے رافع! ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے معلوم کرو کہ اگر ہر شخص اس عمل سے خوش ہو جو اس نے کیا ہو، اور اگر کوئی شخص بغیر کسی عمل کئے ہوئے اپنی تعریف کرانے کو اچھا خیال کرے تو اس کو آخرت میں عذاب ہوگا، (یہ اگر صحیح ہے) تو پھر تو ہم ضرور عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم کو اس بات سے کیا سروکار؟ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے کچھ یہودیوں کو بلا کر ان سے کوئی بات دریافت کی، انہوں نے اصلی بات کو چھپا لیا اور غلط بات بتادی، اور یہ ظاہر کرنے لگے کہ آپ ﷺ نے جو کچھ پوچھا تھا ہم نے وہی بتایا، وہ اپنی اس بات پر تعریف کے خواہشمند ہوئے، اور اپنے کتمان حق پر خوش ہوئے، اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ﴾ سے لیکر

﴿يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُحْمَدُوْا﴾ تک پڑھی۔

عبدالرزاق نے بھی ابن جریج سے اس کی روایت میں متابعت کی ہے۔اس حدیث کو ابن ابی ملیکہ نے حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف سے بھی بیان کیا ہے کہ مروان نے اس حدیث کو مجھ سے نقل کیا ہے۔

تشریح

علقمہ بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مروان بن حکم نے اپنے خادم رافع سے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے معلوم کرو کہ **"لئن كان كل امرئ فرح بما أوتي"** جو شخص کوئی عمل کرتا ہے پھر اپنے اس عمل سے خوش ہوتا کہ اللہ ﷻ کی طرف سے اسے بطور نعمت دیا گیا ہے۔

"وأحب أن يحمد بمالم يفعل، معذبا" اور اگر بغیر کسی کام کے کئے ہوئے اپنی تعریف کرانے کو اچھا خیال کرے تو اس کو آخرت میں عذاب ہوگا، **"لنعذبن اجمعون"** اگر یہ صحیح ہے تو پھر تو ہم ضرور عذاب میں ڈالے جائیں گے، کیونکہ ہم سب کی بھی یہی حالت ہے۔

مروان بن حکم کا اس بات کے متعلق سوال کرنا اس آیت کے ضمن میں تھا ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا﴾۔

"فقال ابن عباس: مالكم ولهذه؟" تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم کو اس بات سے کیا سروکار؟ تمہارا اس آیت سے تعلق کیسے ہوسکتا ہے؟

پھر اس آیت کا شان نزول بیان کیا یعنی تم جس آیت سے یہ خیال دل میں لائے ہو، اس کی وجہ تو یہ ہے کہ **"إنما دعا النبي ﷺ يهود فسألهم عن شيء"** ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے کچھ یہودیوں کو بلا کر کوئی بات دریافت کی، جو ان کی آسمانی کتاب تورات میں موجود تھی۔

"فكتموه إياه وأخبروه بغيره" انہوں نے اصلی بات کو چھپا لیا اور غلط بات بتادی۔

"فأروه أن قد استحمدوا إليه بما أخبروه عنه فيما سألهم" اور پھر یہ ظاہر کرنے لگے کہ جو آپ نے دریافت کیا تھا اسی کے متعلق بتایا ہے، اور اپنی اس بات پر وہ تعریف کے خواہشمند تھے، **"وفرحوا بما أتوا من كتمانهم"** وہ اس بات پر بہت خوش ہوئے کہ ہم نے حق بات کو چھپا دیا۔

یعنی جو پوچھا اس کے جواب میں جو غلط بات کہی اس پر تعریف چاہی اور جو حق کے بجائے جھوٹ کہا اس پر خود خیال کرنے لگے کہ چلو مفت میں ہماری نیک نامی ہوئی۔

اس شانِ نزول کو بیان کرنے کے بعد کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ سے لیکر ﴿يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا﴾ تک ۔

دراصل دونوں حدیثوں میں یہود اور منافق کے لئے تنبیہ ہے کہ یہود مسئلے غلط بتاتے ، رشوتیں کھاتے اور پیغمبر کی صفات و بشارت جان بوجھ کر چھپاتے تھے پھر خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا اور امید رکھتے کہ لوگ ہماری تعریف کریں کہ بڑے عالم اور دیندار حق پرست ہیں ۔

دوسری طرف منافقین کا حال بھی ان کے مشابہ تھا، جب جہاد کا موقع آتا گھر میں چھپ کر بیٹھ رہتے اور اپنی اس حرکت پر خوش ہوتے کہ دیکھو کیسے جان بچائی ، جب حضور ﷺ جہاد سے واپس تشریف لاتے تو غیر حاضری کے جھوٹے عذر پیش کر کے چاہتے کہ آپ ﷺ سے اپنی تعریف کرائیں ۔

ان سب کو بتلا دیا گیا کہ یہ باتیں دنیا و آخرت میں خدا کے عذاب سے چھڑا نہیں سکتیں ۔

اول تو ایسے لوگ دنیا ہی میں فضیحت ہوتے ہیں اور کسی وجہ سے یہاں بچ گئے تو وہاں کسی تدبیر سے نہیں چھوٹ سکتے ۔

آیت میں گو تذکرہ یہود یا منافقین کا ہے لیکن مسلمانوں کو بھی سنانا ہے کہ برا کام کر کے خوش نہ ہوں ، بھلا کر کے اترائیں نہیں اور جو اچھا کام کیا نہیں اس پر تعریف کے امیدوار نہ رہیں ، بلکہ کرنے کے بعد مدح سرائی کی ہوس نہ رکھیں ۔ [۳۱]

(۱۷) باب قوله: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ [آل عمران: ۱۹۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں اُن عقل والوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں“ ۔

عقل مندوں کیلئے تخلیق کائنات میں نشانیاں

﴿لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ ۔ یعنی عقل مند آدمی جب آسمان و زمین کی پیدائش اور ان کے عجیب

---

[۳۱] معارف القرآن، ج:۲، ص:۲۵۸، وتفسیر عثمانی، سورہ آل عمران، آیت:۱۸۸، فائدہ:۳، و فتح الباری، ج:۸، ص: ۲۳۵

وغریب احوال وروابط اور دن رات کے مضبوط ومحکم نظام میں غور کرتا ہے تو اس کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا مرتب ومنظم سلسلہ ضرور کسی ایک مختار کل اور قادر مطلق فرمانروا کے ہاتھ میں ہے جس نے اپنی عظیم قدرت واختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر رکھی ہے۔

کسی چیز کی مجال نہیں کہ اپنے محدود وجود اور دائرہ عمل سے باہر قدم نکال سکے، اگر اس عظیم الشان مشین کا ایک پرزہ یا اس کارخانہ کا ایک مزدور بھی مالک علی الاطلاق کی قدرت واختیار سے باہر ہوتا تو مجموعہ عالم کا یہ مکمل ومحکم نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔ [۱۴]

۴۵۶۹ ـ حدثنا سعيد بن أبي مريم: أخبرنا محمد بن جعفر قال: أخبرني شريك ابن عبدالله بن أبي نمر، عن كريب، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: بتُّ عند خالتي ميمونة فتحدث رسول الله ﷺ مع أهله ساعة ثم رقد. فلما كان ثلث الليل الآخر قعد فنظر الى السماء فقال: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ ثم قام فتوضأ واستن: فصلى احدى عشرة ركعة، ثم أذن بلال فصلى ركعتين ثم خرج فصلى الصبح. [راجع: ۱۱۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں رات کو رہا، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو کچھ دیر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کیں پھر سو گئے، اس کے بعد رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوئے، آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے وضو کیا، مسواک فرمائی، پھر گیارہ رکعت نماز ادا کی، پھر جب حضرت بلال ﷛ نے اذان کہی اور آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر مسجد میں تشریف لا کر فرض نماز جماعت سے پڑھائی۔

(۱۸) باب: ﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ الآية [۱۹۱]

باب: ''جو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں''۔

[۱۴] تفسیر عثمانی، سورہ آل عمران، آیت: ۱۹۰، فائدہ: ۵

عقل والے کون ہیں؟

قرآن وحدیث کی تفسیر وتفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل والے کہلانے مستحق صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پہچانیں، اور ہر وقت ہر حالت میں اس کو یاد کریں، اسی لئے "**أُولِي الْأَلْبَابِ**" کی صفت قرآن کریم نے یہ بتلائی ہے کہ ﴿**اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَاماً وَّقُعُوْداً وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ الخ**﴾۔

اس لئے حضرات فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی انتقال سے سے قبل یہ وصیت کر جائے کہ یہ وصیت کر جائے کہ میرا مال عقلاء کو دیدیا جائے، تو کس کو دیا جائے گا؟

اس کے جواب میں حضرات فقہائے کرام نے تحریر فرمایا کہ ایسے زاہد وعالم اس مال کے مستحق ہوں گے جو دنیا طلبی اور غیر ضروری مادّی وسائل سے دُور ہیں، کیونکہ صحیح معنی میں وہی عقلاء ہیں۔ [۱۵]

۴۵۷۰ - حدثنا علی بن عبداللہ: حدثنا عبدالرحمن بن مهدی، عن مالک بن أنس، عن مخرمة بن سليمان، عن كريب، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: بت عند خالتی ميمونة فقلت لأنظرن الى صلاة رسول اللہ ﷺ فطرحت لرسول اللہ ﷺ وسادة، فنام رسول اللہ ﷺ فی طولها فجعل يمسح النوم عن وجهه. فقرأ الآيات العشر الأواخر من آل عمران حتى ختم ثم أتى سقاء معلقا. فأخذه فتوضا ثم قام يصلى. قمت فصنعت مثل ما صنع، ثم جئت فقمت الى جنبه. فوضع يده على رأسى ثم أخذ بأذنى فجعل يفتلها. ثم صلى ركعتين، ثم صلى ركعتين، ثم صلى ركعتين، ثم صلى ركعتين، ثم صلى ركعتين، ثم صلى ركعتين، ثم أوتر. [راجع: ۱۱۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا اور رات کو وہیں ٹھہرا اور خیال کیا کہ آج دیکھوں گا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کس طرح پڑھتے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ کیلئے بستر بچھایا گیا، رسول اللہ ﷺ اس کی لمبائی میں سوگئے، نصف رات کو آپ اٹھے، چہرۂ انور پر ہاتھ پھیرنے لگے تاکہ نیند دور ہو۔ اس کے بعد سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت فرمائیں یہاں تک سورت ختم ہوگئی، پھر آپ ایک مشکیزے کے پاس آئے اور اس سے پانی لیکر وضو فرمایا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ میں بھی اٹھا اور جو کچھ آپ ﷺ نے کیا ویسا ہی سب کچھ میں نے بھی کیا، پھر میں آپ ﷺ کے

---

[۱۵] درمختار، کتاب الوصیۃ - معارف القرآن، ج:۲، ص:۲۶۵

پہلو میں کھڑا ہو گیا، تو آپ نے محبت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے کانوں کو چھوا۔ پھر آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر وتر پڑھے (یعنی کل تیرہ رکعت پڑھیں)۔

(۱۹) باب: ﴿رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارِ الَّذِيْنَ﴾ الآية [۱۹۲]

باب: ''اے ہمارے ربّ! آپ جس کسی کو دوزخ میں داخل کر دیں، اسے آپ نے یقیناً رسوا ہی کر دیا۔ اور ظالموں کو کسی قسم کے مددگار نصیب نہ ہوں گے''۔

۴۵۷۱ ـ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا معن بن عيسى، عن مالك، عن مخرمة ابن سليمان، عن كريب مولى عبدالله بن عباس: أن عبدالله بن عباس أخبره أنه بات عند ميمونة زوج النبي ﷺ وهي خالته. قال: فاضطجعت في عرض الوسادة، واضطجع رسول الله ﷺ وأهله في طولها. فنام رسول الله ﷺ حتى انتصف الليل أو قبله بقليل أو بعده بقليل ثم استيقظ رسول الله ﷺ فجعل يمسح النوم عن وجهه بيديه ثم قرأ العشر الآيات الخواتم من سورة آل عمران. ثم قام الى شن معلقة فتوضأ منها فأحسن وضوء ه، ثم قام يصلي فصنعت مثل ماصنع. ثم ذهبت فقمت الى جنبه فوضع رسول الله ﷺ يده اليمنى على رأسي وأخذ باذني اليمنى يفتلها. فصلى ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم أوتر، ثم اضطجع حتى جاء ه المؤذن. فقام فصلى ركعتين خفيفتين ثم خرج فصلى الصبح. [راجع: ۱۱۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ زوجہ محترمہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سویا، جو آپ کی خالہ تھیں۔ میں بستر کے عرض میں لیٹا سرہانے کی جانب یا پاؤں کی جانب، جبکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اہلیہ بستر طول میں لیٹے۔ پھر رسول اللہ ﷺ سو گئے، اور نصف رات کو یا اس سے تھوڑی دیر پہلے یا بعد میں آپ بیدار ہوئے، چہرۂ انور پر ہاتھ پھیرنے لگے تاکہ نیند دور ہو۔ اس کے بعد سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت فرمائیں، پھر اس کے بعد آپ اُٹھ کر ایک مشکیزے کے پاس تشریف لائے جو کہ لٹکا ہوا تھا، اس سے وضو فرمایا اور خوب اچھے انداز میں وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔

میں بھی اٹھا اور جو کچھ آپ ﷺ نے کیا ویسا ہی سب کچھ میں نے بھی کیا، پھر میں آپ ﷺ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا، تو آپ نے محبت سے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے کانوں کو چھوا۔ پھر آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر وتر پڑھے (یعنی کل تیرہ رکعت پڑھیں)۔ پھر آپ دوبارہ سے لیٹ گئے، یہاں تک کہ آپ کے پاس مؤذن آیا تو آپ ﷺ اُٹھے اور دو رکعت ہلکی نماز (فجر کی دو سنتیں) پڑھیں، اس کے بعد آپ ﷺ مسجد تشریف لے گئے اور صبح کی نماز پڑھائی۔

(۲۰) باب: ﴿رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِياً يُنَادِي لِلإِيمَانِ﴾ الآیۃ [۱۹۳]

باب: ''اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی کو سنا جو ایمان کی طرف پکار رہا تھا''۔

۴۵۷۲ - حدثنا قتيبة بن سعيد، عن مالك، عن مخرمة بن سليمان، عن كريب مولى ابن عباس: أن ابن عباس رضي الله عنهما أخبره أنه بات عند ميمونة زوج النبي ﷺ وهي خالته. قال: فاضطجعت في عرض الوسادة واضطجع رسول الله ﷺ وأهله في طولها. فنام رسول الله ﷺ حتى اذا انتصف الليل أو قبله بقليل أو بعده بقليل، ثم استيقظ رسول الله ﷺ فجعل يمسح النوم عن وجهه بيديه، ثم قرأ العشر الآيات الخواتم من سورة آل عمران. ثم قام الى شن معلقة فتوضأ منها فأحسن وضوء ه، ثم قام يصلي. قال ابن عباس: فقمت فصنعت مثل ماصنع، ثم ذهبت فقمت الى جنبه فوضع رسول الله ﷺ يده اليمنى على رأسي وأخذ باذني اليمنى يفتلها. فصلى ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم أوتر، ثم اضطجع حتى جاء ه المؤذن فقام فصلى ركعتين خفيفتين ثم خرج فصلى الصبح. [راجع: ۱۱۷]

(۴) سورة النساء

سورۂ نساء کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

وجہ تسمیہ

عبادات، اخلاق، معاشرت اور مستحکم خاندانی ڈھانچہ کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سورت خاندانی معاملات کے بارے میں مفصل اَحکام سے شروع ہوئی ہے۔

چونکہ خاندانی نظام میں عورتوں کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، اس لئے عورتوں کے بارے میں اس سورت نے تفصیلی اَحکام عطاء فرمائے ہیں، اور اسی لئے اس کا نام سورۂ نساء ہے۔

قال ابن عباس: ﴿يَسْتَنْكِفُ﴾[۱۷۲]: يستكبر.

قواما: قوامكم، من معايشكم.

﴿لَهُنَّ سَبِيْلاً﴾[۱۵]: يعني الرجم للثيب والجلد للبكر.

وقال غيره: ﴿مَثْنَى وَثُلاثَ وَرُبَاعَ﴾ [۳] يعني اثنتين وثلاثا وأربعا. ولا تجاوز العرب رباع.

ترجمہ وتشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "**يَسْتَنْكِفُ**" کا معنی غرور کرنے، تکبر کرنے کے ہیں۔

"**قواما**" کے معنی معاش کے ہیں۔

"**لَهُنَّ سَبِيْلاً**" سے مراد شادی شدہ کو سنگسار کرنا اور غیر شادی شدہ کو کوڑے لگانا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ یعنی حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ ﴿**مَثْنَى وَثُلاثَ وَرُبَاعَ**﴾ کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اس کے معنی دو دو، تین تین اور چار چار کے ہیں۔ جبکہ اہل عرب اس سے زیادہ پر اسکو نہیں بولتے تھے۔

مَثنیٰ وَثُلاثَ وَرُبَاع - کی تفصیل

حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مثنی، ثلاثاء، رُباع میں اس سے آگے نہیں جاسکتے کیوں کہ عرب کے لوگ رُباع سے آگے نہیں گئے تھے یعنی خماس اور سداس وغیرہ۔

لیکن یہ صرف حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ کا خیال ہے، دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ عربوں کے ہاں رُباع سے آگے خماس اور سداس وغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔

"**مثنی وثلاث ورباع**" کے معنی اہل ظواہر اور خوارج نے یہ لئے ہیں کہ نو تک شادیاں جائز ہیں اور بعض نے کہا کہ اٹھارہ تک جائز ہے۔

ان کے نزدیک یہ اس لئے جائز ہے کہ **مثنی** - دو اور دو جمع چار، اور **ثلاث** - تین اور تین جمع چھ، اور **رباع** - چار اور چار جمع آٹھ۔ اب ان تمام کا مجموعہ یعنی چار + چھ + آٹھ = اٹھارہ ہوا، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اٹھارہ تک شادیاں کرنا جائز ہے۔

لیکن یہ کلام عرب کے محاورات کے بالکل خلاف ہے اور اجماع امت کے بھی بالکل خلاف ہے۔ [۱]

(۱) باب: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتَامَىٰ﴾ [۳]

باب: "اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے"۔

۴۵۷۳ - حدثنا ابراهيم بن موسى: أخبرنا هشام، عن ابن جريج قال: أخبرني هشام ابن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها: أن رجلاً كانت له يتيمة فنكحها وكان لها عذق وكان يمسكها عليه ولم يكن لها من نفسه شيء، فنزلت فيه ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتَامَىٰ﴾ أحسبه قال: كانت شريكته في ذلك العذق وفي ماله.
[راجع: ۲۴۹۴]

ترجمہ: ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص ایک یتیم لڑکی کی پرورش کرتا تھا، اس شخص نے اس یتیم لڑکی سے نکاح کرلیا، اس لڑکی کا ایک کھجور کا

---

[۱] تفسیر ابن کثیر، سورۃ النساء، ج: ۲، ص: ۱۸۴

باغ تھا، اس شخص نے اس باغ کی لالچ میں ہی اس سے نکاح کیا تھا، مگر دل میں محبت نہ تھی۔ چنانچہ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ﴿وإن خفتم أن لا تقسطوا في اليتامى﴾۔

ہشام کہتے ہیں کہ شاید عروہ (ہشام کے والد حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) نے مجھ سے اس طرح بیان کیا تھا کہ اس باغ میں اور اس شخص کے دوسرے مال میں وہ یتیم لڑکی شریک کی حیثیت رکھتی تھی۔

۴۵۷۴ - حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ: حدثنا ابراھیم بن سعد، عن صالح بن کیسان، عن ابن شهاب قال: أخبرني عروة بن الزبير: أنه سأل عائشة عن قول الله تعالىٰ: ﴿وإن خفتم أن لا تقسطوا في اليتامى﴾ فقالت: يا ابن أختي، هذه اليتيمة تكون في حجر وليها تشركه في ماله ويعجبه مالها وجمالها فيريد وليها أن يتزوجها بغير أن يقسط في صداقها، فيعطيها مثل ما يعطيها غيره. فنهوا عن ذلک الا أن يقسطوا لهن ويبلغوا لهن أعلى سنتهن في الصداق، فأمروا أن ينكحوا ماطاب لهم من النساء سواهن. قال عروة: قالت عائشة: وإن الناس استفتوا رسول الله ﷺ بعد هذه الآية فأنزل الله ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَکَ فِي النِّسَاءِ﴾ قالت عائشة: وقول الله تعالىٰ في آية أخرى: ﴿وَتَرْغَبُوْنَ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ رغبة أحدكم عن يتيمته حين تكون قليلة المال والجمال، قالت فنهوا أن ينكحوا عمن رغبوا في ماله وجماله في يتامى النساء الا بالقسط من أجل رغبتهم عنهن إذا كن قليلات المال والجمال. [راجع: ۲۴۹۴]

ترجمہ: ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے خبر دی کہ انہوں (عروہ بن زبیر) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس ارشادِ باری تعالیٰ کے متعلق دریافت کیا ﴿وإن خفتم أن لا تقسطوا في اليتامى﴾ تو انہوں نے جواب دیا کہ اے میرے بھانجے! یہ آیت ایسی یتیم لڑکی کے بارے میں ہے کہ وہ اپنے والی کی پرورش میں ہو اور اس کے مال میں شریک کی حیثیت رکھتی ہو، اور والی کو اس مال اور اس کا حسن پسند بھی ہوتا تھا اور ولی سوچتا ہو کہ اس کے ساتھ نکاح کرے اس کے مہر کے معاملے میں انصاف کئے بغیر، مہر کے بارے میں بھی نیت ٹھیک نہیں ہوتی تھی اور اس کا خیال ہوتا تھا کہ دوسری سے کم مہر ادا کروں گا۔ اس لئے لوگوں کو ایسی یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے روک دیا گیا کہ وہ ایسی یتیم لڑکیوں سے اس صورت میں نکاح کریں جب ان کے ساتھ انصاف مدنظر ہو اور بہترین انداز میں ان کو مہر دیں، پھر یہ حکم دیا گیا کہ ان یتیم لڑکیوں کے علاوہ جو بھی تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلیں۔ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کئی آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو اللہ ﷻ نے آیت نازل فرمائی ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَکَ فِي النِّسَاءِ﴾ ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دوسری آیت

میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَتَرْغَبُوْنَ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ سے وہ یتیم لڑکیوں مراد ہیں جو مال بھی کم رکھتی ہوں اور حسن میں بھی کم ہوں اور ان کی طرف تم لوگ ان باتوں کی وجہ سے نکاح کرنے کی رغبت نہیں رکھتے ہو، فرماتی ہیں کہ اس لئے ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے روکا دیا گیا جو مال اور حسن دونوں کی مالک ہوں، الا یہ کہ تم انصاف کو پیش نظر رکھو، اس لئے کہ اگر وہ مال وحسن میں کم ہوتیں تو تم ان سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں کرتے تو پھر مال اور حسن والی کے ساتھ تم نکاح نہیں کر سکتے۔

یتیم لڑکیوں کی حق تلفی کا انسداد

زمانۂ جاہلیت میں جن لوگوں کی ولایت میں یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں جو شکل وصورت سے اچھی سمجھی جاتی تھیں یا ان کی ملکیت میں کوئی مال وجائیداد ہوتی تو ان کے اولیاء ایسا کرتے تھے کہ خود ان سے نکاح کرتے یا اپنی اولاد کا نکاح ان سے کر دیتے تھے، جو چاہا کم سے کم مہر مقرر کر دیا، اور جس طرح چاہا ان کو رکھا، کیونکہ وہی ان کے ولی اور نگران ہوتے تھے، ان کا باپ موجود نہ ہوتا تھا جو ان کے حقوق کی پوری نگرانی کر سکتا، اور ان کی ازدواجی زندگی کے ہر پہلو پر نظر اور فلاح وبہبود کا مکمل انتظام کر کے ان کا نکاح کر دیتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان دونوں روایت میں اسی طرح کے واقعہ کا ذکر ہے کہ عہدِ رسالت ﷺ میں ایک شخص کی ولایت میں ایک یتیم لڑکی تھی، اور اس شخص کا ایک باغ تھا جس میں یہ لڑکی بھی شامل تھی، اس شخص نے اس یتیم لڑکی سے خود اپنا نکاح کر لیا جبکہ اس کے دل میں اس لڑکی کے لئے کوئی رغبت یا محبت نہیں تھی اور پھر بجائے اس کے کہ وہ شخص اس لڑکی کو اس کا مناسب حق مہر وغیرہ اداء کرتا اس کے باغ پر بھی قبضہ کر لیا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتَامَى الخ﴾ یعنی اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں سے خود اپنا نکاح کرنے میں تم انصاف پر قائم نہیں رہو گے، بلکہ ان کی حق تلفی ہو جائے گی تو تمہارے لئے دوسری بہت سے عورتیں ہیں، ان میں جو تمہارے لئے حلال تمہارے کو پسند ہوں ان سے نکاح کر لو۔

آیت میں یتیم لڑکیوں کے ازدواجی حقوق کو پوری نگہداشت کا حکم ہے، مگر عام حکومتوں کے قانون کی طرح اس کے نافذ کرنے کی ذمہ داری براہِ راست حکومت پر ڈالنے کے بجائے خود اس میں انسان کو خدا تعالیٰ کے خوف کا حوالہ دیا گیا کہ اگر تمہیں اس میں بے انصافی کا خطرہ ہو تو پھر یتیم لڑکی سے شادی کے خیال کو چھوڑ دو دوسری عورتیں تمہارے لئے بہت ہیں ان سے نکاح کر دو۔ [۳]

---

[۳] تفسیر الکبیر، ج: ۹، ص: ۳۸۵، ومعارف القرآن، ج: ۲، ص: ۲۸۶

(٢) باب: ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيْراً فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَاشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ حَسِيْباً﴾ [٦]

باب: ''ہاں اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریق کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے۔ پھر جب تم ان کے مال انہیں دوان پر گواہ بنالو۔ اور اللہ حساب لینے کیلئے کافی ہے''۔

﴿وَبِدَاراً﴾ [٦]: مبادرة. ﴿أَعْتَدْنَا﴾ [١٨]: أعددنا، افعلنا من العتاد.

ترجمہ: ''وَبِدَاراً'' کے معنی جلدی جلدی کرنا۔

''اعتدنا'' بمعنی ''أعددنا'' بوزن ''افعلنا'' یعنی ہم نے تیار کر رکھا ہے۔

٤٥٧٥ ـ حدثني اسحاق: أخبرنا عبدالله بن نمير: حدثنا هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها في قوله تعالى: ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيّاً فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْراً فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ أنها نزلت في مال اليتيم اذا كان فقيراً أنه يأكل منه مكان قيامه عليه بمعروف. [راجع: ٢٢١٢]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيّاً فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْراً فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ خاص یتیموں کے مال کے حق میں نازل فرمائی گئی ہے، اس حالت میں جب کہ پالنے والا غریب ہو، تو اس یتیم کے مال سے جس قدر اس کی پرورش اور دیکھ بھال میں خرچ کیا ہو اس کے بدلے میں مناسب مقدار کھا سکتا ہے/لے سکتا ہے۔

ولی کو ضرورتاً لینے کا حکم

یتیم کا ولی اس کے مال میں ضرورتاً کچھ لے سکتا ہے۔

اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيّاً فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرا الخ﴾ اس آیت کی رو سے ولی یتیم کے مال سے اس کی پرورش اور دیکھ بھال کے بدلے میں مناسب مقدار میں مال لے سکتا ہے، جب وہ ولی خود غریب ہو۔

آیت میں ضابطہ ارشاد فرمایا کہ جو مالدار شخص کسی یتیم کی بچے کی تربیت اور اس کے مال کی حفاظت میں

اپنا وقت اور محنت خرچ کرتا ہے، کیا اس کو یہ حق ہے کہ یتیم کے مال میں سے اپنا حق الخدمت کچھ لے لے؟

چنانچہ ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ﴾ یعنی جو شخص حاجت مند نہ ہو اپنی ضرورت کا تکفل کسی دوسرے ذریعہ سے کرسکتا ہو، اس کو چاہئے کہ یتیم کے مال میں سے حق الخدمت نہ لے، کیونکہ یہ خدمت اس کے ذمہ فرض ہے، اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ یعنی جو یتیم کا ولی، فقیر ومحتاج ہو اور دوسرا کوئی ذریعۂ معاش نہ رکھتا ہو وہ یتیم کے مال میں سے ایک مناسب مقدار کھا سکتا ہے جس سے حاجاتِ ضروریہ پوری ہو جائیں۔

مال سپرد کرتے وقت گواہ بنانا

آخر آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا﴾ یعنی جب آزمائش کے بعد یتیموں کے اموال ان کے سپرد کرنے لگو تو چند ثقہ اور نیک لوگوں کو گواہ بنا لیا کرو، تا کہ آئندہ کسی نزاع اور جھگڑے کی صورت پیدا نہ ہو، اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے حساب میں ہر چیز ہے۔

(۳) باب: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ﴾ الآية [النساء: ۸]

باب: ”اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم اور مسکین لوگ آجائیں“۔

محروم الارث رشتہ داروں کی دلداری

میت کے رشتہ داروں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کو ضابطۂ شرعی کے ماتحت اس کی میراث میں سے حصہ نہیں ملے گا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ فرائض کی تفصیلات کا علم ہر شخص کو نہیں ہوتا، عام طور پر ہر رشتہ دار خواہش مند ہوتا ہے کہ اس کو بھی میراث میں سے حصہ ملے، اس لئے وہ رشتہ دار جو شرعی ضابطۂ میراث کے تحت محروم قرار دیئے گئے ہیں، تقسیم میراث کے وقت ان کا دل افسردہ اور رنجیدہ ہو سکتا ہے۔

خصوصاً جب کہ تقسیم میراث کے وقت وہ موجود بھی ہوں، اور بالخصوص جبکہ ان میں کچھ یتیم اور مسکین حاجت مند بھی ہوں، ایسی حالت میں جب کہ دوسرے رشتہ دار اپنا اپنا حصہ لے جا رہے ہوں اور یہ کھڑے دیکھ رہے ہوں، ان کی حسرت و یاس اور دل شکنی کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن پر کبھی یہ کیفیت گزری ہو۔

اب قرآنی نظام کی خوبی و خوش اسلوبی کو دیکھئے کہ ایک طرف تو خود قرآن ہی کا بتایا ہوا عادلانہ ضابطہ یہ

ہے کہ ''**اَقْرَبْ**'' کے مقابلہ میں ''**اَبْعَدْ**'' کو محروم کیا جائے۔

دوسری طرف محروم ہونے والے ''**اَبْعَدْ**'' کی حسرت اور دل شکنی بھی گوارا نہیں کی جاتی ہے، اس کے لئے ایک مستقل آیت میں ہدایت دی گئی ہے یعنی جو دُور کے رشتہ دار اور یتیم مسکین میراث میں حصہ پانے سے محروم رہے ہوں، اگر وہ تقسیم میراث کے وقت آموجود ہوں تو میراث پانے والوں کا اخلاقی فرض ہے کہ اس مال میں سے بااختیار خود کچھ حصہ ان کو بھی دیدیں، جو ان کے لئے ایک قسم کا صدقہ اور موجبِ ثواب ہے۔

اور ایسے وقت میں جب کہ ایک مال بغیر کسی سعی وعمل کے محض خدا تعالیٰ کے دَین سے انہیں مل رہا ہو تو صدقہ خیرات فی سبیل اللہ خود بھی داعیہ ان کے دل میں ہونا چاہئے۔ [۳]

۴۵۷۶ ـــ حدثنا أحمد بن حميد: أخبرنا عبيدالله الأشجعي، عن سفيان، عن الشيباني، عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما ﴿وإِذَا حَضَرَ الْقِسمَةَ أُولُو الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنُ﴾ قال: هي محكمة وليست بمنسوخة. تابعه سعيد بن جبير عن ابن عباس. [راجع: ۲۷۵۹]

ترجمہ: عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت **﴿وإِذَا حَضَرَ الْقِسمَةَ أُولُو الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنُ﴾** منسوخ نہیں ہوئی ہے بلکہ محکم ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

حدیث کی تشریح: رشتہ داروں کی دلجوئی کا حکم

تقسیم میراث کے وقت برابری اور کنبہ کے لوگ جمع ہوں تو جو رشتہ دار ایسے ہوں جن کو میراث میں حصہ نہیں پہنچتا یا جو یتیم اور محتاج ہوں ان کو کچھ کھلا کر رخصت کر دیا کوئی چیز ترکہ میں سے حسب موقع ان کو بھی دیدو کہ یہ سلوک کرنا مستحب ہے۔

اور اگر مال میراث میں سے کھلانے یا کچھ دینے کا موقع نہ ہو مثلاً وہ یتیموں کا مال ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی تو ان لوگوں سے معقول بات کہہ کر رخصت کر دو یعنی نرمی سے عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی اس لئے ہم مجبور ہیں۔

ابتدائے سورت میں بیان ہو چکا ہے تمام قرابت والے درجہ بدرجہ سلوک اور مراعات کے مستحق ہیں اور

---

[۳] تفسیر الکبیر، ج: ۹، ص: ۵۰۳، و معارف القرآن، ج: ۲، ص: ۳۱۲، ۳۱۳

یتامی اور مسکین بھی اور جو قریب یتیم یا مسکین بھی ہو تو اس کی رعایت اور بھی زیادہ ہونی چاہئے۔

اس لئے تقسیم میراث کے وقت ان کو حتی الوسع کچھ نہ کچھ دینا چاہئے، اگر کسی وجہ سے وارث نہ ہو تو حسن سلوک سے محروم نہ رہیں، یہ ارشاد تو اصل میں یتیم کے ولی اور وصی کے لئے ہے درجہ بدرجہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کا خیال رہے۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے مرنے کے بعد جیسا ہر کوئی اس بات سے ڈرتا ہے کہ میری اولاد کے ساتھ سختی اور برائی سے معاملہ کیا جائے ایسا ہی تم کو بھی چاہئے کہ یتیم کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنی اولاد کے ساتھ پسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو اور یتیموں سے سیدھی اور اچھی بات کہو، یعنی جس سے ان کا دل نہ ٹوٹے اور ان کا نقصان نہ ہو بلکہ ان کی اصلاح ہو۔ [۳]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ آیت محکم ہے یعنی اس کا حکم اب بھی باقی ہے، منسوخ نہیں ہوئی۔

(۴) باب: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ﴾ [۱۱]

باب: ''اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے''۔

۴۵۷۷ - حدثني ابراهيم بن موسى: أخبرنا هشام: أن ابن جريج أخبرهم قال: أخبرني ابن المنكدر، عن جابر ﷺ قال: عادني النبي ﷺ وأبوبكر في بني سلمة ما شيين فوجدني النبي ﷺ لا أعقل فدعا بماءٍ فتوضأ منه ثم رش عليّ فأفقت فقلت: ما تأمرني أن أصنع في مالي يارسول الله؟ فنزلت ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ﴾. [راجع: ۱۹۴]

ترجمہ: حضرت جابر ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر ﷺ دونوں بنی سلمہ کے یہاں پیدل چل کر میری عیادت کے لئے تشریف لائے، تو نبی کریم ﷺ نے میرے کو اس حال میں پایا کہ میں بیہوش تھا، آپ ﷺ نے پانی منگوایا اس سے وضو کیا اور باقی بچا ہوا پانی میرے اوپر چھڑکا جس سے مجھے ہوش آ گیا، پھر میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں کہ میں اپنے مال کا کیا کروں؟ چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ﴾۔

---

[۳] تفسير القرطبي، ج:۵، ص: ۵۰، وتفسیر عثمانی، سورہ نساء، آیت:۸، فائدہ:۵۔

(۵) باب قوله: ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُم﴾ [۱۲]

باب: ''اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ جائیں''۔

۴۵۷۸ ـ حدثنا محمد بن يوسف، عن ورقاء، عن ابن أبي نجيح، عن عطاء، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان المال للولد وكانت الوصية للوالدين، فنسخ الله من ذلك ما أحب فجعل للذكر مثل حظ الأنثيين وجعل للأبوين لكل واحد منهما السدس والثلث، وجعل للمرأة الثمن والربع، وللزوج الشطر والربع. [راجع: ۲۷۴۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمانے فرمایا کہ (ابتدائے اسلام میں) کل مال بیٹے کو ملتا تھا اور ماں باپ کو وہ ملتا تھا جس کی وصیت کی جاتی تھی، اللہ ﷻ نے جو چاہا اسے منسوخ فرمادیا اور مرد کے لئے عورت سے دگنا مقرر فرمایا، ماں باپ کے لئے چھٹا حصہ اور تہائی حصہ مقرر فرمایا، بیوی کے لئے آٹھواں یا چوتھائی مقرر فرمایا اور خاوند کو نصف یا چوتھائی عطا کیا۔

(۶) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ﴾ [۱۹] الآية

باب: ''اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو، اور ان کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے ان کا کچھ حصہ لے اُڑو، اِلا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں''۔

ويذكر عن ابن عباس ﴿لَا تَعْضُلُوهُنَّ﴾: لا تقهروهن. ﴿حُوبًا﴾: اثما. ﴿تَعُولُوا﴾: تميلوا. ﴿نِحْلَةً﴾: فالنحلة المهر.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ''لَا تَعْضُلُوهُنَّ'' کے معنی ہیں کہ ان (عورتوں) پر جبر وقہر مت کرو۔

''حُوبًا'' کے معنی گناہ کے ہیں۔

"تعوّلوا" بمعنی "تحیلوا" یعنی ایک طرف جھک جانا۔
"نِحلَة" کے معنی مہر کے ہیں۔

۴۵۷۹ - حدثنا محمد بن مقاتل: أخبرنا اسباط بن محمد: حدثنا الشیبانی، عن عکرمة، عن ابن عباس، قال الشیبانی: وذکره ابوالحسن السوائی، ولاأظنه ذکره الا عن ابن عباس ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لاَ یَحِلُّ لَکُمْ أَنْ تَرِثُوْا النِّسَاءَ کَرْهاً وَّلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاآتَیْتُمُوْهُنَّ﴾ قال: کانوا اذا مات الرجل کان اولیاؤه أحق بامرأته. ان شاء بعضهم تزوجها وان شاؤا زوجوها، وان شاؤا لم یزوجوها وهم أحق بها من أهلها، فنزلت هذه الآیة فی ذلک. [أنظر: ۶۹۴۸] [۵]

ترجمہ: شیبانی نے عکرمہ کے واسطے سے روایت بیان کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، شیبانی کہتے ہیں کہ اس روایت کو ابوالحسن سوائی نے بھی نقل کیا ہے، اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت **﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لاَیَحِلُّ لَکُمْ أَنْ تَرِثُوْا النِّسَاءَ کَرْهاً وَّلَاتَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاآتَیْتُمُوْهُنَّ﴾** اس وقت اتری کہ جب کوئی شخص مرجاتا تھا تو اس کے وارث اس کی عورت کے زیادہ حق دار سمجھے جاتے تھے، اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو خود نکاح کرلیتا تھا، یا اگر چاہتے تو کسی اور کے ساتھ اس کا نکاح کردیتے تھے اور اگر چاہتے تو یونہی بغیر نکاح کے اسے رہنے دیتے، اور یہ لوگ (شوہر کے وارث) عورت کے گھر والوں سے زیادہ حق دار سمجھے جاتے تھے، چنانچہ یہ آیت اسی معاملہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

آیت کا شانِ نزول

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ أَنْ تَرِثُوْا النِّسَاءَ کَرْهاً وَّلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاآتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ أَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لئے حلال نہیں ہے

---

[۵] وفی سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب قوله تعالیٰ: ﴿لَا یَحِلُّ لَکُمْ أَنْ تَرِثُوْا النِّسَاءَ کَرْهاً وَّلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾، رقم: ۲۰۸۹، ۲۰۹۰

کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو، اور ان کو اس غرض
سے مقید مت کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے ان کا کچھ حصہ
لے اُڑو، الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

حسب بیان سابق عورتوں کی بدافعالی کی بابت تادیب وسیاست کا حکم دے کر اب اہل جاہلیت کی اس ظلم وتعدی کو روکا جاتا ہے جو تعدی عورتوں پر وہ طرح طرح سے کیا کرتے تھے۔

سومن جملہ اس صورتوں کے ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی مرجاتا تو اس کی عورت کو میت کا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا اور کوئی وارث لے لیتا پھر چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا یا بغیر نکاح ہی اپنے گھر میں رکھتا یا کسی دوسرے سے نکاح کر کے اس کا مہر کل یا بعض لے لیتا یا ساری عمر اس کو اپنی قید میں رکھتا اور اس کے مال کا وارث ہوتا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی مرجائے تو اس کی عورت اپنے نکاح کی مختار ہے، میت کے بھائی اور اس کے وارث کو یہ اختیار نہیں کہ زبرستی اپنے نکاح میں لے لے، نہ وہ عورت کو نکاح سے روک سکتے ہیں کہ وہ مجبور ہو کر خاوند کے ورثہ سے جو اس کو ملا تھا کچھ پھیر دے۔

عورت سے مہر اور مال وغیرہ واپس لینے کی صورت

﴿إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ﴾ ہاں اگر صریح بدچلنی کریں تو ان کو روکنا چاہیئے۔

عورتوں کو دیا ہوا مہر جبراً واپس لے لیا یا واجب الاداء کو جبراً معاف کرائیں، یہ سب کام ناجائز وحرام ہیں۔ البتہ بعض ایسی صورتوں کو مستثنیٰ فرما دیا گیا ہے کہ جن میں شوہر کو اپنا دیا ہوا مالِ مہر وغیرہ واپس لینا جائز ہوتا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اگر عورت / بیوی کی طرف سے کوئی کھلی ہوئی ناشائستہ ایسی حرکت صادر ہو جائے جس کی وجہ سے طلاق دینے کے لئے آدمی طبعًا مجبور ہو جائے تو ایسی صورت میں مضائقہ نہیں کہ شوہر اس وقت تک طلاق نہ دے جب تک یہ اس کا دیا ہوا مہر واپس نہ کرے یا واجب الاداء مہر کو معاف نہ کر دے۔

اور اس جگہ لفظِ فاحشہ یعنی ناشائستہ حرکت سے مراد بعض حضرات کے نزدیک تو شوہر کی نافرمانی اور بدزبانی ہے، جبکہ بعض دوسرے حضرات کے نزدیک اس جگہ بے حیائی اور زناء مراد ہے۔

تو معنی یہ ہوئے کہ اگر ان عورتوں سے کوئی بے حیائی کا کام سرزد ہو گیا، یا وہ نافرمانی اور بدزبانی سے پیش آتی ہیں، جس سے مجبور ہو کر مرد طلاق دینے پر آمادہ ہو رہا ہے، تو چونکہ قصور عورت کا ہے، اس لئے شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو اس وقت تک اپنے نکاح میں روکے رکھے جب تک اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس وصول

نہ کرے، یا مقرر کردہ مہر معاف کردے۔ [۶]

(۷) باب: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾ [۳۳]

باب: ''اور ہم نے ہر اس مال کے کچھ وارث مقرر کئے ہیں جو والدین اور قریب ترین رشتہ دار چھوڑ کر جائیں۔ اور جن لوگوں سے تم نے کوئی عہد و پیمان باندھا ہوا ان کو ان کا حصہ دو۔ بیشک اللہ ہر چیز کا گواہ ہے''۔

وقال معمر: ﴿موالي﴾ أولياء ورثة. ﴿عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾: هو مولى اليمين: وهو الحليف. المولى أيضاً ابن العم، والمولى المنعم المعتق، والمولى: المليك، والمولى مولى في الدين.

ترجمہ: معمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لفظ ''موالی'' سے مراد میت کے ''ورثہ'' ولی اور وارث ہیں۔

''عاقدت أيمانكم'' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو بذریعہ قسم اپنا وارث بناتے ہیں اور حلیف ہیں یعنی جن سے تم معاہدہ کرتے ہو۔

''والمولى'' کے اور بھی کئی معنی آتے ہیں، چچا کا بیٹا، غلام یا لونڈی کا مالک جو اس پر احسان کر کے اسے آزاد کردے، خود وہ غلام جو آزاد کیا جائے، مالک، اور وہ جس سے دینی تعلق ہو۔

۴۵۸۰ـ حدثنا الصلت بن محمد: حدثنا أبو أسامة، عن إدريس، عن طلحة بن مصرف، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ قال: ورثة ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ كان المهاجرون لما قدموا المدينة يرث المهاجري الأنصاري دون ذوي رحمه للأخوة التي آخى النبي ﷺ بينهم. فلما نزلت ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ نسخت، ثم قال: ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُم﴾ من النصر والرفادة والنصيحة. وقد ذهب الميراث ويوصي له.

سمع أبو اسامة ادريس، وسمع ادريس طلحة. [راجع: ۲۲۹۲]

---

[۶] تفسير القرطبي، ج:۵، ص: ۹۵، و معارف القرآن، ج:۲، : ص: ۳۵۲

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ میں ورثا مراد ہیں، ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ کی تفصیل یہ ہے کہ جب مہاجرین مدینہ آئے تو اپنے رشتہ داروں کے علاوہ مہاجرین اپنے انصاری بھائیوں کے بھی وارث ہوتے تھے، اور انصار کے رشتہ دار اور ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے تھے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان میں بھائی چارگی کا رشتہ قائم کر دیا تھا۔ جب یہ آیت ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ نازل ہوئی تو سابقہ بھائی بندی کی میراث کا سلسلہ منسوخ ہوگیا۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُم﴾، جن سے مدد و معاونت اور خیر خواہی کے ساتھ عہد باندھے گئے تھے ان کے لئے بھی ترکہ نہیں رہا البتہ حلیف کیلئے وصیت باقی ہے۔ اس حدیث کو ابو اسامہ نے ادریس سے اور ادریس نے طلحہ سے سنا ہے۔

مہاجرین وانصار کے درمیان رشتۂ اخوت اور میراث کا حکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اصل میں صورت حال یہ تھی کہ شروع میں اس آیت کا یہ حصہ نازل ہوا تھا ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ یعنی جن لوگوں سے تم نے کوئی عہد و پیمان باندھا ہو ان کو ان کا حصہ دو۔

یہ شروع کی بات تھی کہ جب مہاجرین حضرات مدینہ منورہ آئے تو مہاجر صحابی اپنے اس انصاری ساتھی کا وارث ہوا کرتا تھا، جس سے رسول اللہ ﷺ نے اس رشتہ اخوت کا قائم فرمایا تھا، اور اس انصاری صحابی کے قریبی رشتہ دار اور ذوی الارحام اس کے وارث نہیں ہوا کرتے تھے۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ یعنی ہم نے ہر اس مال کے کچھ وارث مقرر کئے ہیں، تو پہلا حکم ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ منسوخ ہوگیا۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ لیکن اس میں ایک چیز ابھی تک باقی ہے کہ **"من النصر والرفادة والنصيحه"** جن کے ساتھ مؤاخات قائم کی تھی اب ان کی مدد کریں، ان کو ہدیہ دیں، ان کو عطیہ دیں، ان کی خیر خواہی کریں، اس حد تک تو باقی ہے، البتہ جو میراث والا حکم ہے وہ منسوخ ہوگیا۔

"وقد ذهب الميراث" مطلب یہ ہے کہ جو پہلی والی آیتِ میراث تھی وہ منسوخ ہوگئی، البتہ **"ولاء الموالات"** اگر کسی کے ساتھ قائم کر دی گئی ہے تو اس کا وارث ہونا اب بھی باقی ہے، لیکن وہ **"ذوی الأرحام"** کے بعد ہوتا ہے۔

اکثر لوگ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اکیلے اکیلے مسلمان ہوگئے تھے اور ان کا سب کنبہ اور تمام اقرباء کافر

تھے، تو اس وقت حضور اکرم ﷺ دو دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی کر دیا تھا وہی دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے جب ان کے اقرباء بھی مسلمان ہو گئے تب یہ آیت اتری کہ میراث تو اقرباء اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے اب رہ گئے وہ منہ بولے بھائی تو ان کیلئے میراث نہیں ہاں زندگی میں ان کے ساتھ سلوک ہے اور مرتے وقت کچھ وصیت کر دے تو مناسب ہے، مگر میراث میں کوئی حصہ نہیں۔ [۷]

(۸) باب قوله: ﴿إِنَّ اللهَ لاَ يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ [۴۰]

باب: ''اللہ ذرّہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔''

يعنى زنة ذرة.

ترجمہ: لال رنگ کی چھوٹی چیونٹی کے برابر کم اور حقیر۔

اعمالِ حسنہ کا پورا پورا بدلہ

اللہ تعالیٰ کسی کے اعمالِ حسنہ کا ثواب اور جزائے خیر میں ذرّہ برابر بھی کمی نہیں فرماتے بلکہ اپنی طرف سے اس میں اور اضافہ فرما دیتے ہیں اور آخرت میں چند در چند ثواب بڑھا کر نوازیں گے اور اپنی طرف سے ثواب عظیم عطاء فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب کا کم سے کم معیار یہ ہے کہ ایک نیکی کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور اس کے علاوہ مختلف بہانوں سے اضافہ در اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

بعض روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اعمال ایسے ہیں کہ جن کا ثواب بیس لاکھ گنا تک زیادہ ہو جاتا ہے، اور اللہ کی ذات تو کریم ذات ہے، وہ اپنی بے پایاں رحمت سے اتنا بڑھ کر دیدیتے ہیں کہ حساب وشمار میں بھی نہیں آتا۔ [۸]

۴۵۸۱ ــ حدثنا محمد بن عبد العزيز: أخبرنا أبو عمر حفص بن ميسرة، عن زيد ابن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبى سعيد الخدرى ﷺ: أن أناسا فى زمن النبى ﷺ قالوا: يا رسول الله، هل نرى ربنا يوم القيامة؟ قال النبى ﷺ: ((نعم، هل تضارون فى رؤية

---

[۷] تفسیر عثمانی، سورہ نساء، آیت: ۳۳، فائدہ: ۲، ومعارف القرآن، ج: ۲، ص: ۳۸۹

[۸] معارف القرآن، ج: ۲، ص: ۴۱۹، ۴۲۰، وعمدة القارى، ج: ۱۸، ص: ۲۴۳

الشمس بالظهيرة ضوءٌ ليس فيها سحاب؟)) قالوا: لا، قال: ((وهل تضارون في رؤية القمر ليلة البدر ضوءٌ ليس فيها سحاب؟)) قالوا: لا، قال النبي ﷺ: ((ما تُضارون في رؤية الله عزوجل يوم القيامة إلا كما تضارون في رؤية أحدهما. إذا كان يوم القيامة أذن مؤذن: لتتبع كل أمة ما كانت تعبد. فلا يبقى من كان يعبد غير الله من الأصنام والأنصاب إلا يتساقطون في النار حتى إذا لم يبق إلا من كان يعبد الله بر أو فاجر وغُبّرات أهل الكتاب. فيدعى اليهود فيقال لهم: ما كنتم تعبدون؟ قالوا: كنا نعبد عزيرا ابن الله، فيقال لهم: كذبتم ما اتخذ الله من صاحبة ولا ولد فماذا تبغون؟ فقالوا: عطشنا ربنا فاسقنا. فيشار ألا تردون، فيحشرون إلى النار كأنها سراب يحطم بعضها بعضا فيتساقطون في النار. ثم يدعى النصارى فيقال لهم: ما كنتم تعبدون؟ قالوا: كنا نعبد المسيح ابن الله، فيقال لهم: كذبتم ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَلَا وَلَدٍ﴾ فيقال لهم: ماذا تبغون؟ فكذلك مثل الأول. حتى إذا لم يبق إلا من كان يعبد الله من بر أو فاجر، أتاهم رب العالمين في أدنى صورة من التي رأوه فيها، فيقال: ماذا تنتظرون؟ تتبع كل أمة ما كانت تعبد، قالوا: فارقنا الناس في الدنيا على أفقر ما كنا إليهم ولم نصاحبهم ونحن ننتظر ربنا الذي كنا نعبد، فيقول: أنا ربكم، فيقولون: لا نشرك بالله شيئا))، مرتين أو ثلاثا. [راجع: ۲۲]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں چند لوگوں نے آپ سے پوچھا اے اللہ کے رسول! کیا قیامت کے دن ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں! دیکھو گے، کیا دوپہر کے وقت جب کوئی بادل نہ ہو، اس وقت سورج کو دیکھنے میں تمہیں کوئی دشواری ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں، اس کے بعد پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ چودھویں رات کو جب کوئی بادل موجود نہ ہو، چاند کے دیکھنے میں تم کو کوئی دشواری ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں! تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پس اسی طرح تم قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھو گے، اور تمہیں کوئی دشواری نہیں ہوگی، جس طرح ان دونوں سورج یا چاند کے دیکھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے۔ اور قیامت کا دن ایسا دن ہوگا کہ کوئی پکارنے والا پکارے گا کہ تم میں جو آدمی جس کو پوجتا تھا، اُسی کے ساتھ ہولے، لہٰذا اللہ کے سوا پرستش کرنے والا کوئی باقی نہ رہے گا، چنانچہ تمام جھوٹے پجاری اپنے جھوٹے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں گریں گے، اور صرف وہی باقی رہیں گے جو اللہ تعالیٰ کو پوجتے تھے، اور اس میں اچھے برے سب ہی ہوں گے، پھر اہل کتاب یہودی بلائے جائیں گے اور ان سے کہا پوچھا جائے گا کہ تم (اللہ کے علاوہ) کس کو بھی پوجتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم حضرت عزیر کو بھی پوجتے تھے کہ وہ اللہ کے بیٹے تھے، تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جھوٹ کہتے ہو اللہ نے نہ کسی کو

بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا۔ (پھران سے پوچھا جائے گا کہ) تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم پیاسے ہیں، ہمیں پانی پلا دیجئے۔ انہیں اشارہ کیا جائے گا کیا اِدھر نہ چلیں؟ پھر سب جہنم ر آگ کی طرف لے جائے جائیں گے، جو سراب کی طرح نظر آرہی ہوگی، اور بعض بعض کے ٹکڑے کئے دے رہی ہوگی، اور پھران اس آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے بعد نصاریٰ کو بلایا جائے گا، اوران سے بھی یہی سوال ہوگا کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ بولیں گے کہ ہم تو اللہ کے بیٹے مسیح کو معبود کہتے تھے، پھران کو جواب ملے گا کہ تم لوگ جھوٹے ہو، ﴿مَا اتَّخَذَ اللهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَلَا وَلَدٍ﴾ یعنی اللہ کی کوئی اولاد یا بیوی نہیں، پھران سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ بھی وہی جواب دیں گے، جو یہودیوں نے دیا تھا، پھر چلیں گے، اور دوزخ میں گر پڑیں گے۔ پھر تو میدان میں صرف وہی باقی ہوں گے، جو صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے، ان میں اچھے برے سب ہی ہوں گے، پھر تمام جہانوں کا رب اللہ ان کے پاس آئے گا ایسی صورت میں جو اس صورت کے مقابلے میں کمتر ہوگی جس کو وہ جانتے تھے، پھران سے کہا جائے گا کہ تمہیں کس کا انتظار ہے؟ حالانکہ ہرامت اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ اپنے ٹھکانے پر جا چکی ہے، وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم تو دنیا میں ان ملافروں سے جدا رہے جب ہم بہت کمزور تھے پھر بھی ان کے ساتھ نہیں رہے، اب ہم اپنے معبود برحق کی راہ دیکھ رہے ہیں، جس کی عبادت ہم کیا کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں، پھر تمام مسلمان لوگ کہیں گے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، یہ جملہ دو یا تین مرتبہ کہیں گے۔

رؤیت باری تعالیٰ

یہ شروع میں اسی بات کا ذکر ہے جو متعدد احادیث میں آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ جل جلالہ کو اس طرح دیکھو گے کہ جس طرح تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے میں تکلیف نہیں ہوتی اس طرح دیکھو گے۔

اسکے بعد اس حدیث کے الفاظ کی تفسیر کہ قیامت کے دن جب ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ **"تتبع کل أمة ما کانت تعبد"** ہرامت اس چیز کے پیچھے جائے جس کی وہ عبادت کیا کرتی تھی، جو بتوں کی عبادت کرتے تھے وہ بتوں کے پیچھے جائیں، جو پتھروں کی عبادت کیا کرتے تھے وہ پتھروں کے پیچھے جائیں وغیرہ۔ **"فلا یبقی من کان یعبد غیر اللہ من الأصنام والأنصاب"** تو جتنے غیر اللہ کی عبادت کرنے والے بت پرست ہوں گے، پتھروں کو معبود بنانے والے ہوں گے، ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچے گا۔ **"إلا یتساقطون فی النار"** اور یہ تمام مشرکین، غیر اللہ کی عبادت کرنے والے سب جہنم میں گر جائیں گے۔

"حتی إذا لم یبق إلا من کان یعبد اللہ" یہاں تک کہ میدانِ حشر میں صرف وہ لوگ باقی رہ

جائیں گے جو اللہ ﷻ کی عبادت کرتے تھے، **"بر أو فاجر"** اللہ ﷻ کی عبادت کرنے والے یہ لوگ چاہے نیک ہوں یا گناہ گار ہوں، بس یہی لوگ باقی رہیں گے۔

اور ان کے علاوہ **"وغبرات أهل الكتاب"** اہل کتاب کے باقی رہ جائیں گے، اہل کتاب کیونکہ بت پرستی نہیں کرتے تھے، اس واسطے وہ بھی باقی رہ جائیں گے۔

پھر یہودیوں کو بلایا جائے گا، **"فيقال لهم: ما كنتم تعبدون؟"** اور ان سے پوچھا جائے گا تم اللہ کے علاوہ کس کی عبادت کرتے تھے؟ یہودی جواب دیں گے **"كنا نعبد عزيرا ابن الله"** کہ ہم حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے، جو کہ اللہ کے بیٹے تھے۔ یہودیوں کو جواب میں کہا جائے گا کہ **"كذبتم ما اتخذ الله من صاحبة ولا ولد"** تم لوگ جھوٹ بولتے ہو اللہ تعالیٰ نے نہ کسی کو بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا۔

پھر ان سے کہا جائے گا کہ **"فماذا تبغون؟"** اب تم لوگ کیا چاہتے ہو؟

یہودی کہیں گے **"عطشنا ربنا فاسقنا"** اے ہمارے پروردگار! ہم پیاسے ہیں، ہمیں پانی پلا دیجئے۔ **"فيشار ألا تردون"** تو اشارہ کیا جائے گا کہ کیا ادھر نہیں چلتے، **"فيحشرون إلى النار كأنها سراب"** تو پھر ان کو جہنم کی طرف لیجایا جائے گا جو کہ سراب کی مانند ہوگی یعنی سامنے سے ایسا نظر آ رہا ہوگا جیسے سامنے پانی ہے۔

"يحطم بعضها بعضا فيتساقطون في النار" اور جہنم کی حالت یہ ہوگی کہ بعض بعض کے ٹکڑے کئے جا رہی ہوگی یعنی آگ کی لپٹیں ایک دوسرے پر چڑھ رہی ہوں گی، پھر ان کو اس آگ میں ڈال دیا جائے گا اور ان کو جلا کر بھسم کر دے گی۔

پھر نصاریٰ یعنی عیسائیوں کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم لوگ اللہ کے علاوہ کس کی عبادت کرتے تھے؟ نصاریٰ کہیں گے کہ **"كنا نعبد المسيح ابن الله"** حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے۔ پھر ان سے بھی کہا جائے گا تم جھوٹ بولتے ہو اللہ تعالیٰ نے نہ کسی کو بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا۔

پھر ان سے بھی پوچھا جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اور ان کا حال بھی یہودیوں جیسا ہوگا۔

"حتى إذا لم يبق إلا من كان يعبد الله من بر أو فاجر" یہاں تک کہ میدانِ حشر میں اس کے بعد صرف مسلمان باقی رہ جائیں گے، چاہے وہ نیک ہوں یا بداعمال ہوں۔

"أتاهم رب العالمين في أدنى صورة من التي رأوه فيها" پھر رب العلمین ان کے پاس آئیں گے، ایسی صورت میں جو اس صورت کے مقابلے میں کمتر ہوگی جس کو وہ جانتے تھے۔

یعنی تجلی فرمائیں گے اور یہ تجلی اسی صفت کے ساتھ ہوگی کہ جو اس صورت میں قریب تر ہوگی جن میں

مسلمانوں نے اللہ ﷻ کو دیکھا ہوگا۔ دیکھنے سے مراد محض تصور کرنا ہے، کیونکہ اس سے پہلے اللہ ﷻ کو کسی نے دیکھا تو نہیں یعنی لوگوں کے تصور میں اللہ ﷻ کی جو تجلی ہوگی اس میں ظاہر ہوں گے، اگر چہ وہ قریب ہوگی لیکن پھر بھی مسلمان پہچانیں گے نہیں کہ یہ اللہ کی ذات عالی شان ہے۔

پھر ان سے کہا جائے گا کہ **"ماذا تنتظرون؟ تتبع کل أمة ما کانت تعبد"** بھئی! کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ کہ ہر امت اس کے پیچھے چلی گئی جس کی وہ عبادت کرتی تھی تو تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو۔

تو مسلمان کہیں گے کہ **"فارقنا الناس فی الدنیا علی أفقر ما کنا إلیھم ولم نصاحبھم"** دنیا کے لوگوں کو ہم نے چھوڑ دیا تھا باوجود یہ کہ ہم اپنے دنیاوی معاملات میں ان دنیا کے لوگوں کے محتاج تھے، لیکن ہم نے ان کو چھوڑ دیا تھا اس واسطے کہ وہ ہمارے دین پر نہیں تھے اور اللہ ﷻ کی عبادت نہیں کرتے تھے یعنی باوجود اپنے احتیاج کے ہم نے چھوڑ دیا تھا تو آج کیسے ان کے پیچھے چلے جائیں۔

"ونحن ننتظر ربنا الذی کنا نعبد" لہٰذا ہم تو منتظر ہیں اپنے رب کے، جس کی ہم عبادت کرتے تھے۔ تو اس پر **"فیقول: أنا ربکم"** اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں ہوں تمہارا رب ہوں۔

پھر مسلمان کہیں گے کہ **"لانشرک باللہ شیئا"** ہم اللہ ﷻ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ اس لئے کہ وہ پہچان لیں گے کہ یہی اللہ ﷻ ہیں، اس واسطے کہیں گے۔

"مرتین أو ثلاثا" اسی طرح دو تین مرتبہ ہوں گے۔

(۹) باب: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا﴾ [۴۱]

باب: "پھر (یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (انکا) کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لیکر آئیں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تم کو اِن لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے"۔

المختال والختال واحد. ﴿نطمس وجوها﴾ [۴۷] نسویھا حتی تعود کأقفائھم. طمس الکتاب: محاہ. ﴿بجھنم سعیرا﴾: وقوداً.

ترجمہ: **"المختال والختال"** دونوں کے ایک ہی معنی ہے یعنی مغرور، متکبر۔

﴿نطمس وجوها﴾ یعنی ہم چہروں کو برابر کر دیں گے، مٹا دیں گے، یہاں تک کہ وہ چہرے پچھلے سر

کے پچھلے حصے کی طرح ہموار ہو جائیں گے۔

"سعیرا" بمعنی ایندھن۔

۴۵۸۲ ـ حدثنا صدقة: أخبرني يحيى، عن سفيان، عن سليمان، عن ابراهيم، عن عبيدة، عن عبدالله - قال: يحيى بعض الحديث عن عمرو بن مرة - قال: قال لي رسول الله ﷺ: ((اقرأ علي)). قلت: اقرأ عليك وعليك انزل؟ قال: ((فاني أحب ان اسمعه من غيري)). فقرأت عليه سورة النساء حتى بلغت ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ قال: ((أمسك)). فاذا عيناه تذرفان. [أنظر: ۵۰۴۹، ۵۰۵۰، ۵۰۵۵، ۵۰۵۶] [۹]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے سامنے قرآن پڑھو، میں نے عرض کیا کہ حضور! قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے اورتو میں آپ کے سامنے کیسے قرآن پڑھوں؟ حضور اکرم نے فرمایا ہاں! مجھ کو دوسرے کی زبان سے سننا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ پھر میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی اور جس وقت اس آیت پر پہنچا ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بس کرو۔ میں نے دیکھا کہ آپ پر رقت طاری ہوگئی تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

﴿عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ کی تفسیر

﴿عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ - هٰؤُلَاءِ - کا اشارہ زمانۂ رسالت ﷺ میں موجود کفار ومنافقین کی طرف ہے۔

---

[۹] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل استماع القرآن وطلب القرآن من حافظة للاستماع والبكاء عند القرآة والتدبر، رقم: ۸۰۰، وسنن ابی داؤد، كتاب العلم، باب في القصص، رقم: ۳۶۶۸، وسنن الترمذي، أبواب السفر، باب ماذكر في الثناء على الله، والصلاة على النبي ﷺ قبل الدعاء، رقم: ۵۹۳، وأبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة النساء، رقم: ۳۰۲۴، ۳۰۲۵، وسنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الحزن والبكاء، رقم: ۴۱۹۴، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود ؓ، رقم: ۳۵۵۰، ۳۵۵۱، ۳۶۰۶، ۳۶۶۲، ۳۷۹۷، ۴۱۱۸، ۴۱۶۵، ۴۲۵۵، ۴۳۳۰

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قیامت تک کی پوری اُمت کی طرف اشارہ ہے، اس لئے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی اُمت کے اعمال آپ ﷺ پر پیش ہوتے رہتے ہیں۔

بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ گذشتہ امتوں کے انبیاء اپنی اپنی امت پر بطورِ گواہ پیش ہوں گے، اور آنحضرت ﷺ بھی اپنی امت کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ قرآن کریم کے اس اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا ہے، جو اپنی امت کے متعلق گواہی دے، ورنہ قرآن کریم میں اس کا اور اس کی شہادت کا بھی ذکر ہوتا، اس اعتبار سے یہ آیت ختم نبوت کی بھی دلیل ہے۔ [۱۰]

حضورِ اقدس ﷺ کو اس آیت سے آخرت کا منظر متحضر ہو گیا، اور اپنی امت کے کوتاہ عمل اور بے عمل لوگوں کی بابت خیال آیا اس لئے آنسو مبارک جاری ہو گئے۔

(۱۰) باب قوله: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ [۴۳]

باب: ”اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو“۔

﴿صَعِيداً﴾: وجه الأرض. وقال جابر: كانت الطواغيت التي يتحاكمون اليها: في جهينة واحد، وفي أسلم، وفي كل واحد. كهانٌ ينزل عليهم الشيطان.

وقال عمر: الجبت: السحر، ﴿وَالطَّاغُوتُ﴾: الشيطان.

وقال عكرمة: ﴿الجِبْتُ﴾ بلسان الحبشة شيطان. ﴿والطَّاغُوتُ﴾: الكاهن.

ترجمہ وتشریح

”صَعِيداً“ کے معنی ہیں سطح زمین۔

حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ **”الطواغيت“** سے مراد وہ لوگ ہیں، جن کے پاس (زمانہ جاہلیت) میں لوگ اپنے مقدمات لیکر آیا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک قبیلہ جہینہ میں تھا، ایک قبیلہ بنو اسلم میں تھا، اور تمام قبائل میں ایک طاغوت تھا۔ یہ طاغوت وہی کاہن لوگ تھے جنکے پاس شیطان (مستقبل کی خبریں لیکر) آتا تھا۔

---

[۱۰] معارف القرآن، ج:۲، ص:۴۲۱، مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: ختم النبوت تالیف مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ، ص:۱۵۰ تا ۱۹۶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "الجبت" کے معنی جادو کے ہیں اور "طاغوت" شیطان کو کہتے ہیں۔
اور حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "الجبت" حبشی زبان میں شیطان کو کہتے ہیں اور "طاغوت" کاہن کو کہتے ہیں۔

۴۵۸۳ ـ حدثني محمد: أخبرنا عبدة، عن هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها قالت: هلكت قلادة لأسماء فبعث النبي ﷺ في طلبها رجالا فحضرت الصلاة وليسوا على وضوء ولم يجدوا ماءً فصلوا وهم على غير وضوء، فأنزل الله تعالى، يعني آية التيمم. [راجع: ۳۳۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (ایک بار سفر میں) میرا ہار کھو گیا جو کہ میں نے اسماء سے مانگا تھا، نبی کریم ﷺ نے چند لوگوں کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا، وہ لوگ ابھی تلاش ہی کر رہے تھے کہ نماز کا وقت ہوگیا، اور وہ وضو سے نہیں تھے اور پانی بھی موجود نہ تھا لہٰذا انہوں نے بغیر وضو کے نماز ادا کر لی، اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیتِ تیمم نازل کی گئی۔

ایک وضاحت

یہ قلادہ۔ ہار حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عاریتاً ان سے لیا ہوا تھا اور "**کتاب التیمم**" میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ تو اس واسطے کبھی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر دیا گیا اور کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ [۱۱]

(۱۱) باب: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ [۵۹]

باب: "اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحبِ اختیار ہوں، اُن کی بھی۔"

ذوي الأمر.

ترجمہ: "**ذوي الأمر**" سے مراد حکم والے یعنی حکام۔

---

[۱۱] آیت اور حدیث کی تشریح و تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، جلد: ۲، ص: ۵۱۹، کتاب التیمم، رقم الحدیث: ۳۳۴

۴۵۸۴ـ حدثنا صدقة بن الفضل: أخبرنا حجاج بن محمد، عن ابن جريج، عن يعلى بن مسلم، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما ﴿أَطِيْعُوْا اللهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُولِى الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ قال: نزلت فى عبدالله بن حذافة بن قيس ابن عدى اذ بعثه النبى ﷺ فى سرية. [۱۲]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ﴿أَطِيْعُوْا اللهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُولِى الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جب نبی کریم ﷺ نے ان کو ایک سریہ میں روانہ فرمایا تھا۔

حدیث کا مطلب

﴿أَطِيْعُوْا اللهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُولِى الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت ہے کہ مذکورہ آیت حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، حضور اقدس ﷺ نے ان کو ایک سریہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔

انہوں نے لشکر کے لوگوں کا امتحان لینے کے لئے راستہ میں آگ جلائی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس آگ میں داخل ہو جاؤ تو بہت سے لوگوں نے انکار کر دیا اور کچھ آگ میں داخل ہونے پر راضی بھی ہو گئے تھے۔

اس سے پہلی آیت میں حکام کو عدل کا حکم فرما کر اب عام لوگوں کو حکام کی متابعت کا حکم دیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکام کی اطاعت جب ہی واجب ہوگی جب وہ حق کی اطاعت کریں گے۔

فائدہ حاکم اسلام بادشاہ یا اس کا صوبہ دار یا قاضی یا سردار لشکر اور جو کوئی کسی کام پر مقرر ہو ان کے حکم کا ماننا ضروری ہے جب تک وہ خدا اور رسول کے خلاف حکم نہ دیں اگر خدا اور رسول کے حکم کے صریح خلاف کرے تو اس حکم کو ہرگز نہ مانے۔ [۱۳]

---

[۱۲] وسنن النسائى، كتاب البيعة، قوله تعالىٰ ﴿وَأُولِى الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾، رقم: ۴۱۹۴، ومسند أحمد، ومن مسند بنى هاشم، مسند عبدالله بن العباس بن عبدالمطلب عن النبى ﷺ، رقم: ۳۱۲۴

[۱۳] حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے اس حکم پر تفصیلی بحث اور ان کے حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام البارى شرح صحيح البخارى، كتاب المغازى- حصه دوم، باب سرية عبدالله بن حذافة السهمى رضی اللہ عنہ، وعلقمة بن مجزز المدلجى رضی اللہ عنہ، ويقال انها سرية الأنصارى، ج: ۱۰، ص: ۳۱۹ - ۳۲۵

(۱۲) باب: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ [۶۵]

باب: ’’نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں‘‘۔

شریعت زندگی کے ہر معاملے پر لاگو

اس آیت سے یہ مسئلہ نکلا ہے کہ لفظ صرف معاملات اور حقوق کے ساتھ متعلق نہیں، عقائد اور نظریات اور دوسرے نظری مسائل کو بھی حاوی ہے۔

اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت آئے تو باہم جھگڑتے رہنے کے بجائے دونوں فریق رسول اللہ ﷺ کی طرف اور آپ کے بعد آپ کی شریعت کی طرف رجوع کر کے مسئلہ کا حل تلاش کریں۔ [۱۳]

۴۵۸۵ - حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا محمد بن جعفر: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن عروة قال: خاصم الزبير رجلاً من الأنصار في شريج من الحرة، فقال النبي ﷺ: ((اسق يا زبير ثم أرسل الماء إلى جارك)). فقال الأنصاري: يارسول الله أن كان ابن عمتك؟ فتلون وجهه ثم قال: ((اسق يا زبير ثم احبس الماء حتى يرجع إلى الجدر، ثم أرسل الماء إلى جارك)). واستوعي النبي ﷺ للزبير حقه في صريح الحكم حين أحفظه الأنصاري كان اشار عليهما بأمر لهما فيه سعة. قال الزبير: فما أحسب هذه الآيات إلا نزلت في ذلك ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾. [راجع: ۲۳۶۰]

ترجمہ: حضرت عروہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت زبیر ﷺ کا ایک انصاری سے حرہ کے مقام پر موجود پانی کے نالے کے بارے میں جھگڑا ہو گیا کہ کون پہلے کھیت کو پانی پہنچائے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے زبیر! تم پہلے اپنے کھیت کو پانی دو اور پھر پڑوسی کیلئے پانی کو چھوڑ دینا۔ اس پر اس انصاری شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! (آپ نے ایسا شاید اس لئے فرمایا کہ) یہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں! یہ بات سن کر حضور اکرم ﷺ کا چہرہ غصہ

---

[۱۳] معارف القرآن، ج:۲، ص:۴۶۲

سے سرخ ہوگیا اور آپ نے فرمایا کہ اے زبیر! پہلے تم اپنے باغ کو پانی دو اور پھر پانی روکے رکھنا یہاں تک کہ مینڈ ھیر تک بھر دو، پھر پڑوسی کے لئے چھوڑ دو۔ حضرت زبیرؓ کو نبی کریم ﷺ نے (اس دفعہ) پورا حق دلایا، یہ اس لئے ہوا کہ انصاری نے آپ کو غصہ دلایا تھا، ورنہ پہلے ایسا حکم دیا تھا جس میں دونوں کی رعایت رکھی گئی تھی۔
حضرت زبیرؓ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ آیت ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ اسی واقعہ کے لئے نازل ہوئی تھی۔ ۱۵

(۱۳) باب: ﴿فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ﴾ [۶۹]

باب: ”تو وہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء“۔

شانِ نزول

یہ آیت ایک خاص واقعہ کی بناء پر نازل ہوئی، جس کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے متعدد اسناد سے ذکر کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز ایک صحابی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے دل میں آپ کی محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہے، اپنی بیوی سے بھی زیادہ ہے، اپنی اولاد سے بھی زیادہ ہے، بعض اوقات میں اپنے گھر میں بے چین رہتا ہوں یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کرلوں تب سکون ہوتا ہے۔

اب مجھے فکر ہے کہ جب اس دنیا سے آپ کی وفات ہو جائے گی، اور مجھے بھی موت آجائے گی تو میں جانتا ہوں کہ آپ جنت میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ درجاتِ عالیہ میں ہوں گے، اور مجھے اوّل تو یہ معلوم نہیں کہ میں جنت میں پہنچوں گا بھی یا نہیں، اگر پہنچ بھی گیا تو میرا درجہ آپ سے بہت نیچے ہوگا، میں وہاں آپ کی زیارت نہ کرسکوں گا تو مجھے صبر کیسے آئے گا؟

نبی کریم ﷺ نے ان کا کلام سن کر کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوگئی:

﴿فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ
وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ﴾.

اس وقت آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ بشارت سنادی کہ اطاعت گذاروں کو جنت میں انبیاء علیہم السلام،

---

۱۵ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج:۷، ص:۳۸، کتاب المساقاۃ، رقم الحدیث: ۲۳۵۹

صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ملاقات کا موقع ملتا رہے گا۔ یعنی درجاتِ جنت میں تفاضل اور اعلیٰ ادنیٰ ہونے کے باوجود باہم ملاقات ومجالس کے مواقع ملیں گے۔ [۱۶]

۴۵۸۶ ـ حدثنا محمد بن عبدالله بن حوشب: حدثنا ابراهيم بن سعد، عن أبيه، عن عروة، عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((ما من نبی يمرض الا خيّر بين الدنيا والآخرة))، وكان فی شكواه الذی قبض فيه أخذته بحة شديدة فسمعته يقول: ((﴿مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ﴾))، فعلمت أنه خيّر. [راجع: ۴۴۳۵]

ترجمہ: عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ ہر نبی کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کو رہنے کے لئے پسند کرے۔ جب آپ ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، تو آپ کی آواز میں کرختگی پیدا ہوگئی تو میں نے سنا کہ آپ فرمارہے تھے **﴿مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ﴾** چنانچہ میں سمجھ گئی کہ آپ کو اختیار ملا ہے اور آپ نے آخرت کو ترجیح دی ہے۔

آخرت میں انبیاء، صدیقین، شہدا، صالحین کی رفاقت

اللہ اور رسول کے احکامات کو ماننے والوں، ان پر عمل کرنے والوں کو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت میسر آنی ہے، جو اللہ ﷻ کا بڑا انعام اور اس کا محض فضل ہے۔

ان کی اطاعت کا معاوضہ نہیں جس سے منافقین بالکل محروم ہیں اور اللہ ﷻ کافی ہے جاننے والا اور خبر رکھنے والا وہ ہر ایک مخلص اور منافق اور ہر مطیع کی اطاعت اور اس کے استحقاق اصلی اور مقدار فضل کو بالتفصیل جانتا ہے تو اب کسی کو ان امور کی تفاصیل کی وجہ سے وعدہ الٰہی کو پورا ہونے میں خلجان پیدا نہ ہو۔

نبی: نبی وہ ہیں جن پر اللہ ﷻ کی طرف وحی آئے یعنی فرشتہ ظاہر میں آکر پیغام کہہ جائے۔

صدیق: صدیق وہ کہ جو پیغام اور احکام اللہ ﷻ کی طرف سے پیغمبروں کو آئے، ان کا جی خود ہی اس پر گواہی دے اور بلا دلیل اس کی تصدیق کرے۔

شہید: شہید وہ کہ پیغمبروں کے حکم پر اپنی جان سینے کو حاضر ہیں۔

---

[۱۶] تفسیر ابن کثیر، سورۃ النساء: ۶۹، ج: ۲، ص: ۳۱۱، ومعارف القرآن، ج: ۲، ص: ۴۶۷

صالحین: صالح اور نیک بخت وہ کہ جن کی طبعیت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے اور بری باتوں سے اپنے نفس اور بدن کی اصلاح اور صفائی کر چکے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ مذکورہ چار قسمیں جوامت کے باقی افراد سے افضل ہیں ان کے ماسوا جو مسلمان ہیں اور درجہ میں ان کے برابر نہیں لیکن اللہ اور رسول کی فرمانبرداری میں مشغول ہیں، وہ لوگ بھی انہی کی شمار اور ذیل میں لئے جائیں گے اور ان حضرات کی رفاقت بہت ہی خوبی اور فضیلت کی بات ہے، اس کو کوئی حقیر نہ سمجھے۔

فائدہ: اس آیت میں اشارہ ہوگیا ہے کہ منافقین جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے وہ اس رفاقت اور معیت سے محروم ہیں۔ [۱۷]

(۱۴) باب: ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللهِ﴾ الى ﴿الظَّالِمِ أَهْلُهَا﴾ [۷۵]

باب: ''اور (اے مسلمانو!) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دُعا کر رہے ہیں کہ ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں اِس بستی سے نکال لائیے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں۔'' [۱۸]

۴۵۸۷ ۔ حدثنا عبداللہ بن محمد: حدثنا سفیان، عن عبیداللہ قال: سمعت ابن عباس قال: کنت أنا و أمي من المستضعفين. [راجع: ۱۳۵۷]

ترجمہ: عبیداللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اور میری والدہ کمزوروں میں سے تھے۔

۴۵۸۸ ۔ حدثنا سلیمان بن حرب: حدثنا حماد بن زید، عن أیوب، عن ابن أبی ملیکة: أن ابن عباس تلا ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ قال: کنت أنا

---

[۱۷] تفسیر عثمانی، سورہ نساء، آیت: ۶۹، فائدہ: ۳،۲۔

[۱۸] یعنی دو وجہ سے تم کو کافروں سے لڑنا ضروری ہے ایک تو اللہ کے دین کو بلند اور غالب کرنے کی غرض سے دوسرے جو لوگ مظلوم مسلمانوں کافروں کے ہاتھ بے بس پڑے ہیں ان کو چھڑانے اور خلاصی دینے کی وجہ سے، مکہ میں بہت لوگ تھے حضرت کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے اور ان کے اقرباء ان کو ستانے لگے کہ پھر کافر ہو جائیں سو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ تم کو دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضرور ہے تا کہ اللہ کا دین بلند ہو اور مسلمان جو کہ مظلوم اور کمزور ہیں کفار مکہ کے ظلم سے نجات پائیں۔ [تفسیر عثمانی، سورہ نساء، آیت: ۷۵، فائدہ: ۲]

وأمي ممن عذر الله. ويذكر عن ابن عباس: ﴿حَصِرَتْ﴾ [۹۰]: ضاقت، ﴿تَلْوُوْا﴾ [۱۳۵] ألسنتكم: بالشهادة. وقال غيره: المراغم: المهاجر، راغمت: هاجرت قومي ﴿موقوتاً﴾[۱۰۳]: موقتاوقته عليهم. [راجع: ۱۳۵۷]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت کی ﴿إلا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ اور پھر فرمانے لگے کہ میں اور میری والدہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جن کو اللہ ﷻ نے معذور رکھا تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ "حَصِرَتْ بمعنی ضاقت" یعنی ان کے دل تنگ ہو گئے اور "تَلْوُوْا" کے معنی ہیں کہ زبان کو پھیر کر گواہی دینا۔ اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ "المراغم" کے معنی ہیں ہجرت کا مقام اور "موقوتا" کے معنی ہیں وقت مقررہ۔

(۱۵) باب: ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا﴾[۸۸]

باب: "پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں تم دو گروہ بن گئے؟، حالانکہ انہوں نے جیسے کام کئے ہیں ان کی بناء پر اللہ نے ان کو اوندھا کر دیا ہے"۔

قال ابن عباس: بددهم. فئة: جماعة.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما "أَرْكَسَهُمْ" کی تفسیر فرماتے ہیں کہ یہ "بددهم" متفرق کرنے کے معنی میں ہے، "فئة" سے جماعت مراد ہے۔

۴۵۸۹ - حدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر وعبدالرحمن قالا: حدثنا شعبة، عن عدي، عن عبدالله بن يزيد، عن زيد بن ثابت ﷺ ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ﴾ رجع الناس من أصحاب النبي ﷺ من أحد وكان الناس فيهم فرقتين: فريق يقول: اقتلهم، وفريق يقول: لا، فنزلت ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ﴾ وقال: ((انها طيبة تنفي الخبث كما تنفي النار خبث الفضة)). [۱۹]

[۱۹] وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب المدينة تنفي شرارها، رقم: ۱۳۸۴، وكتاب صفات المنافقين وأحكامها، رقم: ۲۷۷۶، وسنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة النساء، رقم: ۳۰۲۸، ومسند أحمد، مسند الأنصار، حديث زيد بن ثابت عن النبي ﷺ، ۲۱۵۹۹، ۲۱۶۳۰، ۲۱۶۳۳، ۲۱۶۳۶

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت ﷜ سے روایت ہے کہ اس آیت ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ﴾ کے متعلق، جب جنگ احد میں کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر الگ ہو گئے تھے، اس وقت مسلمانوں کی ان کے متعلق دو رائیں ہو گئیں تھیں، ایک فریق تو کہتا تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے، اور دوسرا فریق کہتا تھا کہ نہیں ایسا نہیں کیا جائے، تو اس اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ مدینہ کا طیبہ / پاک ہے، یہ ناپاکی اور خباثت کو اس طرح دور کر دیتا ہے، جس طرح آگ چاندی کے میل کو دور کر دیتی ہے۔

باب

یہ باب بلا عنوان ہے۔

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ اذا عُوا بِهِ﴾[۸۳] ای افشوه.

﴿يَسْتَنْبِطُونَهُ﴾ [۸۳]: يستخرجونه. ﴿حَسِيبًا﴾[۸۶]: كافيا. ﴿إِلَّا إِنَاثًا﴾: يعنى الموات حجرا أو مدراً أو ماأشبه. ﴿مَرِيدًا﴾[۱۱۷]: متمرداً.

﴿فَلَيُبَتِّكُنَّ﴾ [۱۱۹]: بتكه: قطعه. ﴿قِيلًا﴾[۱۲۲] وقولا واحد. ﴿طَبَعَ﴾[۱۵۶]: ختم. [راجع: ۱۸۸۴]

آیت سے مراد

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ اذا عُوا بِهِ﴾

اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔

"ای افشوه"۔ یعنی اس کو پھیلا دیتے ہیں۔

ان منافقوں اور کم سمجھ مسلمانوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ جب کوئی بات امن کی پیش آتی ہے مثلاً رسول اللہ ﷺ کا کسی سے صلح کا قصد فرمانا یا لشکر اسلام کی فتح کی خبر سننا یا کوئی خوفناک خبر سن لینا جیسے دشمنوں کا کہیں جمع ہونا یا مسلمانوں کی شکست کی خبر آنا تو اس کو بلا تحقیق مشہور کرنے لگتے اور اس میں اکثر فساد و نقصان مسلمانوں کو پیش آجاتا ہے۔ منافقین ضرر رسانی کی غرض سے ایسا کرتے اور مسلمان کم سمجھ، کم فہمی کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

الفاظ کا ترجمہ وتشریح

"یَسْتَنْبِطُوْنَهُ" بمعنی "یستخرجونه" سے مراد خبر کی تحقیق کرنا کہ اس کو پھیلانا مناسب ہے چھپانے کی ضرورت ہے۔

"حَسِیْبا" بمعنی "کافیا" یعنی اللہ ہر چیز کیلئے کافی ہونا۔

"انَاثاً" سے مراد غیر جاندار چیزیں ہیں مثلاً پتھر یا مٹی وغیرہ جوان کے مشابہ ہوں۔

"مَرِیْداً" بمعنی "متمرداً" سرکش ہونے کو کہتے ہیں۔

"بتکه" بمعنی "قطعه" کا مطلب ہے کاٹنا، ٹکڑے کرنا۔

"قِیْلاً" اور "قولا" کے ایک ہی معنی ہیں۔

"طَبعَ" بمعنی "ختم" یعنی ہیں مہر کے ہیں۔

(۱۶) باب: ﴿وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ [۹۳]

باب: "اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے۔"

۴۵۹۰ ـ حدثنا آدم بن أبي إياس: حدثنا شعبة: حدثنا مغيرة بن النعمان قال: سمعت سعيد بن جبير قال: آية اختلف فيها أهل الكوفة فرحلت فيها إلى ابن عباس فسألته عنها فقال: نزلت هذه الآية ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ هي آخر مانزل، ومانسخها شئ. [راجع: ۳۸۵۵]

ترجمہ: مغیرہ بن نعمان روایت کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ فرمارہے تھے کہ اہل کوفہ کا اس آیت میں اختلاف تھا، لہٰذا میں سفر کر کے اس بات کو پوچھنے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور ان سے دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ قتل وغیرہ کے متعلق سب سے آخر میں نازل ہوئی اور اس کو کسی دوسری آیت نے منسوخ نہیں کیا ہے۔

﴿فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ میں تفصیل

یہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ

مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ قاتل ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کبھی نہیں نکالا جائے گا۔
بعض حضرات یہ کہتے تھے کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہوگیا اس آیت کریمہ سے جس میں اللہ ﷻ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ
ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ
إِثْمًا عَظِيمًا [النساء: ۴۸]

یعنی جب اللہ تعالیٰ کے یہاں شرک کے علاوہ ہر گناہ کی مغفرت ہوسکتی ہے تو اس قتل کی بھی معافی ہوسکتی ہے، لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس بات کی تردید کررہے ہیں کہ کوئی منسوخ نہیں ہوا، یہ حکم اب بھی برقرار ہے۔

اس صورت میں اسکے معنی کیا ہیں؟

جمہور فقہاء کا کہنا ہے یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو قتل کو حلال سمجھ کر کرے تو وہ ایک صریح حرام فعل کو حلال سمجھنے کی وجہ سے کافر ہوجائے گا اور کافر ہونے کی وجہ سے "خَالِداً فِيْهَا" ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہے گا۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ "خـالـداً" کے معنی "مکث طویل" ہے اور "احقاباً" اس کو مجازاً "خـالـداً" سے تعبیر کردیا گیا۔ [۲۰]

(۱۷) باب: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِناً﴾ [۹۴]

باب: "اور جو شخص تم کو سلام کرے تو دُنیوی زندگی کا سامان حاصل کرنے کی خواہش میں اس کو یہ نہ کہو کہ "تم مؤمن نہیں ہو"۔

السِّلْم والسَّلام والسَّلَم واحد.

ترجمہ: ان تینوں کا ایک ہی معنی ہیں۔

۴۵۹۱ - حدثني علي بن عبد الله: حدثنا سفيان، عن عمرو، عن عطاء، عن ابن عباس رضي الله عنهما ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمْ لَسْتَ مُؤْمِناً﴾ قال: قال ابن عباس: كان رجل في غنيمة له فلحقه المسلمون فقال: السلام عليكم. فقتلوه وأخذوا غنيمته. فأنزل

---

[۲۰] من اراد التفصيل فليراجع عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۲۶۲ - ۲۵۹

اللہ فی ذلک إلی قولہ: ﴿عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ تلک الغنیمۃ. قال: قرأ ابن عباس: ﴿السَّلَامَ﴾. ۲۱

ترجمہ: عطاء بن رباح رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمْ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ کا شان نزول بیان کیا، راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کچھ مسلمان جہاد سے واپس آرہے تھے کہ انہیں راستہ میں ایک بکریاں چرانے والا شخص ملا، تو اس نے "السلام علیکم" کہا، لیکن مسلمانوں نے اس کو قتل کر ڈالا، اور اس کی تمام بکریاں لے لیں، چنانچہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ آیت ﴿عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ تک نازل ہوئی، اور یہ سامان دنیوی سے مراد غنیمت سمجھ کر لے جانے والی بکریاں ہیں۔ عطاء بن رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ﴿السَّلَامَ﴾ کا لفظ پڑھا ہے۔

نادانستگی میں قتل پر عتاب وتنبیہ

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمْ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کا شانِ نزول بیان فرمارہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک جماعت کو جہاد کیلئے بھیجا۔

جس قوم کی طرف جہاد کا حکم دے کر بھیجا تھا، اس قوم میں ایک شخص مسلمان بھی تھا جو اپنا مال واسباب اور مواشی ان میں سے نکال کر علیحدہ کھڑا ہو گیا تھا، اس نے مسلمانوں کو دیکھ کر السلام علیکم کہا، مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی کافر ہے اپنی جان و مال کو بچانے کی غرض سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے، اس لئے اس کو قتل کر ڈالا اور اس کے مواشی اور اسباب سب لے لیا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو تنبیہ اور تاکید فرمائی گئی کہ جب تم جہاد کے لئے سفر کرو تو تحقیق سے کام لو بے سوچے سمجھے کام مت کرو جو تمہارے سامنے اسلام ظاہر کرے اس کے مسلمان ہونے کا ہرگز انکار مت کرو، اللہ ﷻ کے پاس بہت کچھ غنیمت ہے ایسے حقیر سامان پر نظر نہ کرنی چاہئے۔ ۲۲

---

۲۱ وفی صحیح مسلم، کتاب التفسیر، رقم: ۳۰۲۵، وسنن ابی داؤد، کتاب الحروف والقرآن، رقم: ۳۹۷۴، وسنن الترمذی، أبواب التفسیر، باب ومن سورۃ النساء، رقم: ۳۰۳۰، ومسند أحمد، ومن مسند بنی ھاشم، مسند عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب عن النبی ﷺ، رقم: ۲۰۲۳، ۲۴۶۲، ۲۹۸۶

۲۲ عمدۃ القاری، ج:۱۸، ص: ۲۶۳

(۱۸) باب: ﴿لَايَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ الآیۃ [۹۵]

باب: ''وہ مسلمان جو جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں بیٹھ رہیں وہ برابر نہیں ہوسکتے۔''

۴۵۹۲ - حدثنا اسماعيل بن عبدالله قال: حدثني ابراهيم بن سعد، عن صالح، عن ابن شهاب قال: حدثني سهل بن سعد الساعدي أنه رأى مروان بن الحكم في المسجد فأقبلت حتى جلست الى جنبه فأخبرنا أن زيد بن ثابت اخبره أن النبي ﷺ أملى عليه ﴿لَايَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِى سَبِيْلِ اللهِ﴾ فجاء ه ابن أم مكتوم وهو يملها عليّ. قال: يارسول الله، والله لو أستطيع الجهاد معك لجاهدت، وكان أعمى. فأنزل الله على رسوله ﷺ وفخذه على فخذي فثقلت عليّ حتى خفت أن ترض فخذي ثم سري عنه فأنزل الله ﴿غَيْرُ أُوْلِى الضَّرَرِ﴾. [راجع: ۲۸۳۲]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی ؓ نے بیان کیا کہ میں نے مروان بن حکم کو مسجد میں دیکھا تو میں اس کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا، تو اس نے حضرت زید بن ثابت ؓ سے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت مجھے لکھوائی ﴿لَايَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِى سَبِيْلِ اللهِ﴾ ابھی آپ ﷺ مجھے آیت لکھوا ہی رہے تھے کہ اتنے میں ابن ام مکتوم ؓ آپ کی خدمت حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر مجھ میں جہاد کی طاقت ہوتی، تو اللہ کی قسم! میں ضرور جہاد کرتا، اور وہ نابینا تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی نازل فرمائی اس حال میں کہ آپ میری ران کو اپنی ران سے دبائے ہوئے بیٹھے تھے، چنانچہ میری ران پر اتنا بوجھ اور وزن پڑا کہ میں نے خیال کیا کہ کہیں میری ہڈی ٹوٹ نہ جائے، جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ نازل فرمائے ﴿غَيْرُ أُوْلِى الضَّرَرِ﴾ (یعنی معذور نہ ہوں وہ لوگ مراد ہیں، معذور لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں)۔

۴۵۹۳ - حدثنا حفص بن عمر: حدثنا شعبة، عن أبي اسحاق، عن البراء ؓ قال: لما نزلت ﴿لَايَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ دعارسول الله ﷺ زيدا فكتبها فجاء ابن أم مكتوم فشكا ضرارته، فأنزل الله ﴿غَيْرُ أُوْلِى الضَّرَرِ﴾. [راجع: ۲۸۳۱]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ؓ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے زید ؓ کو بلایا، تو انہوں نے یہ آیت لکھ دی، پھر ابن ام مکتوم خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے نابینا ہونے کا عذر

پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ نازل فرمائے ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾۔

۴۵۹۴ ـ حدثنا محمد بن یوسف، عن اسرائیل، عن أبی اسحاق، عن البراء قال: لما نزلت ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ قال النبی ﷺ: ((ادعوا فلانا))، فجاءه ومعه الدواة واللوح أو الكتف فقال: ((اكتب ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيْلِ اللهِ﴾ وخلف النبی ﷺ ابن أم مكتوم فقال: یا رسول الله أنا ضرير، فنزلت مكانها ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيْلِ اللهِ﴾. [راجع: ۲۸۳۱]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ﷺ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ن فرمایا کہ فلاں شخص (یعنی زید بن ثابت) کو بلاؤ، وہ اپنے ساتھ دوات اور تختی یا ہڈی لئے ہوئے آئے، تو آپ نے فرمایا یہ آیت لکھو ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيْلِ اللهِ﴾۔ ابن مکتوم ﷺ نبی کریم ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں تو ایک نابینا شخص ہوں، تو اس وقت یہ الفاظ نازل ہوئے کہ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيْلِ اللهِ﴾۔

۴۵۹۵ ـ حدثنا ابراهيم بن موسى: أخبرنا هشام: أن ابن جريج أخبرهم

ح؛ وحدثني اسحاق: أخبرنا عبدالرزاق: أخبرنا ابن جريج: أخبرني عبدالكريم: أن مقسما مولى عبدالله بن الحارث أخبره أن ابن عباس رضي الله عنهما أخبره ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ عن بدر والخارجون الى بدر. [راجع: ۳۹۵۴]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو جنگ بدر سے بیٹھے رہ گئے تھے اور جو لوگ بدر کی طرف نکلے۔

پچھلی آیت سے ربط اور جہاد میں نکلنے والوں کی فضیلت

اس سے پہلی آیت میں مسلمانوں کو نادانستگی اور چوک سے قتل کر دینے پر عتاب اور تنبیہ فرمائی تھی اس لئے یہ احتمال تھا کہ کوئی جہاد کرنے سے رک جائے کیونکہ مجاہدین کو ایسی صورت پیش آ ہی جاتی ہے اس لئے مجاہدین کی فضیلت بیان فرما کر جہاد کی رغبت دلائی گئی۔

خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ لنگڑے لُنجے اندھے بیمار معذور لوگوں کو تو جہاد کرنے کا حکم نہیں، باقی سب

مسلمانوں میں جہاد کرنے والوں کے بڑے درجے ہیں جو جہاد نہیں کرتے۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں یعنی اگر مسلمانوں کی کافی مقدار اور ضرورت کے موافق جماعت جہاد کرتی رہے تو جہاد نہ کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔ [۲۳]

(۱۹) باب: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّٰهُمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ﴾ الآیۃ [۹۷]

باب: ''جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اور اسی حالت میں فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئے تو وہ بولے ''تم کس حالت میں تھے؟''۔

۴۵۹۶ - حدثنا عبداللہ بن یزید المقرئ: حدثنا حيوة وغيره قالا: حدثنا محمد ابن عبدالرحمن أبو الأسود قال: قطع على أهل المدينة بعث فاكْتُتِبْتُ فيه فلقيت عكرمة مولى ابن عباس فأخبرته فنهاني عن ذلک أشد النهي ثم قال: أخبرني ابن عباس أن ناسا من المسلمين كانوا مع المشركين يكثرون سواد المشركين على رسول الله ﷺ يأتي السهم فيرمى به فيصيب أحدهم فيقتله أو يضرب فيقتل. فأنزل الله ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّٰهُمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ﴾ الآية.

رواه الليث، عن أبي الأسود. [أنظر: ۷۰۸۵] [۲۴]

ترجمہ: ابو الاسود نے بیان کیا کہ اہل مدینہ کا لشکر تیار کیا گیا، اس میں میرا بھی نام تھا، میری ملاقات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے ہوئی تو میں انہیں اس بات کی خبر دی کہ میرا نام بھی لشکر میں لکھا گیا ہے تو انہوں نے بڑی سختی سے مجھے منع کیا، پھر کہا کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا تھا کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ مشرکین کے ساتھ رہتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف کافروں کی تعداد میں اضافے کا سبب بنتے تھے (کفار انہیں جنگ میں زبردستی لاتے تھے)، پھر ایک تیر آتا جس کو پھینکا جاتا تھا جو ان میں سے کسی کو لگا جاتا تو یہ قتل ہوتے تھے یا تلوار چلائی جاتی تو اس سے مارے جاتے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّٰهُمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ﴾۔ اس حدیث کو لیث نے بھی اسود سے بیان کیا۔

---

[۲۳] عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۲۶۷

[۲۴] انفرد به البخاری.

حدیث کی تشریح - فتنہ کا سبب بننا بھی نا جائز

حضرت ابوالاسود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ **"قطع علی أهل المدینة بعث فاكْتُتِبْتُ فیه"** اہل مدینہ کے ذمہ ایک لشکر لگایا گیا تھا میرا نام بھی لشکر میں لکھا گیا تھا، مطلب یہ ہے کہ ان کے ذمہ لگایا گیا کہ تم ایک لشکر تیار کرو اور تیاری کر کے نکلو اور ہمارے مخالف سے لڑو۔

"فلقیت عکرمة مولی ابن عباس فاخبرته فنهانی عن ذلک أشد النهی" میری ملاقات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے ہوئی تو میں انہیں اس بات کی خبر دی کہ میرا نام بھی لشکر میں لکھا گیا ہے تو انہوں نے بڑی سختی سے مجھے منع کیا۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا زمانہ تھا اور اہل شام ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی مخالفت کر رہے تھے تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اہل مدینہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم لوگ یہاں سے ایک لشکر تیار کرو تا کہ وہ اہل شام سے جا کر مقابلہ کریں، اس بات کا یہ مطلب ہے۔

پھر فرمایا کہ **"أخبرنی ابن عباس أن ناسا من المسلمین کانوا مع المشرکین یکثرون سواد المشرکین علی رسول اللہ ﷺ"** مجھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات بتائی ہے کہ کچھ لوگ مسلمان تھے، لیکن مشرکین کے ساتھ رہتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف مشرکین کی جماعت میں تکثیر کا سبب بنتے تھے یعنی تھے وہ مسلمان اور ان کا مقصد مسلمانوں اور حضور اکرم ﷺ سے لڑنا نہیں تھا لیکن تکثیر سواد و تعداد میں اضافہ کی غرض سے مشرکین ان کو اپنے ساتھ لے آتے تھے۔

"یأتی السهم فیرمی به فیصیب أحدهم فیقتله أو یضرب فیقتل" وہ لوگ اگرچہ خود لڑائی میں شریک نہیں ہوتے تھے لیکن اگر کوئی تیر آتا تو ان میں سے کسی کو لگ جاتا اور اس کو مار دیتا یا ان کے اوپر کوئی تلوار سے حملہ کر دیتا تو پس وہ قتل کیا جاتا۔

تو اس پر اللہ جل جلالہ نے آیت نازل کی **﴿إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ أَنْفُسِهِمْ الخ﴾** کہ جب ملائکہ ان کی روح قبض کرنے کیلئے آئے تو ان سے کہا تم کہاں تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم مکہ مکرمہ کے رہنے والے ہیں اور مشرکوں نے ہمیں نکلنے نہیں دیا تو اس پر فرشتے جواب میں کہیں گے کہ کیا اللہ جل جلالہ کی زمین اتنی کشادہ نہیں تھی چاہتے تو ہجرت کر کے چلے جاتے؟

معلوم ہوا کہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ہجرت پر قدرت رکھنے کے باوجود ہجرت نہیں کی اور اس واسطے یہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے، ایسے لوگوں کیلئے قرآن نے وعید بیان کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ بات نقل کر کے عکرمہ نے کہا کہ اس سے معلوم ہوا کہ تکثیر سواد بھی اس میں شامل ہونے کے معنی میں ہے، اس واسطے وہ بھی نا جائز ہے۔

(۲۰) باب: ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ﴾ [الآية: ۹۸]

باب: ''البتہ وہ بے بس مرد، عورتیں (اس انجام سے مستثنیٰ ہیں)''۔

۴۵۹۷ ـ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد، عن أيوب، عن ابن أبي مليكة، عن ابن عباس رضی الله عنهما ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ﴾ قال: كانت أمي ممن عذر الله. [راجع: ۱۳۵۷]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ﴾ کے بارے میں بیان کیا کہ میری والدہ ان لوگوں میں سے تھیں جنہیں اللہ نے (ہجرت سے) معذور رکھا تھا۔

(۲۱) باب قوله: ﴿فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ﴾ [الآية ۹۹]

باب: ''چنانچہ پوری اُمید ہے کہ اللہ ان کو معاف فرمادے۔''

۴۵۹۸ ـ حدثنا أبو نعيم: حدثنا شيبان، عن يحيى، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة ﷺ قال: بينا النبي ﷺ يصلي العشاء إذ قال: ((سمع الله لمن حمده))، ثم قال قبل أن يسجد: ((اللّهم نج عياش بن أبي ربيعة، اللّهم نج سلمة بن هشام، اللّهم نج الوليد بن الوليد، اللّهم نج المستضعفين من المؤمنين. اللّهم اشدد وطأتك على مضر، اللّهم اجعلها سنين كسني يوسف)). [راجع: ۷۹۷]

ترجمہ: ابوسلمہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ نے ''**سمع الله لمن حمده**'' کے بعد سجدہ سے پہلے اس طرح دعا فرمائی کہ اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات عطا فرما، اے اللہ! ولید بن ولید کو بھی نجات دے، اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو نجات عطاء فرمادے، اے اللہ! مضر کے کافروں پر اپنی پکڑ سخت کر دے اور اے اللہ! اس سزا کو قحط سالی بنادے، ایسے قحط میں مبتلا کر جیسا حضرت یوسف ﷺ کے زمانہ میں طویل قحط آیا تھا۔

آیت کا خلاصہ وفائدہ _ ہجرت کا حکم

بعضے مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت میں ہیں اور ان سے مغلوب ہیں اور کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو عمل نہیں کر سکتے نہ حکم جہاد کی تعمیل کر سکتے ہیں سو ان پر فرض ہے کہ وہاں سے ہجرت کریں۔

اس جگہ میں اسی کا ذکر ہے خلاصہ یہ کہ جو لوگ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں یعنی کافروں کے ساتھ مل کر رہ رہے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے تو فرشتے ان سے مرتے وقت پوچھتے ہیں کہ تم کس دین پر تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمان تھے مگر بوجہ ضعف وکمزوری کے دین کی باتیں نہ کر سکتے تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ کی زمین تو بہت وسیع تھی تم یہ تو کر سکتے تھے کہ وہاں سے ہجرت کر جاتے سو ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

البتہ جو لوگ ضعیف ہیں اور عورتیں اور بچے کہ نہ وہ ہجرت کی تدبیر کر سکتے ہیں نہ ان کو ہجرت کا راستہ معلوم ہے، وہ قابل معافی ہیں۔

فائدہ: اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ مسلمان جس ملک میں کھلا نہ رہ سکے وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے اور سوائے ان لوگوں کے جو بالکل معذور اور بے بس ہوں اور کسی کو وہاں پڑے رہنے کی اجازت نہیں۔ [۲۵]

(۲۲) باب: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ﴾ [۱۰۲] الآية

باب: ''اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے''۔

۴۵۹۹ ـ حدثنا محمد بن مقاتل أبو الحسن: أخبرنا حجاج، عن ابن جريج قال: أخبرني يعلى، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ﴿إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى﴾ قال عبدالرحمن بن عوف وكان جريحا. [۲۶]

---

[۲۵] وفي ((تفسير ابن الجوزي)) قال مجاهد: هم قوم أسلموا ولبثوا على الاسلام ولم يكن لهم عجلة في الهجرة، فعذرهم الله تعالىٰ بقوله: ﴿عَسَى اللهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ﴾، عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۲۷۰، و تفسير عثماني، سورة النساء: ۹۹، فائده: ۳.

[۲۶] انفرد به البخاري.

ترجمہ: سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت ﴿إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى﴾ کے بارے میں فرمایا کہ عبدالرحمٰن بن عوف زخمی ہو گئے تھے۔

عذر اور خوف کی تدابیر

یعنی اگر بارش یا بیماری اور ضعف کی وجہ سے ہتھیار کا اٹھانا مشکل ہو تو ایسی حالت میں ہتھیار اتار کر رکھ دینے کی اجازت ہے لیکن اپنا بچاؤ کر لینا چاہیئے مثلاً زرہ، سپر اور خود ساتھ لے لو۔

فائدہ: اگر دشمنوں کے خوف سے اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ نماز خوف بصورت مذکورہ ادا کر سکیں تو جماعت موقوف کر کے تنہا نماز پڑھ لیں پیادہ ہو کر سواری سے اترنے کا موقع بھی نہ ملے تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لیں، اگر اس کی بھی مہلت نہ ملے تو پھر نماز کو قضا کر دیں۔ [۲۷]

(۲۳) باب قوله: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ﴾ [۱۲۷]

باب: "اور (اے پیغمبر!) لوگ تم سے اپنی عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم بتاتا ہے، اور اِس کتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ بھی ان یتیم عورتوں کے بارے میں (شرعی حکم بتاتی ہیں)۔"

۴۶۰۰ ـ حدثنا عبيد بن اسماعيل: حدثنا أبو أسامة قال: حدثنا هشام بن عروة، عن ابيه، عن عائشة رضى الله عنهما ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ الى قوله: ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ قالت عائشة: هو الرجل تكون عنده اليتيمة هو وليها و وارثها فأشركته في ماله حتى في العذق فيرغب أن ينكحها ويكره أن يزوجها رجلا فيشركه في ماله بما شركته فيعضلها فنزلت هذه الآية. [راجع: ۲۴۹۴]

---

[۲۷] ذكره العلامة بدر الدين العينى رحمه الله: وقد غمض اكثر الشراح أعينهم فى هذا الموضع، وفيما ذكرنا كفاية ولله الحمد. عمدة القارى، ج:۱۸، ص:۲۷۱

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ الخ﴾ سے مراد وہ آدمی ہے جو کسی یتیم عورت کا وارث ہو، اور اس کے کسی مال میں شریک بھی ہو، اور پھر اس سے نکاح بھی کرنا چاہے، اور دوسرے سے نکاح کرنے کو برا جانے، اس لئے کہ وہ غیر آدمی اس کے مال میں اس کا شریک ہو جائے گا، لہٰذا اس بناء پر عورت کو دوسرے سے نکاح کرنے سے روکے، چنانچہ اس کیلئے یہ نازل فرمائی گئی۔

رعایت کی صورت میں والی کا یتیم لڑکی سے نکاح کرنا

اس سورت کے اول ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتَامٰى﴾ میں یتیموں کے حق ادا کرنے کی تاکید فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ یتیم لڑکی جس کا والی مثلاً چچا کا بیٹا ہو اگر جانے کہ میں اس کا حق پورا ادا نہ کرسکوں گا تو خود اس لڑکی سے نکاح نہ کرے بلکہ کسی اور سے اس کا نکاح کردے اور آپ اس کا حمایتی بنا رہے۔

اس پر مسلمانوں نے ایسی عورتوں سے نکاح کرنا موقوف کردیا تھا مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ لڑکی کے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس کا والی ہی اپنے نکاح میں لائے جیسی رعایت وہ کرے گا غیر نہ کرے گا تب مسلمانوں نے حضور اقدس ﷺ سے نکاح کی اجازت مانگی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رخصت مل گئی۔

اور فرمایا کہ وہ جو پہلی ممانعت سنائی گئی تھی وہ خاص اس صورت میں تھی کہ ان کا حق پورا ادا نہ کرو اور یتیموں کے حق ادا کرنے کی تاکید کی گئی تھی اور جو یتیموں کے ساتھ سلوک اور بھلائی کرنے کے ارادہ سے ایسا نکاح کیا جائے تو اجازت ہے۔

فائدہ: عرب کے لوگ عورتوں، بچوں اور یتیموں کو بعض حقوق سے محروم رکھتے تھے میراث نہ دیتے تھے اور کہتے تھے میراث اس کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑائی کرے یتیم لڑکیوں سے ان کے اولیاء نکاح کر کے نفقہ اور مہر میں کمی اور ان کے مال میں بیجا تصرف کرتے تھے، چنانچہ ابتدائے سورت میں ان باتوں کی تاکید گزر چکیں۔

اب اس کا خلاصہ یہ ہے کہ واجب الاتباع حکم الٰہی ہے کسی کی عقل، کسی کا دستور، کسی کا حکم، کسی کی آرزو اور قیاس قابل اعتبار نہیں ہوسکتا، اللہ جل جلالہ کے حکم کے سامنے کسی کی بات سنی اور اللہ جل جلالہ کے حکم کو چھوڑ کر اس پر عمل کرنا صریح کفر اور گمراہی ہے اور اس مضمون کو طرح طرح سے تاکیدات بلیغہ کے ساتھ ظاہر کر کے دکھلایا ہے۔

اب اس کے بعد آیات سابقہ کا حوالہ دے کر بعضے اور مسائل عورتوں اور یتیم لڑکیوں کے نکاح کے متعلق بتلائے جاتے ہیں تاکہ ان تاکیدات کے بعد کسی کو عورتوں کے حقوق دینے میں کوئی بات باقی نہ رہے۔

روایت ہے کہ جب عورتوں کے متعلق آپ ﷺ نے حکم میراث ظاہر فرمایا تو بعض عرب کے سردار آپ

کی خدمت میں آئے اور تعجب سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ بہن، بیٹی کو میراث دلواتے ہیں حالانکہ میراث تو ان کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑیں اور غنیمت کا مال لائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ ﷻ کا یہی حکم ہے کہ ان کو میراث دی جائے۔ [۲۸]

(۲۴) باب: ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزاً أَوْ إِعْرَاضاً﴾ [۱۲۸]

باب: ”اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بیزاری کا اندیشہ ہو“۔

قال ابن عباس: ﴿شِقَاقَ﴾ [۳۵]: تفاسد ﴿وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ﴾ [۱۲۸] قال: هواه في الشيء يحرص عليه ﴿كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ [۱۲۹] لاهي أيم ولا ذات زوج. ﴿نُشُوزاً﴾ بغضا.

ترجمہ وتشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”شِقَاقَ“ بمعنی ”تفاسد“ باہمی فساد اور جنگ ہے۔

﴿وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ﴾ اس آیت میں ”الشُّحَّ“ کا مطلب کسی چیز کے لئے حرص ولالچ اور خواہش نفسانی ہے۔

”كَالْمُعَلَّقَةِ“ کا مطلب ہے کہ بیچ میں لٹکی ہوئی، وہ عورت جو گویا نہ بیوہ ہو، نہ شوہر والی ہو۔

”نُشُوزاً“ کا مطلب ہے ناراضگی، خفگی اور بغض وغیرہ۔

۴۶۰۱ - حدثنا محمد بن مقاتل: أخبرنا عبدالله: أخبرنا هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزاً أَوْ إِعْرَاضاً﴾ قالت: الرجل تكون عنده المرأة ليس بمستكثر منها يريد أن يفارقها، فتقول: أجعلك من شأني في حل. فنزلت هذه الآية في ذلك. [راجع: ۲۴۵۰]

---

[۲۸] قوله تعالىٰ: ﴿قل الله يفتيكم فيهن﴾ [النساء، ۱۲۷]، أى: في توريثهن، وكانت العرب لاتورث النساء والصبيان. قوله: ((وما يتلى عليكم في الكتاب))، أريد به ما ذكر قبل هذه الآية وهو قوله تعالىٰ: ﴿وان خفتم الا تقسطوا في اليتمىٰ فانكحوا ما طاب لكم من النساء﴾ [النساء: ۳] الآية. والذى كتب في النساء هو قوله تعالىٰ: ﴿في يتمىٰ النسا التى الخ﴾ الآية. عمدة القارى، ج: ۱۸، ص: ۲۷۲

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس آیت ﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزاً أَوْ إِعْرَاضاً﴾ کے بارے میں بیان کیا کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے اچھا برتاؤ رمحبت نہیں کرتا تھا، اور چاہتا تھا کہ اس کو الگ کردے، عورت نے کہا، اچھا میں اپنا (نان نفقہ، مہر) معاف کئے دیتی ہوں (مگر تم مجھے طلاق مت دو)، اس وقت یہ آیت نازل فرمائی گئی (یعنی تم آپس میں صلح کرلو، یہی اچھی بات ہے)۔

عورت کا مہر یا نفقہ معاف کرنا

اگر کوئی عورت خاوند کا دل اپنے سے پھرا دیکھے اور اس کو خوش اور متوجہ کرنے کو اپنے مہر یا نفقہ وغیرہ میں سے کچھ چھوڑ کر اس کو راضی کرلے تو اس مصالحت میں کسی ذمہ کچھ گناہ نہیں زوجین میں مصالحت اور موافقت بہت ہی اچھی بات ہے۔

البتہ بے وجہ عورت کو تنگ کرنا اور بلا رضا اس کے مال میں تصرف کرنا گناہ ہے۔ [۲۹]

(۲۵) باب: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [۱۴۵]

باب: ''یقین جانو کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے''۔

قال ابن عباس: أسفل النار. ﴿نَفَقاً﴾[الأنعام: ۳۵]: سربا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں **''أسفل النار''** مراد ہے یعنی آگ کا سب سے نچلا حصہ۔

''نَفَقاً'' بمعنی ''سربا'' سرنگ کے ہیں۔

۴۶۰۲۔ حدثنا عمر بن حفص: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش قال: حدثني إبراهيم، عن الأسود قال: كنا في حلقة عبدالله فجاء حذيفة حتى قام علينا فسلم ثم قال: لقد أنزل النفاق على قوم خير منكم، قال الأسود: سبحان الله، إن الله يقول: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ فتبسم عبدالله وجلس حذيفة في ناحية المسجد. فقام عبدالله فتفرق أصحابه فرماني بالحصا، فأتيته فقال حذيفة: عجبت من ضحكة وقد عرف

---

[۲۹] فتح الباری، ج:۸، ص: ۲۶۲، وتفسیر عثمانی، سورۃ النساء:۱۲۸، فائدہ: ۳

ماقلت، لقد أنزل النفاق على قوم كانوا خيرا منكم ثم تابوا فتاب الله عليهم. [۳۰]

ترجمہ: اسود سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ اتنے میں ایک صحابی حضرت حذیفہ بن یمان ﷺ آئے، ہمارے پاس کھڑے ہوئے اور سلام کیا، پھر فرمایا کہ نفاق ایسی چیز ہے جو تم سے اچھے لوگوں کی جماعت پر نازل ہو چکی ہے، اسود نے (راوی نے ذرا تعجب سے) کہا سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ **﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾** تو اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ مسکرائے، اور حضرت حذیفہ ﷺ اٹھ کر مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ ﷺ بھی اٹھ گئے اور ان کے شاگرد بھی اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے، پھر حضرت حذیفہ ﷺ نے ایک کنکری میرے طرف پھینکی، میں ان کے پاس آیا اور تو حضرت حذیفہ ﷺ نے فرمایا کہ میں (عبداللہ بن مسعود) کے مسکرانے سے تعجب میں پڑ گیا، کیونکہ جو کچھ میں نے کہا، وہ انہوں نے اچھی طرح سمجھ لیا، بیشک نفاق اس قوم پر آیا تھا جو تم سے بہتر تھی، لیکن پھر انہوں نے توبہ کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا کو معاف کر دیا۔

نفاق سے برأت اور توبہ کا حکم

حضرت اسود بن یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے حلقہ درس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت حذیفہ بن یمان ﷺ آئے اور ہمارے پاس کھڑے ہو کر سلام کیا۔

پھر فرمانے لگے کہ "**لقد أنزل النفاق على قوم خير منكم**" نفاق ایسی قوم پر نازل کیا گیا تھا یعنی ان کو نفاق میں مبتلاء گیا تھا جو لوگ تم سے بہتر تھے۔

راوی حضرت اسود بن یزید رحمہ اللہ نے اس پر تعجب سے کہا کہ "**سبحان الله**" منافقین ہم سے بہتر کیسے ہو گئے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ **﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾** یعنی منافقین جہنم کے سب سے نچلے حصے میں ہوں گے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ ہم سے بہتر ہیں۔

"**فتبسم عبدالله**" تو حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے اس بات پر تبسم فرمایا یعنی وہ حضرت حذیفہ ﷺ کا مطلب سمجھ گئے تھے اور "**وجلس حذيفة في ناحية المسجد**" پھر حضرت حذیفہ ﷺ مسجد کے گوشے میں جا کے بیٹھ گئے۔

---

[۳۰] وفي صحيح مسلم، كتاب التفسير، رقم: ۳۰۱۷، وسنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، رقم: ۳۰۴۳، و مسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، مسند الخلفاء الراشدين، أول مسند عمر بن الخطاب ﷺ، رقم: ۱۸۸

"**فقام عبد اللہ فتفرق أصحابه**" اور پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اٹھ کر چلے گئے اور ان کے شاگرد بھی منتشر ہو گئے، "**فرماني بالحصا**" تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے میری طرف ایک کنکر متوجہ کرنے، بلانے کیلئے پھینکا اور اپنے پاس بلایا، تو میں ان کے پاس گیا۔

پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "**عجبت من ضحكة وقد عرف ماقلت**" مجھے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہنسنے سے تعجب ہوا، کیونکہ جو کچھ میں نے کہا اس کا مطلب وہ سمجھ گئے تھے اور میں نے یہ کہا تھا کہ "**لقد أنزل النفاق على قوم كانوا خيرا منكم**" نفاق ایسی قوم پر نازل ہوا جو تم سے بہتر تھی یعنی جو لوگ نفاق میں مبتلاء ہوئے تھے وہ بہتر تھے، کیونکہ وہ خیر القرون کے لوگ تھے۔

"**ثم تابوا فتاب الله عليهم**" پھر انہوں نے اس سے توبہ کر لی اور پھر اللہ جل جلالہ نے ان کی توبہ قبول کر لی تو وہ چونکہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے کے لوگ تھے، لہٰذا تم سے بہتر تھے خاص طور پر وہ جب انہوں نے توبہ کر لی تو تم سے بہتر ہی تھے اس لئے میں نے کہا تھا۔

(۲۶) باب قوله: ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ﴾ الى قوله: ﴿وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ﴾ [۱۶۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: "(اے پیغمبر!) ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسے نوح پر بھیجی تھی" آخر آیت تک۔

وحی کے ادوار

اہل کتاب، مشرکین مکہ اور جملہ کفار قرآن مجید کی حقانیت اور صداقت میں طرح طرح سے بیہودہ شبہات پیدا کرتے، اس موقع میں یہی کہہ دیا کہ جیسے توریت سب کی سب ایک دفعہ اتری تھی ایسے ہی تم بھی ایک کتاب آسمان سے لا دو تو ہم تم کو سچا جانیں بقول شخصے ۔

خوئے بد را بہانہ بسیار سو۔

اللہ جل جلالہ نے اس جگہ چند آیتیں نازل فرما کر اس کی حقیقت واضح کر دی اور وحی کی عظمت اور کفار کے سب خیالات اور شبہات بیہودہ کو رد کر دیا اور وحی الٰہی کی متابعت کو عامۃ اور قرآن مجید کی اطاعت کو تخصیص کے ساتھ بیان فرما کر بتلا دیا کہ حکم الٰہی کا ماننا سب پر فرض ہے کسی کا کوئی عذر اس میں نہیں چل سکتا جو اس کے تسلیم

کرنے میں تردد یا تامل یا انکار کرے وہ گمراہ اور بے دین ہے۔ اب یہاں سے تحقیقی جواب دیا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ وحی خاص اللہ ﷻ کا حکم اور اس کا پیام ہے جو پیغمبروں پر بھیجا جاتا ہے، انبیاء سابقین پر جیسے وحی الٰہی نازل ہوئی ویسے ہی حضرت محمد ﷺ پر بھی اللہ ﷻ نے اپنی وحی بھیجی تو جس نے اس کو مانا اس کو بھی ضرور ماننا چاہئے اور جس نے اس کا انکار کیا وہ گویا ان سب کا منکر ہو گیا۔

اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پچھلوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے جو وحی شروع ہوئی تو اس وقت بالکل ابتدائی حالت تھی، حضرت نوح علیہ السلام پر اس کی تکمیل ہو گئی گویا اول حالت محض تعلیمی حالت تھی، حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں وہ حالت پوری ہو کر اس قابل ہو گئی کہ ان کا امتحان لیا جائے اور فرمانبرداروں کو انعام اور نافرمانوں کو سزا دی جائے۔

چنانچہ انبیائے اولوالعزم کا سلسلہ بھی حضرت نوح علیہ السلام سے ہی شروع ہوا اور وحی الٰہی سے سرتابی کرنے والوں پر بھی اول عذاب حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوا۔

خلاصہ یہ کہ پہلے حکم الٰہی اور انبیاء کی مخالفت پر عذاب نازل نہیں ہوتا تھا بلکہ انکو معذور سمجھ کر ان کو ڈھیل دی جاتی تھی اور سمجھانے ہی میں کوشش کی جاتی تھی، حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جب مذہبی تعلیم خوب ظاہر ہو چکی اور لوگوں کو حکم خداوندی کی متابعت کرنے میں کوئی خفا باقی نہ رہا تو اب نافرمانوں پر عذاب نازل ہوا۔

اول حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان آیا، اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام وغیرہ کے زمانہ میں کافروں پر قسم قسم کے عذاب آئے تو آپ ﷺ کی وحی کو حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پچھلوں کی وحی کے ساتھ تشبیہ دینے میں اہل کتاب اور مشرکین مکہ کو پوری تنبیہ کر دی گئی کہ جو آپ ﷺ کی وحی یعنی قرآن کو نہ مانے گا وہ عذاب عظیم کا مستحق ہوگا۔ [۳۱]

۴۶۰۳ ۔ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن سفيان قال: حدثني الأعمش، عن أبي وائل، عن عبدالله عن النبي ﷺ قال: ((ماينبغي لأحد أن يقول: أنا خيرمن يونس ابن متى)). [راجع: ۳۴۱۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کیلئے یہ بات مناسب نہیں ہے وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متی (علیہ السلام) سے بہتر ہوں۔

۴۶۰۴ ۔ حدثنا محمد بن سنان: حدثنا فليح: حدثنا هلال، عن عطاء بن يسار، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ قال: ((من قال: أنا خيرمن يونس بن متى، فقد كذب)). [راجع: ۳۴۱۵]

---

[۳۱] تفسیر عثمانی، سورہ نساء: ۱۳۶، فائدہ: ۵، ۶۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۱، ص: ۱۷۹

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں، تو اس نے جھوٹ بولا۔

(۲۷) باب: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ﴾ [۱۷۶]

باب: ”(اے پیغمبر!) لوگ تم سے (کلالہ کا حکم) پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم بتاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس حال میں مر جائے کہ اس کی اولاد نہ ہو، اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکے میں سے آدھے کی حق دار ہوگی۔ اور اگر اس بہن کی کوئی اولاد نہ ہو (اور وہ مر جائے، اور اس کا بھائی زندہ ہو) تو وہ اس بہن کا وارث ہوگا۔

کلالہ کی تفسیر

شروع سورت میں آیت میراث میں کلالہ کی میراث کا ذکر گزر چکا ہے اسکے بعد جو صحابہ کرام ﷺ نے اس کے متعلق زیادہ تفصیل پوچھنی چاہی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

”کلالہ“ کے معنی کمزور اور ضعیف، یہاں وہ شخص مراد ہے جس کے وارثوں میں باپ اور اولاد میں سے کوئی نہ ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا، کیونکہ اصلی وارث والد اور ولد ہی ہیں جس کے یہ نہیں تو اس کے حقیقی بھائی بہن کو بیٹا بیٹی کا حکم ہے اور اگر حقیقی نہ ہوں تو یہی حکم سوتیلوں کا ہے جو کہ باپ میں شریک ہوں ایک بہن ہو تو آدھا اور دو بہن ہوں تو دو تہائی اور اگر بھائی اور بہن دونوں ہیں تو مرد کو دوہرا حصہ اور عورت کو اکہرا ملے گا اور اگر فقط بھائی ہوں بہن کوئی نہ ہو تو وہ بہن کے مال کے وارث ہوں گے یعنی ان کا کوئی حصہ معین نہیں، کیونکہ وہ عصبہ ہیں جیسا کہ آیت میں آگے یہ سب صورتیں مذکور ہیں۔

اب باقی رہ گئے وہ بھائی بہن جو صرف ماں میں شریک ہوں جن کو اخیافی کہتے ہیں سو ان کا حکم شروع سورت میں فرمادیا گیا ان کا حصہ معین ہے یعنی اگر مرد مر گیا اور اس نے ایک بہن چھوڑی، نہ بیٹا چھوڑا نہ باپ تو اس کو میراث میں نصف مال ملے گا۔

اور اگر اسکے برعکس ہو یعنی کوئی عورت لاولد مر گئی اور اس نے بھائی اعیانی یا علاتی چھوڑا تو وہ بہن کے مال کا وارث ہوگا کیونکہ وہ عصبہ ہے اور اگر اس نے لڑکا چھوڑا تو بھائی کو کچھ ملے گا اور لڑکی چھوڑی تو لڑکی سے جو

بچے گا وہ اس بھائی کو ملے گا اور بھائی یا بہن اخیافی چھوڑے گی تو اس کے لئے چھٹا حصہ معین ہے جیسا کہ ابتداء سورت میں ارشاد ہوا۔

والکلالۃ من لم یرثہ اب او ابن، وھو مصدر من تکللہ النسب.

ترجمہ: کلالہ وہ شخص ہے جس کے ورثاء میں سے نہ باپ ہو نہ بیٹا ہو، اور کلالہ مصدر ہے تکللہ النسب کا۔

۴۶۰۵ ـ حدثنا سلیمان بن حرب: حدثنا شعبۃ، عن أبی إسحاق: سمعت البراء ﷺ قال: آخر سورۃ نزلت براءۃ، وآخر آیۃ نزلت ﴿یَسْتَفْتُونَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ﴾. [راجع: ۴۳۶۴]

ترجمہ: ابو اسحاق کہتے ہیں میں نے سنا کہ حضرت براء بن عازب ﷺ فرمارہے تھے کہ سب سے آخر میں جو سورت نازل ہوئی، وہ سورۃ براءۃ ہے، اور آخر میں جو آیت اتری وہ یہ آیت ہے: ﴿یَسْتَفْتُونَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ﴾۔

تشریح

حضرت براء بن عازب ﷺ کا خیال ہے کہ قرآن کی آخری آیت ﴿یَسْتَفْتُونَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ﴾ ہے۔

کسی نے کہا ہے کہ آخری آیت ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ [المائدہ: ۳] ہے۔

اور کسی نے کہا کہ ﴿وَاتَّقُوا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ﴾ [البقرۃ: ۲۸۱] آخری آیت ہے۔

یہ سب تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

تینوں صورتوں میں تطبیق

ان تینوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ:

﴿یَسْتَفْتُونَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ﴾ حضرت براء ﷺ کا کہنے کا منشأ یہ ہے کہ اس آیت میں میراث کے معاملے میں آخری آیت یہی نازل ہوئی تھی، مطلق آخر میں نازل ہونا مراد نہیں ہے

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ آخری احکام والی آیت ہے جو نازل ہوئی ہے۔

اور جس نے ﴿وَاتَّقُوا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ﴾ کہا ہے جیسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تو ان کی مراد یہ ہے با قاعدہ واقعتاً آخری آیت۔

(۵) سورة المائدہ

سورۂ مائدہ کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجہ تسمیہ

اس سورۃ کو "**سورۃ المائدہ**" کہتے ہیں، اس لئے کہ اس میں "**مائدہ**" کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ اس کا نام "**سورۃ العقود**" بھی ہے، چونکہ اس کی پہلی آیت میں ایفائے عہود کا حکم ہے۔

لفظ "**مائدہ**" کے معنی ہیں وہ دسترخوان جس پر کھانا ہو، لیکن اگر دسترخوان پر کھانا موجود نہ تو اس کو "**مائدہ**" نہیں کہا جائے، جیسا کہ علامہ عینی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ "**مائدہ**" فاعلہ کے وزن پر ہے بمعنی **مفعولۃ** جیسے "**عیشة راضية**" بمعنی "**مرضية**" ہے۔ [۱]

سورۃ المائدہ کا نزول

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی عضباء کی نکیل تھامے ہوئی تھی کہ آپ پر سورہ پوری نازل ہوئی قریب تھا کہ اس بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں۔ [۲]

حضرت جبیر بن نفیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تم سورہ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں! تو آپ نے فرمایا کہ سنو سب سے آخر یہی سورت نازل ہوئی اس میں جس چیز کو حلال پاؤ اس کو حلال ہی سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ حرام ہی جانو۔ [۳]

---

[۱] عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۲۷۹

[۲] مسند أحمد، الملحق المستدرک من مسند الأنصار بقية خامس عشر الأنصار، من حديث أسماء بنت يزيد رضی اللہ عنها، رقم: ۲۷۵۷۵

[۳] المستدرک علی الصحيحين للحاكم، كتاب التفسير......، تفسير سورة المائدة، رقم: ۳۲۱۰

(۱) باب

یہ باب بلاعنوان ہے۔

﴿وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ [۱] واحدها حرام ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيْثَاقَهُمْ﴾ [۱۳] بنقضهم ﴿الَّتِي كَتَبَ اللهُ﴾ [۱]: جعل الله. ﴿تَبُوْءَ﴾ [۲۹]: تحمل.

﴿دَائِرَةٌ﴾ : دولة. وقال غيره: الاغراء: التسليط، ﴿أُجُوْرَهُنَّ﴾ [۵]: مهورهن. المهيمن: الأمين. القرآن أمين على كل كتاب قبله.

وقال سفيان: مافى القرآن آية أشد على من ﴿لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيْمُوْا التَّوْرَاةَ وَالإِنْجِيْلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ﴾.

﴿مَخْمَصَةٌ﴾ مجاعة. ﴿مَنْ أَحْيَاهَا﴾ لمن من حرم قتلها الابحق حيى الناس منه جميعا ﴿شِرْعَةً وَمِنْهَاجاً﴾ سبيلا وسنة.

﴿فَإِنْ عُثِرَ﴾ ظهر ﴿الْأَوْلَيَانِ﴾ واحدهن أولى.

ترجمہ وتشریح

"حرم" کا واحد "حرام" ہے، یعنی احرام کی حالت۔

"فَبِمَا نَقْضِهِمْ" کا معنی ہے ان کے عہد توڑنے کی وجہ۔

"كَتَبَ اللهُ" کا معنی "جعل الله" یعنی اللہ نے مقرر کردیا ہے۔

"تَبُوْءَ" کا معنی ہے تو بوجھ اٹھائے۔

"دَائِرَةٌ" گردش زمانہ، مصیبت۔

"الاغراء" کے معنی ہے مسلط کردینا۔

"أُجُوْرَهُنَّ" کے معنی ہیں ان کے حق مہر۔

"المهيمن" کے معنی امانتدار، قرآن گویا اگلی کتابوں کا محافظ ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں میرے خیال میں پورے قرآن میں میرے لئے اس سے زیادہ کوئی سخت اور شدید تر آیت نہیں ہے ﴿لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيْمُوْا التَّوْرَاةَ وَالإِنْجِيْلَ وَمَا أُنْزِلَ

اِلَیْکُمْ مِنْ رَبِّکُمْ﴾۔

"مَخْمَصَةٌ" کے معنی سخت بھوک کے ہیں۔

"مَنْ أَحْیَاھَا" کے معنی ہیں، جس نے بغیر کیسی شرعی حق کے کسی قتل انسانی کو حرام جانا۔

"شِرْعَةٌ" شریعت کو کہتے ہیں "مِنْهَاجاً" سنت محمدی ﷺ کو کہتے ہیں۔

"فَإِنْ عُثِرَ" یعنی ظاہر ہوا، "الْأَوْلَیَان" اس کا واحد اولی ہے۔

(۲) باب قوله: ﴿اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ [۳]

باب: "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا ہے"۔

وقال ابن عباس: ﴿مَخْمَصَةٍ﴾ [۳]: مجاعة.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "مَخْمَصَةٌ" کے معنی سخت بھوک کے ہیں۔

۴۶۰۶ ـ حدثنی محمد بن بشار: حدثنا عبدالرحمٰن: حدثنا سفیان، عن قیس، عن طارق بن شهاب: قالت الیهود لعمر: إنکم تقرؤن آیة لو نزلت فینا لاتخذناها عیداً، فقال عمر: إنی لأعلم حیث أنزلت، وأین أنزلت. وأین رسول الله ﷺ حیث أنزلت، یوم عرفة وإنا والله بعرفة.

قال سفیان: وأشک کان یوم الجمعة أم لا؟ ﴿اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾.

[راجع: ۴۵]

ترجمہ: طارق بن شہاب روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہودیوں نے کہا کہ یہ آیت جو تم پڑھتے ہو، گر ہمارے متعلق نازل ہوتی/ہمارے درمیاں نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ آیت کب کہاں اور کس وقت نازل ہوئی تھی اور رسول اللہ ﷺ کہاں رونق افروز تھے؟ اللہ کی قسم! جب یہ آیت نازل ہوئی وہ عرفہ کا دن اور ہم میدان عرفات میں تھے۔ سفیان کہتے ہیں کہ مجھے شک ہے کہ وہ جمعہ کا دن تھا یا نہیں؟ ﴿اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾۔ [۷]

---

[۷] مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: انعام الباری شرح صحیح البخاری، جلد: ۱، ص: ۵۳۲، کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۴۵، تفسیر طبری، ج: ۶، ص: ۸۳، فتح الباری، ج: ۱، ص: ۱۰۵، وعمدة القاری، ج: ۱۲، ص: ۵۲۶

(۳) باب قوله: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ [۲]

باب: ''اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو''۔

﴿تَيَمَّمُوْا﴾ تعمدوا، ﴿آمِّيْنَ﴾[۲] عامدين. أمّمت وتيمّمت واحد.

وقال ابن عباس: ﴿لَمَسْتُمْ﴾ [النساء: ۴۳]، و﴿تَمَسُّوْهُنَّ﴾ [البقرة: ۲۳۶]، ﴿وَالّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ [النساء: ۲۳]. والافضاء: النكاح.

ترجمہ وتشریح

''تَيَمَّمُوْا'' بمعنی ''تعمدوا'' یعنی تم قصد کرو، ارادہ کرو۔

''آمِّيْنَ'' بمعنی ''عامدين'' یعنی قصد وارداہ کرنے والے۔

''أمّمت وتيمّمت'' ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے قصد کرنا، کسی کام کا ارادہ کرنا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''لَمَسْتُمْ'' اور ''تَمَسُّوْهُنَّ'' اور ''دَخَلْتُمْ بِهِن'' ''الافضاء'' ان سب الفاظ کے معنی ایک ہی ہیں نکاح یعنی جماع روطی کرنا۔

۴۶۰۷ ـ حدثنا اسماعيل قال: حدثنی مالک، عن عبدالرحمٰن بن القاسم، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها زوج النبی ﷺ قالت: خرجنا مع رسول الله ﷺ فی بعض أسفاره حتی اذا كنا بالبيداء أوبذات الجيش انقطع عقد لی. فأقام رسول الله ﷺ علی التماسه وأقام الناس معه وليسوا علی ماء وليس معهم ماء، فأتی الناس الی أبي بكر الصديق فقالوا: ألا تری ما صنعت عائشة أقامت برسول الله ﷺ وبالناس وليسوا علی ماء وليس معهم ماء؟ فجاء أبوبكر ورسول الله ﷺ واضع رأسه علی فخذی قد نام، فقال: حبستِ رسول الله ﷺ والناس وليسوا علی ماء وليس معهم ماء. قالت عائشة: فعاتبنی أبو بكر وقال ماشاء الله أن يقول وجعل يطعننی بيده فی خاصرتی، ولا يمنعنی من التحرک الا مكان رسول الله ﷺ علی فخذی. فقام رسو ل الله ﷺ حين أصبح علی غير ماء فأنزل الله آية التيمم. فقال أسيد بن حضير: ماهی بأول بركتكم يا آل أبی بكر. قالت: فبعثنا البعير الذی كنت عليه فاذا العقد تحته. [راجع: ۳۳۴]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں گئے، جب ہم مقام بیداء میا ذات الجیش کے مقام پر پہنچے، تو میرا ہار کہیں گم ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ اسی جگہ ٹھہر گئے، اور لوگ بھی ٹھہر گئے ہار ڈھونڈنے لگے، اور یہ جگہ ایسی تھی کہ پانی کہیں نام ونشان نہیں تھا، اور نہ ان لوگوں کے پاس پانی موجود تھا، کچھ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں عائشہ کیا کر رہی ہیں؟ کہ ان کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور دوسرے سب لوگوں کو رکنا پڑا ہے، اور نہ اس جگہ پر پانی موجود ہے، اور نہ ہی ان کے پاس پانی ہے۔ پھر ابو بکر صدیق میرے پاس آئے، اُس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے، اور کہنے لگے کہ اے عائشہ! تم نے رسول اللہ ﷺ کو اور تمام لوگوں کو ایسی جگہ روک دیا ہے کہ جہاں قریب میں پانی بھی دستیاب نہیں ہے، اور نہ ہی پانی ان کے پاس موجود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابو بکر مجھ سے بہت ناراض ہوئے، جو اللہ کو منظور تھا وہ کہا، اور انہوں نے میری کوکھ پر انگلی بھی ماری تھی، میں اس لئے خاموش ہو رہی کہ میری ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ جب صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو پانی موجود نہیں تھا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یعنی آیت تیمم نازل فرمائی۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابو بکر کے خاندان والو! یہ سب کچھ تم لوگوں کی کوئی پہلی برکت نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرا اونٹ کھڑا ہوا تو ہار اس کے نیچے سے برآمد ہوا اور مجھے مل گیا۔

ہار گم ہونے کا واقعہ اور نزولِ تیمّم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر کو گئی، جب ہم مقام بیداء میں پہنچے تو میرا ہار کہیں گم ہو گیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اسی جگہ ٹھہر گئے اور لوگ ہار ڈھونڈنے لگے اور یہ جگہ ایسی تھی کہ پانی کا کہیں نام ونشان نہیں تھا، اور ساتھ میں بھی پانی موجود نہ تھا۔

کچھ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ یہ عجیب بات ہوئی ہے کہ عائشہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور دوسرے سب لوگوں کو رکنا پڑا اور نہ یہاں پانی پر ہیں، اور نہ ہی لوگوں کے پاس پانی موجود ہے۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے کہ اے عائشہ! تم نے رسول اللہ کو اور تمام لوگوں کو ایسی جگہ روک دیا ہے کہ جہاں پانی بھی دستیاب نہیں ہے اور نہ ہی ان کے پاس پانی موجود ہے، اور پھر مجھے سخت سست کہا۔ میں اس لئے خاموش ہو رہی کہ رسول اللہ ﷺ

میری ران پر سر رکھ کر سو رہے تھے، حالانکہ انہوں نے میری کوکھ میں انگلی بھی ماری تھی۔

آخر صبح کو رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے، مگر پانی موجود نہ تھا اس وقت اللہ ﷻ نے یہ آیت تیمم نازل فرمائی ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾۔

حضرت اسید بن حضیر ﷺ نے کہا کہ اے ابوبکر کے خاندان والو! اس آیت کے نزول کا سبب حضرت ابو بکر ﷺ کی اولاد کی بزرگی اور کرامت ہے، آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرا اونٹ کھڑا ہوا تو ہار اس کے نیچے سے برآمد ہوا اور مجھے مل گیا۔

۴۶۰۸ ـ حدثنا يحيى بن سليمان قال: حدثني ابن وهب قال: أخبرني عمرو أن عبدالرحمٰن بن القاسم حدثه عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها: سقطت قلادة لي بالبيداء ونحن داخلون المدينة، فأناخ النبي ﷺ ونزل فثنى رأسه في حجري راقدا، أقبل أبوبكر فلكزني لكزة شديدة وقال: حبست الناس في قلادة فبي الموت لمكان رسول الله ﷺ وقد أوجعني، ثم ان النبي ﷺ استيقظ وحضرت الصبح، فالتمس الماء فلم يوجد، فنزلت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ الآية، فقال أسيد بن حضير: لقد بارك الله للناس فيكم يا آل أبي بكر، ما أنتم الا بركة لهم. [راجع: ۳۳۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ کی طرف واپس آرہے تھے کہ راستہ میں مقام بیداء میں میرا ہار گم ہو گیا، جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے اپنی اونٹنی کو بٹھا دیا، اور اسی جگہ اُتر گئے اور اور اپنا سر مبارک میری گود میں رکھ کر آرام کرنے لگے، تھوڑی دیر میں میرے باپ حضرت ابوبکر ﷺ آئے اور میرے سینہ پر زور سے ہاتھ مار کر کہا کہ تم نے سب لوگوں کو ایک ہار کی وجہ سے یہاں روک کر بڑی پریشانی میں ڈال دیا ہے، مجھے بڑی تکلیف ہوئی، مگر آنحضرت ﷺ کے خیال سے برداشت کر گئی، اور خاموش رہی۔ جب نبی کریم ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور صبح کا وقت ہوا تو پانی طلب کیا، مگر پانی موجود نہ تھا، چنانچہ اس وقت یہ آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ آخر تک نازل ہوئی، اس موقع پر اسید بن حضیر نے کہا کہ اے اولاد ابوبکر! تم لوگوں کیلئے باعث برکت ورحمت ہو، کیونکہ تمہاری وجہ سے آیت تیمم نازل ہوئی۔

حدیث باب میں تیمّم کا حکم اور معذوری کی صورتیں

حالت جنابت میں نماز کا نہ پڑھنا تاوقتیکہ غسل نہ کرلے، یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کوئی عذر نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی ایسا عذر پیش آئے کہ پانی کے استعمال سے معذوری ہو اور طہارت کا حاصل کرنا ضروری ہو تو

ایسے وقت میں زمین سے تیمم کر لینا کافی ہے۔

اب پانی کے استعمال سے معذوری کی تین صورتیں بتلائیں گئی ہیں:

ایک ایسی بیماری کہ اس میں پانی ضرر و نقصان کرتا ہے۔

دوسری یہ کہ سفر درپیش ہے، پانی اتنا موجود ہے وضو کرلے تو پیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے اور دور دور تک پانی نہ ملے گا۔

تیسری یہ کہ پانی بالکل موجود ہی نہیں اس پانی موجود نہ ہونے کی صورت کے ساتھ دو صورتیں طہارت کے ضروری ہونے کی بیان فرمائیں:

ایک یہ کہ کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آیا اس کو وضو کی حاجت ہے۔

دوسری یہ کہ عورت سے صحبت کی ہو تو اس کو غسل کی ضرورت ہے۔

تیمّم کا طریقہ اور حکمت

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پاک زمین پر دونوں ہاتھ مارے پھر سارے منہ پر اچھی طرح مل لے پھر دونوں ہاتھ زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک مل لے۔

مٹی طاہر، پاک ہے اور بعض چیزوں کے لئے مثل پانی کے مطہر، پاک کرنے والی بھی ہے، مثلاً خف، تلوار، آئینہ وغیرہ اور جو نجاست زمین پر گر کر خاک ہو جاتی ہے وہ بھی پاک ہو جاتی ہے۔

نیز ہاتھ اور چہرہ پر مٹی ملنے میں تذلل و عجز بھی پورا ہے جو گناہوں سے معافی مانگنے کی اعلیٰ صورت ہے، سو جب مٹی ظاہری و باطنی دنوں طرح کی نجاست کو زائل کرتی ہے تو اس لئے بوقت معذوری پانی کی قائم مقام کی گئی ہے۔

اس کے سوا مقتضائے آسانی و سہولت جس پر حکم تیمم مبنی ہے یہ ہے کہ پانی کی قائم مقام ایسی چیز کی جائے جو پانی سے زیادہ سہل الوصول ہو سو زمین کا ایسا ہونا ظاہر ہے، کیونکہ وہ سب جگہ موجود ہے، ساتھ ہی یہ خاک انسان کی اصل ہے اور اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے میں گناہوں اور خرابیوں سے بچاؤ ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے روزِ قیامت کافر بھی آرزو کریں گے کہ ہم کسی طرح خاک میں مل جائیں۔ [۵]

---

[۵] تفسیر عثمانی، سورہ نساء: ۴۳، وسورہ مائدہ: ٦ - وانعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۲، ص: ۵۱۹، کتاب التیمم، رقم الحدیث: ۳۳۴.

(۴) باب قولہ: ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُوْنَ﴾ [۲۴]

باب: ''(اگران سے لڑنا ہے تو) بس تم اور تمہارا ربّ چلے جاؤ، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں''۔

بنی اسرائیل کی حکم عدولی

اس آیت متذکرہ میں اس کا بیان ہے کہ اس کے باوجود بنی اسرائیل نے اپنی معروف سرکشی اور کج طبعی کی وجہ سے اس حکم کو بھی تسلیم نہ کیا، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ! اس ملک پر تو بڑے ہی زبردست قوی لوگوں کا قبضہ ہے، ہم تو اس زمین میں اس وقت تک داخل نہ ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں قابض ہیں، ہاں وہ کہیں اور چلے جائیں تو بے شک ہم وہاں جاسکتے ہیں۔

واقعہ اس کا جو ائمہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ اور علی ابی طلحہ وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین سے منقول ہے، وہ یہ ہے کہ اس وقت ملک شام اور بیت المقدس پر قوم عمالقہ کا قبضہ تھا، جو قوم عاد کی کوئی شاخ اور بڑے ڈیل ڈول اور ہیبت ناک قد وقامت کے لوگ تھے، جن سے جہاد کر کے بیت المقدس فتح کرنے کا حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو ملا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حکم خداوندی کی تعمیل کیلئے اپنی قوم بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے، جانا بیت المقدس پر تھا۔ جب نہرِ اردن سے پار ہو کر دنیا کے قدیم ترین شہر اریحا پہنچے تو یہاں قیام فرمایا اور بنی اسرائیل کے بارہ سرداروں کو آگے بھیجا تا کہ وہ ان لوگوں کے حالات اور محاذِ جنگ کی کیفیات معلوم کر کے آئیں جو بیت المقدس پر قابض ہیں اور جن سے جہاد کرنے کا حکم ملا ہے۔

یہ حضرات بیت المقدس پہنچے تو شہر سے باہر ہی قوم عمالقہ کا کوئی آدمی مل گیا اور وہ اکیلا ان سب کو گرفتار کر کے لے گیا، بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ یہ لوگ ہم سے جنگ کرنے کے قصد سے آئے ہیں۔ شاہی دربار میں مشورہ ہوا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے یا کوئی دوسری سزا دی جائے۔

بالآخر رائے اس پر ٹھہری کہ ان کو آزاد کر دیں تا کہ یہ اپنی قوم میں جا کر عمالقہ کی کی قوت وشوکت کے ایسے عینی گواہ ثابت ہوں کہ کبھی ان کی طرف رُخ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔

بہر حال بنی اسرائیل کے بارہ سردار جب قومِ عمالقہ کی قید سے رہا ہو کر اپنی قوم کے پاس مقامِ اریحا پر پہنچے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عجیب وغریب قوم اور اس کی نا قابل قیاس قوت وشوکت کا ذکر کیا۔ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر تو ان کی باتوں کا ذرّہ برابر بھی اثر نہ ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فتح وکامیابی کی بشارت سنادی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ان کی قوت وشوکت کا حال سن کر اپنی جگہ کوہ استقامت بنے ہوئے تھے، اقدامِ جہاد کی فکر میں لگے رہے۔ مگر خطرہ یہ ہوگیا کہ بنی اسرائیل کو اگر حریفِ مقابل کی اس بے پناہ طاقت کا علم ہوگیا تو یہ لوگ پھسل جائیں گے۔ اس لئے ان بارہ سرداروں کو ہدایت فرمائی کہ قومِ عمالقہ کے یہ حالات بنی اسرائیل کو ہرگز نہ بتائیں، بلکہ راز رکھیں۔

مگر اس راز کا پھیل جانا قدرتی امر تھا، بنی اسرائیل میں جب ان حالات کی خبریں شائع ہونے لگیں تو رونے، پیٹنے اور کہنے لگے کہ اس سے تو اچھا یہی تھا کہ قومِ فرعون کی طرح ہم بھی غرقِ دریا ہوجاتے، وہاں سے بچا لاکر ہمیں یہاں مروایا جارہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ فتح کی بشارت سن چکے تھے اور اس پر کامل یقین ہونے کی وجہ سے ان کو تسلی دی، مگر بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ سنی اور بھونڈے انداز میں کہا کہ

﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُوْنَ﴾

ترجمہ: (اگر ان سے لڑنا ہے تو) بس تم اور تمہارا رَبّ چلے جاؤ، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ [٦]

۴۶۰۹ ۔ حدثنا أبو نعيم: حدثنا اسرائيل، عن مخارق، عن طارق بن شهاب: سمعت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، قال: شهدت من المقداد، ح؛

وحدثني حمدان بن عمر: حدثنا أبو النضر: حدثنا الأشجعي، عن سفيان، عن مخارق، عن طارق، عن عبدالله قال: قال المقداد يوم بدر: يارسول الله انا لانقول لك كما قالت بنو اسرائيل لموسى ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُوْنَ﴾ ولكن امض ونحن معك، فكانه سرّى عن رسول الله ﷺ.

ورواه وكيع، عن سفيان، عن مخارق، عن طارق أن المقداد قال ذلك للنبي ﷺ.

[راجع: ۳۹۵۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو اس طرح ہرگز نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل کی طرح نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا

---

[٦] عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۲۸۸

تھا ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُوْنَ﴾ لیکن ہم ایسا کہیں گے کہ آپ فکر مت کیجئے، ہم ہرحال میں آپ کے ساتھ ہیں، اس بات سے رسول اللہ ﷺ کو بڑی مسرت حاصل ہوئی۔

اور وکیع نے یہ حدیث روایت کی سفیان سے، انہوں نے مخارق سے، اور انہوں نے طارق سے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے نے یہ فرمایا تھا۔ [۷]

(۵) باب: ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا﴾ [۳۳]

باب: ''جولوگ اللہ اور اسکے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں''۔

المحاربة لله: الكفر به.

ترجمہ: اے اللہ سے جنگ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا انکار کرنا۔

محاربہ اور فساد فی الارض کی تفصیل

اس مقام پر پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے ساتھ محاربہ اور زمین میں فساد کا کیا مطلب ہے اور کون لوگ اس کے مصداق ہیں؟

لفظ "**محاربہ – حرب**" سے ماخوذ ہے، اس کے اصل معنی سلب کرنے اور چھین لینے کے ہیں اور محاورات میں یہ لفظ "سِلْمٌ" کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی امن اور سلامتی کے ہیں۔

معلوم ہوا کہ حرب کا مفہوم بدامنی پھیلانا ہے اور ظاہر ہے کہ اِکا دُکا چوری یا قتل و غارت گری سے امنِ عامہ سلب نہیں ہوتا، بلکہ یہ جبھی ہوتی ہے کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل و غارت گری پر کھڑی ہو جائے۔

اسی لئے فقہائے کرام نے اس سزاء کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے، اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے، جس کو دوسرے الفاظ میں ڈاکو یا باغی کہا جاسکتا ہے، عام انفرادی جرائم کرنیوالے چور، گرہ کٹ وغیرہ اس میں داخل نہیں ہیں۔

---

[۷] حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی ولولہ انگیز تقریر اور غزوہ بدر کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: **انعام الباری شرح صحیح البخاری۔ کتاب المغازی۔ حصہ اول، ج: ۹، ص: ۷۶**

دوسری بات یہاں یہ قابلِ غور ہے کہ اس آیت میں محاربہ کو اللہ اور رسول کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ ڈاکو یا بغاوت کرنے والے جو مقابلہ یا محاربہ کرتے ہیں وہ انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی طاقت ور جماعت جب طاقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا چاہے تو اگرچہ ظاہر میں اس کا مقابلہ عوام اور انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کی جنگ حکومت کے ساتھ ہے اور اسلامی حکومت میں جب قانون اللہ اور رسول کا نافذ ہو تو یہ محاربہ بھی اللہ و رسول ہی مقابلہ میں کہا جائے گا۔ ۸

۴۶۱۰ - حدثنا علی بن عبداللہ: حدثنا محمد بن عبداللہ الأنصاری: حدثنا ابن عون قال: حدثنی سلمان أبو رجاء مولی أبی قلابة، عن أبی قلابة: أنه کان جالسا خلف عمر بن عبدالعزیز فذکروا وذکروا، فقالوا وقالوا: قد أقادت بها الخلفاء. فالتفت إلی أبی قلابة وهو خلف ظهره فقال: ماتقول یاعبداللہ بن زید؟ أوقال: ماتقول یاأباقلابة؟ قلت: ماعلمت نفسا حل قتلها فی الإسلام إلا رجل زنی بعد إحصان، أوقتل نفسا بغیرنفس، أوحارب اللہ ورسوله ﷺ. فقال عنبسة: حدثنا أنس بکذا وکذا، قلت: إیای حدث أنس، قال: قدم قوم علی النبی ﷺ فکلموه فقالوا: قد استوخمنا هذه الأرض، فقال: ((هذه نعم لنا تخرج لترعی فاخرجوا فیها فاشربوا من ألبانها وأبوالها))، فخرجوا فیها فشربوا من أبوالها وألبانها واستصحّوا ومالوا علی الراعی فقتلوه واطردوا النعم فما یستبطأ من هؤلاء، قتلوا النفس وحاربوا اللہ ورسوله وخوّفوا رسول اللہ ﷺ؟ فقال: سبحان اللہ. فقلت: تتهمنی؟ قال: حدثنا بهذا أنس قال: وقال: یا أهل کذا إنکم لن تزالوا بخیر ما أبقی اللہ هذا فیکم، ومثل هذا. [راجع: ۲۳۳]

ترجمہ: سلمان ابو رجاء روایت کرتے ہیں کہ ابوقلابہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس ان کی پشت کی جانب بیٹھا ہوا تھا کہ کچھ لوگوں نے (قسامت کا) ذکر چھیڑ دیا اور کہا کہ اس (قسامت) میں قصاص لازم ہوگا، کیونکہ خلفاء راشدین نے بھی اس میں قصاص کا حکم دیا، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ابوقلابہ کی طرف متوجہ ہوئے جو کہ ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان سے کہا کہ اے عبداللہ بن زید! تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ یا یوں کہا اے ابوقلابہ! اس معاملہ میں تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا میرا نہیں خیال ہے کہ سوائے تین لوگوں کے اسلام میں کسی اور کا قتل جائز ہو، اول جو

---

۸ معارف القرآن، ج:۳، ص:۱۱۹، ۱۲۰

شادی شدہ ہو کر زنا کا ارتکاب کرے، دوم جس نے ناحق کسی انسان کو قتل کیا ہو، سوم وہ جس نے اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کی ہو (یعنی کفر کیا ہو) ۔ یہ بات سن کر عنبسہ بن سعید کہنے لگے ہم سے تو حضرت انس بن مالک ﷺ نے اس اس طرح حدیث بیان کی تھی، پھر یہ حدیث بیان فرمائی کہ (قبیلۂ عرینہ کے) کچھ آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ مدینہ کی آب وہوا موافق نہیں آئی اور بدہضمی ہوگئی ہے، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے یہ اونٹ چرنے کے لئے جنگل میں جارہے ہیں تم بھی ان کے ساتھ چلے جاؤ، اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔ چنانچہ وہ لوگ چلے گئے اور اونٹوں کا دودھ اور پیشاب (بطورِ علاج) پیا تو تندرست ہوگئے پھر انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے چرواہے کو قتل کر ڈالا اور اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ کیا ایسے لوگوں کے قتل میں کوئی تامل ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو ماردیا، اللہ اور رسول سے لڑے، اور نافرمانی کی اور اس طرح انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو خوف زدہ کیا؟ یہ سن کر عنبسہ نے سبحان اللہ کہا، میں نے کہا کیا آپ مجھ کو جھٹلاتے ہو؟ انہوں نے کہا بلکہ حضرت انس ﷺ نے یہ حدیث مجھ سے بھی بیان کی ہے (مجھے تعجب ہوا کہ آپ کو حدیث خوب یاد رہتی ہے)، ابوقلابہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد عنبسہ نے کہا اے اہل شام تم ہمیشہ خوش رہو گے، جب تم میں یہ (ابوقلابہ) یا ان جیسے عالم موجود رہیں گے۔

وضاحت

یہ روایت ان شاء اللہ تعالیٰ قسامت کے باب میں آرہی ہے، وہاں تفصیل آجائے گی، یہاں یہ روایت بالکل مجمل ہے جس کی تفسیر بالکل سمجھ میں نہیں آتی، لیکن وہاں پر بالکل واضح ہوجائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ [۹]

(۶) باب قوله: ﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ﴾ [۴۵]

باب: ''اور زخموں کا بھی (اسی طرح) بدلہ لیا جائے''۔

اس آیت کا پس منظر میں یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، ایک **بنو قریظہ** اور دوسرا **بنو نضیر**۔ بنو نضیر کے لوگ مالی اعتبار سے مضبوط تھے اور بنو قریظہ کے لوگ مالی اعتبار سے انکے مقابلے میں کمزور تھے۔

---

۹ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے: انعام الباری، ج:۲، ص:۳۶۶، کتاب الوضوء، رقم الحدیث: ۲۳۳

اگر چہ دونوں یہودی تھے، مگر بنونضیر نے ان کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر ان سے یہ ظالمانہ اُصول طے کرالیا تھا کہ اگر بنونضیر کا کوئی آدمی بنوقریظہ کے کسی شخص کو قتل کرے گا تو قاتل سے جان کے بدلے جان کے اُصول پر قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ وہ خون بہا کے طور پر ستر وسق کھجوریں دے گا، (وسق ایک پیمانہ تھا جو تقریباً پانچ من دس سیر کا ہوتا تھا)، اور بنوقریظہ کا کوئی آدمی بنونضیر کے کسی شخص کو قتل کرے گا تو نہ صرف قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، بلکہ اس سے خوں بہا بھی لیا جائے گا اور وہ بھی دس دُگنا۔

جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ قریظہ کے کسی شخص نے بنونضیر کے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ بنونضیر نے جب اپنی سابق قرارداد کے مطابق قصاص اور خوں بہا دونوں کا مطالبہ کیا تو قریظہ کے لوگوں نے اسے انصاف کے خلاف قرار دیا اور تجویز پیش کی کہ فیصلہ آنحضرت ﷺ سے کرایا جائے، کیونکہ اتنا وہ بھی جانتے تھے کہ آپ کا دِین انصاف کا دِین ہے۔

جب قریظہ کے لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو بنونضیر نے کچھ منافقین کو مقرر کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے غیر رسمی طور پر آپ کا عندیہ معلوم کریں، اور اگر عندیہ بنونضیر کے حق میں ہو تو فیصلہ ان سے کرائیں، ورنہ ان سے فیصلہ نہ لیں۔ چنانچہ اس پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے معلوم ہوا کہ تورات نے واضح طور پر فیصلہ دیا ہوا ہے کہ جان کے بدلے لینی ہے، اور اس لحاظ سے بنونضیر کا مطالبہ سراسر ظالمانہ اور تورات کے خلاف ہے۔ [۱۰]

۴۶۱۱ ـ حدثني محمد بن سلام: أخبرنا الفزاري، عن حميد، عن أنس ﷺ قال: كسرت الربيع وهي عمة أنس بن مالك ثنية جارية من الأنصار فطلب القوم القصاص فأتوا النبي ﷺ فأمر النبي ﷺ بالقصاص، فقال أنس بن النضر عم أنس بن مالك: لا والله لا تكسر سنها يا رسول الله. فقال رسول الله ﷺ: ((يا أنس كتاب الله القصاص))، فرضي القوم وقبلوا الأرش. فقال رسول الله ﷺ: ((إن من عباد الله من لو أقسم على الله لأبره)).

[راجع: ۲۷۰۳]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میری پھوپھی ربیع نے ایک انصاریہ کے دو دانت توڑ ڈالے، تو اس کی قوم والوں نے قصاص کا مطالبہ کیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے قصاص کا حکم صادر فرمایا۔ تو حضرت انس بن نضر ﷺ، انس بن مالک کے چچا، کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم ان کے دانت ہرگز نہیں توڑے جا سکتے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انس! کتاب اللہ کا حکم تو قصاص ہے۔ پھر انصاریہ کے رشتہ دار راضی ہو گئے اور دیت لینا منظور کر لیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

---

[۱۰] آسان ترجمہ قرآن، سورۃ المائدہ، آیت: ۴۵، حاشیہ: ۳۹، ج: ۱، ص: ۳۴۷

کہ اللہ ﷻ کے بہت سے نیک بندوں میں سے جب کوئی کسی بات کی قسم کھا لیتا ہے، تو اللہ ﷻ اس کی بات کو پورا کر دیتا ہے (اور اسے جھوٹا نہیں ہونے دیتا)۔

(۷) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ [۶۷]

باب: ”اے رسول! جو کچھ تمہارے ربّ کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو“۔

تبلیغ کی تاکید اور آنحضرت ﷺ کو تسلی

اس آیت سے پہلے یہود و نصاریٰ کی کجروی و بے راہی اور ضد و ہٹ دھرمی اور مخالفِ اسلام سازشوں کا ذکر چل رہا تھا، اس کا ایک اثر طبعی طور پر بتقاضائے بشریت یہ بھی ہو سکتا تھا کہ آنحضرت ﷺ اس سے مایوس ہو جائیں یا مجبور ہو جائیں جس کی وجہ سے تبلیغ و رسالت میں کچھ کمی ہو جائے، اور دوسرا اثر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ آپ مخالفت اور دشمنی اور ایذا رسانی کی پرواہ کئے بغیر تبلیغ رسالت میں لگے رہیں اور اس کے نتیجے میں آپ کو دشمنوں کے ہاتھ سے تکالیف و مصائب کا سامنا ہو۔

اس لئے اس آیت میں ایک طرف تو رسول اللہ ﷺ کو یہ تاکیدی حکم دیا گیا کہ جو کچھ آپ پر اللہ ﷻ کی طرف سے نازل کیا جائے وہ سب بغیر کسی جھجک کے لوگوں تک پہنچا دیں، کوئی بُرا مانے یا بھلا، مخالفت کرے یا قبول کرے۔

۴۶۱۲ ۔ حدثنا محمد بن یوسف: حدثنا سفیان، عن اسماعیل، عن الشعبی، عن مسروق، عن عائشة رضی الله عنها قالت: من حدثک أنّ محمداً ﷺ کتم شیئا مما أنزل علیه فقد کذب، والله یقول: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ الآیة. [راجع: ۳۲۳۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو آدمی یہ بات کہے کہ محمد ﷺ نے خدا کے کسی حکم کو چھپا لیا ہے جو آپ پر نازل ہوا ہے تو وہ کاذب رجھوٹا ہے، اللہ ﷻ نے فرما دیا ہے کہ ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ الخ﴾۔ [۱۱]

---

[۱۱] پچھلی آیات میں اہل کتاب کی شرارت، کفر اور سیہ کاریوں کا ذکر کر کے تورات، انجیل، قرآن اور کتب سماویہ کی اقامت کی ترغیب دی گئی تھی، آئندہ ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ﴾ سے اہل کتاب کے مجمع میں اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ اس ”اقامت“ کے بدون تمہاری مذہبی زندگی بالکل صفر اور لاشے محض ہے ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ میں.................. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾..................

(۸) باب قوله: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾ [۸۹]

باب: ’’اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری پکڑ نہیں کرے گا‘‘۔

﴿گذشتہ سے پیوستہ﴾ .... اسی دوٹوک اعلان کیلئے حضور ﷺ کو تیار کیا گیا ہے، یعنی آپ ﷺ پر جو کچھ پروردگا کی طرف سے اتارا جائے خصوصا اس طرح کے فیصلہ کن اعلانات آپ بے خوف وخطر اور بلا تامل پہنچاتے رہیے، اگر بالفرض ومحال کسی ایک چیز کی تبلیغ میں بھی آپ سے کوتاہی ہوئی تو بحیثیت رسول (خدائی پیغامبر) ہونے کی رسالت و پیغام رسانی کا جو منصب جلیل آپ کو تفویض ہوا ہے سمجھا جائیگا کہ آپ نے اس کا حق کچھ بھی ادا نہ کیا۔ بلا شبہ نبی کریم ﷺ کے حق میں فریضہ تبلیغ کی انجام دہی پر پیش از بیش ثابت قدم رکھنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مؤثر عنوان نہ ہوسکتا تھا، آپ ﷺ بیس، بائیس سال تک جس بے نظیر اولوالعزمی، جانفشانی، مسلسل جد و کد اور صبر و استقلال سے فرض رسالت و تبلیغ کو ادا کیا، وہ اس کی واضح دلیل تھی کہ آپ ﷺ کو دنیا میں ہر چیز سے بڑھ کر اپنے فرض منصبی (رسالت و بلاغ) کی اہمیت کا احساس ہے۔

حضور ﷺ کے اس احساس قوی اور تبلیغی جہاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ تبلیغ میں مزید استحکام وشبت کی تاکید کے موقع پر مؤثر ترین عنوان یہ ہی ہوسکتا تھا کہ حضور ﷺ کو **"یا ایها الرسول"** سے خطاب کر کے صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ اگر بالفرض محال تبلیغ میں ادنیٰ سی کوتاہی ہوئی تو سمجھو کہ آپ اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے، اور ظاہر ہے کہ آپ کی تمام تر کوششوں اور قربانیوں کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ آپ خدا کے سامنے فرض رسالت کی انجام دہی میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل فرمائیں لہٰذا یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ کسی ایک پیغام کے پہنچانے میں بھی ذرا سی کوتاہی کریں، عموما یہ تجربہ ہوا ہے کہ فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں انسان چند وجوہ سے مقصر رہتا ہے، یا تو اسے اپنی فرض کی اہمیت کا کافی احساس اور شغف نہ ہو یا لوگوں کی عام مخالفت سے نقصان شدید پہنچے یا کم از کم بعض فوائد کے فوت ہونے کا خوف ہو اور یا مخاطبین کے عام تمرد وطغیان کو دیکھتے ہوئے جیسا کہ پچھلی اور اگلی آیات میں اہل کتاب کی نسبت بتلایا گیا ہے، تبلیغ کے مثمر اور منتج ہونے سے مایوسی ہو۔

پہلی وجہ کا جواب **"یا ایها الرسول"** سے **"فما بلغت رسالته"** تک، دوسری کا ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ میں اور تیسری کا ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ﴾ میں دیدیا گیا، یعنی تم اپنا فرض ادا کئے جاؤ اللہ ﷻ آپ کی جان اور عزت و آبرو کی حفاظت فرمانے والا ہے وہ تمام روئے زمین کے دشمنوں کو بھی آپ کے مقابلہ پر کامیابی کی راہ نہ دکھلا گا، باقی ہدایت وضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے، ایسی قوم جس نے کفر وانکار ہی پر کمر باندھ لی ہے اگر راہ راست پر نہ آئی تو تم غم نہ کرو اور نہ مایوس ہو کر اپنے فرض کو چھوڑ و۔

نبی کریم ﷺ نے اس ہدایت ربانی اور آئین آسانی کے موافق امت کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی، نوع انسانی کے عوام وخواص میں سے جو بات، جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کی مطابق تھی، آپ نے بلا کم وکاست اور بے خوف وخطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کردی، اور وفات سے دو، ڈھائی مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر، جہاں چالیس ہزار سے زائد خادمان اسلام اور عاشقان تبلیغ کا اجتماع تھا، آپ نے علی رؤس الاشہاد اعلان فرمادیا کہ ’’اے خدا تو گواہ رہ میں (تیری امانت) پہنچا چکا۔ (تفسیر عثمانی، سورہ مائدہ، آیت: ۶۷، فائدہ نمبر: ۷)

یمینِ لغو سے مراد

لغو قسموں سے مراد ایک تو وہ قسمیں ہیں جو قسم کھانے کے ارادے کے بغیر محض محاورے اور تکیہ کلام کے طور پر کھالی جاتی ہیں، اور دوسرے وہ قسمیں بھی لغو کی تعریف میں داخل ہیں جو ماضی کے کسی واقعے پر سوچ سمجھ کر کھائی گئی ہوں، مگر بعد میں معلوم ہو کہ جس بات کو سچ سمجھا تھا وہ سچ نہیں تھی۔

اس قسم کی قسموں پر نہ کوئی گناہ ہوتا ہے اور نہ کوئی کفارہ واجب ہوتا ہے، البتہ بلاضرورت قسم کھانا کوئی اچھی بات نہیں ہے، اس لئے ایک مسلمان کو اس سے احتیاط کرنی چاہئے۔ [۱۲]

۴۶۱۳ - حدثنا علی بن سلمة: حدثنا مالک بن سعیر: حدثنا هشام، عن أبیه، عن عائشة رضي الله عنها: أُنزلت هذه الآية ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾ فی قول الرجل: لا والله، وبلی والله. [أنظر: ۶۶۶۳] [۱۳]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت **﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾** اس آدمی کے متعلق نازل فرمائی گئی ہے جو اپنی عادت سے مجبور ہو کر بلا قصد قسم کھاتا ہو، جیسے لوگ واللہ اور باللہ باتیں کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں۔

۴۶۱۴ - حدثنا أحمد بن أبی رجاء: حدثنا النضر، عن هشام قال: أخبرنی أبی، عن عائشة رضي الله عنها: ان أباها كان لایحنث فی یمین حتی أنزل الله كفارة الیمین. قال أبوبكر: لا أری یمینا أری غیرها خیراً منها الا قبلت رخصة الله وفعلت الذی هو خیر. [أنظر: ۶۶۲۱] [۱۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میرے والد ابوبکر ؓ اپنی قسم کے خلاف کبھی نہیں کیا کرتے تھے (یعنی کبھی نہیں توڑتے تھے)، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کفارۂ یمین کی یہ آیت نازل ہوئی، چنانچہ حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد میں نے ہر اس قسم کو توڑ دیا جس میں میں نے بھلائی دیکھی اور کفارہ ادا کر دیا اور اچھے کام کو اختیار کیا۔

---

[۱۲] آسان ترجمہ قرآن، سورۃ المائدہ، آیت: ۸۹، حاشیہ: ۵۹، ج: ۱، ص: ۳۶۴

[۱۳] وفی سنن ابی داؤد، کتاب الأیمان والنذور، باب لغوا الیمین، رقم: ۳۲۵۴

[۱۴] انفرد به البخاری.

(۹) باب قوله تعالىٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ﴾ [۸۷]

ارشادِ باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”اے ایمان والو! اللہ نے تمہارے لئے جو پاکیزہ چیزیں حلال کی ہیں ان کو حرام قرار نہ دو“۔

۴۶۱۵ ـ حدثنا عمرو بن عون: حدثنا خالد، عن اسماعيل، عن قيس، عن عبدالله ﷺ قال: كنا نغزو مع النبى ﷺ وليس معنا نساء فقلنا: ألا نختصى؟ فنهانا عن ذلک فرخص لنا بعد ذلک ان نتزوج المرأة بالثوب ثم قرأ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ﴾. [أنظر: ۵۰۷۱، ۵۰۷۵] [۱۵]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد پر گئے اور عورتیں ہمارے ساتھ نہیں تھیں، ہم نے (خواہش سے مجبور ہوکر) عرض کیا کہ ہم خصی نہ ہو جائیں؟ تو آپ ﷺ نے ہمیں ایسا کرنے سے منع فرمایا، پھر ہمیں اس بات کی اجازت دی کہ ہم کسی عورت سے کپڑے کے عوض نکاح کرلیں، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ﴾۔ [۱۶]

---

[۱۵] وفى صحيح مسلم، كتاب الحج، باب ندب من رأى امرأة فوقعت فى نفسه، الى أن يأتى امرأته أو جارية فيواقعها، رقم: ۱۴۰۴، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود ﷺ، رقم: ۳۶۵۰، ۳۷۰۶، ۳۹۸۶، ۴۱۱۳.

[۱۶] پچھلے رکوع میں یہود ونصاریٰ کے جو فضائح بیان کئے گئیں سمجھنے والوں کے نزدیک ان کا خلاصہ دو چیزیں تھیں یعنی یہود کا لذات شہوات دنیا اور حرام خوری میں انہماک جو ”تفریط فی الدین“ کا سبب ہوا، اور نصاریٰ کا دین میں غلو اور افراط جو آخر کار رہبانیت وغیرہ پر منتہی ہوا، بلاشبہ رہبانیت جسے دینداری یا روحانیت کا بیضہ کہنا چاہئے، نیت ومنشائے اصلی کے اعتبار سے فی الجملہ محمود ہوسکتی تھی اسی لئے ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ - [المائدة: ۸۲] کو من وجہ معرض مدح میں پیش کیا گیا۔

لیکن چونکہ اس طرح کا تجرد وترک دنیا، اس مقصد عظیم اور قانون قدرت کے راستہ میں حائل تھا جو فاطر عالم نے عالم کی تخلیق میں مرعی رکھا ہے اس لئے وہ عالم گیر مذہب جو ابدی طور پر تمام بنی نوع انسان کی فلاح دارین اور اصلاح معاش ومعاد کا متکفل ہوکر آیا ہے ضروری تھا کہ اس طرح کے مبتدعانہ طریق عبادت پر سختی سے نکتہ چینی کرے کوئی آسمانی کتاب آج تک ایسی جامع، معتدل، فطری تعلیم انسانی ترقیات کے ہر شعبہ کے متعلق پیش نہیں کرسکی، جو قرآن کریم نے ان دو آیتوں میں پیش کی ہے۔......... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾.................

(۱۰) باب قوله: ﴿إِنَّمَا الخَمْرُ وَالمَيْسِرُ وَالأَنْصَابُ وَالأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ [۹۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوئے کے تیر، یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں''۔

زمانہ جاہلیت کا جوئے اور فال کے طریقے

جاہلیت کے زمانے میں ایک طریقہ یہ تھا کہ مشترکہ اُونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت قرعہ اندازی کے

............﴿گذشتہ سے پیوستہ﴾............ان آیتوں میں اللہ ﷻ نے مسلمانوں کو صاف طور پر اس سے روک دیا کہ وہ کسی لذیذ حلال وطیب چیز کو اپنے اوپر عقیدۃ یا عملا حرام ٹھہرالیں، نہ صرف یہ ہی بلکہ ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی حلال وطیب نعمتوں سے متمتع ہونے کی ترغیب دی ہے، مگر سلبی اور ایجابی دو شرطوں کے ساتھ: [۱] اعتداء نہ کریں (حد سے نہ بڑھیں) [۲] اور تقویٰ اختیار کریں (خدا سے ڈرتے رہیں)۔

اعتداء کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: حلال چیزوں کے ساتھ حرام کا سا معاملہ کرنے لگیں اور نصاریٰ کی طرح رہبانیت میں مبتلا ہو جائیں، یا لذیذ وطیبات سے تمتع کرنے میں حد اعتدال سے گذر جائیں، حتیٰ کہ لذات وشہوات میں منہمک ہو کر یہود کی طرح حیات دنیا ہی کو اپنا مطمح نظر بنالیں۔

الغرض غلو وجفا اور افراط وتفریط کے درمیان متوسط ومعتدل راستہ اختیار کرنا چاہئے، نہ تو لذائذ دنیوی میں غرق ہونے کی اجازت ہے اور نہ ازراہ رہبانیت مباحات وطیبات کو چھوڑنے کی۔

''ازراہ رہبانیت'' کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ بعض اوقات بدنی یا نفسی علاج کی غرض سے کسی مباح سے عارضی طور پر پرہیز کرنا ممانعت میں داخل نہیں، نیز مسلمان تقویٰ کے مامور ہیں جس کے معنی ہیں خدا سے ڈر کر ممنوعات سے اجتناب کرنا، اور تجربہ سے معلوم ہے کہ بعض مباحات کا استعمال بعض اوقات کسی حرام یا ممنوع کے ارتکاب کی طرف مفضی ہو جاتا ہے، ایسے مباحات کو عہد وقسم یا تقرب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق احتیاط اگر کوئی شخص کسی وقت باوجود اعتقاد اباحت ترک کر دے تو یہ رہبانیت نہیں بلکہ ورع وتقویٰ میں شامل ہے۔

حدیث میں ہے "لا یبلغ العبد أن یکون من المتقین حتی یدع مالا بأس به حذراً مما به بأس"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ متقین کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ اس بات کو جس میں کوئی حرج نہ ہو، اس چیز سے بچنے کیلئے نہ چھوڑ دے، جس میں برائی ہے۔

الحاصل ترک اعتداء اور اختیار تقویٰ کی قید ملحوظ رکھ کر ہر قسم کے طیبات سے مؤمن مستفید ہو سکتا ہے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقیات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ [تفسیر عثمانی، سورہ مائدہ، آیت: ۸۷، فائدہ نمبر: ۲] و [سنن الترمذی، أبواب الزهد، باب، رقم: ۲۴۵۱]۔

ذریعے تقسیم کرتے تھے اور قرعہ اندازی کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ مختلف تیروں پر حصوں کے نام لکھ کر ایک تھیلے میں ڈال دیتے تھے، پھر جس شخص کے نام جو حصہ نکل آیا، اسے گوشت میں سے اتنا حصہ دیا جاتا تھا، اور کسی کے نام پر کوئی ایسا تیر نکل آیا جس پر کوئی حصہ مقرر نہیں ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔

اسی طرح ایک اور طریقہ یہ تھا کہ جب کسی اہم معاملے کا فیصلہ کرنا ہوتا تو تیروں کے ذریعے فال نکالتے تھے، اور اس فال میں جو بات نکل آئے اس کی پیروی لازمی سمجھتے تھے۔

ان تمام طریقوں کو آیتِ کریمہ نے ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ پہلی صورت میں یہ جوا ہے، اور دوسری صورت میں یا علمِ غیب کا دعویٰ ہے، یا کسی معقول وجہ کے بغیر کسی بات کو لازم سمجھنے کی خرابی ہے۔ [۱۷]

وقال ابن عباس: ﴿الأزْلامُ﴾: القداح يقتسمون بها في الامور. والنُصب: أنصاب يذبحون عليها. وقال غيره: الزُّلم: القدح لاريش له وهو واحد الأزلام. والاستقسام: أن يجيل القداح، فان نهته انتهى، وان أمرته فعل ما تأمره به. وقد أعلموا القداح أعلاما بضروب يستقسمون بها، وفعلت منه قسمت. والقسوم المصدر.

أزلام، نصب اور استقسام کی تعریف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ **"الأزْلامُ"** سے مراد فال نکالنے کے تیر ہیں، جن سے لوگ قسمت کا حال معلوم کیا کرتے ہیں۔ **"نصب"** سے تھان مراد ہیں جن پر کافر لوگ قربان کیا کرتے تھے۔

دوسرے لوگوں نے کہا کہ **"الزُّلم"** بے پر کی تیر کا پھرانا مراد ہے اور یہ **"الأزْلامُ"** کا واحد ہے۔

"الاستقسام" سے مراد یہ ہے کہ تیروں کو گھمایا جائے، پس اگر منع کا تیر نکلتا تو رک جاتے اور اگر حکم کا تیر نکلتا تو حکم کے مطابق عمل کر لیتے۔ زمانہ جاہلیت میں ان لوگوں نے تیروں پر مختلف قسم کے نشانات لگا رکھے تھے اور انہی سے فال نکالا کرتے تھے۔

۴۶۱۶ ـ حدثنا اسحاق بن ابراهيم: أخبرنا محمد بن بشر: حدثنا عبدالعزيز بن عمر عبدالعزيز قال: حدثني نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: نزل تحريم الخمر وان في المدينة يومئذ لخمسة أشربة ما فيها شراب العنب. [أنظر: ۵۵۷۹] [۱۸]

---

[۱۷] آسان ترجمہ قرآن، سورہ مائدہ، آیت: ۳، حاشیہ: ۶

[۱۸] انفرد به البخاري.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جس دن شراب کی حرمت نازل ہوئی تو مدینہ میں اس وقت پانچ قسم کی شراب تھی مگر انگوری شراب نہیں تھی۔

۴۶۱۷ ـ حدثنا يعقوب بن إبراهيم: حدثنا ابن علية: حدثنا عبدالعزيز بن صهيب قال: قال أنس بن مالك ﷺ: ما كان لنا خمر غير فضيخكم هذا الذى تسمونه الفضيخ، فإنى لقائم أسقى أبا طلحة وفلانا وفلانا اذجاء رجل فقال: وهل بلغكم الخبر؟ فقالوا: وما ذاک؟ قال: حرمت الخمر، قالوا: أهرق هذه القلال يا أنس. قال: فما سألوا عنها ولا راجعوها بعد خبر الرجل. [راجع: ۲۴۶۴]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ نے بیان کیا کہ ہم لوگ کھجور سے تیار شدہ شراب کے علاوہ کوئی شراب استعمال نہیں کرتے تھے، جس کا نام تم لوگوں نے فضیخ رکھا ہے، ایک دن میں کھڑا ابو طلحہ اور دوسرے فلاں، فلاں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا کہ ایک شخص آئے اور کہنے لگے کہ کیا تم لوگوں کو خبر نہیں پہنچی ہے؟، لوگوں نے پوچھا کیا خبر؟ تو کہنے لگے کہ شراب حرام کردی گئی ہے، تو جو لوگ شراب پی رہے تھے انہوں نے کہا انس! ان مٹکوں کو بہادو۔ حضرت انس ﷺ کہتے ہیں کہ پھر کسی نے کوئی بات نہیں پوچھی اور نہ اس بات کے خلاف کوئی کام کیا۔

هذا الذى تسمونه الفضيخ.

فضیح ۔ کچی کھجور کی شراب کو کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل کتاب الاشربہ میں آئے گی۔

۴۶۱۸ ـ حدثنا صدقة بن الفضل: أخبرنا ابن عيينة، عن عمرو، عن جابر قال: صبح أناس غداة أحد الخمر فقتلوا من يومهم جميعا شهداء وذلک قبل تحريمها. [راجع: ۲۸۱۵]

ترجمہ: حضرت جابر ﷺ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے صبح کے وقت جنگ احد میں شراب پی، پھر وہ سب حضرات اس دن شہید ہو گئے، یہ قصہ اس وقت پیش آیا جب کہ حرمت شراب کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

۴۶۱۹ ـ حدثنا اسحاق بن ابراهيم: أخبرنا عيسى وابن ادريس، عن أبى حيان، عن الشعبى، عن ابن عمر قال: سمعت عمر ﷺ على منبر النبى ﷺ يقول: أما بعد أيها الناس، انه نزل تحريم الخمر وهى من خمسة: من العنب، والتمر، والعسل، والحنطة، والشعير. والخمر: ما خامر العقل. [أنظر: ۵۵۸۱، ۵۵۸۸، ۵۵۸۹، ۷۳۳۷] [۱۹]

---

[۱۹] وفى صحيح مسلم، كتاب التفسير، باب فى نزول تحريم الخمر، رقم: ۳۰۳۲، وسنن ابى داؤد، كتاب الأشربة، باب فى تحريم الخمر، رقم: ۳۶۶۹، وسنن الترمذى، أبواب الأشربة، باب ماجاء فى الحبوب التى يتخذ منها الخمر، رقم: ۱۸۷۴، وسنن النسائى، كتاب الأشربة، ذكر أنواع الأشربة التى كانت منها الخمر حين نزل تحريمها. رقم: ۵۵۷۸، ۵۵۷۹

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت عمرؓ کو (خلافت کے زمانے میں) منبر رسول ﷺ پر تقریر کرتے ہوئے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے کہ حمد وثناء کے بعد اے لوگو! شراب کی حرمت نازل ہو چکی ہے اور یہ پانچ چیزوں سے تیار کی جاتی ہے، انگور، گیہوں، کھجور، شہد اور جو، اور شراب کی خاصیت یہ ہے کہ عقل کو زائل کر دیتی ہے۔

شراب کی حرمت وممانعت کا حکیمانہ اُصول

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾

اس آیت سے پہلے بعض آیات خمر (شراب) کے بارے میں نازل ہو چکی تھیں، اول یہ آیت نازل ہوئی

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾ [۴۰]

گو اس سے نہایت واضح اشارہ تحریم خمر کی طرف کیا جا رہا تھا مگر چونکہ صاف طور پر اس کے چھوڑنے کا حکم نہ تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے سن کر کہا "اللّٰھم بین لنا بیانا شافیا" اس کے بعد دوسری آیت آئی

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ﴾ [۴۱]

اس میں بھی تحریم خمر کی تصریح نہ تھی، گو نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہوئی اور یہ قرینہ اسی کا تھا کہ غالبًا یہ چیز عنقریب کلیۃً حرام ہونے والی ہے، مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعۃً چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا اس لئے نہایت حکیمانہ تدریج سے اولاً قلوب میں اس کی نفرت بٹھلائی گئی اور آہستہ آہستہ حکم تحریم سے مانوس کیا گیا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس دوسری آیت کو سن کر پھر وہی لفظ کہے "اللّٰھم بین بیانا شافیا"۔

آخر کار "سورہ مائدہ" کی یہ آیتیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ سے ﴿فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ﴾ تک نازل کی گئیں، جس میں صاف صاف بت پرستی کی طرح اس گندی چیز سے بھی اجتناب کرنے کی ہدایت تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ "فھم أنتم منتھون" سن کر چلا اٹھے "انتھینا انتھینا"۔

---

[۴۰] [البقرۃ: ۲۱۹]، [۴۱] [النساء: ۴۳]

لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے، خم خانے برباد کردیئے، مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی، سارا عرب اس گندی شراب کو چھوڑ کر معرفت ربانی اور محبت واطاعت نبوی کی شراب طہور سے مخمور ہوگیا اور ام الخبائث کے مقابلہ پر حضور ﷺ کا یہ جہاد ایسا کامیاب ہوا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

خدا کی قدرت دیکھو کہ جس چیز کو قرآن کریم نے اتنا پہلے شدت سے روکا تھا، آج سب سے بڑے شراب خور ملک امریکہ وغیرہ اس کی خرابیوں اور نقصانات کو محسوس کر کے اس کے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ **(فللّٰہ الحمد والمنة)** [۲۲]

(۱۱) باب: ﴿لَيْسَ عَلَي الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا﴾ [۹۳] الآية

باب: ''جولوگ ایمان لے آئے اور نیکی پر کاربند رہے ہیں، انہوں نے جو کچھ پہلے کھایا پیا ہے''۔

۴۶۲۰ ۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد بن زيد: حدثنا ثابت، عن أنس ﷺ: ان الخمر التي هريقت الفضيخ. وزادني محمد البيكندي، عن أبي النعمان قال: كنت ساقي القوم في منزل أبي طلحة فنزل تحريم الخمر فأمر مناديا فنادى، فقال أبو طلحة: أخرج فانظر ماهذا الصوت. قال: فخرجت فقلت هذا مناد ينادي: الا ان الخمر قد حرمت، فقال لي: اذهب فأهرقها، قال: فجرت في سكك المدينة. قال: وكانت خمرهم يومئذ الفضيخ، فقال بعض القوم: قتل قوم وهي في بطونهم، قال: فأنزل الله ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا﴾. [راجع: ۲۴۶۴]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شراب پھینکی گئی تھی وہ فضیخ، کھجور سے تیار شدہ تھی، بیان کیا کہ جب شراب پھینکی گئی تھی۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے محمد بیکندی نے ابوالنعمان کے واسطے سے اس زیادتی کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں میں ابوطلحہ ﷺ کے گھر سب کو شراب پلا رہا تھا، اس وقت حرمت شراب کا حکم نازل ہوا تھا، ہوا یہ کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ منادی کردے، وہ منادی کرتا ہوا ادھر آیا تو ابوطلحہ نے کہا کہ دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ میں باہر آیا تو دیکھا کہ ایک منادی کرنے والا پکار پکار کر کہہ رہا

---

[۲۲] عمدة القاری، ج:۱۸، ص: ۳۰۲، وتفسیر عثمانی، سورہ مائدہ، آیت:۹۰، فائدہ:۸۔

ہے کہ لوگو! خبردار ہو جاؤ، آج سے شراب حرام کردی گئی ہے، اسکے بعد ابوطلحہ ﷺ نے فرمایا، جاؤ شراب کو پھینک دو، حضرت انس ﷺ کا بیان ہے کہ اس دن مدینہ کے راستوں، گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی، اور حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں شراب فضیخ استعمال ہوتی تھی، کچھ لوگوں نے کہا کہ مسلمان اس حال میں مارے گئے کہ انکے پیٹ میں شراب بھری تھی، چنانچہ اس وقت یہ آیت ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ نازل ہوئی۔

حرمت سے پہلے شراب پینے والوں کا حکم

جب تحریم خمر کی آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام ﷺ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! ان مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے حکم تحریم آنے سے پہلے شراب پی اور اسی حالت میں انتقال کر گئے؟

مثلاً بعض صحابہ کرام ﷺ جو جنگ احد میں شہید ہوئے تھے، جب وہ شہید ہوئے تو انہوں نے شراب پی رکھی تھی اور پیٹ میں شراب موجود تھی کہیں وہ ان کیلئے گناہ کا سبب نہ بنے۔

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور یہ غلط فہمی دور ہوگئی، چونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے شراب پینے سے صاف الفاظ میں منع نہیں کیا تھا، اس لئے اس وقت جنہوں نے شراب پی تھی اس پر ان کی کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ [۲۳]

(۱۲) باب قوله: ﴿لاتَسْئَلُوْا عَنْ أَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ [۱۰۱]

باب: ”اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں“۔

۴۶۲۱ ـ حدثنا منذر بن الوليد بن عبدالرحمن الجارودي: حدثنا أبي: حدثنا شعبة، عن موسى بن أنس عن أنس ﷺ قال: خطب النبي ﷺ خطبة ما سمعت مثلها قط، قال: ((لو تعلمون ما أعلم لضحكتم قليلاً ولبكيتم كثيراً))، وقال: فغطى أصحاب رسول الله ﷺ وجوههم لهم حنين، فقال رجل: من أبي؟ قال: ((أبوك فلان))، فنزلت هذه الآية ﴿لاتَسْأَلُوْا عَنْ أَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾. رواه النضر وروح بن عبادة، عن شعبة. [راجع: ۹۳]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایسا خطبہ پڑھا جو میں نے پہلے

---

[۲۳] عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۳۰۲

نہیں سنا تھا، آپ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم اس کو جانتے تو کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔ یہ بات سنکر رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اپنے چہرے چادر میں چھپالئے اور انکے رونے کی آواز آنے لگی، ایک آدمی نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا فلاں شخص تیرا باپ ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی ﴿**لاتَسْأَلُوْا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ**﴾ ۔اس حدیث کو نضر اور روح بن عبادہ نے بھی شعبہ سے روایت کیا ہے۔

۴۶۲۲ ـ حدثني الفضل بن سهل قال: حدثنا أبو النضر: حدثنا أبو خيثمة: حدثنا أبو الجويرية، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان قوم يسألون رسول الله ﷺ استهزاء فيقول الرجل: من أبي؟ ويقول الرجل تضل ناقته: أين ناقتي؟ فأنزل الله فيهم هذه الآية ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاتَسْأَلُوْا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ حتى فرغ من الآية كلها. [۲۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے بطور استہزاء رسول اللہ ﷺ سے کچھ باتیں دریافت کیں، ایک آدمی نے کہا میرا باپ کون ہے؟ اور اگر کسی کی اونٹنی گم جاتی تو وہ کہتا کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاتَسْأَلُوْا الخ**﴾ یہاں تک کہ آپ پوری آیت سے فارغ ہوگئے۔

آیت کا مطلب

اس آیت میں اس بات کی تنبیہ فرمادی کہ جو چیزیں رسول اللہ ﷺ نے تصریح کے ساتھ بیان نہیں فرمائیں ہیں، ان کے متعلق فضول اور بے کار کے سوالات مت کیا کرو کیونکہ جس طرح حلت وحرمت کے مسائل کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت وبصیرت ہے، اس کا سکوت بھی ذریعہ رحمت وسہولت ہے۔

خدا نے جس چیز کو کمال حکمت وعدل سے حلال یا حرام کردیا وہ حلال یا حرام ہوگئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی، مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا عمل کرنے والے اسکے فعل وترک میں آزاد رہے۔اب اگر ایسی چیزوں کی نسبت خواہ مخواہ کھود، کرید کر بحث وسوال کا دروازہ کھولا جائے، بحالیکہ قرآن شریف نازل ہورہا ہے اور تشریع کا باب مفتوح ہے تو بہت ممکن ہے کہ سوالات کے جواب میں بعض ایسے احکام نازل ہوجائیں جن کے بعد تمہاری یہ آزادی اور گنجائش اجتہاد باقی نہ رہے، پھر یہ سخت شرم کی بات ہوگی کہ جو چیز خود مانگ کرلی ہے اس کو نباہ نہ سکیں۔

سنت اللہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی معاملہ میں بکثرت سوال اور کھود کرید کی جائے اور خواہ مخواہ

[۲۳] انفرد به البخاري.

شکوک وشبہات اور احتمالات نکالے جائیں تو ادھر سے تشدید (سختی) بڑھتی جاتی ہے، کیونکہ اس طرح کے سوالات ظاہر کرتے ہیں گویا سائلین کو اپنے نفس پر بھروسہ ہے اور جو حکم ۔ ملے گا اس کے اٹھانے کیلئے وہ بہمہ وجوہ تیار ہیں ۔ اس قسم کا دعویٰ کو بندہ کے ضعف وافتقار کے مناسب نہیں ۔ ۲۵

(۱۳) باب: ﴿مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَلَاسَائِبَةٍ وَلَاوَصِيْلَةٍ وَلَاحَامٍ﴾ [۱۰۳]

باب: ''اللہ نے کسی جانور کو نہ بحیرہ بنانا طے کیا ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حامی''۔

﴿وَإِذْقَالَ اللّٰهُ﴾ [۱۱۶] يقول: قال الله، وإذ هاهنا صلة. المائدة أصلها مفعولة، كعيشة راضية، وتطليقة بائنة. والمعنى ميد بها صاحبها من خير، يقال: مادني يميدني. وقال ابن عباس: ﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ [آل عمران:۵۵]: مميتك.

ترجمہ وتشریح

﴿وَإِذْقَالَ اللّٰهُ﴾ بمعنی "**یقول**" کے ہے، اور "**إذْ**" یہاں پر صلہ ہے یعنی زائدہ ہے۔

"**المائدة**" یہ اصل میں اسم مفعول ہے، جیسا کہ "**كعيشة راضية**" یہاں پر "**راضية**" اصل میں "**مرضية**"، یعنی اسم مفعول کے معنی میں ہے، اسی طرح "**تطليقة بائنة**" کی مثال بھی ہے۔

"**ميدبها**" اس کے معنی کسی کے پاس کھانا لے جانا، مطلب یہ ہے کہ خیر وبھلائی کا ذریعہ بنایا گیا۔

﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ کی تشریح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ کی تفسیر میں کہا کہ "**مميتك**" یا "**فلما توفيتني كنت أنت الرقيب عليهم**" لیکن اسکی مناسبت سے انہوں نے "**مُتَوَفِّيكَ**" کی تفسیر نقل کر دی۔

---

۲۵ قوله: ((لاتسألوا)) الآية. تأديب من الله تعالىٰ عباده المؤمنين، ونهي لهم عن ان يسألوا عن أشياء مما لافائدة لهم في السؤال والتنقيب عنها لأنها ان ظهرت تلك الأمور ربما ساء تهم وشق عليهم سماعها، كما جاء في الحديث أن رسول الله قال: ((لايبلغني احد عن احد شيئاً اني احب أن اخرج اليكم وأنا سليم الصدر)). عمدة القاري، ج:۱۸، ص: ۳۰۳، وآسان ترجمہ قرآن، المائدہ:۱۰۱، حاشیہ:۶۹

کیا معنی ہوئے کہ عیسیٰ تم کو موت دوں گا۔ کیسے اور کب؟

جب واپس آئیں گے آخر زمانہ میں تو اس وقت موت دوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں یہ قتل کرنے کے قابل نہیں ہیں، قتل نہیں کر پائیں گے اور میں تمہیں آخر زمانہ میں موت دوں گا اس دوران تمہیں آسمان کی طرف اٹھالوں گا۔

یہ تفسیر امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نقل کی ہے اور وہی ابوعبیدہ اور معمر بن مثنی کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

جب کہ دوسرے حضرات اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ **"توفی"** کے معنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے آئے ہیں، تو اسکے معنی ہیں پورا پورا لے لینا کہ میں تم کو پورا پورا لے لوں گا اور اپنی طرف تم کو اٹھالوں گا۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے **"مشکلات القرآن"** میں بڑی مزے دار بات لکھی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا عجیب معمول تھا، عموماً لوگ رمضان میں تلاوت کی مقدار بڑھا دیتے ہیں، حضرت تلاوت کی مقدار اتنی ہی رکھتے تھے جتنی کہ عام دنوں میں رکھتے تھے لیکن قرآن میں تدبر فرمایا کرتے تھے۔ تلاوت کے علاوہ باقی سارا وقت تدبر فی القرآن میں خرچ فرماتے تھے، تفاسیر وغیرہ کا مطالعہ کرتے تھے، ایک ایک آیت پر غور کرتے تھے، اس دوران ہاتھ میں کاغذ یا قلم ہوتو کچھ بات کسی آیت کے بارے میں یاد آتی تو اسے یادداشت کے طور پر لکھ دیتے تھے یا حوالہ دے دیا کرتے تھے۔ حضرت کی وہ یادداشتیں مشکلات القرآن کے نام سے چھپی ہوئیں ہیں۔ اور اس پر ضرورت تھی کہ کوئی آدمی اس کو تشریح کے ساتھ چھاپتا۔ تشریح وغیرہ تو کچھ نہیں کی گئی، البتہ حضرت نے جو حوالے دیئے تھے انکو حاشیہ میں نقل کر دیا ہے، بعض جگہ بڑا فائدہ بھی ہوجاتا ہے۔

ایک بات انہوں نے فرمائی اور جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حضرت کی کتاب **"عقیدة الاسلام فی حیاة عیسی"** میں موجود ہے، وہ کہتے ہیں کہ موت کیلئے وفات کا لفظ سب سے پہلے قرآن کریم نے استعمال کیا ہے، اس سے پہلے وفات کا لفظ عرب کے اندر تھا ہی نہیں، عرب میں جتنے لفظ موت کیلئے استعمال ہوتے تھے سب ایسے الفاظ تھے کہ جو عدم پر دلالت کرتے تھے، وفات کا لفظ کہیں بھی نہیں تھا۔

چونکہ موت اہل عرب کے اس عقیدے پر مبنی تھی کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو بس فنا ہوجاتا ہے۔ وہ فنا کے معنی پر دلالت کرتا ہے، سب سے پہلے قرآن نے وفات کا لفظ دیا ہے۔

"اللہ یتوفی الانفس" کہ پورا پورا لے لینا کہ جس ذات نے بنایا ہے وہی اس کو پورا پورا واپس لے رہی ہے۔ اب **"توفی"** جس طرح موت کیلئے ہوسکتا ہے اسی طرح اللہ جس طرح بھی واپس لے لیں۔

چنانچہ نیند کیلئے بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے، **"اللہ یتوفی الانفس"** اسی طرح اگر کسی کو آسمان کی طرف رفع کیا گیا تو اس میں بھی کہہ سکتے ہیں **"انی متوفیک"** اور ساتھ اس کا معنی بھی بتادیا کہ **"انی رافعک الیک"**۔ تو اسلئے اس سے مرزا قادیانی وغیرہ جو منکرین نزول مسیح ہے وہ جو استدلال کرتے ہیں کہ انتقال

ہوگیا ہے، یہ استدلال باطل محض ہے۔

۴۶۲۳ ۔ حدثنا موسی بن اسماعیل: حدثنا ابراھیم بن سعد، عن صالح بن کیسان، عن ابن شھاب، عن سعید بن المسیب قال: البحیرۃ التی یمنع درھا للطواغیت فلایحلبھا أحد من الناس. والسائبۃ کانوا یسیبونھا لآلھتھم فلا یحمل علیھا شیء. قال: وقال أبوھریرۃ: قال رسول اللہ ﷺ: ((رأیت عمرو بن عامر الخزاعی یجر قصبہ فی النار، کان أول من سیب السوائب)). والوصیلۃ: الناقۃ البکر تبکر فی أول نتاج الابل بأنثی ثم تثنی بعد بأنثی، وکانوا یسیبونھم لطواغیتھم ان وصلت احداھما بالأخری لیس بینھما ذکر. والحام: فحل الابل یضرب الضراب المعدود فاذا قضی ضرابہ ودعوہ للطواغیت واعفوہ من الحمل فلم یحمل علیہ شیء، وسموہ الحامی.

وقال لی أبوالیمان: أخبرنا شعیب، عن الزھری: سمعت سعیدا یخبرہ بھذا. قال: وقال أبوھریرۃ: سمعت النبی ﷺ نحوہ، ورواہ ابن الھاد، عن ابن شھاب، عن سعید، عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ: سمعت النبی ﷺ. [راجع: ۳۵۲۱]

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ بحیرہ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے، جس کو کفار کسی بت کی نذر کر کے آزاد چھوڑ دیتے تھے، اور اس کا دودھ نہ دوہتے تھے۔ اور سائبہ وہ اونٹنی ہے، جو بتوں کی نذر کی جاتی، اس پر نہ کوئی سواری کی جاتی تھی، اور نہ اس سے کوئی کام لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دوزخ میں دیکھا کہ اس کی انتڑیاں باہر نکلی ہوئی تھیں اور وہ ان کو گھسیٹتا تھا، یہ وہ آدمی ہے، جس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر سائبہ (اونٹنی) کو چھوڑنے کی رسم نکالی تھی۔ اور وصیلہ اس جوان اونٹنی کو کہتے ہیں جو پہلی اور دوسری مرتبہ میں مادہ جنتی، اور اس کو بھی بُت کے نام پر چھوڑ دیا جاتا، یعنی متصل دو دفعہ مادہ جنے، جن کے درمیان نر نہ ہو۔ اور حام اس اونٹ کو کہتے جس کیلئے کفار کہتے تھے کہ اگر اس سے ہماری اونٹنی کے دس یا بیس (مقررہ تعداد) بچے پیدا ہوئے تو ہمارے لئے ہوں گے اور اگر زائد ہوئے تو ہمارے بُتوں کے لئے ہوں گے، پھر جو زائد ہوتے ہیں، ان کو بُتوں کے نام پر چھوڑ دیتے، اور اس سے کچھ کام نہیں لیا کرتے تھے اور اس کا نام حامی رکھتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ یہ حدیث ابوالیمان نے بتوسط شعیب، انہوں نے زہری سے، زہری کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے اس حدیث کو سنا اور انہوں نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے نبی کریم ﷺ سے اسی طرح سنا۔ اور ابن الہاد نے بواسطہ ابن شہاب، انہوں نے سعید بن مسیب سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا۔

بحیرہ، سائبہ وغیرہ کی تفصیل

"البحيرة التي يمنع درها للطواغيت فلا يحلبها أحد من الناس" - بحیرہ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے، جس کو کفار کسی بت کی نذر کر کے آزاد چھوڑ دیتے تھے، اور اس کا دودھ نہ دوہتے تھے۔

"والسائبة كانوا يسيبونها لآلهتهم فلا يحمل عليها شيء" سائبہ وہ اونٹنی ہے جو بتوں کی نذر کی جاتی اور جس پر کوئی سواری نہ کی جاتی تھی اور نہ اس سے کوئی کام لیتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **"رأيت عمرو بن عامر الخزاعي يجر قصبه في النار، كان أول من سيب السوائب"** - میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دوزخ میں جلتے ہوئے دیکھا، اس کی انتڑیاں باہر نکلی ہوئی تھیں اور وہ ان کو گھسیٹتا تھا، یہ وہ آدمی ہے جس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر اونٹنی کو چھوڑا تھا۔

"الوصيلة: الناقة البكر تبكر في أول نتاج الابل بأنثى ثم تثني بعد بأنثى، وكانوا يسيبونهم لطواغيتهم ان وصلت احداهما بالأخرى ليس بينهما ذكر" - وصیلہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو ابھی جوان ہے پہلی مرتبہ اس نے اونٹنی دی پھر دوسری اونٹنی دی درمیان میں کوئی ذکر نہیں تھا تو اس کو وہ بے لگام بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، کیونکہ اس نے ایک اونٹنی کو دوسری کے ساتھ ملا دیا اس کو **"وصیلہ"** کہتے تھے۔

"الحام: فحل الابل يضرب الضراب المعدود فاذا قضى ضرابه ودعوه للطواغيت واعفوه من الحمل فلم يحمل عليه شيء، وسموه الحامي" - حام اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کیلئے کفار کہتے تھے اگر اس اونٹنی سے ہماری مقرر کردہ تعداد میں بچے پیدا ہوئے تو ہمارے ہوں گے اور اگر زائد ہوئے تو ہمارے بتوں کیلئے ہوں گے، پھر جو زائد ہوتے ہیں ان کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے، اس سے کچھ کام نہیں لیا کرتے تھے۔

۴۶۲۴ - حدثني محمد بن أبي يعقوب أبو عبدالله الكرماني: حدثنا حسان بن ابراهيم: حدثنا يونس، عن الزهري، عن عروة: ان عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ: ((رأيت جهنم يحطم بعضها بعضا، ورأيت عمرا يجر قصبه، وهو أول من سيب السوائب)). [راجع: ۱۰۴۴]

مشاہدہ - اعمالِ بد کی سزا آخرت میں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دوزخ کو دیکھا کہ

اس کے بعض حصے بعض کو کچل رہے تھے اور میں نے جہنم کے اس حصے میں عمرو کو اپنی آنتیں کھینچتے ہوئے دیکھا، اور یہی شخص ہے جس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر جانور چھوڑے تھے۔

(۱۴) باب: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْداً مَا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ [۱۱۷]

باب: ''اور جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا، میں ان کے حالات سے واقف رہا۔ پھر جب آپ نے مجھے اُٹھالیا تو آپ خود ان کے نگراں تھے، اور آپ ہر چیز کے گواہ ہیں''۔

۴۶۲۵ ـ حدثنا أبو الوليد: حدثنا شعبة: أخبرنا المغيرة بن النعمان قال: سمعت سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: خطب رسول الله ﷺ فقال: ((يا ايها الناس انكم محشورون الى الله حفاة عراة غرلا)) ثم قال: ((﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُهُ وَعْداً عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ﴾)) الى آخر الآية. ثم قال: ((ألا وان أول الخلائق يكسى يوم القيامة إبراهيم، ألا وانه يجاء برجال من أمتي فيؤخذ بهم ذات الشمال فأقول: يا رب أصيحابي، فيقال: إنك لاتدري ما أحدثوا بعدك، فأقول كما قال العبد الصالح: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْداً مَادُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ﴾ فيقال: إن هؤلاء لم يزالوا مرتدين على أعقابهم منذ فارقتهم)). [راجع: ۳۳۴۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ اے لوگو! تم (قیامت کے دن) اللہ ﷻ کی طرف سے ننگے پیر اور ننگے بدن اور بلا ختنہ اٹھائے جاؤ گے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُهُ وَعْداً عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ﴾ تلاوت فرمائی، یعنی جس حال میں تم کو پیدا کیا ہے، اسی حال میں تم کو قیامت کے دن اٹھائیں گے اس وعدے کے مطابق جو ہم نے کیا ہے اور ہم اس کام کے کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا سن لو! کہ روزِ قیامت سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا، اور پھر چند آدمی میری امت کے لائے جائیں گے اور انہیں بائیں طرف جانے والوں میں لے جایا جائے گا (یعنی دوزخ کی طرف)، تو میں عرض کروں گا کہ اے رب! یہ تو میرے امتی ہیں، کہا جائے گا کہ مگر تم کو نہیں معلوم کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا نئے نئے کام (بدعات) کئے، اس وقت میں عبدِ صالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) طرح عرض کروں گا ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْداً مَادُمْتُ فِيْهِمْ

﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے جدا ہوتے ہی دین سے پھر گئے تھے۔

(۱۵) باب قوله: ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ [۱۱۸]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اگر آپ ان کو سزا دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں“۔

۴۶۲۶ ــ حدثنا محمد بن کثیر: حدثنا سفیان: حدثنا المغیرۃ بن النعمان قال: حدثنی سعید بن جبیر، عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال: ((انکم محشورون، وان ناسا یؤخذ بهم ذات الشمال فأقول کما قال العبد الصالح: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ الی قوله ﴿الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾)). [راجع: ۳۳۴۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم قیامت کے روز اللہ ﷻ کی طرف سے اٹھائے جاؤ گے، پھر تم میں سے کچھ لوگوں کو دوزخ میں ڈلا جائے گا، اس وقت میں س وقت میں عبد صالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی طرح وہی کہوں گا جو انہوں نے کہا تھا کہ ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ تا ﴿الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾۔

اپنی امت کیلئے آہ وبکاء

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے جو نبی کریم ﷺ تلاوت فرمارہے تھے، پھر آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا **"اللّٰهم امتی"** (اے میرے رب! میری امت) اور زار و قطار رو رہے تھے۔

اللہ ﷻ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے آکر رونے کی وجہ پوچھنے لگے تو رسول اکرم ﷺ نے جو جواب دینا تھا حضرت جبریل علیہ السلام کو دیا تو اللہ ﷻ نے فرمایا اے جبریل! محمد سے جا کر کہو ہم تمہاری امت کے بارے میں تمہیں راضی کریں گے اور دل نہ دکھائیں گے۔ [۲۶]

---

[۲۶] تفسیر ابن کثیر، سورۃ المائدۃ: ۱۱۸، ج: ۲، ص: ۲۱۱.

(٦) سورة الأنعام

سورۂ انعام کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہ تسمیہ

عربی زبان میں **"انعام"** چوپایوں کو کہتے ہیں۔

عرب کے مشرکین مویشیوں کے بارے میں بہت سے غلط عقائد رکھتے تھے، مثلاً ان کو بتوں کے نام پر وقف کر کے ان کا کھانا حرام سمجھتے تھے۔ چونکہ اس سورت میں ان بے بنیاد عقائد کی تردید کی گئی ہے، اس لئے اس کا نام **"سورۃ الانعام"** رکھا گیا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند آیتوں کو چھوڑ کر یہ پوری سورت ایک ہی مرتبہ میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر "روح المعانی" میں ان روایتوں پر تنقید کی ہے۔[1]

قال ابن عباس: ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ﴾ [۲۳]: معذرتهم. ﴿مَعْرُوشَاتٍ﴾ [۱۴۱]: ما يعرش من الكرم وغير ذلك. ﴿حَمُولَةً﴾[۹]: مايحمل عليها.

﴿وَلَلَبَسْنَا﴾ [۹]: لشبّهنا. ﴿لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ﴾ أهل مكة ﴿وَيَنْأَوْنَ﴾[۲۶] : يتباعدون. ﴿تُبْسَلُ﴾: تفضح. ﴿أُبْسِلُوا﴾[۷۰]: أفضحوا.

﴿بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ﴾[۹۳] البسط: الضرب. ﴿اسْتَكْثَرْتُمْ﴾: أضللتم كثيرا.

﴿مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ﴾ [۱۳۶]: جعلوا لله من ثمراتهم ومالهم نصيبا وللشيطان والأوثان نصيبا.

﴿أَكِنَّةً﴾ واحدها كنان. ﴿أَمَّا اشْتَمَلَتْ﴾ [۱۴۳-۱۴۴] : يعني هل تشتمل الأعلى ذكرا أو انثى؟ فلم تحرمون بعضا وتحلون بعضا؟

---

[1] تفسير الآلوسي- روح المعاني، سورة الانعام، ج: ۴، ص: ۷۲، - وآسان ترجمہ قرآن، سورۃ الانعام، ج:۱، ص:۳۸۰

﴿مَفْسُوحاً﴾: مهراقا. ﴿صَدَفَ﴾ [۱۵۸]: أعرض. أبلسوا: أويسوا. ﴿أُبْسِلُوْا﴾: أسلموا. ﴿سَرْمَداً﴾ [۷۱]: دائما. ﴿اِسْتَهْوَتْهُ﴾: أضلته.

﴿تَمْتَرُوْنَ﴾ [۲] تشكون. ﴿وَقْرٌ﴾ [۲۵]: صمم، وأما الوِقر فانه الحمل.

﴿أَسَاطِيْرُ﴾ [۲۵]: واحدها أسطورة واسطارة وهي الترهات.

﴿الْبَأْسَاءُ﴾ [۴۲]: من البأس، ويكون من البؤس. ﴿جَهْرَةً﴾ [۴۷]: معاينة.

﴿الصُّوْرِ﴾ [۷۳]: جماعة صورة. كقوله سورة وسور، ملكوت وملك. رهبوت، رحموت، وتقول: ترهب خير من أن ترحم.

﴿جَنَّ﴾ [۷۶]: اظلم. تعالى علا ﴿وَإِنْ تَعْدِلُ﴾ تقسط — لايقبل منها في ذلك اليوم يقال: على الله حسبانه: أي حسابه.

ويقال: ﴿حُسْبَاناً﴾ مرامي و﴿رُجُوْماً لِلشَّيَاطِيْنِ﴾. مستقر: في الصلب و﴿مُسْتَوْدَعٌ﴾ [۹۸] في الرحم.

القنو: العذق، والاثنان قنوان، والجماعة أيضا قنوان، مثل صنو وصنوان.

ترجمہ وتشریح

﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں پر "فِتْنَتُهُمْ" سے مراد ہے ان کا عذر اور بہانہ بازی کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "مَعْرُوْشَاتٍ" کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ بیلیں جو دیواروں، چھپروں پر پھیلی ہیں، جیسے انگور وغیرہ۔

﴿حَمُوْلَةً﴾ کے معنی وہ جانور جن پر بوجھ لادا جاتا ہے۔

﴿وَلَلَبَسْنَا﴾ کے معنی ہم شبہ میں ڈال دیں گے۔

﴿لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ﴾ یعنی اس قرآن کے ذریعے میں تم لوگوں کو ڈراؤں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خطاب اہل مکہ کو ہے۔

﴿وَيَنْأَوْنَ﴾ بمعنی "يتباعدون" یعنی دور رہتے ہیں، بھاگتے ہیں۔

﴿تُبْسَلُ﴾ بمعنی "تفضح" اور ﴿أُبْسِلُوْا﴾ بمعنی "افضحوا" یعنی رسوا کیا جائیگا، عیب ظاہر کئے جائیں گے اور ذلیل وخوار ہو کر ہلاکت میں ڈالے گئے۔

﴿بَاسِطُوْا أَيْدِيهِمْ﴾ یعنی موت کے فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے، اس آیت میں "البسط" بمعنی "الضرب" - مارنے کے ہیں۔

﴿اِسْتَكْثَرْتُمْ﴾ بمعنی "اضللتم" گمراہ کرنا، یعنی تم نے بہت سے انسان گمراہ کئے۔

﴿مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ﴾ - اس آیت کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں یعنی مشرکین نے اپنے مالوں اور پھلوں میں سے ایک حصہ تو اللہ ﷻ کے واسطے ٹھہرایا اور ایک حصہ اپنے بتوں کے لئے مقرر کیا۔

"اكنة" کے معنی پردہ، یہ "كنان" کی جمع ہے۔

﴿أَمَّا اشْتَمَلَتْ﴾ - یعنی نر اور مادہ کے سوا کسی اور جنس پر مشتمل نہیں ہوتے، پھر تم کیوں ایک حلال اور دوسرے کو حرام ٹھہراتے ہو۔

﴿مَفْسُوحاً﴾ بمعنی "مهراقا" یعنی بہتا ہوا خون۔

﴿صَدَفَ﴾ بمعنی "اعرض" یعنی اس سے اعراض کرنا، اس سے پھر جانا۔

"ابلسوا" بمعنی "اويسوا" یعنی ناامید ہو گئے۔

﴿أُبْسِلُوْا﴾ بمعنی "اسلموا" یعنی پھانسے گئے، ہلاکت کے سپرد کئے گئے۔

﴿سَرْمَداً﴾ ہمیشہ قائم رہنے والا۔

﴿اِسْتَهْوَتْهُ﴾ اسکو پھینک دیا۔

﴿تَمْتَرُوْنَ﴾ تم شبہ کرتے ہو۔

﴿وَقْرٌ﴾ بمعنی "صمم" یعنی بہرا پن۔ یہ جمہور کی قرأت کے مطابق ہے۔

جبکہ حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں "واما الوِقْرُ فانه الحمل" اس قرأت میں معنی یہ ہوگا کہ ان کے کانوں بوجھ ہے، ڈاٹ ہے جو بات سننے میں رکاوٹ ہوتی ہے۔

﴿أَسَاطِيْرُ﴾ بے سند باتیں، جس کا واحد "اسطورة و اسطارة" اور اس کی تشریح "تُرّهات" سے کی گئی ہے جس کا مطلب باطل اور یہ جھوٹے قصے کہانیوں وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔

﴿الْبَأْسَاءُ﴾ یہ "بأس" یا "بؤس" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں محتاجی اور سختی۔

﴿جَهْرَةً﴾ یعنی سامنے روبرو۔

﴿الصُّوْرِ﴾ جمع "صورة" جیسے سورة اور سور میں، "ملكوت" بمعنی "ملك" یعنی بادشاہت کے ہیں، "رهبوت" کے معنی بہت ڈر، "رحموت" مہربانی، اور جیسے کہ کہتے ہیں تیرا ڈرایا جانا تجھ پر مہربانی کرنے سے بہتر ہے۔

"ملکوت - ملک" سے نکلا ہے جیسے "رھبوت" نکلا ہے "راھب" سے، "رھبوت خیر من" اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ "ترحم خیر من ترھب" تمہیں ڈرایا جانا بہتر ہے بنسبت اس کے کہ تم پر رحم کیا جائے۔

یعنی ان لوگوں کا مقولہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ "ترھیب" زیادہ مؤثر ہے بنسبت ترغیب کے کہ جب پٹائی کا اندیشہ ہوگا تو آدمی ٹھیک رہے گا اور اگر بہت زیادہ رحمت کا معاملہ کر دیا تو بگڑ جائے گا، حالانکہ معاملات تو مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف ہوتے ہیں "اذا انت اکرمت (متنبی)" تو ہر جگہ کا معاملہ وحال الگ ہے۔

﴿جَنَّ﴾ یعنی رات کی اندھیری اس پر چھا گئی۔

﴿وَإِنْ تَعْدِلْ﴾ یعنی اپنے گناہ کے بدلہ میں وہ اپنی ساری دنیا جہاں بھی فدیہ یا بدلہ میں دے ڈالے تو اس دن قبول نہ ہوگی۔

اور چھوٹے تیر کو "حسبان" کہتے ہیں اور شیطان کو تیر مارنے کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ آیت میں ہے ﴿رُجُوماً لِلشَّيَاطِينِ﴾۔

"مستقر" کا مطلب ہے رہنے کی جگہ۔

﴿مُسْتَوْدَعٌ﴾ عورت کا رحم۔

"القنو" گچھا، خوشہ اس کا تثنیہ اور جمع دونوں "قنوان" ہے۔ اسی طرح "صنو" کا "صنوان" ہے یعنی جڑ ملے ہوئے درخت۔

(۱) باب: ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ [۵۹]

باب: "اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے"۔

علم غیب اللہ جل جلالہ ہی کے ساتھ خاص ہے

اس آیت میں اللہ جل جلالہ کی خصوصی صفت بتلائی گئی ہے کہ وہ عالم الغیب ہے، ہر غیب کو جانتا ہے، بعد کی آیتوں میں غیب کے مقابل علمِ شہادت یعنی حاضر وموجود چیزوں کے علوم کا بیان ہے کہ انکے علم میں بھی اللہ جل جلالہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا علم محیط ہے کوئی ذرّہ اس سے باہر نہیں ہے۔

ارشاد فرمایا کہ وہی جانتا ہے ہر اس چیز کو جو خشکی میں ہے اور اس چیز کو جو دریا میں ہے، اور کوئی پتہ کسی درخت کا نہیں گرتا جس کا علم اس کو نہ ہو، اسی طرح کوئی دانہ جو زمین کے تاریک حصے میں مستور ہے وہ بھی اس کے

علم میں، اور ہر تر وخشک میں کل کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کے علم میں ہے اور لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علم کے متعلق دو چیزیں حق تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہیں، جن میں کوئی فرشتہ یا رسول یا کوئی دوسری مخلوق شریک نہیں۔

ایک علم غیب، دوسرے موجودات کا علم محیط جس سے کوئی ذرّہ مخفی نہیں، پہلی آیت میں انہی دونوں مخصوص صفات کا بیان ہے، ﴿**وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ**﴾۔

بعد کی آیتوں میں تمام کائنات وموجودات کے علم محیط کا ذکر اس طرح فرمایا کہ پہلے ارشاد ہوا ﴿**وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ**﴾ یعنی اللہ ہی جانتا ہر اس چیز کو جو خشکی میں ہے اور دریا میں ہے۔

مراد اس سے کل کائنات وموجودات ہے، جیسے صبح وشام کا لفظ بول کر پورا زمانہ اور مشرق ومغرب کا لفظ بول کر پوری زمین مراد لی جاتی ہے، اسی طرح بر و بحر یعنی خشکی اور دریا بول کر مراد اس سے پورے عالم کی کائنات وموجودات ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ ﷻ کا علم تمام کائنات پر محیط ہے۔ [۲]

۴۶۲۷ - حدثنا عبدالعزيز بن عبدالله: حدثنا ابراهيم بن سعد، عن ابن شهاب، عن سالم بن عبدالله، عن أبيه: أن رسول الله ﷺ قال: ((مفاتيح الغيب خمس: ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ، وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ، وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾)). [راجع: ۱۰۳۹]

ترجمہ: حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غیب کے پانچ خزانے ہیں (پھر یہ آیت تلاوت فرمائی): **یقیناً (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کسی شخص کو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا، اور نہ کسی شخص کو یہ پتہ ہے کہ کونسی زمین میں اُسے موت آئے گی۔ بیشک اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔**

مفاتیح الغیب

آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے جن کا علم (یعنی علم کلی) بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں، فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں کُل اکوانِ غیبیہ کی انواع کی طرف اشارہ ہوگیا۔

---

[۲] **تفسیر القرطبی**، ج: ۷، ص: ۳، ومعارف القرآن، سورۂ انعام: ۶۲، ج: ۳، ص: ۳۴۸

"اِنَّ اللہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ" قیامت کی گھڑی کا علم مراد ہے۔
"یُنَزِّلُ الْغَیْثَ" میں غالباً زمانیہ ماضیہ پر تنبیہ ہے۔
"مَافِی الْاَرْحَام" میں زمانیہ حالیہ۔
"مَاذَا تَکْسِبُ غَدًا" میں زمانیہ مستقبلہ۔
"بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ" میں غیوب مکانیہ۔

یعنی بارش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ پہلے سے کیا ایسے اسباب فراہم ہو رہے تھے کہ ٹھیک اُسی وقت اُسی جگہ اُسی مقدار میں بارش ہوئی۔

ماں بچہ کو پیٹ میں لئے پھرتی ہے پر اُسے پتہ نہیں کہ پیٹ میں کیا ہے، لڑکا یا لڑکی؟

انسان واقعات آئندہ پر حاوی ہونا چاہتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ کل میں خود کیا کام کروں گا؟ میری موت کہاں واقع ہوگی؟

اس جہل و بیچارگی کے باوجود تعجب ہے کہ دنیا کی زندگی پر مفتون ہو کر خالق حقیقی کو اور اس دن کو بھول جائے جب پروردگار کی عدالت میں کشاں کشاں حاضر ہونا پڑے گا۔

بہرحال ان پانچ چیزوں کے ذکر سے تمام اکوانِ غیبیہ کے علم کلی کی طرف اشارہ کرنا ہے حصر مقصود نہیں اور غالباً ذکر میں ان پانچ کی تخصیص اس لئے ہوئی کہ ایک سائل نے سوال انہیں پانچ باتوں کی نسبت کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [۳]

(۲) باب: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِنْ فَوْقِكُمْ﴾ [۶۵]

باب: "کہو کہ: وہ اس بات پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے کہ تم پر کوئی عذاب، تمہارے اوپر سے بھیج دے"۔

قدرتِ کاملہ

اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ ہے کہ کوئی عذاب، کوئی مصیبت اور کیسی ہی بڑی سے بڑی آفت ہو اس کو

---

[۳] انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۴، ص: ۲۰۸، کتاب الاستسقاء، رقم: ۱۰۳۹، و تفسیر عثمانی ص: ۵۵۲، فائدہ نمبر: ۱۔

ٹال سکتا ہے۔ اسی طرح اس کو اس پر بھی قدرت حاصل ہے کہ جب کسی فرد یا جماعت کو اس کی سرکشی کی سزا اور عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو ہر قسم کا عذاب اس کے لئے آسان ہے، کسی مجرم کو سزا دینے کے لئے دنیا کے حکام کی طرح اس کو نہ کسی پولیس اور فوج کی حاجت ہے اور نہ کسی مددگار کی ضرورت۔

اسی مضمون کو اس طرح بیان فرمایا

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِنْ فَوْقِكُمْ﴾

یعنی اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ بھیج دے تم پر کوئی عذاب تمہارے اُوپر سے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے آپس میں بھڑا دے اور ایک کو دوسرے کے ہاتھ سے عذاب میں ہلاک کر دے۔

﴿يَلْبِسَكُمْ﴾ [۶۵]: يخلطكم من الالتباس، ﴿يَلْبِسُوْا﴾ [۸۲]: يخلطوا. ﴿شِيَعاً﴾[۶۵]: فرقا.

ترجمہ: "يَلْبِسَكُمْ" بمعنی "يخلطكم" یہ "الالتباس" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اشتباہ اور اختلاط کے، "يَلْبِسُوْا" بھی اسی معنی میں ہے ملا دینا، خلط ملط کر دینا۔

"شِيَعاً" بمعنی گروہ گروہ، فرقے فرقے۔

۴۶۲۸ - حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد بن زيد، عن عمرو بن دينار، عن جابر ﷺ قال: لما نزلت هذه الآية ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِنْ فَوْقِكُمْ﴾ قال رسول الله ﷺ: ((أعوذ بوجهك)) ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ﴾ قال: ((أعوذ بوجهك)) ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعاً وَيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ قال رسول الله ﷺ: ((هذا أهون، أو هذا أيسر)). [أنظر: ۷۳۱۳، ۷۴۰۶] [۲]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِنْ فَوْقِكُمْ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "أعوذ بوجهك" یعنی میں پناہ لیتا ہوں، پھر (اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا) ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ﴾ آپ ﷺ نے اس سے بھی پناہ مانگی، پھر اللہ جل جلالہ نے فرمایا ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعاً وَيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ تو آپ ﷺ

---

[۲] وفي سنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة الانعام، رقم: ۳۰۶۵، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن جابر رضي الله عنهما، رقم: ۱۴۳۱۶

نے فرمایا ہاں یہ اس سے آسان ہے (کہ ان پر یہ عذاب مسلط کر دیا جائے)۔

عذاب الٰہی کی تین قسمیں

اس میں عذاب کی تین قسمیں بیان فرمائیں:

(۱) جو اوپر سے آئے جیسے پتھر برسنا یا طوفانی ہوا اور بارش۔

(۲) جو پاؤں کے نیچے سے آئے، جیسے زلزلہ یا سیلاب وغیرہ۔

یہ دونوں خارجی اور بیرونی عذاب جو پچھلی قوموں پر مسلط کئے گئے، حضور اقدس ﷺ کی دعا سے اس امت کو اس قسم کے عام عذاب سے محفوظ کر دیا گیا ہے یعنی اس قسم کا عام عذاب جو گزشتہ اقوام کی طرح اس امت کا استیصال کر دے نازل نہ ہوگا، جزئی اور خصوصی واقعات اگر پیش آئیں تو اس کی نفی نہیں۔

(۳) تیسری قسم عذاب کہ جسے اندرونی اور داخلی عذاب کہنا چاہئے، اس امت کے حق میں باقی رہی ہے اور وہ پارٹی بندی، باہمی جنگ وجدل اور آپس کی خونریزی کا عذاب ہے۔

موضح القرآن میں ہے کہ قرآن شریف میں اکثر کافروں کو عذاب کا وعدہ دیا، یہاں کھول دیا کہ عذاب وہ بھی ہے جو اگلی امتوں پر آیا آسمان سے یا زمین سے اور یہ بھی ہے کہ آدمیوں کو آپس میں لڑا دے اور ان کو قتل یا قید یا ذلیل کرے، حضور اکرم ﷺ نے سمجھ لیا کہ اس امت پر یہ ہی ہوگا، اکثر **"عذاب الیم"** اور **"عذاب مھین"** اور **"عذاب شدید"** اور **"عذاب عظیم"** ان ہی باتوں کو فرمایا ہے اور آخرت کا عذاب بھی ہے ان پر جو کافر ہی مرے۔ [۵]

(۳) باب: ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ [۸۲]

باب: ''اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا''۔

ظلم کی تصریح ومراد

اس آیت ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ میں ظلم سے نبی کریم ﷺ کی تصریح کے موافق شرک مراد ہے، عام گناہ مراد نہیں، لیکن لفظ "بِظُلْمٍ" کو نکرہ لا کر عربی کے قواعد کے مطابق عام کر دیا ہے، جو ہر قسم کے

---

[۵] روح المعانی، ج: ۴، ص: ۱۸۲، ومعارف القرآن، ج: ۳، ص: ۳۵۸

شرک کو شامل ہے۔

لفظ "**لَمْ يَلْبِسُوْا**"۔ "**لَبِسَ**" سے بنا ہے جس کے معنی ہیں اُوڑھنا یا خلط ملط کر دینا ہے۔

مراد اس آیت کی یہ ہے کہ جو آدمی اپنے ایمان میں کسی قسم کا شرک ملا دے یعنی اللہ تعالیٰ کو تمام صفات کمال کے ساتھ ماننے کے باوجود غیر اللہ کو بھی ان میں سے بعض صفات کا حامل سمجھے وہ اس امن وایمان سے خارج ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک صرف یہی نہیں کہ کھلے طور پر مشرک و بت پرست ہو جائے، بلکہ وہ آدمی بھی مشرک ہے جو اگر چہ کسی بت کی پوجا پاٹ نہیں کرتا اور کلمہ اسلام پڑھتا ہے، مگر کسی فرشتہ یا رسول یا کسی ولی اللہ کو اللہ کی بعض صفاتِ خاصہ کا شریک ٹھہرائے۔

اس میں اُن عوام کیلئے سخت تنبیہ ہے جو اولیاء اللہ اور ان کے مزار کو حاجت روا سمجھتے ہیں اور عملاً ان کو ایسا سمجھتے ہیں کہ گویا خدائی کے اختیارات اُن کے حوالے کر دیئے گئے ہیں - **نعوذ باللہ منہ**۔ [۲]

۴۶۲۹ - حدثني محمد بن بشار: حدثنا ابن أبي عدي، عن شعبة، عن سليمان، عن ابراهيم، عن علقمة، عن عبدالله ﷺ قال: لما نزلت ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ قال أصحابه: وأينا لم يظلم؟ فنزلت ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾. [راجع: ۳۲]

ترجمہ: حضرت علقمہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ (بن مسعود) ﷺ فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ تو آپ ﷺ کے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں سے ایسا کون ہے؟ جس نے ظلم نہ کیا ہو، تو اسکے بعد یہ آیت نازل فرمائی گئی کہ ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [لقمان] یعنی ظلم سے مراد شرک ہے۔

شرک؛ سب سے بڑا ظلم

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ اس لئے لے کر آئے ہیں کہ ظلم کے ساتھ جو عظیم کا لفظ ہے وہ دلالت کر رہا ہے کہ ظلم کے مختلف مراتب ہیں، عظیم ترین جو ظلم ہے وہ شرک ہے جو انسان کو ملت سے خارج کر دیتا ہے اور اس سے نیچے جو مراتب ہیں وہ ملت سے نکالنے والے نہیں ہیں۔

اور ظلم میں اصل یہ ہے کہ وہ ایمان سے خارج نہ کرے، کیونکہ وہ معصیت محض ہے۔ لیکن اس کا ایک فرد

---

[۲] معارف القرآن، ج: ۳، ص: ۳۸۷

اعلیٰ درجہ کا جوانسانوں کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ [۷]

(۴) باب قوله: ﴿وَيُوْنُسَ وَلُوْطاً وَكُلاً فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِيْنَ﴾ [۸۶]

باب: ''اور یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو ہم نے دُنیا جہاں کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی''۔

۴۶۳۰ ــ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا ابن مهدی: حدثنا شعبة، عن قتادة، عن أبی العالیة قال: حدثنی ابن عم نبیکم، یعنی ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی ﷺ قال: ((ما ینبغی لعبد أن یقول: أنا خیر من یونس بن متی)). [راجع: ۳۳۹۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یعنی آنحضرت ﷺ یونس بن متی سے بہتر ہوں۔

۴۶۳۱ ــ حدثنا آدم بن أبی ایاس: حدثنا شعبة: أخبرنا سعد بن ابراهیم قال: سمعت حمید بن عبدالرحمن بن عوف، عن أبی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: ((ما ینبغی لعبد أن یقول: أنا خیر من یونس بن متی)). [راجع: ۳۴۱۵]

(۵) باب قوله: ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ [۹۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''یہ لوگ وہ تھے جن کو اللہ نے (مخالفین کے رویے پر صبر کرنے کی) ہدایت کی تھی، لہذا (اے پیغمبر!) تم بھی انہی کے راستے پر چلو''۔

انبیاءِ سابقین کی اقتداء کا حکم

آیت میں رسول کریم ﷺ کو خطاب فرما کر اہلِ مکہ کو سُنایا گیا ہے کہ کسی قوم کے آباء و اجداد محض باپ دادا ہونے کی حیثیت سے قابلِ تقلید نہیں ہو سکتے کہ ان کے ہر قول و فعل کو قابل اتباع سمجھا جائے جیسا کہ عموماً عرب اور

---

[۷] ومن أراد التفصیل فلیراجع: انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۱، ص: ۴۷۸، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، رقم الحدیث: ۳۲

اہل مکہ کا خیال تھا بلکہ تقلید واتباع کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہم جس کی پیروی کرتے ہیں وہ خود بھی ہدایت کے صحیح راستے پر ہے یا نہیں؟

اس لئے انبیاء علیہم السلام کی ایک مختصر فہرست شمار کر کے فرمایا گیا کہ ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللهُ﴾ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، پھر فرمایا کہ ﴿فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ یعنی آپ بھی ان کی ہدایت اور طریق کار کو اختیار فرمادیں۔

اس میں ایک ہدایت تو اہلِ عرب اور تمام امت کو یہ ہے کہ تقلید آبائی کی وہم پرستی کو چھوڑیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ بزرگوں کی اتباع کریں۔

دوسری ہدایت خود رسول اللہ ﷺ کو ہے کہ آپ بھی انہی انبیاء سابقین کا طریق اختیار فرمائیں۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فروعی اور جزوی اختلافات پہلے بھی ہوتے رہے، اور ملت اسلام میں ان سے مختلف بہت سے احکام نازل ہوئے ہیں، تو پھر حضور اقدس ﷺ کو انبیاءِ سابقین کے طریق پر چلنے اور عمل کرنے کا کیا مطلب ہوا؟

دوسری آیات اور روایاتِ حدیث کے پیشِ نظر اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تمام فروعی اور جزوی احکام میں انبیاء سابقین کا طریق کار اختیار کرنے کا حکم نہیں، بلکہ اصولِ دین، توحید، رسالت، آخرت میں ان کا طریق اختیار کرنا مقصود ہے جو کسی پیغمبر کی شریعت میں ادل بدل نہیں ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی ایک عقیدہ اور طریقہ رہا ہے۔

باقی فروعی احکام جن میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، ان میں بھی طریقۂ کار مشترک رہا اور جن میں حالات کے بدلنے کی وجہ سے بتقاضائے وقت وحکمت کوئی دوسرا حکم دیا گیا اس کی تعمیل کی گئی۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب آپ کو بذریعہ وحی کوئی خاص ہدایت نہ آتی تھی تو آپ فروعی معاملات میں بھی پچھلے انبیاء علیہم السلام کے طریقۂ کار پر چلتے تھے۔ [۸]

۴۶۳۲ ـ حدثني ابراهيم بن موسى: أخبرنا هشام: ان ابن جريج أخبرهم قال: أخبرني سليمان الأحول: أن مجاهدا أخبره: أنه سأل ابن عباس أفي ص سجدة؟ فقال: نعم، ثم تلا ﴿وَوَهَبْنَا﴾ الى قوله ﴿فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ ثم قال: هو منهم. زاد يزيد بن هارون، ومحمد بن عبيد، وسهل بن يوسف، عن العوام، عن مجاهد: قلت لابن عباس، فقال: نبيكم ﷺ ممن أُمر أن يقتدى بهم. [راجع: ۳۴۲۱]

---

[۸] معارف القرآن، ج:۳،ص:۳۹۵

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ سورت ص میں سجدہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہے، پھر یہ آیت پڑھی ﴿وَوَهَبْنَا﴾ تا ﴿فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ یعنی انبیاء کی پیروی ضروری ہے، انہیں میں حضرت ابو داؤد ﷺ بھی ہیں، جن کے سجدہ کا اس سورت میں ذکر ہے، اسی حدیث کو یزید بن ھارون محمد بن عبید اور سہل بن یوسف نے عوام بن حوشب سے اور وہ مجاہد سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے معلوم کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ تمہاری نبی ﷺ کو بھی (پچھلے) انبیاء کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ [۹]

(۶) باب قوله: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ﴾ [۱۴۶]

باب: ''اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا۔''

وقال ابن عباس: كل ذى ظفر: البعير والنعامة. ﴿الْحَوَايَا﴾: المعبر، وقال غيره: هادوا: صاروا يهودا، وأما قوله: ﴿هُدْنَا﴾ [الأعراف: ۱۵۶]: تبنا، هائد: تائب.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''**كل ذى ظفر**'' کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ یہاں اس سے مراد شتر مرغ اور اونٹ ہے۔

''**حوایا**'' کا مطلب وہ آنتیں جن میں مینگنی رہتی ہے۔

اور بعض کا کہنا ہے کہ ''**ھادو**'' کا مطلب یہود ہو گئے۔

''**ھدنا**'' کے معنی ہیں توبہ کرنے والے، ''**ھائد**'' بمعنی تائب۔

۴۶۳۳ ـ حدثنا عمرو بن خالد: حدثنا الليث، عن يزيد بن أبى حبيب: قال عطاء: سمعت جابر بن عبدالله رضى الله عنهما: سمعت النبى ﷺ قال: ((قاتل الله اليهود لما حرم

---

[۹] تمام انبیاء علیہم السلام عقائد، اصول دین اور مقاصد کلیہ میں متحد ہیں۔ سب کا دستور اساسی ایک ہے، ہر نبی کو اسی پر چلنے کا حکم ہے۔ آپ بھی اسی طریق مستقیم پر چلتے رہنے کے مامور ہیں۔ گویا اس آیت میں متنبہ کر دیا کہ اصولی طور پر آپ کا راستہ انبیائے سابقین کے راستہ سے جدا نہیں، رہا فروع کا اختلاف وہ ہر زمانہ کی مناسبت واستعداد کے اعتبار سے پہلے بھی واقع ہوتا رہا ہے اور اب بھی واقع ہو تو مضائقہ نہیں۔

فائدہ: علمائے اصول نے اس آیت کے عموم سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کسی معاملہ میں شرائع سابقہ کا ذکر فرمائیں تو وہ اس امت کے حق میں بھی سند ہے بشرطیکہ شارع نے اس پر کلی یا جزئی طور پر انکار نہ فرمایا ہو۔ تفسیر عثمانی، سورۂ انعام: ۹۰، فائدہ: ۷۔

الله عليهم شحومها جملوها ثم باعوها فأكلوها)).

وقال أبو عاصم: حدثنا عبدالحميد: حدثنا يزيد: كتب الىّ عطاء: سمعت جابراً عن النبي ﷺ. [راجع: ۲۲۳۶]

ترجمہ: حضرت عطاء (بن ابی رباح) رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا کہ وہ بیان کررہے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو برباد کرے جب چربی کو ان کیلئے حرام کیا گیا تو انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت وصول کرکے اس کو کھایا (یعنی اس کی قیمت کھائی)۔

اور ابو عاصم کہتے ہیں کہ ہم سے عبدالحمید نے بیان کیا اور ان سے یزید نے بیان کیا کہ حضرت عطاء رحمہ اللہ نے مجھے لکھا کہ میں نے حضرت جابر ﷺ سے سنا کہ وہ نبی کریم ﷺ نے اسی حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

یہود کی ہٹ دھرمی

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ﷻ ان یہودیوں کو مار ڈالے، کیونکہ اللہ ﷻ نے ان پر چربی حرام فرمائی تھی، لیکن انہوں نے اس چربی کو پگھلایا اور پھر فروخت کرکے اس کی قیمت کھالی۔

نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی

یہودیوں نے چربی استعمال کرنے کا یہ حیلہ کیا کہ انہوں نے کہا کہ ہم پر "**شحم**"- چربی حرام کی گئی ہے، اور لفظ "**شحم**" کا اطلاق چربی پر اس وقت ہوتا جب تک اس کو پگھلایا نہ گیا ہو اور پگھلانے کے بعد اس کو "**شحم**" نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو "**ودک**" کہتے ہیں، اب جب ہم نے اس کو پگھلا لیا تو اب یہ "**شحم**" نہ رہی بلکہ "**ودک**" ہوگئی اور یہ ہمارے لئے حرام نہیں۔

حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی، لہٰذا ان کا یہ حیلہ درست نہیں تھا۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے اس حیلے کی مذمت بیان فرمائی۔

اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ محض نام کے بدل جانے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، اور حلت وحرمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

البتہ اگر ماہیت ہی بدل جائے، مثلاً "خمر-شراب" کی ماہیت بدل کر "خل-سرکہ" بن گیا تو اس

صورت میں حکم بھی بدل جاتا ہے یعنی حرمت کا حکم بھی باقی نہیں رہتا بلکہ وہ شئی طاھر اور حلال ہو جاتی ہے۔ [۱۰]

(۷) باب: ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ﴾ [۱۵۱]

باب: ”اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھٹکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی“۔

بے حیائی کے کاموں سے دور رہنے کا حکم

”فَوَاحِش - فاحشه“ کی جمع ہے، اور لفظ **”فحش، فحشاء، فاحشه“** سب مصدر ہیں، جن کا اردو میں ترجمہ بے حیائی سے کیا جاتا ہے۔

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ہر ایسے بُرے کام کے لئے یہ الفاظ بولے جاتے ہیں جس کی برائی اور فساد کے اثرات بُرے ہوں اور دور تک پہنچیں۔

امام راغب رحمہ اللہ نے مفردات القرآن میں اور ابن اثیر رحمہ اللہ نہایہ میں یہی معنی بیان فرمائے ہیں، قرآن کریم میں جابجا فحش اور فحشاء کی ممانعت وارد ہوئی ہے، ایک آیت میں ارشاد ہے **﴿يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾**، ایک جگہ ارشاد ہے **﴿حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ﴾**۔ [۱۱]

”فحش و فحشاء“ - اس کے مفہوم عام میں تمام بڑے گناہ داخل ہیں، خواہ اقوال کے متعلق ہوں یا افعال سے اور ظاہر سے متعلق ہوں یا باطن اور قلب سے، بدکاری اور بے حیائی کے جتنے کام ہیں وہ بھی سب اس میں داخل ہیں۔

اس لئے عام زبانوں پر یہ لفظ بدکاری کے معنی میں بولا جاتا ہے، قرآن کریم کی اس آیت میں فواحش کے قریب جانے سے بھی روکا گیا ہے، اس کو اگر مفہوم عام میں لیا جائے تو تمام بُری خصلتیں اور گناہ خواہ زبان کے ہوں، خواہ ہاتھ پاؤں وغیرہ کے، اور خواہ دل کے متعلق ہوں، سبھی اس میں داخل ہو گئے۔

اور اگر اس کو عام عوام میں مشہور بے حیائی کے معنی میں لئے جائیں تو بدکاری اور اس کے مقدمات اور اسباب مراد ہوں گے۔

---

[۱۰] مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، کتاب البیوع، رقم: ۲۲۳۶، ج: ۶، ص: ۴۱۹

[۱۱] مفردات الفاظ القرآن للعلامة الراغب الاصفهانی، ص: ۶۲۶، والنهاية فی غريب الحديث والأثر لابن الأثير الجزری الشامی، ج: ۳، ص: ۱۵

پھر اسی آیت میں فواحش کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ پہلی تفسیر کے مطابق ظاہری فواحش سے زبان اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کے تمام گناہ مراد ہوں گے اور باطنی فواحش سے مراد وہ گناہ ہوں گے جو دل سے متعلق ہیں، جیسے حسد، کینہ، حرص، ناشکری، بے صبری وغیرہ۔

اور دوسری تفسیر کے مطابق ظاہری فواحش سے مراد وہ بے حیائی کے کام ہوں گے جن کو علانیہ کیا جاتا ہے، اور وہ باطنی وہ جو چھپ کر کئے جائیں، کھلی بدکاری میں اس کے مقدمات اور لوازمات سب داخل ہیں، بدنیتی سے کسی عورت کی طرف دیکھنا، ہاتھ وغیرہ سے چھونا، اس سے اس طرح کی باتیں کرنا سب اس میں داخل ہیں، اور باطنی بے حیائی اور بدکاری میں وہ خیالات اور ارادے اور ان کو پورا کرنے کی خفیہ تدبیریں داخل ہیں جو کسی بے حیائی اور بدکاری کے سلسلہ میں عمل میں لائی جائیں۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ظاہری فواحش سے وہ بے حیائی کے کام مراد ہیں جن کا بُرا ہونا عام طور پر مشہور و معلوم ہے اور سب جانتے ہیں۔

اور باطنی فواحش سے مراد وہ افعال ہیں جو اللہ کے نزدیک بے حیائی کے کام ہیں، اگرچہ عام طور پر اُن کو لوگ بُرا نہیں جانتے یا عام لوگوں کو ان کا حرام ہونا معلوم نہیں، مثلاً بیوی کو طلاق دینے کے بعد بیوی بنا کر رکھ چھوڑا یا کسی ایسی عورت سے نکاح کرلیا جو شرعاً اس کیلئے حلال نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت فواحش کے اصل مفہوم کے اعتبار سے تمام ظاہری اور باطنی گناہوں کو مشہور عام مفہوم کے اعتبار سے بدکاری و بے حیائی کے جتنے طریقے کھلے یا چھپے ہوئے ہیں ان سب کو شامل ہے۔

اور حکم اس میں یہ دیا گیا ہے کہ ان چیزوں کے پاس بھی نہ جاؤ، پاس نہ جانے سے مراد یہ ہے کہ ایسی مجلسوں اور ایسے مقامات سے بھی بچو جہاں جا کر اس کا خطرہ ہو کہ ہم گناہ میں مبتلاء ہو جائیں گے، اور ایسے کاموں سے بچو جن سے ان گناہوں کا راستہ نکلتا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ **"كَرَاعٍ يَرعَى حَولَ الحِمَى، يُوشِكُ أَن يُوَاقِعَهُ"**۔ یعنی وہ چرواہا جو (شاہی محفوظ) چراگاہ کے آس پاس اپنے جانوروں کو چرائے، قریب ہے کہ وہ کبھی اس چراگاہ کے اندر گھس جائے یعنی جو شخص کسی ممنوع جگہ کے گرد گھومتا ہے تو کچھ بعید نہیں کہ وہ اس میں داخل بھی ہو جائے۔ [۱۲]

اس لئے احتیاط کا مقتضیٰ یہی ہے کہ جس جگہ کا داخلہ ممنوع ہے اس جگہ کے گرد بھی نہ پھرے۔ [۱۳]

۴۶۳۴ ـ حدثنا حفص بن عمر قال: حدثنا شعبة، عن عمرو، عن أبي وائل، عن

---

[۱۲] صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، رقم الحديث: ۵۲

[۱۳] معارف القرآن، ج:۳، ص:۴۸۶،۴۸۵

عبدالله ﷺ قال: لا أحد أغير من الله، ولذلک حرم الفواحش، ماظهر منها ومابطن. ولا شيء أحب إليه المدح من الله، ولذلک مدح نفسه. قلت: سمعته من عبدالله؟ قال: نعم، قلت: ورفعه؟ قال: نعم. [أنظر: ۴۶۳۷، ۵۲۲۰، ۷۴۰۳] [۱۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ بیان کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ سے زیادہ کوئی غیرت دار نہیں ہے، یہی وجہ ہے اس نے تمام ظاہر و باطن کی فحش چیزوں کو حرام کر دیا ہے، اور اللہ ﷻ اپنی تعریف، حمد وثنا سے زیادہ کسی چیز کو پسند نہیں کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے خود اپنی تعریف فرمائی۔ عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد ابو وائل سے اس حدیث کو سن کر کہا کہ کیا آپ نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے سنی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں! اس کے بعد میں نے کہا اس کا سلسلہ رسول اکرم ﷺ تک جا پہنچتا ہے؟ فرمایا ہاں!

(۸) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

﴿وَكِيلٌ﴾: حفيظ ومحيط به. ﴿قُبُلًا﴾ جمع قبيل. والمعنى أنه ضروب لعذاب كل ضرب منها قبيل. ﴿زُخْرُفَ الْقَوْلِ﴾: كل شيء حسنته زينته وهو باطل فهو زخرف.

﴿وَحَرْثٌ حِجْرٌ﴾: حرام، وكل ممنوع فهو حجر محجور. والحجر: كل بناء بنيته. ويقال للأنثى من الخيل: حجر. ويقال للعقل: حجر وحجا. وأما الحجر فموضع ثمود، وما حجرت عليه من الأرض فهو حجر. ومنه سمي حطيم البيت حجرا كأنه مشتق من محطوم، مثل قتيل من مقتول. وأما حجر اليمامة فهو منزل.

ترجمہ وتشریح

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "وَكِيلٌ" بمعنی "حفيظ ومحيط به" یعنی وہی اللہ ہر چیز کا

---

[۱۳] وفي صحيح مسلم، كتاب التوبة، باب غيرة الله تعالىٰ وتحريم الفواحش، رقم: ۲۷۶۰، وسنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب، رقم: ۳۶۳۰، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود ﷺ، رقم: ۳۶۱۲، ۴۰۴۴، ۴۱۵۳، وسنن الدارمي، ومن كتاب النكاح، باب في الغيرة، رقم: ۲۲۷۱

نگہبان ومحافظ ہے، اور کوئی شئے اسکے احاطہ سے باہر نہیں۔

"قُبُلاً" جمع ہے اور اس کا واحد **"قبیل"** ہے اور اس سے مراد ہر قسم کا عذاب ہے۔

"زُخْرُفَ" کے معنی ہر وہ چیز جس کو ظاہری طور پر خوبصورت وآراستہ کیا گیا ہو لیکن حقیقتاً وہ بیکار چیز ہو۔

"وَحَرْثٌ حِجْرٌ" یعنی حرام ہے، ہر وہ چیز جو ممنوع ہے وہ حجر ہے، اور **"حجر"** بمعنی **"محجور"**۔

"حجر" ہر وہ عمارت ہے جس کو تم نے تعمیر کی، یعنی حجر کا اطلاق عمارت پر بھی ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ **"حجر"** کا اطلاق گھوڑے کی مادہ یعنی گھوڑی پر بھی ہوتا ہے۔

"حجر وحجا" اور ان دونوں کا اطلاق ''عقل'' پر بھی ہوتا ہے۔

"حجر" قومِ ثمود کی بستی کا نام بھی ہے، جو مدینہ وشام کے درمیان واقع ہے، غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرت ﷺ مع اصحاب وہاں سے گذرے تھے۔

اور زمین کے جس حصہ پر تنگی ہو یعنی ہر ممنوع علاقہ **"حجر"** ہے اور اسی لئے بیت اللہ کے **"حطیم"** کو بھی **"حجر"** کہتے ہیں گویا کہ **"حطیم"** مشتق ہے **"محطوم"** سے یعنی **"حطیم - محطوم"** کے مفہوم کو ادا کرتا ہے، جیسے قتیل، مقتول کے معنی کو ادا کرتا ہے اور **"حجر یمامہ"** ایک مقام کا نام ہے۔

(۹) باب قوله: ﴿قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَ كُمْ﴾ [۱۵۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''ان سے کہو کہ اپنے وہ گواہ ذرا سامنے تو لاؤ''۔

لغة أهل الحجاز هلم للواحد والاثنين والجمع.

ترجمہ: لفظ **"هَلُمَّ"** اہلِ حجاز کی لغت ہے، اور واحد، تثنیہ اور جمع سب کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

(۱۰) باب: ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْساً إِيْمَانُهَا﴾ [۱۵۸]

باب: ''اُس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کیلئے کارآمد نہیں ہوگا''۔

مغرب سے طلوعِ آفتاب کے بعد توبہ کا دروازہ بند

اس آیت میں اس بات پر متنبہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض نشانیاں سامنے آجانے کے بعد توبہ کا

دروازہ بند ہو جائے گا، جو شخص اس سے پہلے ایمان نہیں لایا، اب ایمان لائے گا تو قبول نہیں ہوگا، اور جو شخص ایمان تو لا چکا تھا مگر نیک اعمال نہیں کئے تھے، وہ اب توبہ کرکے آئندہ نیک عمل کا ارادہ کرے گا تو اس کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ کافر اپنے کفر سے یا اپنے فاسق اپنے فسق و معصیت سے اگر اس وقت توبہ کرنا چاہے گا تو وہ توبہ قبول نہیں ہوگی۔

سبب یہ ہے کہ ایمان اور توبہ صرف اس وقت تک قبول ہو سکتی ہے جب تک وہ انسان کے اختیار میں ہے، اور جب عذابِ الٰہی کا اور حقائقِ آخرت کا مشاہدہ ہو گیا تو ہر انسان ایمان لانے میں اور گناہ سے باز آنے پر خو بخود مجبور ہو گیا، مجبوری کا ایمان اور توبہ قابلِ قبول نہیں ہے۔

قرآن مجید کی بے شمار آیات میں مذکور ہے کہ اہلِ دوزخ، دوزخ میں پہنچ کر فریاد کریں گے اور بڑے بڑے وعدے کریں گے کہ اگر ہمیں اب دنیا میں دوبارہ لوٹا دیا جائے تو ہم ایمان اور عملِ صالح کے سوا کچھ نہ کریں گے، مگر سب کا جواب یہی ہوگا کہ ایمان و عمل کا وقت ختم ہو چکا ہے اور اب جو کچھ کہہ رہے ہو مجبور ہو کر کہہ رہے ہو اس کا اعتبار نہیں۔

اس آیت میں اتنی بات تو قرآنی تصریح سے معلوم ہو گئی کہ بعض نشانیاں ایسی واقع ہوں گی، جن کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، کسی کافر یا فاسق کی توبہ قبول نہ ہوگی، لیکن قرآن کریم نے اس وضاحت نہیں فرمائی کہ وہ کونسی نشانی ہے؟

آگے حدیث میں اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں جب تک سورج مغرب کی طرف سے طلوع نہ ہو، جب لوگ یہ نشانی دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے لیکن اس وقت کسی کی توبہ قبول نہیں ہوگی کیونکہ اسی وقت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے تذکرہ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے شرح بخاری فتح الباری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ یعنی سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہونے کے بعد ایک سو بیس سال تک دنیا قائم رہے گی۔ [۵۱]

۴۶۳۵ - حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا عبدالواحد: حدثنا عمارة: حدثنا أبو زرعة: حدثنا أبو هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: ((لا تقوم الساعة حتى تطلع الشمس

---

[۵۱] تفسير الآلوسی- روح المعانی، سورة الانعام، ج: ۴، ص: ۳۰۵، فتح الباری، کتاب الرقاق، باب، رقم الحديث: ۶۵۰۶، ج: ۱۱، ص: ۳۵۴، تفسير معارف القرآن، ج: ۳، ص: ۴۹۸،۴۹۷

من مغربها فاذا رآها الناس آمن من عليها فذاک حين ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْساً إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ﴾)). [راجع: ۸۵]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہوگا، پھر جب آدمی اسے دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے، مگر یہ وقت ایسا ہوگا کہ جیسا اس آیت میں ذکر ہے ﴿ لَا يَنْفَعُ نَفْساً إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی اس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کے لئے کارآمد نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا۔ [۱۶]

۴۶۳۶ ـــ حدثني اسحاق: أخبرنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن همام، عن أبو هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: ((لاتقوم الساعة حتى تطلع الشمس من مغربها فاذا طلعت ورآها الناس آمنوا أجمعون، وذلک حين ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْساً إِيْمَانُهَا﴾)) ثم قرأ الآية. [۱۷]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہوجائے، پھر جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا، لوگ اس نشانی کو دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے، اور یہی وہ وقت ہوگا کہ جیسا اس آیت میں ذکر ہے ﴿ لَا يَنْفَعُ نَفْساً إِيْمَانُهَا﴾ یعنی اس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کے لئے کارآمد نہیں ہوگا۔ پھر آپ ﷺ نے آیت پوری تلاوت فرمائی۔

---

[۱۶] ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْساً إِيْمَانُهَا﴾ ـــ یعنی اللہ ﷻ کی طرف سے ہدایت کی جو حد تھی وہ پوری ہو چکی، انبیاء تشریف لائے، شریعتیں اتریں، کتابیں آئیں حتی کہ اللہ ﷻ کی آخری کتاب بھی آ چکی، تب بھی نہیں مانتے تو شاید اب اس کے منتظر ہیں کہ اللہ ﷻ آپ آئے یا فرشتے آئیں یا قدرت کا کوئی بڑا نشان مثلاً قیامت کی کوئی بڑی علامت ظاہر ہو، تو یاد رہے کہ قیامت کے نشانیوں میں سے ایک نشان وہ بھی ہے جس کے ظاہر ہونے کے بعد نہ کافر کا ایمان لانا معتبر ہوگا نہ عاصی کی توبہ۔

مختلف احادیث بتلاتی ہیں کہ یہ نشان آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا ہے، یعنی جب خدا کا ارادہ ہوگا کہ دنیا کو ختم کرے اور عالم کا موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے تو موجودہ قوانین طبعیہ کے خلاف بہت سے عظیم الشان خوارق وقوع میں آئیں گے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آفتاب مشرق سے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ غالباً اس حرکت مقلوبی اور رجعت قہقری سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ جو قوانین قدرت اور نوامیس طبعیہ دنیا کے موجودہ نظم ونسق میں کارفرما تھے، ان کی میعاد ختم ہونے اور نظام شمسی کے الٹ پلٹ ہو جانے کا وقت آ پہنچا ہے۔ گویا اس وقت سے عالم کبیر کا نزع اور جانکنی کا وقت شروع ہوتا ہے اور جس طرح عالم صغیر (انسان) کی جانکنی کے وقت ایمان اور توبہ مقبول نہیں، کیونکہ وہ حقیقت میں اختیاری نہیں ہوتا، اسی طرح طلوع شمس من المغرب کے بعد مجموعہ عالم کے حق میں یہ ہی حکم ہوگا کہ کسی کا ایمان وتوبہ معتبر نہ ہو۔

..................﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾..................

﴿گذشتہ سے پیوستہ﴾

بعض روایات میں "طلوع الشمس من مغربها" کے ساتھ چند دوسرے نشانات بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً خروج دجال، خروج دابہ وغیرہ، ان روایات کی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ان سب نشانات کا مجموعہ متحقق ہوگا اور وہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ "طلوع الشمس من مغربها" بھی متحقق ہو، تو دروازہ توبہ کا بند کردیا جائے گا الگ الگ ہر نشان پر یہ حکم متفرع نہیں۔ آسان ترجمۂ قرآن، سورۃ الانعام، آیت ۱۵۸، - وتفسیر عثمانی، سورۂ انعام، آیت: ۱۵۸، فائدہ: ۲۔

۷ے وفي صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان الزمن الذي لا يقبل فيه الايمان، رقم: ۱۵۷، وسنن ابي داؤد، كتاب الملاحم، باب أمارات الساعة، رقم: ۴۳۱۲، وسنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب طلوع الشمس من مغربها، رقم: ۴۰۶۸، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة رضى الله عنه، رقم: ۷۱۶۱، ۸۵۹۹، ۸۸۵۰، ۹۱۷۲، ۱۰۷۵۹.

سورة الأعراف

سورۂ اعراف کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہ تسمیہ

"اعراف" کے لفظی معنی بلندیوں کے ہیں۔

اور اصطلاح میں یہ اُس جگہ کا نام ہے، جو جنت اور دوزخ کے درمیان واقع ہے، اور جن لوگوں کے اچھے اور بُرے اعمال برابر ہوں گے، اُن کو کچھ عرصے کے لئے یہاں رکھا جائے گا، پھر اُن کے ایمان کی وجہ سے آخر کار وہ بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

چونکہ اسی سورت میں اَعراف اور اس میں رکھے جانے والوں کا بیان تفصیل سے آیا ہے، اس لئے اس کا نام سورۂ اعراف رکھا گیا ہے۔ [1]

قال ابن عباس: ﴿وَرِيْشاً﴾: المال. ﴿إِنَّهُ لايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾: في الدعاء وفي غيره. ﴿عَفَوْا﴾: كثروا. ﴿اَلْفَتَّاحُ﴾: القاضي.

﴿افْتَحْ بَيْنَنَا﴾: اقض بيننا. ﴿نَتَقْنَاالْجَبَلَ﴾: رفعنا. ﴿انْبَجَسَتْ﴾: انفجرت.

﴿مُتَبَّرٌ﴾: خسران. ﴿آسَى﴾: أحزن. ﴿تَأْسَ﴾: تحزن.

﴿مَامَنَعَكَ أَنْ لاتَسْجُدَ﴾ يقول: ما منعك أن تسجد. ﴿يَخْصِفَانِ﴾: أخذا الخصاف من ورق الجنة، يؤلفان الورق: يخصفان الورق بعضه الى بعض.

﴿سَوْآتِهِمَا﴾: كناية عن فرجيهما.

﴿وَمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ﴾: هو هاهنا الى القيامة، والحين عند العرب من ساعة الى ما لايحصى عدها. الرياش والريش واحد وهوما ظهرمن اللباس.

﴿قَبِيْلُهُ﴾: جيله الذى هومنهم.

---

[1] آسان ترجمۂ قرآن، الاعراف، ج:۱، ص:۴۴۲

﴿اِدَّارَكُوْا﴾: اجتمعوا. ومشاق الانسان والدابة كلها يسمى سموما واحدها سم، وهي عيناه ومنخراه وفمه وأذناه ودبره واحليله.
﴿غَوَاشٍ﴾ ماغشوا به. ﴿نُشُراً﴾: متفرقة. ﴿نَكِداً﴾: قليلا. ﴿يَغْنَوْا﴾: يعيشوا.
﴿اِسْتَرْهَبُوْهُمْ﴾، من الرهبة. ﴿تَلْقَفُ﴾: تلقم.
﴿طَائِرُهُمْ﴾: حَظُّهُمْ. طوفان: من السيل، ويقال للموت الكثير: الطوفان.
﴿القُمَّل﴾: الحمنان شبه صغار الحلم. عروش وعريش: بناءٌ.
﴿سُقِطَ﴾: كل من ندم فقد سقط في يده. الأسباط: قبائل بني اسرائيل.
﴿يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ﴾: يتعدون له، يجاوزون. ﴿تَعْدُ﴾[الكهف:۲۸]: تجاوز.
﴿شُرَّعاً﴾: شوارع. ﴿بَئِيسٍ﴾: شديد. ﴿أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ﴾: قعدوتقاعس.
﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ﴾: نأتيهم من مأمنهم كقوله تعالىٰ: ﴿فَأَتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا﴾ [الحشر:۲]. ﴿مِنْ جِنَّةٍ﴾: من جنون.
﴿أَيَّانَ مُرْسَاهَا﴾من خروجها ﴿فَمَرَّتْ بِهِ﴾: استمربها الحمل فأتمته.
﴿يَنْزَغَنَّكَ﴾: يستخفنك. ﴿طَيْفٌ﴾ ملمٌّ: به لمم، ويقال: طائف وهو واحد.
﴿يَمُدُّوْنَهُمْ﴾: يزينون. ﴿وَخِيْفَةً﴾: خوفا. ﴿وَخِفْيَةً﴾: من الاخفاء.
﴿وَالآصَالِ﴾: واحدهما أصيل، مابين العصر الى المغرب كقوله تعالىٰ: ﴿بُكْرَةً وَأَصِيْلاً﴾ [الفرقان:۵].

ترجمہ وتشریح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ "وَرِيْشاً" کا مطلب ہے "المال" یعنی دنیاوی ساز وسامان اور مال ومتاع۔

﴿اِنَّهُ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ یعنی اللہ حد سے زیادہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دعا میں حد سے زیادہ تجاوز کرنا، اس طرح کہ کوئی شخص ناممکن چیزیں دعاء میں مانگنے لگ جائے۔

"عَفَوْا" بمعنی "كثروا" کے معنی بہت ہوئے اور ان کے اموال زیادہ ہوگئے۔

"اَلْفَتَّاحُ" بمعنی قاضی، حکم کرنے والا اور "اِفْتَحْ بَيْنَنَا" کے معنی ہیں ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔

"نَتَقْنَا" کے معنی ہیں **"رفعنا"** یعنی ہم نے اٹھایا۔

"انْبَجَسَتْ" بمعنی **"انفطرت"** یعنی جاری ہوگیا۔

"مُتَبَّرٌ" بمعنی **"خسران"** خسارہ پانے والے۔

"آسَی" بمعنی **"احزن"** رنج کرنا، غم کھانا، اسی مناسبت سے دوسرا لفظ **"تَأْسَ"** بمعنی **"تحزن"** کو ذکر کر دیا۔

اس آیت ﴿**مَامَنَعَکَ أَنْ لَا تَسْجُدَ**﴾ اس میں **"لا"** زائدہ ہے اور معنی ہوگا کس چیز نے منع کیا تجھ کو سجدہ کرنے سے؟

"يَخْصِفَانِ" کے معنی ہیں دونوں جوڑنے لگے، چپکانے لگے جنت کے پتوں کو جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے، اور دونوں پتوں کو ایک دوسرے پر تہ بہ تہ جوڑتے تھے۔

"سَوْآتِهِمَا" کنایہ ہے دونوں کے شرم گاہ سے۔

﴿**وَمَتَاعٌ إِلَى حِيْنٍ**﴾ سے یہاں مراد ہے قیامت کے دن تک اور لفظ **"حین"** عرب کے نزدیک استعمال کیا جاتا ہے ایک ساعت سے لے کر غیر محصور مدت تک۔

"ریاش وریش" دونوں ہم معنی ہیں اور وہ ظاہری لباس ہے۔

﴿**قَبِيْلُهُ**﴾ - **قبیل** کا معنی ہے گروہ، قوم، اس کا قبیلہ اس کا گروہ ہے کہ جن میں سے وہ ہے۔

﴿**إِدَّارَكُوْا**﴾ کے معنی ہیں سب جمع ہوگئے۔

انسان اور چوپائے سب میں جو سوراخ ہیں ان کو **"سُمُوما"** کہتے ہیں، جس کا واحد **"سَمٌّ"** ہے اور اس سے مراد دونوں آنکھیں اور دونوں ناک، منہ، دونوں کان اور دبر و قبل یعنی شرمگاہیں۔

"غَوَاش" یعنی وہ چیز ہے جس سے ڈھانکا جائے۔

"نُشُراً" کے معنی ہیں متفرقہ، جدا جدا، مختلف۔

"نَكِداً" کے معنی قلیل اور تھوڑے کے ہیں۔

"يَغْنَوْا" کے معنی جینے اور زندگی گذارنے کے ہیں۔

"اِسْتَرْهَبُوْهُمْ" - **"رهبة"** سے مشتق ہے جس کے معنی خوف کے ہیں۔

"تَلْقَفُ" بمعنی **"تلقم"** یعنی لقمہ بنانے لگا، نگلنے لگا۔

"طوفان" کے معنی سیلاب، بہنے والا پانی اور اموات کی کثرت یعنی موت کی گرم بازاری کو بھی طوفان کہا جاتا ہے۔

"القُمَّل" بمعنی **"حمنان"** یعنی چھوٹی چچڑیاں جو مشابہ ہے چھوٹے کیڑوں سے۔

"عروش وعریش" کے معنی ہیں **"بناءٌ"** یعنی عمارت، محل۔

"سُقِطَ" کے معنی ہیں ہر وہ شخص جو شرمندہ ہوا اور وہ ہاتھ مل کر پچھتایا۔

"الأسباط" سے مراد قبائل بنی اسرائیل ہیں۔

"یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ" کے معنی ہیں **"یتعدون"** تعدی کررہے تھے، وہ لوگ حد شرعی سے تجاوز کررہے تھے۔

اسی طرح سورہ کہف میں **﴿تَعْدُ﴾** کا بھی یہی مطلب ہے۔

"شُرَّعاً" کے معنی ہیں پانی کے اوپر ظاہر ہونے والے، یہ لفظ پچھلی آیت سے متعلق ہے۔

"بَئِیس" **بمعنی-** شدید۔

"أَخْلَدَ إِلَی الْأَرْضِ" کی تفسیر کی ہے **"قعد"** اور **"تقاعس"** دونوں کے معنی ایک ہیں اپنی ضرورت یا اپنے کام سے پیچھے ہٹ جانا۔

"سَنَسْتَدْرِجُهُمْ" کے معنی ہیں آئیں گے ہم نے ان کے پاس ایسی جگہ سے جہاں سے ان کا گمان بھی بھی نہیں ہوگا ایسی پرامن جگہ ہوگی۔

استدراج کے معنی ہیں ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں چڑھانا، قریب کرنا، مراد یہاں پر یہ ہے کہ اللہ کی پکڑ اچانک آن دبوچتی ہے۔

ایسے ہی دوسرا ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ **﴿فَأَتَاهُمُ اللهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا﴾** [الحشر: ۲].

"مِنْ جِنَّةٍ" سے مراد یہاں پر جنون ہے۔

﴿أَيَّانَ مُرْسَاهَا﴾ سے مراد یہ ہے کہ قیامت کی گھڑی کب نکلے گی، کب قائم ہوگی؟

"فَمَرَّتْ بِهِ" کا مطلب یہ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا/ جماع کیا، تو اس نے ہلکا سا بوجھ اٹھا لیا یعنی اس کو خفیف سا حمل رہ گیا، اس کو پیٹ میں لئے پھرتی رہی اور اس کی مدت کو پورا کیا۔

"یَنْزَغَنَّکَ" سے مراد یہ ہے شیطان تجھے بہکائے۔

"طَیْفٌ" بمعنی **"ملمٌّ"** یعنی دل میں آنے والے خیالات اور وسوسے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں **"طائف"** جمع ہے **"طیف"** کی جس کے معنی ہیں مجمع، بھیڑ وغیرہ۔

"یَمُدُّوْنَهُمْ" وہ ان کو خوبصورت کر کے دکھلاتے ہیں۔

"وَخِیْفَةً: خوفا - وَخِیْفَةً: من الاخفاء" دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی خوف اور ڈر۔

"وَالآصَالِ" جمع ہے، **"أصیل"** کی جس کے معنی ہیں عصر سے مغرب تک کا وقت، جیسے اللہ ﷻ کا قول ہے کہ **﴿بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾**۔

(۱) باب قول الله عزوجل: ﴿قُلْ إِنَّما حَرَّمَ رَبِّيَ الفَوَاحِشَ ما ظَهَرَ مِنها وَمَابَطَنَ﴾ [۳۳]

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان کہ: ''کہہ دو کہ: میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو، یا چھپی ہوئی''۔

افتراء علی اللہ ایک سنگین گناہ

یوں تو کسی بھی شخص کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرنا ہر اعتبار سے ایک ناجائز اور غیر اخلاقی فعل ہے، لیکن اگر یہ جرم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا جائے تو اس کی سنگینی انسان کو کفر تک لے جاتی ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرتے وقت انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے، اور جب تک انسان کو یقینی علم حاصل نہ ہو، ایسی نسبت کا اقدام ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔

عرب کے بت پرستوں نے اپنی طرف سے باتیں گھڑ گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رکھی تھیں، جن کی بنیاد کسی علم پر نہیں تھی، بلکہ اپنے بے بنیاد اندازوں پر تھی، جن کی حقیقت کا خود انہیں بھی علم حاصل نہیں تھا۔ [۲]

۴۶۳۷ ۔ حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا شعبة، عن عمرو بن مرة، عن أبي وائل، عن عبدالله ﷺ قال: قلت: أنت سمعت هذا من عبدالله؟ قال: نعم، ورفعه قال: ((لا أحد اغير من الله فلذلک حرم الفواحش ما ظهر منها ومابطن، ولا أحد أحب اليه المدحة من الله فلذلک مدح نفسه)). [راجع: ۴۶۳۴]

بے حیائی کے تمام کام حرام قرار

عمرو بن مرۃ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے راوی ابو وائل سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حدیث خود حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے سنی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں نے خود ان سے سنی ہے، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے براہ راست روایت کی تھی۔

---

[۲] آسان ترجمہ قرآن، سورۃ الاعراف: ۳۳۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں ہے، اس لئے اللہ نے بے حیائی کے تمام کاموں کو حرام قرار دیا ہے، خواہ وہ علی الاعلان بے حیائی کے کام ہوں، یا چھپ کر بے حیائی کے کام ہوں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی اپنی حمد و تعریف کو پسند کرنے والا نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ خود اپنی تعریف بیان فرماتا ہے۔

(۲) باب: ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ﴾ الآیۃ [۱۴۳]

باب: ''اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا ربّ اُن سے ہم کلام ہوا، تو وہ کہنے لگے: ''میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں''۔

رؤیتِ باری تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے تجلی کا ظہور

اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں تو ممکن نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بات کا مظاہرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کروا دیا کہ اس دُنیا میں انسانوں کو تو کجا، پہاڑوں کو بھی یہ طاقت نہیں دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کو بھی برداشت کر سکیں۔

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رؤیت باری تعالیٰ ناممکن نہیں مگر مخاطب بحالتِ موجودہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا، ورنہ اگر رؤیت ممکن ہی نہیں ہوتی تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوں مخاطب نہ کرتے ﴿لَنْ تَرَانِي﴾ بلکہ فرماتے ﴿لَنْ أُرَىٰ﴾ یعنی میری رؤیت نہیں ہو سکتی۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں بھی عقلاً ممکن ہے مگر اس آیت سے ان کا ممتنع الوقوع ہونا بھی ثابت ہو گیا اور جمہور اہلِ سنت کا یہی مذہب ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت عقلاً ممکن ہے مگر شرعاً ممتنع ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **"تعلمون أنه لن یری أحد منکم ربه حتی یموت"**، یعنی تم لوگ یہ جان رکھو کہ تم میں سے کوئی بھی اپنے رب کو تم مرنے سے پہلے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ [۳]

پھر فرمایا کہ ﴿وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ﴾ اس میں اس امر کی شہادت ہے کہ بحالتِ موجودہ مخاطب

---

[۳] سنن الترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی علامة الدجال، رقم: ۲۲۳۵، ج: ۴، ص: ۵۰۸

رؤیتِ الٰہی کو برداشت نہیں کرسکتا، اس لئے اس پہاڑ پر ادنیٰ سی جھلک ڈال کر بتلا دیا گیا کہ وہ بھی برداشت نہیں کرسکتا، انسان تو ضعیف الخلقت ہے وہ کیسے برداشت کرلے گا۔

پھر اسی آیت میں آگے فرمایا کہ ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ﴾ - "تَجَلّٰى" کے معنی عربی لغت میں ظاہر اور منکشف ہونے کے ہیں، اور صوفیہ کرام کی نزدیک تجلی کے معنی کسی چیز کو بالواسطہ دیکھنے کے ہیں، جیسے کوئی چیز بواسطہ آئینہ کے دیکھی جائے، اسی لئے تجلی کو رؤیت نہیں کہہ سکتے، خود اسی آیت میں اس کی شہادت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رؤیت کی تو نفی فرمائی ہے اور تجلی کا اثبات۔

امام احمد، ترمذی، حاکم نے بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرما کر ہاتھ کی چھوٹی انگلی (خنصر) کے سرے پر انگوٹھا رکھ کر اشارہ فرمایا کہ اللہ جل شانہ کے نور کا صرف اتنا سا حصہ ظاہر کیا گیا تھا جس سے پہاڑ کے ٹکڑے اڑ گئے۔ [۴]

یہ ضروری نہیں کہ سارے پہاڑ کے ٹکڑے ہوگئے ہوں جس حصہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ تجلی فرمائی وہ حصہ ہی اس سے متاثر ہوا ہو۔ [۵]

قال ابن عباس: أرني: أعطني.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "أرني" کا یہاں پر مطلب ہے مجھے عطاء کر۔

۴۶۳۸ ـ حدثنا محمد بن یوسف: حدثنا سفیان، عن عمرو بن یحیی المازنی، عن أبیه، عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل من الیهود الی النبی ﷺ قد لطم وجهه وقال: یا محمد ان رجلا من أصحابک من الأنصار لطم فی وجهی، قال: ((ادعوه)) فدعوه قال: ((لم لطمت وجهه؟)) قال: یارسول الله، انی مررت بالیهود فسمعته یقول: والذی اصطفی موسی علی البشر، فقلت: وعلی محمد؟ وأخذتنی غضبة فلطمته، قال: ((لاتخیرونی من الأنبیاء فان الناس یصعقون یوم القیامة فأکون أول من یفیق فاذا أنا بموسی آخذ بقائمة من قوائم العرش. فلا أدری أفاق قبلی أم جزی بصعقة الطور؟)). [راجع: ۲۴۱۲]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک یہودی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں فریاد کی کہ آپ کے ایک انصاری صحابہ نے میرے منہ پر تھپڑ مارا ہے اور نشان پڑ گیا ہے، آپ ﷺ نے

---

[۴] من اراد التفصیل فلیراجع: عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ج: ۱۸، ص: ۳۳۲، ۳۴۲

[۵] معارف القرآن، سورۂ اعراف، ج:۴، ص:۲۶، ۲۵

فرمایا صحابی کو بلاؤ، جب وہ آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے تھپڑ کیوں مارا ہے؟ صحابی نے کہا کہ میں جب اس یہودی کے پاس سے گذرا تو یہ کہہ رہا تھا قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس نے تو آپ ﷺ پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو افضل بتایا ہے اس لئے مجھے غصہ آگیا اور میں نے اسے طمانچہ ماردیا، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے دوسرے انبیاء پر فضیلت نہ دو، کیونکہ قیامت کے دن سب بیہوش ہو جائیں گے اور پھر سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا، تو دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے کھڑے ہیں، اب میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا بے ہوش ہی نہیں ہوئے۔

۴۶۳۹ ـ حدثنا مسلم: حدثنا شعبة، عن عبدالملک، عن عمرو بن حریث، عن سعید بن زید عن النبی ﷺ قال: ((الکمأة من المن وماؤها شفاء العین)). [راجع: ۴۴۷۸]

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ ''کھمبی'' من کی ایک قسم ہے اور اس کا پانی آنکھ کیلئے مفید ہے۔

(۳) باب: ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ [۱۵۸]

باب: ''(اے رسول! ان سے) کہو کہ: ''اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اب تم اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اُس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اور اُس کی پیروی کرو، تاکہ تمہیں ہدایت حاصل ہو''۔ [۷]

[۷] یعنی آپ ﷺ کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کو عام ہے، عرب کے امیین یا یہود و نصاریٰ تک محدود نہیں، جس طرح خداوند تعالیٰ شہنشاہ مطلق ہے، آپ ﷺ اس کے رسول مطلق ہیں، اب ہدایت و کامیابی کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس جامع ترین عالمگیر صداقت کی پیروی کی جائے جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں، یہ ہی پیغمبر ہیں، جن پر ایمان لانا تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور تمام کتب سماویہ پر ایمان لانے کا مرادف ہے۔ تفسیر عثمانی، سورۂ اعراف، آیت: ۱۵۸، فائدہ: ۱۔

آپ ﷺ تمام عالم کیلئے تا قیامت نبی ورسول

اس آیت میں اہم بات بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت تمام جن وبشر کے لئے اور ان میں بھی قیامت تک آنے والی نسلوں کیلئے عام ہے۔

اس آیت میں رسولِ کریم ﷺ کو یہ اعلانِ عام کر دینے کا حکم ہے کہ آپ لوگوں کو بتلا دیں کہ میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، میری بعثت ورسالت پچھلے انبیاء کی طرح کسی مخصوص قوم یا مخصوص خطّہ زمین یا خاص وقت تک کیلئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کیلئے دنیا کے ہر خطّہ، ہر ملک، ہر آبادی کیلئے اور موجودہ اور آئندہ نسلوں کیلئے قیامت تک کے واسطے عام ہے، اور انسانوں کے علاوہ جنات بھی اس میں شریک ہیں۔

یہی اصلی راز ہے مسئلہ ختم نبوت کا، کیونکہ جب آنحضرت ﷺ کی نبوت قیامت تک آنے والی نسلوں کیلئے عام ہے تو پھر کسی دوسرے رسول اور نبی کے مبعوث ہونے کی نہ ضرورت ہے، نہ گنجائش اور یہی راز ہے امت محمدیہ کی اس خصوصیت کا کہ اس میں ارشادِ نبوی ﷺ کے مطابق ہمیشہ قیامت تک ایک ایسی جماعت قائم رہے گی جو دین میں پیدا ہونے والے سارے فتنوں کا مقابلہ اور دینی معاملات میں پیدا ہونے والے سارے رخنوں کا انسداد کرتی رہے گی، کتاب وسنت کی تعبیر وتفسیر میں جو غلطیاں رائج ہوں گی یہ جماعت ان کو بھی دور کرے گی اور حق تعالیٰ کی خاص نصرت وامداد اس جماعت کو حاصل ہوگی جس کے سبب یہ سب پر غالب آ کر رہے گی، کیونکہ درحقیقت یہ جماعت ہی آنحضرت ﷺ کے فرائضِ رسالت ادا کرنے میں آپ کی قائم مقام ہوگی۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین اور آخری پیغمبر ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب آپ کی بعثت ورسالت قیامت تک آنے والی نسلوں کیلئے اور پورے عالم کیلئے عام ہوئی تو اب کسی دوسرے جدید نبی ورسول کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اسی لئے آخرِ زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو وہ بھی اپنی جگہ اپنی نبوت پر برقرار ہونے کے باوجود شریعتِ محمدی پر عمل کریں گے، جیسا کہ صحیح روایتِ حدیث سے ثابت ہے۔ [۷]

رسول کریم ﷺ کی بعثت ورسالت ساری دنیا اور قیامت تک کیلئے عام ہونے پر یہ آیت بھی بہت واضح ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کی متعدد آیات اس پر شاہد ہیں۔ [۸]

---

۷ تفسیر ابن کثیر، ج: ۳. ص: ۳۴۰

۸ معارف القرآن، ج:۴، ص:۹۱، ۹۰، وختم نبوت تالیف مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثانی رحمہ اللہ، ص: ۵۰ تا ۱۹۶

۴۶۴۰ - حدثني عبدالله: حدثنا سليمان بن عبد الرحمن وموسى بن هارون قالا: حدثنا الوليد بن مسلم: حدثنا عبدالله بن العلاء بن زبر قال: حدثني بسر بن عبيدالله قال: حدثني أبو إدريس الخولاني قال: سمعت أبا الدرداء يقول: كانت بين أبي بكر وعمر محاورة فأغضب أبوبكر عمر، فانصرف عنه عمر مغضبا فاتبعه أبوبكر يسأله أن يستغفر له فلم يفعل حتى أغلق بابه في وجهه، فأقبل أبوبكر إلى رسول الله ﷺ. فقال أبو الدرداء: ونحن عنده. فقال رسول الله ﷺ: ((أما صاحبكم هذا فقد غامر))، قال: وندم عمر على ما كان منه فأقبل حتى سلم وجلس إلى النبي ﷺ وقص على رسول الله ﷺ الخبر، قال أبو الدرداء: وغضب رسول الله ﷺ وجعل أبوبكر يقول: والله يارسول الله لأنا كنت أظلم، فقال رسول الله ﷺ: ((هل أنتم تاركولي صاحبي؟ هل أنتم تاركولي صاحبي إني قلت: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُوْلُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعاً﴾ فقلتم: كذبت، وقال أبوبكر: صدقت)).

قال أبوعبدالله: غامر: سبق بالخير. [راجع: ۳۶۶۱]

ترجمہ: بسر بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ادریس خولانی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالدرداء ﷺ نے سے سنا وہ فرما رہے تھے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان بحث چھڑ گئی، حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے حضرت عمر ﷺ پر غصہ کیا، تو حضرت عمر ﷺ ان کے پاس سے ناراض ہوکر چل دیئے، حضرت ابوبکر صدیق ﷺ بھی پیچھے ہوئے اور معافی چاہی، مگر حضرت عمر ﷺ نے معاف نہیں کیا، بلکہ ان کے چہرے کے سامنے (اپنے گھر کا) دروازہ بند کرلیا، اس کے بعد پھر حضرت ابوبکر صدیق ﷺ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابوالدرداء ﷺ کہتے ہیں کہ ہم لوگ بھی اس وقت آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے دوست (حضرت ابوبکر ﷺ) کسی سے لڑکر آرہے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء ﷺ بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت عمر ﷺ بھی اپنے اس طرزِ عمل پر شرمندہ ونادم ہوئے اور مجلس میں حاضر ہوئے، سلام کیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھ گئے، اور تمام قصہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا۔ حضرت ابوالدرداء ﷺ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غصہ کا اظہار فرمایا، تو حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول، اللہ کی قسم! میری ہی غلطی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ میرے ساتھی کو چھوڑنا چاہتے ہو؟، آپ ﷺ نے یہ بات دو دفعہ فرمائی، پھر ارشاد فرمایا جب میں نے یہ کہا تھا ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُوْلُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعاً﴾ تو تم سب نے مجھے جھٹلایا تھا، اور صرف ایک ابوبکر ہی تھے جنہوں نے میری تصدیق کی تھی۔

ابوعبداللہ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "غامر" کا مطلب یہ ہے کہ نیکی، خیر میں سبقت کی۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا مقام وفضیلت

حضرت ابو الدرداء ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان تھوڑی سی محاورة یعنی بحث ہوگئی، تھوڑی سی ناراضگی ہوگئی تو حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے حضرت عمر ﷺ پر غصہ کیا، جس پر حضرت عمر ﷺ غصہ میں ناراض ہوکر چلے دئے۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ بھی پیچھے پیچھے چلے اور کہا کہ مجھے معاف کردو، **"فلم یفعل"** مگر حضرت عمر ﷺ نے معاف نہیں کیا **"حتی اغلق"** یہاں تک دروازہ بند کر کے اندر چلے گئے۔

پھر حضرت ابوبکر ﷺ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت ابوالدرداء ﷺ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **"اما صاحبکم هذا فقد غامر"** یہ تمہارے دوست کسی سے لڑکر آئے ہیں۔

"اما صاحبکم هذا فقد غامر" اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

ایک تو عام طور پر جو سمجھ میں آتے ہیں کہ **"غامر"** کے معنی جھگڑے میں پڑ گئے۔

اسکے اصل معنی ہیں کسی چیز میں گھس جانا، مطلب یہ ہے کہ جھگڑے میں پڑ گئے اور ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی طرف اشارہ ہوا اور ہوسکتا ہے کہ وحی ہو یا ان کے چہرے کو دیکھ کر کہ ان کے چہرے پر کوئی آثار نظر آئے۔

دوسرا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے جو کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے نقل کیا ہے **"غامر"** کے معنی سابق بالخیر کے یعنی یہ جو تمہارا ساتھی ابوبکر ہے، یہ خیرات میں سباق ہے، یہ تو ایک تعریف کا ایک جملہ ارشاد فرمایا۔

حضرت ابوالدرداء ﷺ بیان کرتے ہیں کہ **"وندم عمر علی ما کان منه"** بعد میں حضرت عمر ﷺ اپنے طرز عمل پر شرمندہ و نادم ہوئے۔

"فاقبل حتی سلّم وجلس إلی النبی ﷺ" اور آپ بھی اس مجلس میں حاضر ہوئے، سب کو سلام کیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھ گئے، **"وقص علی رسول الله ﷺ الخبر"** اور ناراضگی کا تمام قصہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا۔

"وغضب رسول الله ﷺ" یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے غصے کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابوبکر ﷺ کہنے لگے کہ **"والله یارسول الله لأنا کنت أظلم"** اے اللہ کے رسول، اللہ کی قسم! میری ہی غلطی تھی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **"هل أنتم تارکو لی صاحبی؟"** کیا تم لوگ میرے ساتھی کو چھوڑ نا

چاہتے ہو؟، آپ ﷺ نے یہ بات دو دفعہ فرمائی۔

پھر ارشاد فرمایا جب میں نے یہ کہا تھا ﴿یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعاً﴾ تو تم سب نے مجھے جھٹلایا تھا، اور صرف ایک ابوبکر تھے جنہوں نے میری تصدیق کی تھی۔

"غامر" کے معنی سابق بالخیر۔

مطلب یہ ہے کہ جو لڑ کر پہلے معافی چاہتا ہے اس نے نیکی کرنے میں سبقت کی۔

(۴) باب قوله: ﴿وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ﴾ [۱۶۱]

باب: ''اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں''۔

بنی اسرائیل کا ضد اور عناد

بنی اسرائیل نے جہاد کے ایک حکم کی نافرمانی کی تھی جس کی پاداش میں انہیں صحرائے سینا میں مقید کر دیا گیا تھا، اس صحراء میں رہتے ہوئے جب مدت گزر گئی اور بنی اسرائیل من وسلویٰ سے بھی اکتا گئے تو انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر گزارہ نہیں کر سکتے۔ ہم زمین کی ترکاریاں وغیرہ کھانا چاہتے ہیں۔

اس موقع پر انکی یہ خواہش بھی پوری کی گئی اور یہ اعلان فرمایا گیا کہ اب تمہیں صحرا کی خاک چھاننے سے نجات دی جاتی ہے۔ سامنے ایک شہر ہے اس میں چلے جاؤ، لیکن اپنے گناہوں پر ندامت کے اظہار کے طور پر سر جھکائے ہوئے اور معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہو، وہاں اپنی رغبت کے مطابق جو حلال غذا چاہو کھا سکو گے۔ لیکن ان ظالموں نے پھر ضد کا مظاہرہ کیا۔

شہر میں داخل ہوتے ہوئے سر تو کیا جھکاتے، سینے تان تان کر داخل ہوئے، اور معافی مانگنے کے لئے انہیں جو الفاظ کہنے کی تلقین کی گئی تھی ان کا مذاق بنا ان سے ملتے جلتے ایسے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوئے جن کا مقصد مسخرہ پن کے سواء کچھ نہ تھا۔

جو لفظ انہیں معافی مانگنے کے لئے سکھایا گیا تھا وہ تھا: **"حِطَّة"** (یا اللہ! ہمارے گناہ بخش دے) انہوں نے اسے بدل کر جس لفظ کے نعرے لگائے وہ تھا: **"حِنطة"** یعنی گندم۔ [۹]

۴۶۴۱ - حدثنی اسحاق: اخبرنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن همام بن منبه:

---

[۹] آسان ترجمہ قرآن، ج: ۱، ص: ۶۵

أنه سمع أبا هريرة رضي الله عنه يقول: قال رسول الله ﷺ: ((قيل لبني اسرائيل: ﴿ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّداً وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ﴾ فبدلوا فدخلوا يزحفون على أستاههم وقالوا: حبة في شعرة)). [راجع: ۳۴۰۳]

ترجمہ: ہمام بن منبہ کہتے ہیں میں نے سنا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ ﴿ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّداً وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ﴾، مگر ان لوگوں نے اس کو بدل ڈالا، اور اپنی سرینوں کو زمین پر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے، اور ("حِطَّةٌ" کی جگہ) کہنے لگے "حبة في شعرة" یعنی اناج کا دانہ۔

حِطَّةٌ۔ کی توضیح وتشریح

اللہ ﷻ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ تم بیت المقدس کے دروازے میں عاجزی کے ساتھ حطہ کہتے ہوئے داخل ہو، تو ہم تمہارے گناہ معاف کریں گے، مگر بنی اسرائیل نے اس حکم کو نہیں مانا اور اپنی سرینوں کو زمین پر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور حطہ کی جگہ "حبة في شعرة" یعنی اناج کا دانہ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔

(۵) باب: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ [۱۹۹]

باب: "(اے پیغمبر!) درگذر کا رویہ اپناؤ، اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو"۔

﴿العرف﴾: المعروف.

ترجمہ: "العرف" بمعنی معروف کے ہے یعنی اچھی بات، نیک بات کام یا بات۔

۴۶۴۲ ۔ حدثنا أبو اليمان: حدثنا شعيب، عن الزهري: أخبرني عبيدالله بن عبدالله بن عتبة: أن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قدم عيينة بن حصن بن حذيفة فنزل على ابن أخيه الحر بن قيس وكان من النفر الذين يدنيهم عمر، وكان القراء أصحاب مجالس عمر ومشاورته كهولا كانوا أو شبانا، فقال عيينة لابن أخيه: يا ابن أخي، لك وجه عند هذا الأمير فاستأذن لي عليه، قال: سأستأذن لك عليه، قال ابن عباس: فاستأذن الحر لعيينة فأذن له عمر، فلما دخل عليه قال: هي يا ابن الخطاب، فوالله ما تعطينا الجزل ولا تحكم

بيننا بالعدل. فغضب عمر حتى هم به، فقال له الحر: يا أمير المؤمنين، إن الله تعالى قال لنبيه ﷺ: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ وإن هذا من الجاهلين، والله ماجاوزها عمر حين تلاها عليه و كان وقافا عند كتاب الله. [أنظر: ۷۲۸۶] [۱۰]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس آئے، حر بن قیس ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عمر ﷺ کے مقربین میں سے تھے، حضرت عمر ﷺ کی عادت تھی کہ اپنی قربتی لوگوں میں صرف انہیں لوگوں کو شامل کرتے تھے جو عالم اور قاری ہوں، غرض ایسے ہی لوگ ان کی مجلس میں شامل ہوتے تھے، خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان ہوں (عمر کی کوئی پابندی نہ تھی)۔

عیینہ بن حصن نے اپنے بھتیجے سے کہا کہ تمہاری تو حضرت عمر ﷺ تک رسائی ہے، ذرا مجھے بھی ان کے پاس لے چلو، حر بن قیس نے کہا اچھا میں آپ کے لئے اجازت طلب کروں گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حر نے عیینہ کے لئے اجازت طلب کی اور حضرت عمر نے ان کو اجازت حاصل دے دی۔ عیینہ جب حضرت عمر ﷺ کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ اے خطاب کے بیٹے! اللہ کی قسم! نہ تو تم ہمارے کو کچھ مال واسباب دیتے ہو اور نہ تم ہمارے ساتھ عدل وانصاف کرتے ہو، حضرت عمر ﷺ یہ سن کر بہت غصہ ہوئے اور قریب تھا کہ اسے ماریں، اس وقت حر نے کہا اے امیر المؤمنین! اللہ ﷻ نے اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمایا ہے کہ **﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾** اور بے شک یہ بھی جاہلوں سے ہے۔ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ) اللہ کی قسم! جس وقت حر نے یہ آیت تلاوت کی تو حضرت عمر ﷺ نے ذرا بھی زیادتی نہیں کی اور حضرت عمر کتاب اللہ کے حکم پر فوراً رک جاتے تھے۔

حدیث سے حلم اور درگزر کا سبق

عیینہ بن حصن یہ وہی شخص تھا جو غلیظ قسم کا تھا اور تالیف قلب کیلئے اس کو بہت پیسے دیئے گئے تھے، مگر اس کی آخر تک اصلاح نہ ہوسکی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ **"قدم عيينة بن حصن بن حذيفة، فنزل على ابن اخيه"** عیینہ بن حصن مدینہ آیا، اپنے بھتیجے ابن قیس کے پاس اترا، **"كان من النفر"** وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمر ﷺ قریب رکھتے تھے۔

---

[۱۰] انفرد به البخاري.

"وکان القراء" اور جو قراء تھے وہ حضرت عمرؓ کے مجالس والے اور ان کے اہل مشورہ تھے، چاہے ادھیڑ عمر ہوں یا جوان ہوں۔ حضرت عمرؓ اس کو مقدم رکھتے تھے جس کے پاس علم زیادہ ہو۔

تو عیینہ نے اپنے بھائی کے بیٹے سے کہا کہ **"لک وجه عند هذا الأمير فاستأذن لی عليه"** اے میرے بھتیجے! امیر المؤمنین یعنی حضرت عمرؓ کے پاس تمہاری بڑی اچھی وجاہت ہے اور اثر و رسوخ ہے، میرے لئے ان سے ملاقات کی اجازت لے لو، تو ابن قیس نے کہا کہ **"سأستأذن لک عليه"** میں آپ کے لئے ان سے ملاقات کی اجازت لے لوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ **"فاستأذن الحر لعيينة فأذن له عمر"** جب حر بن قیس نے عیینہ کیلئے اجازت چاہی تو حضرت عمرؓ نے ملاقات کی اجازت دے دی۔

"فلما دخل عليه" جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ **"فواللہ ما تعطينا الجزل ولا تحكم بيننا بالعدل"** اے خطاب کے بیٹے! اللہ کی قسم! نہ تو تم ہمارے کو کچھ مال واسباب دیتے ہو اور نہ تم ہمارے درمیان عدل وانصاف کا معاملہ کرتے ہو۔

"فغضب عمر حتى همّ به" عیینہ کی یہ بات سن کر حضرت عمرؓ کو بہت غصہ آیا اور قریب تھا کہ اسے ماریں، اس وقت حر نے کہا اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ﴿**خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ**﴾ اور بے شک یہ (عیینہ) بھی جاہلوں سے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرماتے ہیں کہ **"واللہ ما جاوزها عمر حين تلاها عليه"** اللہ کی قسم! جس وقت حر بن قیس نے یہ آیت تلاوت کی تو حضرت عمرؓ نے ذرا بھی زیادتی نہیں کی، **"وکان وقافا عند کتاب اللہ"** اور حضرت عمر کتاب اللہ کے حکم پر فوراً رک جاتے تھے۔

اس شخص کی گفتگو کا انداز دیکھیں کہ بالکل بازاری انداز میں بات کر رہا تھا جس پر حضرت عمرؓ کو شدید غصہ آ گیا تھا لیکن جیسے ہی یہ آیت سنی اور وہیں ٹھنڈے پڑ گئے۔

یہ چیزیں سیکھنے کی ہوتی ہیں کہ آدمی اپنے جذبات میں کبھی بھی اتنا مغلوب نہ ہو۔ جب جذبات و عقل کے اوپر شریعت کا حکم آ جائے تو آدمی اپنے جذبات سے نکل کر اس شریعت اور عقل سلیم کی پیروی کرے، یہ نہیں کہ وہ مغلوب الغضب ہو جائے۔ علم کو حلم سے زینت ملتی ہے، بغیر حلم کے علم زینت والا نہیں۔ وہ ویسے ہی ننگا ہے، تو آدمی کو اس بات کی تربیت دینی چاہئے کہ آدمی اپنے جذبات کو عقل سلیم اور شریعت کے تابع بنا دے۔

طبیعت پر ہمیشہ عقل کو اور عقل پر شریعت کو غالب رکھو، دل یہ چاہ رہا ہے طبیعت یہ چاہ رہی ہے لیکن شریعت کچھ اور چاہ رہی ہے، عقل کچھ اور چاہ رہی ہے، تو طبیعت کو مار دو اور عمل شریعت اور عقل سلیم پر کرو۔

تو یہ جو فرما رہے ہیں اللہ ﷻ کے کتاب کے آگے ٹھہر جانے والے تھے کہ اتنا غصہ آیا ہوا تھا کہ اس کو

مارنے والے تھے لیکن جب یہ آیت پڑھی تو ٹھنڈے پڑ گئے، اس کی عادت ڈالو تب علم کا نور حاصل ہوگا۔ ان احادیث کا منشأ صرف تلاوت کرنا نہیں ہے، بلکہ ان احادیث کے اوپر عمل کرنا اور اپنی زندگی کا وظیفہ بنانا ہے۔

۴۶۴۳ ـ حدثني يحيى: حدثنا وكيع، عن هشام، عن أبيه، عن عبدالله بن الزبير ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ قال: ما أنزل الله إلا في أخلاق الناس. [أنظر: ۴۶۴۴] [۱۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ کو اخلاق انسانی کے لئے نازل فرمایا ہے۔

۴۶۴۴ ـ وقال عبدالله بن براد: حدثنا أبو أسامة: قال هشام، عن أبيه، عن عبدالله ابن الزبير قال: أمر الله نبيه ﷺ أن يأخذ العفو من أخلاق الناس، أو كما قال. [راجع: ۴۶۴۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اور تمام انسانوں کو درستی اخلاق کیلئے، عفو و درگذر کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، یا کچھ اس قسم کی کوئی اور بات فرمائی۔

عفو اور درگزر کا حکم

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے اس آیت کو ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ اخلاق انسانی کے لئے نازل فرمایا ہے۔

اللہ جل جلالہ نے اپنے نبی کو اور تمام انسانوں کو درستی اخلاق کیلئے عفو کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

---

[۱۱] وفي سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في التجاوز في الأمر، رقم: ۴۷۸۷

(۸) سورة الأنفال

سورۂ انفال کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شانِ نزول

علامہ عینی رحمہ اللہ مسند احمد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷜ سے روایت ہے کہ جب غزوہ بدر کا واقعہ پیش آیا اور اس غزوہ میں میرے بھائی عمیر شہید ہو گئے، میں نے ان کے بالمقابل مشرکین میں سے سعید بن العاص کو قتل کر کے اس کی تلوار لے لی اور تلوار لے کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور اقدس ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو مال غنیمت میں جمع کر دو۔

حضرت سعد ﷜ کا بیان ہے کہ میں واپس ہوا، حالانکہ میرے دل میں بھائی عمیر کے قتل اور سامان کی ضبطی کا جو صدمہ مجھ کو تھا وہ صرف خدا ہی کو معلوم، یعنی میرا دل چاہتا تھا کہ یہ تلوار مجھ کو مل جائے، لیکن میں حکم ماننے پر مجبور تھا، اس لئے تعمیل حکم کیلئے اموال غنیمت میں جمع کرنے کے لئے چلا مگر ابھی دور نہیں گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر سورہ انفال کی یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے مجھے بلوا کر یہ تلوار مجھے عنایت فرمائی۔ [۱]

یہ سورت مدنی ہے، جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔

مکہ مکرمہ کی سیزدہ (۱۳) سالہ زندگی میں مشرکین نے جو دردناک اور ہوشربا مظالم مٹھی بھر مسلمانوں پر روا رکھے اور مظلوم مسلمانوں نے جس صبر و استقلال اور معجزہ نما استقامت وللّٰہیت سے مسلسل تیرہ برس تک ان ہولناک مصائب ونوائب کا تحمل کیا، وہ دنیا کی تاریخ کا بے مثال واقعہ ہے، مشرکین قریش اور ان کے حامیوں نے کوئی صورت ظلم وستم کی اٹھا کر نہ رکھی، تاہم مسلمانوں کو اللہ ﷻ نے ان وحشی ظالموں کے مقابلہ میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔

صبر وتحمل کی آخری حد یہ تھی کہ مسلمان مقدس وطن، عزیز واقارب، اہل وعیال مال ودولت سب چیزوں

---

[۱] مسند احمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، مسند باقي العشرة المبشرين بالجنة، مسند ابي اسحاق سعد بن ابي وقاص ﷜، رقم: ۱۵۵۶

کو خیر باد کہہ کر خالص خدا اور رسول کی خوشنودی کا راستہ طے کرنے کیلئے گھروں سے نکل پڑے، جب مشرکین کا ظلم وتکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت، بے بسی حد سے گذر گئی۔

ادھر اہل ایمان کے قلوب وطن وقوم، زن وفرزند، مال ودولت غرض ہر ایک ماسوی اللہ ﷻ کے تعلق سے خالی اور پاک ہو کر محض خدا اور رسول کی محبت اور دولت توحید واخلاص سے ایسے بھرپور ہو گئے گویا غیر اللہ کی ان میں کوئی گنجائش ہی نہ رہی، تب ان مظلوموں کو جو تیرہ برس سے برابر کفار کے ہر قسم کے حملے سہہ رہے تھے اور وطن چھوڑنے پر بھی امن حاصل نہ کر سکتے تھے، ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت دی گئی:

﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ حَقٍّ اِلَّا
أَنْ يَقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ [الحج: ٦]

مکہ کا ادب مانع تھا کہ مسلمان ابتداءً وہاں چڑھ جائیں اس لئے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک لائحہ عمل یہ رہا کہ مشرکین ''مکہ'' کے تجارتی سلسلوں کو جو شام ویمن وغیرہ سے قائم تھے، شکست دے کر ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جائے۔

ہجرت کے پہلے سال ''ابواء، بواط وعشیرہ'' وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات وسرایا جن کی تفصیل کتب احادیث وسیر میں ہے، اسی سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئے۔

۲ھ ہجری میں آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایک بھاری تجارتی مہم ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے، ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا، جب شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم ﷺ کو خبر پہنچی، تو صحیح مسلم کی ایک روایت کے موافق آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے مشورہ لیا آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے، طبری کے بیان کے موافق بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے پہلوتہی کی، کیونکہ انہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا جس کیلئے بڑا اجتماع واہتمام کیا جائے۔

دوسرے انصار کی نسبت عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نصرت وحمایت کا معاہدہ صرف اس صورت میں کیا ہے کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کرے یا آپ پر حملہ آوار ہو، ابتداءً اقدام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہو، ان کے معاہدہ میں شامل نہ تھا۔

مجمع کا رنگ دیکھ کر ابوبکر وعمر اور رئیس انصار سعد بن عبادہ ﷺ نے حوصلہ افزاء تقریریں کیں، آخر حضور اقدس ﷺ تین سو کچھ آدمیوں کی جمعیت لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے، چونکہ کسی بڑے لشکر سے مڈبھڑ ہونے کی توقع نہ تھی، اس لئے جمعیت اور سامان اسلحہ وغیرہ کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا، فی الوقت جو لوگ اکھٹے ہو گئے سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہوئے۔

اسی لئے روایت میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا، کیونکہ حضور ﷺ صرف تجارتی مہم کے ارادے سے نکلے تھے، اتفاقاً اللہ جل جلالہ نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرمادی"۔

ابوسفیان کو آپ ﷺ کے ارادے کا پتہ چل گیا، اس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا، وہاں سے تقریباً ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے، پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

حضور اقدس ﷺ مقام صفراء میں تھے جب معلوم ہوا کہ ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے ائمۃ الکفر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر یلغار کرتا چلا آرہا ہے۔ اس غیر متوقع صورت پیش آجانے پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اطلاع کی کہ اس وقت دو جماعتیں تمہارے سامنے ہیں، تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر، خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلط کرے گا، تم بتلاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو؟

چونکہ اس لشکر کے مقابلے میں تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لئے اپنی تعداد اور سامان وغیرہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے، مگر حضور ﷺ اس رائے سے خوش نہ تھے، ابوبکر صدیق و عمر فاروق اور مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہم نے ولولہ انگیز جوابات دئے اور اخیر میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تقریر کے بعد یہ ہی فیصلہ ہوا کہ فوجی مہم کے مقابلہ پر جوہر شجاعت دکھلائے جائیں۔

چنانچہ مقام بدر میں دونوں فوجیں بھڑ گئیں اللہ جل جلالہ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عنایت فرمائی، کافروں کے ستر (۷۰) بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر (۷۰) قید ہوئے، اس طرح کفر کا زور ٹوٹا۔

اس سورۃ میں عموماً اسی واقعہ کے اجزاء و متعلقات کا بیان ہوا ہے۔ [۲]

(۱) باب قولہ: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ [۱]

باب: "(اے پیغمبر!) لوگ تم سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ مال غنیمت (کے بارے میں فیصلے) کا اختیار اللہ اور رسول کو حاصل ہے۔ لہٰذا تم ڈرو، اور آپس کے تعلقات درست کرلو"۔

---

[۲] آسان ترجمہ قرآن، سورۂ انفال کی تمہید، ج:۱، ص:۵۱۸، و عمدۃ القاری، ج:۱۸، ص: ۳۵۰

مالِ غنیمت میں اللہ اور رسول کو اختیار

جنگِ بدر کے موقع پر جب دُشمن کو شکست ہوگئی تو صحابہ کرام تین حصوں میں تقسیم ہو گئے:

ایک حصہ آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے آپ کے ساتھ رہا۔

دوسرا حصہ دُشمن کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔

تیسرا حصہ دُشمن کے چھوڑے ہوئے مالِ غنیمت کو جمع کرنے میں مشغول ہو گیا۔

یہ چونکہ پہلی جنگ تھی اور مال غنیمت کے بارے میں مفصل ہدایات نہیں آئی تھیں، اس لئے اس تیسرے حصے نے یہ سمجھا کہ جو مال اُنہوں نے اِکٹھا کیا ہے وہ انہی کا ہے (اور شائد زمانہ جاہلیت میں معمول ایسا ہی رہا ہوگا)۔

لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد پہلے دو گرہوں کو یہ خیال ہوا کہ وہ بھی جنگ میں برابر کے شریک تھے، بلکہ مالِ غنیمت اِکٹھا ہونے کے وقت زیادہ اہم خدمات انجام دے رہے تھے، اس لئے اُن کو بھی اس مال میں حصہ دار ہونا چاہئے ۔ یہ ایک فطری تقاضا تھا جس کی بنا پر ان حضرات کے درمیان بحث کی نوبت آئی۔ جب معاملہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا تو یہ آیات نازل ہوئیں جن میں بتادیا گیا کہ مالِ غنیمت کے بارے میں فیصلے کا مکمل اختیار اللہ اور اس کے رسول کو ہے۔

چنانچہ بعد میں اسی سورت میں مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں مفصل اَحکام آ گئے ۔

ترجمۃ الباب میں مذکور آیت نے ہدایت دی کہ اگر مسلمانوں کے درمیان رنجش ہوئی ہے تو اس کی وضاحت کر کے اُسے دور کر کے باہمی تعلقات دُرست کر لینے چاہئیں ۔ [۳]

قال ابن عباس: ﴿الْأَنْفَالُ﴾: المغانم. قال: قتادة: ﴿رِيْحُكُمْ﴾ [۴۶]: الحرب، يقال: نافلة: عطية.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "**الْأَنْفَالُ**" سے غنیمت کا مال مراد ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "**ريحكم**" سے لڑائی ر جنگ مراد ہے۔ "**نافلة**" کے معنی عطیہ۔

۴۶۴۵ ۔ حدثني محمد بن عبدالرحيم: حدثنا سعيد بن سليمان: أخبرنا هشيم: أخبرنا أبو بشر، عن سعيد بن جبير قال: قلت لابن عباس رضي الله عنهما: سورة الأنفال؟

---

[۳] آسان ترجمہ قرآن، سورۂ انفال، ج:۱، ص:۵۲۲

قال: نزلت فی بدر. [راجع: ۴۰۲۹]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ سورۃ الانفال کے متعلق پوچھا کہ اس کا شان نزول کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا یہ سورت جنگ بدر میں نازل ہوئی تھی۔

﴿الشَّوْكَةِ﴾: الحد. ﴿مُرْدِفِيْنَ﴾: فوجا بعد فوج، ردفنی وأردفنی: جاء بعدی. ﴿ذُوْقُوْا﴾: باشروا وجربوا، ولیس هذا من ذوق الفم. ﴿فَيَرْكُمَهُ﴾: یجمعه. ﴿شَرِّدْ﴾: فرق. ﴿وَإِنْ جَنَحُوْا﴾: طلبوا. ﴿السَّلْمُ﴾ والسلم والسلام واحد. ﴿يُثْخِنُ﴾: یغلب.

وقال مجاهد: ﴿مُكَاءً﴾ ادخال أصابعهم فی افواههم. ﴿وَتَصْدِيَةً﴾: الصفیر. ﴿لِيُثْبِتُوْكَ﴾: لیحسبوک.

ترجمہ وتشریح

"**الشَّوْكَةِ**" کے معنی ہیں تیز دھارا۔

"**مُرْدِفِيْنَ**" غول کے غول، فوج در فوج۔

"**ردفنی وأردفنی**" کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد آیا۔

"**ذُوْقُوْا**" بمعنی "**باشروا وجربوا**" یعنی خود اٹھاؤ اور آزماؤ، اور یہ "**ذوق الفم**" منہ سے چکھنا۔ سے مشتق نہیں ہے۔

"**فَيَرْكُمَهُ**" کے معنی ہیں جمع کردے، ڈھیر کردے۔

"**شَرِّدْ**" کا مطلب جدا کردے، منتشر کردے۔

"**وَإِنْ جَنَحُوْا**" کا معنی ہیں طلب کریں۔

"**السَّلْم، والسَّلْمُ والسَّلامُ**" ان تینوں الفاظ کے معنی ایک ہیں یعنی امن وامان، صلح وسلامتی۔

"**يُثْخِنُ**" کے معنی ہیں غلبہ حاصل کرنا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "**مُكَاءً**" کے معنی ہیں اپنی انگلیوں کو اپنے منہ میں داخل کرنا یعنی منہ سے سیٹی بجانا۔

"**وَتَصْدِيَةً**" کے معنی ہیں تالیاں بجانا۔

"**لِيُثْبِتُوْكَ**" کے معنی ہیں کہ آپ قید کرلیں، محبوس کرلیں۔

باب: ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لاَ يَعْقِلُوْنَ﴾ [۲۲]

باب: ''یقین رکھو کہ اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے''۔

جانوروں سے بدتر لوگ

کافر لوگ کانوں سے تو سننے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لحاظ سے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ بے زبان جانور اگر کسی کی بات کو نہ سمجھیں تو اتنی بُری بات ہے۔

اُن میں یہ صلاحیت پیدا ہی نہیں کی گئی، اور نہ اُن سے یہ مطالبہ ہے۔ لیکن انسانوں میں تو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی گئی ہے، اور اُن سے یہ مطالبہ بھی ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر کوئی راستہ اپنائیں۔ اگر وہ سمجھنے کی کوشش نہ کریں تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ [۴]

۴۶۴۶ - حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا ورقاء، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد، عن ابن عباس ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَاللهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لاَيَعْقِلُوْنَ﴾ قال: هم نفر من بني عبد الدار. [۵]

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اس آیت ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَاللهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لاَيَعْقِلُوْنَ﴾ کو اللہ تعالیٰ نے بنی عبدالدار کے ایک گروہ کے بارے میں اتارا۔

آیت سے مراد

آیت میں قبیلہ بنی عبدالدار کے افراد مراد ہیں، جو کہتے تھے کہ محمد جو چیز لے کر آئے ہیں ہم اس کے سننے سے بہرے، اقرار کرنے سے گونگے اور دیکھنے سے نابینا ہیں۔

---

[۴] آسان ترجمہ قرآن، ج:۱، ص:۵۲۸

[۵] انفرد به البخاري.

ان میں سے صرف دو آدمی مسلمان ہوئے، مصعب بن عمیر اور سویط بن حرملہ رضی اللہ عنہما۔
جنگ احد میں باقی سب مارے گئے، لشکر کے علم بردار یہی تھے یعنی مکہ مکرمہ کے قریش لوگوں میں جنگوں کے اندر جھنڈے والے ہوا کرتے تھے۔ جب انکے سامنے قرآن شریف پڑھا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ ہم تو "صُم" اور "بُکم" ہیں خود کہتے تھے کہ ہم نے اپنے آپ کو بہرہ بنالیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ [۶]

(۲) باب: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ، وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ [۲۴]

باب: "اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی دعوت قبول کرو، جب رسول تمہیں اُس بات کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔ اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ انسان اور اُس کے دِل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے، اور یہ کہ تم سب کو اسی کی طرف اِکٹھا کر کے لے جایا جائے"۔

﴿اسْتَجِيْبُوْا﴾: أجيبوا. ﴿لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾: لما يصلحكم.
ترجمہ: "اسْتَجِيْبُوْا" بمعنی "اجيبوا" ہے یعنی قبول کرو، بجالایا کرو، لبیک کہو۔
"لِمَا يُحْيِيْكُمْ" کے معنی "يصلحكم" یعنی تمہاری اصلاح کرے گا۔

۴۶۴۷ — حدثني اسحاق قال: أخبرنا روح: حدثنا شعبة، عن خبيب بن عبدالرحمٰن، سمعت حفص بن عاصم يحدثك عن أبي سعيد بن المعلى ﷺ قال: كنت اصلي فمر بي رسول الله ﷺ فدعاني فلم آته حتي صليت ثم أتيته فقال: ((مامنعك أن يأتي؟ الم يقل الله: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ ثم قال: ((لأعلمنك اعظم سورة في القرآن قبل أن أخرج))، فذهب رسول الله ﷺ ليخرج فذكرت له.

وقال معاذ: حدثنا شعبة، عن خبيب بن عبدالرحمٰن: سمع حفصاً: سمع أبا سعيد رجلا من أصحاب النبي ﷺ بهذا وقال: ((هي الحمدلله رب العالمين، السبع المثاني)). [راجع: ۴۴۷۴]

---

[۶] عمدة القاري، ج:۱۸، ص:۳۵۳

ترجمہ: حضرت ابوسعید بن معلیٰ ﷺ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نماز ادا کر رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے اور مجھ کو پکارا، لیکن میں فوراً نہیں آسکا، یہاں تک کہ میں نماز سے فارغ ہوا اور پھر میں آپ خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو میرے پاس آنے سے کس چیز نے روکے رکھا تھا؟ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تم کو معلوم نہیں ہے؟ ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ**﴾ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تم کو قرآن کریم کی عظیم ترین سورت بتاؤں گا، پھر جب آپ ﷺ مسجد سے باہر جانے لگے تو میں نے عرض کیا اور یاد دلایا۔

معاذ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے شعبہ بیان کیا اور انہوں نے خبیب بن عبدالرحمٰن سے روایت کی وہ کہتے ہیں میں حفص سے سنا اور انہوں نے حضرت ابوسعید ﷺ سے، جو کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں، اس حدیث کو سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا وہ سورت "**الحمدللہ رب العالمین**" ہے اور اسکو سبع مثانی بھی کہا جاتا ہے۔

مسئلہ

بعض علماء کا قول ہے کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر جواب دینے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ بعض علماء کے نزدیک اگر کسی فوری کام کیلئے رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی ہو تو اس کی تعمیل کیلئے نماز توڑ دینا لازم ہے۔

پہلا قول زیادہ قوی ہے ورنہ ہر دینی ضروری کام کیلئے جو تاخیر کرنے سے فوت ہو رہا ہو نماز توڑ دینا جائز ہے، مثلاً کوئی نابینا کنویں میں گر رہا ہو اور کوئی نمازی نماز پڑھ رہا ہو اور خیال ہو کہ اگر نماز نہ توڑے گا تو اندھا کنویں میں گر پڑے گا تو نماز توڑ کر اس کو راستہ بتانا اور بچا دینا جائز ہے۔ [۷]

(۳) باب قولہ: ﴿وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ﴾ [الآیۃ: ۳۲]

اس ارشاد کا بیان کہ: "(اور ایک وقت وہ تھا) جب انہوں نے کہا تھا کہ: "یا اللہ! اگر یہ (قرآن) ہی وہ حق جو تیری طرف سے آیا ہے تو بارش (عذاب) برسا دے"۔

قال ابن عيينة: ماسمى الله مطراً فى القرآن الا عذابا وتسميه العرب الغيث وهو

---

[۷] انظر: فتح الباری، کتاب التفسیر، رقم: ۴۴۷۴، ص: ۳۰۷، ج: ۸

قوله تعالیٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا﴾ [الشوریٰ: ۲۸].

ترجمہ: حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں "**مطر**" کا لفظ جہاں بھی آیا ہے عذاب کے لئے آیا ہے اور اہلِ عرب بارش کیلئے "**غیث**" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا﴾۔

۴۶۴۸ - حدثنی أحمد: حدثنا عبیداللہ بن معاذ: حدثنا أبی: حدثنا شعبة، عن عبدالحمید صاحب الزیادی: سمع أنس بن مالک ﷺ: قال أبوجهل: اللّٰهم ان کان هذا هو الحق من عندک فأمطر علینا حجارة من السماء أو ائتنا بعذاب ألیم. فنزلت ﴿وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِیْهِمْ وَمَا کَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ وَمَا لَهُمْ اَنْ لَّا یُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ یَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ الآیة. [أنظر: ۴۶۴۹] [۸]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ جب ابوجہل نے یہ کہا کہ اے اللہ اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے، یا ہمیں دردناک عذاب میں مبتلاء کردے، تو اس وقت یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِیْهِمْ الخ﴾۔

مشرکینِ قریش پر اللہ کا عذاب

اس آیت میں مشرکین مکہ کے انتہائی جہل اور شقاوت وعناد کا اظہار ہے، یعنی وہ کہتے تھے کہ خداوندا اگر واقعی یہی دین حق ہے جس کی ہم اتنی دیر اور اس قدر رشد ومد سے تکذیب کر رہے ہیں تو پھر دیر کیوں ہے؟

گزشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی پتھروں کا مینہ کیوں نہیں برس دیا جاتا، یا اسی طرح کسی دوسرے عذاب میں مبتلاء کرکے ہمارا استیصال کیوں نہیں کر دیا جاتا؟

کہتے ہیں کہ یہ دعا ابوجہل نے مکہ سے نکلتے وقت کعبہ کے سامنے کی، آخر جو کچھ مانگا تھا اس کا نمونہ بدر میں دیکھ لیا، وہ خود مع ۶۹ سرداروں کے کمزور اور بے سروسامان نہتے مسلمان کے ہاتھوں سے مارا گیا، ستر (۷۰) سردار اسیری کی ذلت میں گرفتار ہوئے، اس طرح خدا نے ان کی جڑ کاٹ دی۔

بے شک قوم لوط کی طرح ان پر آسمان سے پتھر نہیں برسے، لیکن ایک مٹھی سنگریزے جو اللہ ﷻ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے پھینکے تھے وہ آسمانی سنگباری کا چھوٹا سا نمونہ تھا۔

---

[۸] وفی صحیح مسلم، کتاب صفة القیامة والجنة والنار، باب فی قوله: ﴿وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِیْهِمْ﴾، رقم: ۲۷۹۶

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ [الانفال: ۱۷]

ترجمہ: چنانچہ (مسلمانو! حقیقت میں) تم نے ان (کافروں کو) قتل نہیں کیا تھا، بلکہ اُنہیں اللہ نے قتل کیا تھا، اور (اے پیغمبر!) جب تم نے ان پر (مٹی) پھینکی تھی تو وہ تم نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

سنۃ اللہ یہ ہے کہ جب کسی قوم پر تکذیب انبیاء کی وجہ سے عذاب نازل کرتے ہیں تو اپنے پیغمبر کو ان سے علیحدہ کر لیتے ہیں، اللہ جل جلالہ نے جب حضرت محمد ﷺ کو مکہ سے علیحدہ کر لیا تب مکہ والے عذاب میں پکڑے گئے۔

نزول عذاب سے دو چیزیں مانع ہیں:

ایک ان کے درمیان پیغمبر کا موجود رہنا۔

دوسرے استغفار یعنی مکہ میں حضور اکرم ﷺ کے قدم سے عذاب اٹک رہا تھا، اب ان پر عذاب آیا، اسی طرح جب تک گناہ گار نادم رہے اور توبہ کرتا رہے تو پکڑا نہیں جاتا، اگر چہ بڑے سے بڑا گناہ ہو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا گناہ گاروں کی پناہ دو چیزیں ہیں، ایک میرا وجود، دوسرے استغفار۔ [۹]

(۵) باب: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾ [۳۹]

باب: ”اور (مسلمانو!) ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے“۔

فتنہ اور دین کی تفسیر

اس آیت میں دو لفظ قابلِ غور ہیں، ایک لفظ فتنہ، دوسرا دین۔

یہ دونوں لفظ عربی لغت کے اعتبار سے کئی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

ائمہ تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین رحمہم اللہ اجمعین سے اس جگہ دو معنی منقول ہیں۔

---

[۹] عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۳۵۵

ایک تفسیر یہ کہ فتنہ سے مراد کفر و شرک اور دین سے مراد دینِ اسلام لیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر منقول ہے، اس تفسیر پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ مسلمانوں کو کفار سے قتال اُس وقت تک جاری رکھنا چاہئے جب تک کہ کفر مٹ کر اُس کی جگہ اسلام آجائے، اسلام کے سوا کوئی دین و مذہب باقی نہ رہے۔

اس صورت میں حکم صرف اہل مکہ اور اہل عرب کیلئے مخصوص ہوگا، کیونکہ جزیرۃ العرب اسلام کا گھر اور قلعہ ہے اس میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین رہے تو دینِ اسلام کیلئے خطرہ ہے۔ باقی ساری دنیا میں دوسرے ادیان و مذاہب کو قائم رکھا جاسکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات اور روایاتِ حدیث اس پر شاہد ہیں۔

دوسری تفسیر جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے منقول ہے، وہ یہ ہے کہ فتنہ سے مراد اس جگہ وہ **ایذاء اور عذاب و مصیبت** ہے جس کا سلسلہ کفارِ مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر ہمیشہ جاری رہا تھا، جب تک وہ مکہ میں تھے تو ہر وقت ان کے نرغے میں پھنسے ہوئے طرح طرح کی ایذائیں سہتے رہے پھر جب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو ایک ایک مسلمان کا تعاقب کر کے قتل و غارت گری کرتے رہے۔ مدینہ میں پہنچنے کے بعد بھی پورے مدینہ پر حملوں کی صورت میں ان کا غیظ و غضب ظاہر ہوتا رہا۔

اور اس کے مقابل **دین** کے معنی قہر و غلبہ کے ہیں اس صورت میں آیت کی تفسیر یہ ہوگی کہ مسلمانوں کو کفار سے اُس وقت تک قتال کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ مسلمان ان کے مظالم سے محفوظ نہ ہو جائیں اور دینِ اسلام کا غلبہ نہ ہو جائے کہ وہ غیروں کے مظالم سے مسلمانوں کی حفاظت کر سکے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک واقعہ سے بھی اسی تفسیر کی تائید ہوتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ جب امیر مکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں حجاج بن یوسف نے فوج کشی کی اور دونوں طرف مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ پر چل رہی تھیں تو دو شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ اس وقت جس بلاء میں مسلمان مبتلاء ہیں آپ دیکھ رہے ہیں، حالانکہ آپ عمر بن خطاب ﷺ کے صاحبزادے ہیں جو کسی طرح ایسے فتنوں کو برداشت کرنے والے نہ تھے۔ کیا سبب ہے کہ آپ اس فتنہ کو رفع کرنے کیلئے میدان میں نہیں آتے؟

تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کا خون بہانا حرام قرار دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ کیا آپ نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھتے ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بیشک میں یہ آیت پڑھتا ہوں اور اس پر عمل بھی کرتا ہوں، ہم نے اس آیت کے مطابق کفار سے قتال جاری رکھا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور غلبہ دینِ اسلام ہو گیا اور تم لوگ یہ

چاہتے ہو کہ اب باہم قتال کر کے پھر فتنہ پیدا کر دو اور غلبہ غیر اللہ کا دینِ حق کے خلاف ہو جائے۔ [۱۰]

مطلب یہ تھا کہ جہاد و قتال کا حکم فتنۂ کفر اور مظالمِ کفار کے مقابلہ میں تھا وہ ہم کر چکے اور برابر کرتے رہے یہاں تک کہ یہ فتنہ فرو ہو گیا۔

مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں بلکہ مسلمانوں کے باہمی مقاتلہ کے وقت تو رسول اللہ ﷺ کی ہدایات یہ ہیں کہ اس میں بیٹھا رہنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہے۔ [۱۱]

خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ مسلمانوں پر اعداءِ اسلام کے خلاف جہاد و قتال اُس وقت تک واجب ہے جب تک مسلمانوں پر اُن کے مظالم کا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اسلام کو سب ادیانِ باطلہ پر غلبہ نہ ہو جائے اور یہ صورت صرف قربِ قیامت میں ہوگی اس لیے جہاد کا حکم قیامت تک جاری اور باقی ہے۔ [۱۲]

۴۶۵۰ ــ حدثنا الحسن بن عبدالعزيز: حدثنا عبد الله بن يحي: حدثنا حيوة، عن بكر بن عمرو، عن بكير، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن رجلا جاء ه فقال: يا أبا عبدالرحمن، ألا تسمع ماذكر الله في كتابه؟ ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا﴾ الى آخر الآية، فما يمنعك أن لا تقاتل كماذكرالله في كتابه؟ فقال: يا ابن أخي، أعيّر بهذه الآية ولا اقاتل أحب الي من أن أعيّر بهذه الآية التي يقول الله تعالىٰ: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً﴾ الى آخرها، قال: فان الله يقول: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾. قال ابن عمر: قد فعلنا على عهد رسول الله ﷺ اذ كان الاسلام قليلاً فكان الرجل يفتن في دينه اما يقتلوه وأما يوثقوه حتى كثر الاسلام فلم تكن فتنة، فلما راى أنه لايوافقه فيما يريد قال: فما قولك في علي وعثمان؟ قال ابن عمر: ما قولي في علي وعثمان؟ أما عثمان فكان الله قد عفا عنه فكرهتم أن تعفوا عنه. وأما علي فابن عم رسول الله ﷺ وختنه، وأشار بيده وهذه ابنته، أوبنته حيث ترون. [راجع: ۳۱۳۰]

---

[۱۰] صحيح البخارى، كتاب التفسير، رقم الحديث: ۴۵۱۳

[۱۱] ان سعد بن ابي وقاص قال عند فتنة عثمان بن عفان: اشهد ان رسول الله ﷺ قال: ((إنها ستكون فتنة القاعد فيها خير من القائم، والقائم خير من الماشي، والماشي خير من الساعي)). سنن الترمذى، أبواب الفتن، باب ما جاء تكون فتنة القاعد فيها خير من القائم، رقم: ۲۱۹۴

[۱۲] معارف القرآن، ج:۴، ص: ۲۳۳، ۲۳۲، – ((ان الجهاد مع كل امام الى يوم القيامة)). سنن الترمذى، أبواب الجهاد، باب ماجاء فى فضل الخيل، رقم: ۱۶۹۴، وعمدة القارى، ج:۱۸، ص: ۱۵۵، رقم: ۴۵۱۳، و ص: ۳۵۸، رقم: ۴۶۵۰

حدیث کا ترجمہ وتشریح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن! کیا آپ نے اللہ ﷻ کا یہ فرمان نہیں سنا جو اس نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے کہ ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا الخ﴾ تو پھر آپ کو کون سی چیز مانع ہے، جو آپ جہاد نہیں کرتے ہیں؟

اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اے بھتیجے! اگر میں اس حکم میں تاویل کر کے مسلمانوں سے نہ لڑوں تو یہ مجھ کو اچھا لگتا ہے، اس بات سے کہ میں ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً﴾ کی تاویل کروں۔

پھر اس آدمی نے کہا اللہ تعالیٰ ارشاد ہے کہ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ یعنی پھر آپ اس آیت کو کیا کریں گے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ کام تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کر چکے ہیں، حالانکہ اس وقت اسلام بہت قلیل تھا اور آدمی اپنے دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا کر دیا جاتا تھا، یا تو لوگ اس کو قتل کر ڈالتے تھے، یا تو اس کو سخت تکالیف اور اذیت پہنچاتے، یہاں تک کہ اسلام بڑھ چکا، اس لئے اب وہ فتنہ ختم ہو گیا۔

جب اس آدمی نے دیکھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کی رائے کے موافق نہیں بیان کر رہے تو کہنے لگا کہ علی وحضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے متعلق آپ کیا خیال رکھتے ہیں؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جہاں تک بات ہے حضرت عثمان ؓ کی، تو ان کو تو اللہ ﷻ نے معافی دیدی، مگر تم ان کے معاف کئے جانے کو برا سمجھتے ہو، رہ گئے حضرت علی ؓ تو وہ داماد رسول اور رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں۔

(راوی کا بیان ہے اتنا کہہ کر) پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا دیکھو یہ ان کی بیٹی ہے یا (شک راوی) فرمایا کہ یہ ان کا گھر ہے جیسا کہ تم مکان سامنے دیکھ رہے ہو۔

"اغتر بهذه الآية" اگر میں اس آیت سے غفلت کروں اور قتال نہ کروں تو یہ مجھے پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں غفلت کروں دوسری آیت سے جو اللہ ﷻ فرماتے ہیں **"وَمَنْ يَّقْتُلْ مؤمناً متعمداً"** تو اس آیت سے غفلت کرنا مجھے زیادہ گراں ہے۔

یہ تفصیل ہوگی اس سے کہ جب اس لفظ کو **"غرة"** سے نکالیں یعنی **"غرة"** کے معنی غفلت کے آتے ہیں اور اگر **"غرور"** سے نکالیں کہ میں دھوکے میں پڑوں اس آیت سے اور قتال نہ کرو۔ اور دھوکے میں پڑنے

کا معنی ''تاویل کرنا'' کہ اس آیت میں تاویل کروں یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں دوسری آیت میں تاویل کروں۔ کہ اس میں وعید بڑی سخت ہے۔

۴۶۵۱ ـ حدثنا أحمد بن یونس: حدثنا زهیر: حدثنا بیان: أن وبرة حدثه قال: حدثني سعید بن جبیر قال: خرج علینا أو الینا ابن عمر فقال رجل: کیف تری فی قتال الفتنة؟ فقال: وهل تدری ما الفتنة کان محمد ﷺ یقاتل المشرکین وکان الدخول علیهم فتنة ولیس کقتالکم علی الملک. [راجع: ۳۱۳۰]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے پاس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو ایک آدمی نے کہا کہ اس فتنہ وفساد کی لڑائی کے متعلق کیا کہتے ہیں/آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ تم کیا جانو فتنہ کس کو کہتے ہیں! حضرت محمد ﷺ مشرکین سے لڑتے تھے اور ان میں داخل ہو جاتے تھے، یہ اصل فتنہ تھا، نہ کہ تم لوگوں جیسی لڑائیاں/جنگیں جو صرف حصولِ اقتدار کی خاطر ہو بلکہ وہ صرف دین کے لئے لڑتے تھے۔

(۶) باب: ﴿یَاأَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ﴾[۶۵]

باب: ''اے نبی! مؤمنوں کو جنگ پر اُبھارو''۔

۴۶۵۲ ـ حدثنا علی بن عبداللہ: حدثنا سفیان، عن عمرو، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما: لما نزلت ﴿إِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ﴾ فکتب علیهم أن لا یفر واحد من عشرة، فقال سفیان غیر مرة: أن لا یفر عشرون من مائتین، ثم نزلت ﴿اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْکُمْ﴾ الآیة. فکتب أن لا یفر مائة من مائتین. وزاد سفیان مرة نزلت: ﴿یَاأَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ إِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ﴾. قال سفیان: وقال ابن شبرمة: وأری الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر مثل هذا. [أنظر: ۴۶۵۳] [۱۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿إِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ﴾ تو پھر اس وقت یہ بات لازم کر دی گئی کہ اگر ایک مسلمان ہو تو

---

[۱۳] وفی سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی التولی یوم الزحف، رقم: ۲۶۴۶

دس کافروں کے مقابلے سے راہ فرار اختیار مت کرے، اور سفیان نے کئی مرتبہ یہ بھی کہا کہ اگر بیس مسلمان ہوں تو دوسو کافروں سے مقابلہ کرنے سے نہ بھاگیں، پھر اس کے بعد یہ آیت اتری کہ ﴿اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ﴾ اس کے بعد یہ بات لازم قرار دی گئی کہ ایک سو مسلمان، دوسو کافروں کا مقابلہ کرنے سے نہ بھاگیں۔ اور سفیانؒ نے ایک مرتبہ اس زیادتی کے ساتھ روایت بیان کی کہ یہ آیت نازل ہوئی ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ﴾۔ سفیان کہتے ہیں کہ عبداللہ بن شبرمہ کہتے تھے کہ میرا خیال ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بھی یہی حکم پایا جاتا ہے۔

دعوت وتبلیغ میں اسلوب وانداز

سفیان کہتے ہیں کہ عبداللہ بن شبرمہ رحمہ اللہ جو کوفہ کے قاضی تھے، کہتے تھے کہ میرا خیال ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بھی یہی حکم پایا جاتا ہے۔ یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں بھی یہی قاعدہ ہے کہ اگر نہی عن المنکر میں اپنے سے دوہرے آدمی ہو تب بھی نہی عن المنکر کرنی چاہئے اور ان کی مار پٹائی سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ اور اگر دو سے زیادہ ہوں تو پھر یعنی معذوری ہے۔

لیکن دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب آدمی اپنے آپ کو ضرر سے بچاتے ہوئے آدمی یہ کام کرلے اور جب ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو، دوہرے کیا تہرے آدمی ہوں لیکن یہ معلوم ہو کہ یہ دھینگا مشتی کرائے گا اور میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکوں گا تو پھر اس معنی کا امر بالمعروف فرض نہیں ہے۔ [۲۴]

آیت کی تشریح ومراد

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۗ إِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ﴾

ترجمہ: اے نبی! مؤمنوں کو جنگ پر اُبھارو۔ اگر تمہارے بیس آدمی ایسے ہوں گے جو ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے۔

---

[۲۴] عمدة القاری، ج:۱۸، ص: ۳۶۱

یہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی کہ تھوڑے بھی ہوں تو جی نہ چھوڑیں خدا کی رحمت سے دس گنے دشمن پر غالب آئیں گے، سبب یہ ہے کہ مسلمان کی لڑائی محض خدا کیلئے ہے، وہ خدا کو اور اس کی مرضی کو پہچان کر اور یہ سمجھ کر میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے کہ خدا کے راستہ میں مرنا اصلی زندگی ہے اس کو یقین ہے کہ میری تمام قربانیوں کا ثمرہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے خواہ میں غالب ہوں یا مغلوب اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جو تکلیف میں اٹھاتا ہوں وہ فی الحقیقت مجھ کو دائمی خوشی اور ابدی مسرت سے ہمکنار کرنے والی ہے۔

مسلمان جب یہ سمجھ کر جنگ کرتا ہے تو تائید ایزدی مددگار ہوتی ہے اور موت سے وحشت نہیں رہتی، اسی لئے پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے، کافر چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا، اس لئے محض حقیر اور فانی اغراض کیلئے بہائم کی طرح لڑتا ہے اور قوت قلبی اور امداد غیبی سے محروم رہتا ہے۔

بشارت کے رنگ میں حکم دیا گیا کہ مومنین کو اپنے سے دس گنے دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی سے لڑنا چاہیئے، اگر مسلمان بیس ہوں تو دوسو کے مقابلہ سے نہ ہٹیں اور سو ہوں تو ہزار کو پیٹھ نہ دکھلائیں۔ [۱۵]

(۷) باب: ﴿اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا﴾ الآية [۶۶]

باب: ”لو اَب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا، اور اُس کے علم میں ہے کہ تمہاری اندر کچھ کمزوری ہے“۔

۴۶۵۳ - حدثنا يحيى بن عبدالله السلمي: أخبرنا عبدالله بن المبارك: أخبرنا جرير ابن حازم قال: أخبرني الزبير بن الخريت، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لما نزلت ﴿إِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾ شق ذلك على المسلمين حين فرض عليهم أن لا يفر واحد من عشرة فجاء التخفيف فقال ﴿اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَّكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾ قال: فلما خفف الله عنهم من العدة نقص من الصبر بقدر ما خفف عنهم. [راجع: ۴۶۵۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿إِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾ تو مسلمانوں پر یہ بات بہت بھاری ہوئی کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلے سے نہ بھاگے، تو اللہ ﷻ نے اس آیت کے حکم میں تخفیف فرمائی،

---

[۱۵] آسان ترجمۂ قرآن، سورۃ الانفال/۶۵۔ وعمدۃ القاری، ج: ۱۸، ص: ۳۶۰، رقم: ۴۶۵۲

پھر یہ آیت پڑھی ﴿اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفاً فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾ ۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب اللہ ﷻ نے تعداد کے حوالے سے تخفیف کردی تو اس سے مسلمانوں کے استقلال میں بھی تھوڑا سا فرق آگیا۔

تخفیف کا حکم؛ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر

"فلما خفف اللہ عنهم من العدة نقص من الصبر بقدر ما خفف عنهم"۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حکم میں تخفیف کے بعد کا حال بیان فرماتے ہیں کہ جب اللہ ﷻ نے تعداد کم کردی تو صبر میں بھی کمی کردی یعنی جتنا صبر پہلے لوگوں کو حاصل تھا، استقامت حاصل تھی اور ثابت قدمی حاصل تھی اب وہ نہیں رہی۔

اب یہ بات کہنا عام آدمی کیلئے تو مشکل ہے اگر ایسا آدمی کہہ رہا ہے تو کہہ رہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ گزشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا، جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اس کے بعد یہ آیت اتری:

﴿اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفاً فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾

ترجمہ: اللہ نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر پہلا حکم اٹھالیا، اب صرف اپنے سے دوگنی تعداد کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے۔

یہ کمزوری یا سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوئی، اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں:

ابتدائے ہجرت میں گنے چنے مسلمان تھے جن کی قوت وجلادت معلوم تھی، کچھ مدت بعد ان کے بہت سے افراد بوڑھے اور کمزور ہوگئے اور جونئی پود آئی ان میں پرانے مہاجرین وانصار جیسی بصیرت، استقامت اور تسلیم وتفویض نہ تھی، اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور **"توکل علی اللہ"** میں قدرے کمی ہوئی ہوگی۔

ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل زیادہ ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے، لیکن وہی کام جب بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو ہر ایک کا منتظر رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آخر کچھ میں تنہا تو اس کا ذمہ دار نہیں، اسی قدر وجوش، حرارت اور ہمت میں کمی ہوجاتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے، ان پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنے کافروں پر جہاد کریں، پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے، تب یہی حکم ہوا کہ دوگنا پر جہاد کریں، یہی حکم اب بھی باقی ہے لیکن اگر دو سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے وقت میں ہزار مسلمان اسی ہزار سے لڑے، ''غزوہ مؤتہ'' میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے، اس طرح کے واقعات سے اسلام کی تاریخ بحمد اللہ بھری پڑی ہے۔ [۱۶]

---

[۱۶] آسان ترجمۂ قرآن، سورۃ الانفال/۶۶، تفسیر عثمانی، سورہ انفال: ۶۶، فائدہ: ۵، معارف القرآن، ج: ۴، ص: ۲۷۹، — و عمدۃ القاری، ج: ۱۸، ص: ۳۶۱، رقم: ۴۶۵۳

(۹) سورة براء ة

سورۂ براءۃ / توبہ کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام براءت اس لئے ہوا کہ اس سورت میں کفار سے براءت کا ذکر ہے، اور توبہ اس لئے کہا جاتا ہے اس میں مسلمانوں کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے۔

سورۂ براءۃ کے مضامین کا حاصل

سورۂ انفال اوائل ہجرت میں اور یہ سورۂ براءۃ آواخر ہجرت میں نازل ہوئی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی عادت تھی کہ جو آیات قرآنی نازل ہوتیں فرمادیتے کہ ان کو فلاں سورت میں فلاں موقع پر رکھو، ان آیات کے متعلق جنہیں ''سورۂ براءۃ'' یا ''سورۂ توبہ'' کہا جاتا ہے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں درج کی جائیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستقل سورت ہے کسی دوسری سورت کا جز نہیں۔

لیکن عام قاعدہ یہ تھا کہ جب نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جدا کرنے کیلئے ''بسم اللہ'' آتی تھی، سورۂ توبہ کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہ آئی، جو مشعر ہے کہ یہ جداگانہ سورت نہیں، ان وجوہ پر نظر کر کے مصاحف عثمانیہ میں اس کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہیں لکھی گئی لیکن کتابت میں اس کے اور انفال کے درمیان فصل کر دیا گیا کہ نہ پوری طرح اس کا استقلال ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جز ہونا، باقی انفال کے بعد متصل رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ انفال نزول میں مقدم ہے بلا خاص وجہ کے مؤخر کیوں کی جاتی اور دونوں کے مضامین باہم اس قدر مرتبط و متنسق واقع ہوئے ہیں کہ گویا براءۃ کو ''انفال'' کا تتمہ اور تکملہ کہا جا سکتا ہے۔

''سورة الانفال'' تمام تر غزوۂ بدر اور اسکے متعلقات پر مشتمل ہے۔

یوم بدر کو قرآن نے **''یوم الفرقان''** کہا، کیونکہ اس نے حق و باطل، اسلام و کفر اور موحدین و مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جدا جدا کر کے دکھلا دیا، بدر کا معرکہ فی الحقیقت خاص اسلام کی عالمگیر اور طاقتور برادری کی

تعمیر کا سنگ بنیاد اور حکومت الٰہی کا تاسیس کا دیباچہ تھا۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ [الانفال: ۷۳] کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف ''سورہ انفال'' کے خاتمہ پر ﴿إِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾ [الانفال: ۷۳] کہہ کر توجہ دلائی ہے اس کا صریح اقتضاء ہے کہ اس عالمگیر برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز حسی طور پر بھی دنیا میں قائم ہو، جو ظاہر ہے جزیرۃ العرب کے سوانہیں ہوسکتا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے۔

''سورہ انفال'' کے اخیر میں یہ بھی جتلا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں، دارالاسلام کے آزاد مسلمانوں پر ان کی ولایت ورفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں ﴿مَا لَكُمْ مِنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا﴾ [الانفال: ۷۲]۔

ہاں حسب استطاعت ان کیلئے دینی مدد بہم پہنچانی چاہئے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرکز اسلام میں موالات واخوت اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کیلئے دو باتوں میں سے ایک ہونی چاہئے یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آجائیں، اسلامی برادری میں بے روک ٹوک شامل ہوں اور یا آزاد مسلمان مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کی سطح ایسی ہموار کر دیں کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے، یعنی تقریباً سارا جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور غیر مخلوط مستقر بن جائے جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی برادری کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہو سکے۔

یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز روز کے فتنہ وفساد کی بیخ کنی ہوسکتی تھی، اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک وصاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستم رانیوں سے پورا مامون ومطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا۔

اسی اعلیٰ اور پاک مقصد کے لئے مسلمانوں نے ۲ھ ہجری میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھایا تھا، جو آخر کار ۸ھ ہجری میں مکہ معظمہ کی فتح عظیم پر منتہی ہوا جو فتنے اشاعت یا حفاظت اسلام کی راہ میں مزاحم ہوتے رہتے تھے فتح مکہ نے ان کی جڑوں پر تیشہ لگایا۔

لیکن ضرورت تھی کہ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ - [الانفال: ۳۹] کے امتثال میں اسلامی برادری کے مرکز اور حکومت الٰہیہ کے مستقر یعنی جزیرۃ العرب کو فتنہ کے جرائم سے بالکلیہ صاف کر دیا جائے تا کہ وہاں سے تمام دنیا کو اسلامی دیانت اور حقیقی تہذیب کی دعوت دیتے وقت تقریباً سارا جزیرۃ العرب یک جان ویک زبان ہو اور کوئی اندرونی کمزوری یا خلفشار بیرونی مزاحمتوں کے ساتھ مل کر اس مقدس مشن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔

پس جزیرۃ العرب کو ہر قسم کی کمزوریوں اور فتنوں سے پاک کرنے اور عالمگیر دعوت اسلامی کے بلند

ترین مقام پر کھڑا کرنے کے لئے لازم ہوا کہ دعوت اسلام کا مرکز خالص اسلامیت کے رنگ میں رنگین ہو، اس کے قلب وجگر سے صدائے حق کے سوا کوئی دوسری آواز نکل کر دنیا کے کانوں میں نہ پہنچے، پورا جزیرہ سارے جہان کا معلم اور ہادی بنے اور ایمان وکفر کی کشمکش کا ہمیشہ کے لئے یہاں سے خاتمہ ہو جائے۔

سورہ براءۃ کے مضامین کا یہی حاصل ہے۔

چنانچہ چندروز میں خدا کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکز اسلام ہر طرح کے دسائس کفروشرک سے پاک ہو گیا اور سارا عرب متحد ہو کر شخص واحد کی طرح تمام عالم میں نور ہدایت اور عالمگیر اسلامی اخوت پھیلانے کا کفیل وضامن بنا- **فللّٰہ الحمد علی ذلک۔**

الغرض ''سورۂ انفال'' میں جس چیز کی ابتداء تھی، سورۂ توبہ میں اس کی انتہاء ہے، اسی لئے **''اول بآخر نسبتے دارد''** کے موافق ''براءۃ'' کو ''انفال'' کے ساتھ بطور تکملہ ملحق کر دیا گیا، اور بھی مناسبات ہیں جن کو علماء نے تفاسیر میں بیان کیا ہے۔ [۱]

﴿مَرْصَد﴾ طريق ﴿إلًّا﴾: الإل: القرابة و﴿الذمة﴾ والعهد. ﴿وَلِيْجَةً﴾: كل شيء ادخلته في شيء. ﴿الشُّقَّةُ﴾: السفر. ﴿الخَبالُ﴾: الفساد، والخبال الموت.

﴿وَلاتَفْتِنِّي﴾: لاتوبخني. ﴿كَرْهًا﴾و﴿كُرْهًا﴾ واحد. ﴿مُدَّخَلًا﴾: يدخلون فيه. ﴿مُدَّخَلًا﴾: يدخلون فيه. ﴿يَجْمَحُونَ﴾: يسرعون. ﴿وَالْمُؤْتَفِكاتِ﴾: التكفت: انقلبت بها الأرض.

﴿أهْوَى﴾: ألقاه في هوة. ﴿عَدْنٍ﴾: خلد. عدنت بأرض: أي أقمت، ومنه معدن. ويقال: في معدن صدق: في منبت صدق.

﴿الخَوالِفِ﴾ الخالف الذي خلفني فقعد بعدي ومه يخلفه في الغابرين. ويجوزأن يكون النساء من الخالفة، وان كان جمع الذكور فاه لم يوجدعلى تقدير جمعة الاحرفان فارس وفوارس، وهالك وهوالك.

﴿الخَيرَاتُ﴾: واحدها خيرة وهي الفواضل. ﴿مُرْجَوْنَ﴾: مؤخرون. ﴿الشَّفا﴾: شفير وهوحده. و﴿الجُرُفُ﴾: ما تجرف من السيول والأودية.

---

[۱] معارف القرآن، ج:۴، ص:۳۰۳ تا ۳۱۴، آسان ترجمہ قرآن، سورۃ التوبہ، ج:۱، ص:۵۵۶ تا ۵۶۰ تفسیر عثمانی، سورہ توبہ:۱، فائدہ:۶، مسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند جابر بن عبدالله رضي الله عنهما، رقم: ۱۴۷۱۶، وعمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۳۶۲

﴿هارٍ﴾: هائر. ﴿لأوّاهٌ﴾: شفقا وفرقا. وقال الشاعر:

إذا قمت ارحلها بليل – تأوه آهة الرجل الحزين

ترجمہ وتشریح

"مَرْصَد" سے گھات لگانے کی جگہ سے مراد ہے طریقہ یا راستہ۔

"إلًّا" سے مراد قرابت داری / رشتہ داری۔

"الذمة" سے عہد مراد ہے۔

"وَلِيْجَةً" کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا۔

"الشُقَّةُ" سے مراد سفر ہے۔ "الخَبالُ" کے معنی فساد اور موت دونوں آتے ہیں۔

"وَلاتَفْتِنّي" مطلب ہے کہ مت جھڑک مجھ کو۔

"كَرْهًا و كُرْهًا" یعنی زبردستی / ناخوش دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔

"مُدَّخَلًا" کا مطلب داخل ہونے کی جگہ۔

"يَجْمَحُونَ" بمعنی دوڑتے جائیں۔

"وَالْمُؤْتَفِكات" یہ لفظ ماخوذ ہے "انقلبت بها الأرض" سے، یعنی وہ بستیاں جو عذاب کی وجہ سے الٹ دی گئیں۔

"أهْوَى" کے معنی ہیں اس کو گڑھے میں دھکیل دیا۔

"عدن" بمعنی "خلد" ہمیشہ کی جگہ یعنی جنت جسے بہشت بھی کہتے ہیں۔

"عدنت بأرض" یعنی میں نے اقامت اختیار کی، لفظ "معدن" اسی سے نکلا ہے، جسکا معنی ہے سونے، چاندی وغیرہ کی کان۔

اور اہل عرب کا مقولہ ہے "في معدن صدق" یعنی فلاں شخص جو سچائی کی کان ہے، یہاں پر "معدن" سے "نبت" مراد لیتے ہیں، یعنی وہ جگہ جہاں سے سچائی اگتی ہے۔

"الخَوالِف" جمع "الخالف" - کا معنی یہ ہے، جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کسی کا جانشین ہوگیا یا کسی کے پیچھے رہے۔

"الذی خلفنی" اسی سے "يخلفه في الغابرين" نکلا ہے۔ جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو مسلم کا انتقال ہوا تو آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی "اللّٰهم اغفرلي ابي سلمة واخلف بالغابرين"

یعنی اے اللہ! ان کی مغفرت فرما اور ان کا خلیفہ بن جا یعنی ان کی جگہ ان کے پیچھے رہ جانے والوں کیلئے شفقت کرنے والا بن جا۔ "أخلف با لغابرین" سے اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

یہ بھی کہہ دیا "یجوز أن یکون النساء" مرد اور عورت ہو دونوں کیلئے "خالف" کہیں گے۔

اگر چہ یہاں پر یہ ذکور کی جمع ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ "فاعل" کی جمع "فواعل" صرف چند لفظوں میں آتی ہے، ان میں ایک "خالف" کی جمع "خوالف" ہے، جیسا کہ "فارس" کی جمع "فوارس" ہے اور "هالک" کی جمع "هوالک" آتی ہے، ورنہ عام طور پر "فواعل" جو ہے وہ "فاعلیه" مؤنث کی جمع ہوتی ہے، نہ کہ مذکر کی۔

"الخیرات" اسکا واحد "خیرة" آتا ہے اور اسکا مطلب ہے فضائل، نیکیاں۔

"مُرْجَوْنَ" مہلت دیئے گئے، جیسے "مؤخرون" تاخیر میں ڈالے گئے ملتوی کئے گئے۔

"الشفا" کے معنی "شفیر" کے ہیں، یعنی کنارہ۔

"الجرف" وہ کنارہ جو ندی، نالوں کی وجہ سے کھد گیا اور گرنے کے قریب ہو، اس سے مراد پانی کی نالیاں ہیں۔

"هار" یہ اصل میں "هائر" ہے یعنی گرنے والی۔

"لأوّاهٌ" نرم دل ہونا، خوف خدا سے ڈرنے والا، آہ وزاری کرنے والا۔

إذا قمت ارحلها بليل - تأوه آهة الرجل الحزين

ناقہ / اونٹنی کے بارے میں شاعر کہہ رہا ہے کہ

جب میں رات کے وقت کھڑے ہو کر اس پر کجاوہ کستا ہوں،

تو غمگین مرد کی طرح وہ آہ بھرتی ہے کہ اب مصیبت آنے والی ہے۔

(۱) باب قوله: ﴿بَرَاءَةٌ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهِ إِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [۱]

اس ارشاد کا بیان کہ: "(مسلمانو!) یہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے دستبرداری کا اعلان ہے اُن مشرکین کے خلاف جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے"۔

﴿أذان﴾: اعلام. وقال ابن عباس: ﴿أُذُنٌ﴾ يصدق ﴿تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ ونحوها كثير.

﴿والزَّكـاةُ﴾: الطاعة والاخلاص، ﴿لايُؤْتُونَ الزَّكاةَ﴾: لا يشهدون أن لا إله إلا الله. ﴿يُضَاهُون﴾: يشبهون.

ترجمہ وتشریح

"أذان" بمعنی "اعلام" یعنی اعلام کرنا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ "أُذُنٌ" کے معنی میں ہے، یعنی کسی کی بات سن کر تصدیق کرنے والا۔

"تُطَهِّرُهُمْ" اور "وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا" دونوں ایک ہی معنی میں ہیں، "ولحو ھا کثیر" یعنی قرآن میں ایسا بکثرت ہوا ہے کہ ایک ہی معنی کیلئے دو لفظ تاکیداً لائے گئے ہیں۔

"الزَّكاةُ" کے ایک معنی اطاعت اور اخلاص کے بھی آتے ہیں۔

چنانچہ ﴿لايُؤْتُونَ الزَّكاةَ﴾ کی تفسیر بعض حضرات نے یہ کی ہے "لایشهدون أن لااله الاالله" شہادتین سے انکار کرنا۔

عام طور سے تو یہ مشہور ہے کہ زکوۃ نہیں دیتے لیکن چونکہ مشرکین کا ذکر ہو رہا ہے تو مشرکین کے ذکر میں زکوۃ نہ دینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے بعض حضرات نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ یہاں پر "لایؤتون الزکوۃ" کے معنی یہ ہے کہ اپنی اطاعت اور اخلاص کے لئے نہیں کرتے اور شہادت نہیں پڑھتے۔

اگر چہ دوسرے لوگوں نے معروف معنی بیان کیا ہے۔

"يُضَاهُون" کے معنی ہیں "يشبهون" یعنی مشابہت کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اگلے کافروں بت پرستوں جیسی بات کرتے ہیں۔

۴۶۵۴ - حدثنا أبو الوليد: حدثنا شعبة، عن أبي اسحاق قال: سمعت البراء ﷺ يقول آخر آية نزلت ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلالَةِ﴾ [النساء: ۱۷۶] وآخر سورة نزلت براءة. [راجع: ۴۳۶۴]

ترجمہ: ابواسحاق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازب ﷺ سے سنا کہ وہ فرمارہے تھے کہ سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی تھی ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلالَةِ﴾ یعنی (اے پیغمبر!) لوگ تم سے (کلالہ کا حکم) پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم بتاتا ہے۔ اور سب سے آخر میں سورہ براءت نازل ہوئی تھی۔

(۲) باب قوله: ﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللهِ وَأَنَّ اللهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ﴾ [۲]

ارشاد کا بیان کہ: ”لہذا (اے مشرکو!) تمہیں چار مہینے تک اجازت ہے کہ تم (عرب کی) سرزمین میں آزادی سے گھومو پھرو، اور یہ بات جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور یہ بات بھی کہ اب کافروں کو رُسوا کرنے والا ہے“۔

معاہدہ ختم - دوٹوک اعلان

سن ۶ ہجری میں بمقام حدیبیہ جب نبی کریم ﷺ اور قریش کے درمیان معاہدۂ صلح ہو چکا تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے۔ بنی بکر نے معاہدہ کی پرواہ نہ کر کے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ظالم حملہ آوروں کی مدد کی، اس طرح قریش اور ان کے حلیف دونوں معاہدہ حدیبیہ پر قائم نہ رہے جس کے جواب میں سن ۸ ہجری میں نبی کریم ﷺ نے اچانک حملہ کر کے مکہ معظمہ بڑی آسانی سے فتح کر لیا۔

ان قبائل کے سوا دوسرے قبائل عرب سے مسلمانوں کا میعادی یا غیر میعادی معاہدہ تھا، جن میں سے بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے، بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔

اس سورۃ میں مختلف قبائل کے متعلق آیات نازل ہوئیں۔ شروع میں ان مشرکین کا ذکر ہے جن سے معاہدہ تھا مگر میعادی نہ تھا، انکو اطلاع کر دی گئی کہ ہم آئندہ معاہدہ رکھنا نہیں چاہتے، چار ماہ کی مہلت تم کو دی جاتی ہے کہ اس مدت کے اندر اسلام میں داخل ہو جاؤ یا وطن چھوڑ کر مرکز ایمان و توحید کو اپنے وجود سے خالی کر دو اور یا جنگی مقابلہ کیلئے تیار ہو جاؤ، لیکن یہ خوب سمجھ لینا کہ تم خدا کی مشیت کو روک نہیں سکتے، اگر اسلام نہ لائے تو وہ تم کو دنیا و آخرت میں رسوا کرنے والا ہے، تم اپنی تدبیروں اور حیلہ بازیوں سے اسے عاجز نہ کر سکو گے۔

باقی جن قبائل سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا، انہیں بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی ہو یعنی جن مشرکین کے ساتھ مسلمانوں نے جنگ بندی کا کوئی معاہدہ نہیں کیا ہوا تھا، ایسے مشرکین کو چار مہینے کی مہلت دی گئی کہ ان چار مہینوں میں اگر وہ اسلام لانا چاہیں تو اسلام لے آئیں، اور اگر جزیرۃ العرب سے باہر کہیں جانا چاہیں تو اس کا انتظام کرلیں۔ اگر یہ دونوں کام نہ کرسکیں تو اُن کے خلاف ابھی سے اعلان کر دیا گیا ہے کہ ان کو جنگ کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور اس کے بعد کی آیتوں کا اعلان عام سن ۹ ہجری میں حج کے موقع پر تمام قبائل عرب کے سامنے حضرت علی

کرم اللہ وجہہ نے کیا، جس کا ذکر آگے حدیث میں ہے۔ ۲

﴿فَسِيحُوا﴾: سيروا.

"فَسِيحُوا" کا مطلب یہ ہے کہ چلو، پھرو۔

۴۶۵۵ - حدثنا سعيد بن عفير قال: حدثني الليث: عن عقيل، عن ابن شهاب: وأخبرني حميد بن عبدالرحمن: أن أبا هريرة ﷺ قال: قال بعثني أبوبكر في تلك الحجة في مؤذنين بعثهم يوم نحر يؤذن بمنى أن لا يحج بعد العام مشرك، ولايطوف بالبيت عريان. قال حميد بن عبدالرحمن: ثم أردف رسول الله ﷺ بعلي بن أبي طالب وأمره أن يؤذن ببراء ة. قال أبوهريرة: فأذن معنا علي يوم النحر في أهل منى ببراء ة، وأن يحج بعد العام مشرك، ولايطوف بالبيت عريان. [راجع: ۳۶۹]

سالارِ حج اور مشرکین کو اعلانِ آگاہی

حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر ﷺ نے اس حج کے موقع پر (جس میں ان سالار حج بنایا گیا تھا) مجھے بھی اعلان کرنے والوں میں رکھا تھا، جنہیں آپ نے اس بات پر مقرر کیا تھا کہ یوم نحر میں اس امر کا اعلان کریں کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور اسی طرح کوئی شخص بھی کعبہ کا ننگا طواف نہیں کرے گا۔ راوی حمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے حضرت علی ﷺ کو روانہ فرمایا اور ان کو سورہ براءت کے احکامات کا اعلان کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ چنانچہ وہ بھی ہمارے ہمراہ منیٰ میں موجود تھے، اور سورہ براءت کا اعلان کررہے تھے اور اس بات کا اعلان کہ کوئی مشرک اب نہ حج کرسکتا ہے اور نہ برہنہ ہوکر طواف کرسکتا ہے۔

(۳) باب قوله: ﴿وَأَذَانٌ مِن اللهِ وَرَسُوْلِهِ﴾ الى قوله: ﴿الْمُشْرِكِيْنَ﴾

اس ارشاد کا بیان: "اللہ اور اُس کے رسول کی طرف تمام انسانوں کیلئے یہ اعلان کیا جاتا ہے"۔

آذنهم: أعلمهم.

---

۲ آسان ترجمۂ قرآن، ج ۱، ص ۵۵۹

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں "آذنھم" بمعنی "اعلمھم" یعنی ان کو علم ہو جائے، اعلان کی غرض یہ ہے کہ لوگوں کو اچھی طرح آگاہ کر دیا جائے۔

۴۶۵۶ ـ حدثنا عبداللہ بن یوسف: حدثنا اللیث قال: حدثني عقیل: قال ابن شهاب: فأخبرني حمید بن عبدالرحمٰن أن أباهریرة قال: بعثني أبوبکر ﷺ في تلک الحجة في المؤذنین، بعثهم یوم النحر یؤذن بمنی: أن لایحج بعد العام مشرک ولایطوف بالبیت عریان. قال حمید: ثم أردف النبي ﷺ بعلي بن أبي طالب فامره أن یؤذن ببراءة. قال أبوهریرة: فأذن معنا علي في أهل منی یوم النحر ببراءة. وأن لایحج بعد العام مشرک ولایطوف بالبیت عریان. [راجع: ۳۶۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے اُس حج کے موقع پر مجھے بھی اعلان کرنے والوں میں رکھا تھا، جنہیں قربانی کے دن منیٰ میں اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا (ہم یہ اعلان کریں) کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ تو حج کرے گا، اور نہ ہی برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرے گا۔ راوی حمید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے حضرت علی ﷺ کو بھی روانہ فرمایا اور ان کو سورہ براءت کا اعلان کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ نے بھی ہمارے ساتھ ہی یوم النحر میں سورہ براءت کا یہ اعلان فرمایا کہ اس سال کے بعد نہ تو کوئی مشرک حج کرے گا، اور نہ ہی برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کر سکے گا۔

جزیرۃ العرب کی تطہیر اور میعادی معاہدہ ختم ہونے کا اعلان

﴿وَأَذَانٌ مِنَ اللهِ وَرَسُوْلِهِ﴾ یہ اعلان ان قبائل سے متعلق تھا جنہوں نے میعادی معاہدہ کیا، پھر خود ہی عہد شکنی کی مثلاً بنی بکر، قریش وغیرہ یعنی ایسے لوگوں سے اب کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا، اگر یہ سب لوگ کفر و شرک سے توبہ کر لیں تو انکی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گی، نہیں تو خدا کا جو کچھ ارادہ ہے یعنی تطہیر جزیرۃ العرب کا وہ پورا ہو کر رہے گا، کوئی طاقت اور تدبیر اسے مغلوب نہیں کر سکتی اور کافروں کو کفر اور بدعہدی کی سزا مل کر رہے گی۔

ان قبائل کی عہد شکنی اگرچہ فتح مکہ سن ۸ ہجری سے پہلے ہو چکی تھی، بلکہ اسی کے جواب میں مکہ فتح ہوا۔

تاہم سن ۹ ہجری کے حج کے موقع پر اس کا بھی دوبارہ اعلان عام کرایا گیا تا کہ واضح ہو جائے کہ اس قسم کے جتنے لوگ ہیں ان سے کسی قسم کا معاہدہ باقی نہیں رہا۔

"بعثني أبو بکر ﷺ في تلک الحجة في المؤذنین، بعثهم یوم النحر یؤذن بمنی" یہاں پر

جن اعلان کرنے والوں کی ذمہ داری لگائی گئی تھی اس سے یہی اعلان کروانا مراد ہے۔

(۴) باب: ﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [۴]

باب: ''البتہ (مسلمانو!) جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا''۔

۴۶۵۷ ـ حدثني اسحاق: حدثنا يعقوب بن ابراهيم: حدثنا أبي، عن صالح، عن ابن شهاب: أن حميد بن عبدالرحمٰن أخبره: أن أبا هريرة أخبره: أن أبابكر ﷺ بعثه في الحجة التي أمّره رسول الله ﷺ عليها قبل حجة الوداع في رهط يؤذن في الناس أن لايحجن بعد العام مشرك ولايطوف بالبيت عريان. فكان حميد يقول: يوم النحر يوم الحج الأكبر، من أجل حديث أبي هريرة. [راجع: ۳۶۹]

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ انہیں حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بتایا کہ حضرت ابو بکر ﷺ نے اُس حج کے موقع پر، جس کا انہیں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع سے پہلے والے حج میں امیر بنا کر بھیجا تھا، انہیں (حضرت ابو ہریرہ ﷺ کو) بھی اعلان کرنے والوں میں رکھا تھا، (جنہیں آپ نے اس بات کا اعلان کرنے کے واسطے بھیجا تھا کہ) اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ تو حج کو آئے گا، اور نہ ہی بیت اللہ کا طواف کوئی شخص برہنہ ہو کر کر سکے گا۔ راوی حمید بن عبدالرحمٰن کہا کرتے تھے کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یوم النحر حج اکبر کا دن ہے۔

دوٹوک آگاہی کا اعلان، لیکن معاہدہ کا احترام

﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ یہ استثناء ان قبائل کیلئے ہے جن کا معاہدہ میعادی تھا، پھر وہ اس پر برابر قائم رہے کچھ کوتاہی ایفائے عہد میں نہیں کی، نہ بذاتِ خود کوئی کارروائی خلاف عہد کی اور نہ دوسرے بدعہدوں کو مدد پہنچائی۔

مثلاً بنی ضمرہ، بنی مدلج ان کے متعلق اعلان کر دیا گیا کہ میعاد معاہدہ منقضی ہونے تک مسلمان بھی برابر معاہدہ کا احترام کریں گے میعاد ختم ہونے کے بعد کوئی جدید معاہدہ نہیں، اس وقت ان کیلئے بھی وہی راستہ ہے جو اوروں کے لئے تھا۔

''يوم النحر، يوم الحج الأكبر'' حج کو اکبر اس لئے کہا جاتا ہے کہ ''عمرہ'' حج اصغر ہے اور ''یوم

الحج الاکبر" سے دسویں تاریخ "عید الاضحیٰ" کا دن یا نویں تاریخ "عرفہ" کا دن مراد ہے۔ [۱۳]

(۵) باب قوله تعالىٰ: ﴿فَقَاتِلُوْا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ﴾ [۱۲]

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: "تو ایسے کفر کے سربراہوں سے اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آجائیں، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی قسموں کی کوئی حقیقت نہیں"۔

آیت کا خلاصہ

آیت میں اس کا بیان ہے کہ پیش گوئی کے مطابق جب یہ لوگ عہد شکنی کر ہی ڈالیں تو پھر ان کے ساتھ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

یعنی اگر یہ لوگ اپنے معاہدہ اور قسموں کو توڑ ڈالیں اور مسلمان بھی نہ ہوں بلکہ بدستور تمہارے دین اسلام پر طعن وتشنیع کرتے رہیں تو ان کفر کے پیشواؤں کے ساتھ مقابلہ کرو۔ کیونکہ ان کا کوئی قول وقسم اور عہد وپیمان باقی نہیں رہا ممکن ہے تمہارے ہاتھوں سے کچھ سزا پا کر اپنی شرارت وسرکشی سے باز آئیں۔

۴۶۵۸ ۔ حدثنا محمد بن المثنى: حدثنا يحيى: حدثنا اسماعيل: حدثنا زيد بن وهب قال: كنا عند حذيفة فقال: مابقي من أصحاب هذه الآية إلا ثلاثة، ولا من المنافقين إلا أربعة. فقال أعرابي: إنكم أصحاب محمد ﷺ تخبرونا فلاندري فما بال هؤلاء الذين يبقرون بيوتنا ويسرقون اعلاقنا؟ قال: أولئك الفساق، أجل لم يبق منهم إلا أربعة أحدهم شيخ كبير لو شرب الماء البارد لماوجد برده. [۱۴]

ترجمہ: زید بن وہب کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت حذیفہ بن یمان ؓ کے پاس بیٹھے تھے، تو حضرت حذیفہ ؓ نے فرمایا کہ اس آیت (ترجمۃ الباب میں ذکر کی گئی آیت) سے تعلق رکھنے والے یعنی مخاطبین میں صرف تین مسلمان اور چار منافق زندہ ہیں۔ اتنے میں ایک دیہاتی نے کہا کہ آپ سب حضرت محمد ﷺ کے صحابی ہیں، ہمیں ان لوگوں کا حال بتائیے جو کہ ہمارے گھروں میں نقب لگا کر اچھی اچھی چیزیں چرا لیتے ہیں، کیونکہ ہم

---

[۱۳] عمدة القارى، ج: ۱۳، ص: ۱۳

[۱۴] انفرد به البخارى.

ان کا حال نہیں جانتے ۔ حضرت حذیفہ ﷜ نے فرمایا، وہ سب فاسق و بدکار ہیں، ہاں البتہ ان میں (یعنی منافقین میں سے) سے چار آدمی اب بھی زندہ ہیں، اوران میں سے ایک تو اس قدر بوڑھا ہو چکا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی پیتا ہے تو اس پانی کی ٹھنڈک کا بھی اسے احساس نہیں ہوتا ہے (یعنی بڑھاپے کی وجہ سے اس کی عقل ماری گئی ہے)۔

"ائمة الکفر" کی تفسیر

آیت ﴿فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ کی تفسیر میں ابن وہب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم صحابی رسول حضرت حذیفہ بن یمان ﷜ کے پاس تھے تو انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کے اصحاب میں سے باقی نہیں رہے مگر تین آدمی اور منافقین میں سے کوئی باقی نہیں رہا سوائے چار آدمیوں کے، یعنی جن لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ان میں صرف تین آدمی کفار میں سے باقی رہ گئے ہیں اور چار آدمی منافقین میں سے ۔

حضرت حذیفہ بن یمان ﷜ کو حضور اکرم ﷺ نے منافقین کی فہرست بتائی ہوئی تھی، اس لئے انہوں نے کہا تو ایک اعرابی نے کہا کہ **"انکم اصحاب محمد ﷺ"** آپ لوگ نبی کریم ﷺ کے صحابہ ہیں، ہمیں ذرا بتائیں ہمیں پتہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کا کیا حکم ہے جو ہمارے گھروں پر نقب زنی کرتے ہیں اور ہمارا نفیس مال چوری کرکے لے جاتے ہیں۔

"اعلاق" جمع **"علق"** کی ہے، نفیس مال کو کہتے ہیں، اس کے کہنے کا منشأ یہ تھا کہ یہ لوگ ہمارے گھروں پر جو چوری اور ڈاکے ڈال رہے ہیں تو کیا یہ بھی ائمۃ الکفر میں داخل ہیں کہ نہیں؟

تو انہوں نے فرمایا یعنی حضرت حذیفہ بن یمان ﷜ نے **"اولئک"** کہ وہ کافر نہیں ہیں، ایسے لوگ فساق ہیں ۔ **"اجل لم یبق منهم الا اربعة"** جن کا ذکر میں کر رہا تھا ان میں سے صرف چار باقی رہ گئے ہیں۔ **"احدهم شیخ کبیر"** ان میں سے ایک بہت بوڑھا آدمی ہے یعنی بوڑھا ہونے کی وجہ سے اس کا احساس اتنا ختم ہو گیا ہے کہ ٹھنڈا پانی بھی پئے تو اس کو محسوس تک نہ ہو۔

اب یہ تین آدمی کفار کے بیان کئے ہیں، بعض روایتوں میں عتبہ بن ربیعہ اور ابوجہل کا بھی ذکر ہے تو اس کا کوئی تک سمجھ میں نہیں آتا، اس واسطے کہ ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ تو بدر میں مارے گئے تھے، اس لئے یا تو روایت میں کسی راوی کو وہم ہوا ہے کہ جس میں ناموں کی تعیین کی تو ابوجہل وغیرہ کا نام بھی لے لیا یا مقصد یہ ہے کہ جس وقت آیت نازل ہوئی تھی اس وقت ائمۃ الکفر میں یہ بھی داخل تھے، یہ مراد یہ نہیں کہ اب بھی زندہ ہیں ۔ [۵]

---

۵ عمدة القاری، ج:۱۸، ص: ۳۷۷

(٦) باب قوله: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ﴾ [۳۴]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کر کے رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، اُن کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو''۔

۴۶۵۹ ـ حدثنا الحكم بن نافع: أخبرنا شعيب: حدثنا أبو الزناد أن عبدالرحمن الأعرج حدثه أنه قال: حدثني أبوهريرة ﷺ أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: ((يكون كنز أحدكم يوم القيامة شجاعا أقرع)). [راجع: ۱۴۰۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے روز تم میں سے کسی کا خزانہ (جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جاتی ہو، وہ خزانہ) گنجا سانپ (جس سانپ کے سر کے بال گر جائیں، اس کے زہر میں بہت تیزی پیدا ہو جاتی ہے) بن جائے گا۔

۴۶۶۰ ـ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا جرير، عن حصين، عن زيد بن وهب قال: مررت على أبي ذر بالربذة فقلت: ما أنزلت بهذه الأرض؟ قال: كنا بالشام فقرأت ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ﴾. قال معاوية: ما هذه فينا، ما هذه إلا في أهل الكتاب. قال: قلت: إنها لفينا وفيهم. [راجع: ۱۴۰۶]

ترجمہ: زید بن وہب نے بیان کیا کہ میں مقام ربذہ میں حضرت ابوذر غفاری ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے پوچھا کہ آپ یہاں جنگل میں کس لئے آکر قیام کئے ہوئے ہیں؟ فرمانے لگے کہ ہم لوگ ملک شام میں تھے، میں نے یہ آیت پڑھی ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الخ﴾ حضرت معاویہ ﷺ کہنے لگے، یہ آیت ہمارے حق میں نہیں ہے، بلکہ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کیلئے نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابوذر غفاری ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ ہمارے لئے بھی ہے اور ان کیلئے بھی ہے (اس لئے میں یہاں آگیا)۔

حضرت ابوذر غفاری ﷺ کا تقویٰ اور احتیاط

زید بن وہب رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے مقام ربذہ میں حضرت ابوذر غفاری ﷺ سے پوچھا کہ

آپ یہاں جنگل میں کس لئے آ کر پڑے ہوئے ہیں؟

حضرت ابوذر غفاری ﷛ فرمانے میں لگے کہ میں ملک شام میں تھا اور میرا حضرت معاویہ ﷛ سے جھگڑا ہوگیا، لہٰذا میں نے یہ آیت پڑھی ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الخ﴾ تو حضرت معاویہ ﷛ کہنے لگے یہ آیت ہمارے حق میں نہیں ہے بلکہ یہود ونصاریٰ کیلئے نازل ہوئی ہے، میں نے کہا نہیں، یہ سب کے لئے ہے، چنانچہ میں اس جھگڑے کی وجہ سے سب کچھ چھوڑ کر یہاں چلا آیا ہوں۔ [۶]

مسئلہ

جمہور فقہاء اور ائمہ کا یہی مسلک ہے کہ جب کسی شخص کے پاس سونا اور چاندی تھوڑا تھوڑا موجود ہو تو اعتبار چاندی کا کیا جائے گا، سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب میں لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کردی جائے وہ کنز میں داخل نہیں ہے۔ [۷]

جس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد جو مال باقی رہے اس کا جمع رکھنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ [۸]

(۷) باب قوله عزّوجل: ﴿يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا﴾ [۳۵]

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: ”جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اُس سے ان لوگوں کو داغا جائے گا“۔

بخیل کے بخل کی سزا

بخیل دولت مند سے جب خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کو کہا جائے تو اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں زیادہ کہو تو اعراض کر کے ادھر سے پہلو بدل لیتا ہے، اگر اس پر بھی جان نہ بچی تو پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے۔

---

[۶] مزید تفصیل وتشریح کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۵، ص: ۴۷، کتاب الزکاۃ، رقم: ۱۴۰۶

[۷] عن ام سلمة، قالت: كنت ألبس أوضاحا من ذهب، فقلت: يا رسول الله، أكنز هو؟ فقال: ((ما بلغ أن تؤدى زكاته فزكي فليس بكنز)). سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، باب الكنز ماهو؟ وزكاة الحلي، رقم: ۱۵۶۴

[۸] معارف القرآن، ج:۴، ص:۳۶۷

اس لئے سونا چاندی تپا کران ہی تین موقعوں (پیشانی) پہلو، پیٹھ پر داغ دیئے جائیں گے، تا کہ اس کے جمع کرنے اور گاڑنے کا مزہ چکھ لے۔

۴۶۶۱ــ وقال أحمد بن شبيب بن سعيد: حدثنا أبي، عن يونس، عن ابن شهاب، عن خالد بن أسلم قال: خرجنا مع عبدالله بن عمر فقال: هذا قبل أن تنزل الزكاة، فلما أنزلت جعلها الله طهرا للأموال. [راجع: ۱۴۰۴]

ترجمہ: خالد بن اسلم کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ نکلے، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حکم زکوۃ سے پہلے کا ہے، پھر جب زکوۃ کا حکم نازل ہوا تو اللہ ﷻ نے اس زکوۃ کو مال کی پاکیزگی کا سبب بنا دیا۔

(۸) باب قوله: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِيْ كِتَابِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلاَ تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾ [۳۶]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہے، جو اللہ کی (یعنی لوح محفوظ) کے مطابق اُس دن سے نافذ چلی آتی ہے جس دن اللہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ یہی دین (کا) کا سیدھا سادہ (تقاضا) ہے، لہٰذا ان مہینوں کے معاملے میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو''۔

﴿الْقَيِّمُ﴾: هو القائم.

ترجمہ: ''الْقَيِّمُ'' کے معنی ہیں ''قائم'' یعنی مستقیم اور درست۔

۴۶۶۲ــ حدثنا عبدالله بن عبدالوهاب: حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن محمد، عن ابن أبي بكرة عن أبي بكرة، عن النبي ﷺ قال: ((ان الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السموٰت والأرض، السنة اثنا عشر شهراً، منها أربعة حرم، ثلاث متواليات: ذوالقعدة، وذوالحجة، والمحرم، ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان)). [راجع: ۶۷]

ترجمہ: محمد بن ابی بکرہ اپنے والد حضرت ابی بکرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (حجۃ الوداع کے موقع پر) ارشاد فرمایا دیکھو! زمانہ پھر اسی نقشہ/ہیئت پر آ گیا ہے، جس دن اللہ ﷻ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا، ایک سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں جن میں تین مہینے تو مسلسل ہیں ،یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک رجب کا مہینہ ہے جو کہ جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔

جاہلیت کے زمانے مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کی رسم

اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت و جہالت حد سے بڑھ گئی اور باہمی جدال وقتال میں بعض بعض قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا تو ''نسی ء'' کی رسم نکالی۔

''نسی ء''۔ یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ارادہ ماہ محرم میں جنگ کرنے کا ہوتا ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ امسال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا ہے، پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور قدیم محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔

اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن تحقیق کے موافق ''نسی ء'' (مہینے آگے پیچھے کرنے) کی رسم صرف محرم وصفر میں ہوتی تھی۔

امام مغازی محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی قلمس کنانی تھا، پھر اس کی اولاد در اولاد یوں ہی ہوتا چلا آیا، آخر میں اسی کی نسل سے ابو ثمامہ جنادہ بن عوف کنانی کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کرتا کہ امسال محرم اشہر حرم داخل رہے گا یا صفر، اسی طرح محرم وصفر میں سے ہر مہینہ کبھی حلال اور کبھی حرام کیا جاتا تھا اور عام طور پر لوگ اسی کو قبول کر لیتے تھے۔ [۹]

مہینوں کی ترتیب وتعین آسمانی ہے

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللهِ﴾

اس کے رد کی تمہید ہے، یعنی آج سے نہیں جب سے آسمان وزمین پیدا کئے خدا کے نزدیک بہت سے احکام شرعیہ جاری کرنے کیلئے سال کے بارہ مہینے رکھے گئے ہیں، جن میں سے چار اشہر حرم یعنی ادب کے مہینے ہیں جن میں گناہ وظلم سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

---

۹ احکام القرآن للجصاص، سورۃ براءۃ، ج: ۳، ص: ۱۴۴

﴿ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَکُمْ﴾ یہی سیدھا دین ابراہیم علیہ السلام کا ہے، سو ان میں ظلم مت کرو۔ ۱۰

امام جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں فرمایا ہے کہ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص کوشش کر کے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور بُرے کاموں سے بچالے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو ان تمام برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے، اس لئے ان مہینوں میں فائدہ نہ اُٹھانا ایک عظیم نقصان ہے۔ ۱۱

تاریخ وسال کا حساب چاند وسورج دونوں سے

مہینوں کی جو ترتیب اور ان مہینوں کے جو نام اسلام میں معروف ہیں وہ انسانوں کی بنائی ہوئی اصطلاح نہیں، بلکہ رب العالمین نے جس دن جس دن آسمان و زمین پیدا کئے اسی دن یہ ترتیب اور یہ نام اور ان کے ساتھ خاص خاص احکام متعین فرمادیئے تھے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے، اسی قمری حساب پر تمام احکام شرعیہ، روزہ، حج زکوۃ وغیرہ دائر ہیں، لیکن قرآن حکیم نے تاریخ وسال معلوم کرنے کے لئے جیسے قمر کو علامت قرار دیا ہے، اسی طرح آفتاب کو بھی اس کی علامت قرار دیا ہے۔

﴿لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابِ﴾ اس لئے تاریخ وسال کا حساب چاند اور سورج دونوں سے جائز ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کے لئے چاند کے حساب کو پسند فرمایا اور احکام شرعیہ اس پر دائر فرمائے ہیں۔ اس لئے قمری حساب کا محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔

اگر ساری امت قمری حساب کو ترک کر کے اس کو بھلادے تو سب گناہگار ہوں گے، اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی جائز ہے، لیکن سنت اللہ اور سنت سلف کے خلاف ضرور ہے اس لئے بلا ضرورت اس کو اختیار کرنا اچھا نہیں ہے۔ ۱۲

---

۱۰ عمدة القاری، ج:۱۸، ص: ۳۸۰، رقم: ۴۶۶۲، وفتح الباری، ج: ۸، ص: ۳۲۴

۱۱ معارف القرآن، ج:۴، ص: ۳۷۲، واحکام القرآن للجصاص، ج:۳، ص: ۱۴۳

۱۲ معارف القرآن، ج:۴، ص:۳۷۳

(۹) باب قوله: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا﴾ [۴۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ: غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔

سفرِ ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کا اطمینان

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا واقعہ پیش کر کے یہ بتلا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا رسول کسی انسان کی نصرت و امداد کا محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو براہِ راست غیب سے امداد پہنچا سکتے ہیں۔

جیسا کہ ہجرت کے وقت پیش آیا، جب آپ ﷺ کو آپ کی برادری اور اہلِ وطن نے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا، سفر میں آپ کا رفیق بھی ایک صدیق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سواء کوئی نہ تھا، دشمنوں کے پیادے اور سوار تعاقب کر رہے تھے۔

آپ ﷺ کی جائے پناہ بھی کوئی مستحکم قلعہ نہ تھا بلکہ ایک غار تھا، جس کے کنارے تک تلاش کرنے والے دشمن پہنچ چکے تھے اور رفیقِ غار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کا تو کوئی غم نہ تھا، مگر اس لئے سہم رہے تھے کہ یہ دشمن سردارِ دو عالم ﷺ پر حملہ آور ہو جائیں گے، مگر رسول اللہ ﷺ کوہِ ثبات بنے ہوئے نہ صرف خود مطمئن تھے، بلکہ اپنے رفیقِ صدیق کو فرما رہے تھے کہ ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا﴾ تم غمگین نہ ہو کیونکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ بات کہنے کو تو دو لفظ ہیں جن کا بولنا کچھ مشکل نہیں، مگر سننے والے حالات کا پورا نقشہ سامنے رکھ کر دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں کہ محض مادّیات پر نظر رکھنے والے سے یہ اطمینان ممکن ہی نہیں ہے۔ [۱۳]

﴿مَعَنَا﴾: ناصرنا. ﴿السَّكِينَةُ﴾: فعيلة من السكون.

ترجمہ: ''مَعَنَا'' کا مطلب ہے ہمارا مددگار۔

''السَّكِينَةُ'' فعیلۃ کے وزن پر ہے اور سکون سے مشتق ہے۔

۴۶۶۳ ـ حدثنا عبد الله بن محمد: حدثنا حبان: حدثنا همام: حدثنا ثابت: حدثنا

---

[۱۳] معارف القرآن، ج:۴، ص:۳۸۰

انس قال: حدثني أبوبكر ﷺ قال: كنت مع النبي ﷺ في الغار فرأيت آثار المشركين قلت: يا رسول الله، لو أن أحدهم رفع قدمه رآنا، قال: ((ما ظنك باثنين الله ثالثهما)). [راجع: ۳۶۵۳]

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ غارِ ثور میں تھا، تو میں نے مشرکین کے قدموں کو دیکھا، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنا قدم اُٹھالیا تو ہمیں دیکھ لیگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُن دو آمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تبارک وتعالیٰ ہو؟

۴۶۶۴ ـ حدثنا عبدالله بن محمد: حدثنا ابن عيينة، عن ابن جريج عن ابن أبي مليكة، عن ابن عباس رضي الله عنهما انه قال حين وقع بينه وبين ابن الزبير، قلت: أبوه الزبير، وأمه اسماء، وخالته عائشة، وجده أبوبكر، وجدته صفية. فقلت لسفيان: اسناده؟ فقال: حدثنا. فشغله انسان، ولم يقل: ابن جريج. [أنظر: ۴۶۶۵، ۴۶۶۶] [۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب میرے اور عبداللہ بن زبیر کے درمیان اختلاف ہوا تو میں نے کہا ان کے والد حضرت زبیر بن عوام ﷺ ہیں، ان کی والدہ حضرت اسما رضی اللہ عنہا ہیں، ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، اوران کے نانا حضرت حضرت ابوبکر ﷺ ہیں، اوران کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ راوی عبداللہ بن محمد جنہوں نے سفیان (بن عیینہ) رحمہ اللہ سے اس روایت کی اسناد کیا ہیں؟ تو انہوں نے ابھی "**حدثنا**" کہا تھا کہ کسی شخص نے ان کو مشغول کرلیا اور وہ "**ابن جريج**" نہ کہہ سکے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فضائل

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "**حين وقع بينه وبين ابن الزبير**" جب ان کے اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ رنجش ہوئی۔

رنجش اس معنی میں کہ جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حجاز ودیگر مقامات پر خلافت قائم ہوئی تو وہ چاہتے تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی انکے ساتھ شریک ہوں اور انکے ہاتھ پر بیعت کرلیں، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انکے ساتھ نہیں ملے، نہ اہل شام کا ساتھ دیا تھا۔

---

[۳] انفرد به البخاري.

اس انکار کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان تھوڑی سی رنجش پیدا ہوگئی تھی، اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ بات کہہ رہے ہیں کہ میں نے کہا کہ ان کے یعنی عبداللہ بن زبیر کے والد حضرت زبیر بن عوام ﷺ ہیں، حضرت زبیر بن عوام ﷺ عشرۂ مبشرہ میں سے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا ہیں اور ان کی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ان کے نانا حضرت ابوبکر صدیق ﷺ ہیں، جو نبی کریم ﷺ کے رفیق خاص ہیں، انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین انسان ہیں، ان کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں جو نبی کریم ﷺ کی سگی پھوپھو ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بات کرنے کا مقصد تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اتنے فضائل حاصل ہیں، تو اتنے فضائل ہونے کی وجہ سے میرا رجحان یہ تھا کہ میں انکے ساتھ رہوں، لیکن انہوں نے خود ایسے حالات پیدا کردیئے جس کی وجہ سے میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔

اگلے روایت میں تفصیل آرہی ہے۔

راوی حدیث عبداللہ بن محمد رحمہ اللہ جنہوں نے حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے اس روایت کو نقل کیا ہے، انہوں کہا کہ میں نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ اس روایت کی سند کیا ہے؟ انہوں نے ابھی "**حدثنا**" کہا ہی تھا کہ کسی دوسرے شخص نے ان کو مشغول کرلیا اور وہ "**ابن جریج**" نہ کہہ سکے۔

یعنی وہ "**حدثنا ابن جریج**" کہنا چاہ رہے تھے ابھی "**حدثنا**" ہی کہہ پائے تھے کہ کوئی آدمی آیا اور بات شروع کردی تو "**ابن جریج**" کا لفظ انہوں نے نہیں کہا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کا پتہ کیسے چلا کہ ابن جریج رحمہ اللہ سے روایت کی ہے؟

تو دوسری روایتوں سے پتہ لگتا ہے کہ ابن جریج سے روایت کرتے تھے۔

۴۶۶۵ - حدثنی عبداللہ بن محمد قال: حدثنی یحییٰ ابن معین: حدثنا حجاج: قال ابن جریج، قال ابن أبی ملیکة: وکان بینهما شیء فغدوت علیٰ ابن عباس فقلت: أترید أن تقاتل ابن الزبیر فتحل ماحرم اللہ؟ فقال: معاذ اللہ، ان اللہ، کتب ابن الزبیر وبنی أمیة محلین، وانی واللہ لاأحله أبداً، قال: قال الناس: بایع لابن الزبیر، فقلت: وأین بهذا الأمر عنه؟ أما أبوه فحواری النبی ﷺ، یرید الزبیر، وماجده فصاحب الغار، یرید أبابکر، وما أمه فذات النطاق، یرید أسماء، وأما خالته فأم المؤمنین، یرید عائشة، وأما عمته، فزوج النبی ﷺ، یرید خدیجة، وأما عمة النبی ﷺ فجدته، یرید صفیة، ثم عفیف فی الاسلام، قاری للقرآن. واللہ ان وصلونی وصلونی من قریب، وان ربونی ربونی أکفاء کرام. فآثر علی التویتات والأسامات والحمیدات، یرید أبطنا من بنی أسد: ابن تویت،

وبنی أسامة، وبنی أسد، ان ابن أبی العاص برز یمشی القدمیة، یعنی عبدالملک بن مروان، وانه لوی ذنبه، یعنی ابن الزبیر. [راجع: ۴۶۶۴]

ترجمہ: ابن جریج کہتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ جب ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان کچھ (اختلاف) ہوا تو میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صبح کے وقت ملاقات کی اور عرض کیا کہ کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جنگ کریں؟ اور (اس طرح) کیا آپ اللہ کے حرم کی توہین چاہتے ہیں؟ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ! یہ کام تو اللہ نے ابن زبیر اور بنی امیہ ہی کے حصہ میں لکھ دیا ہے کہ وہ حرم کی بے حرمتی کریں اور میں تو اللہ کی قسم! میں تو کبھی یہ کام نہیں کروں گا کہ اس کی بے حرمتی کروں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب لوگوں نے مجھے کہا تھا کہ آپ ابن زبیر سے بیعت کر لیجئے، تو میں نے لوگوں سے کہا کہ اس میں کیا مضائقہ ہے؟ وہ اس قابل ہیں، کیونکہ ان کے والد حضرت زبیر بن عوام ﷺ نبی کریم ﷺ کے حواری تھے، اور ان کے نانا حضرت ابوبکر صدیق ﷺ حضور اقدس ﷺ کے یارِ غار تھے، اور ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ذات النطاقین ہونے کا شرف حاصل ہے، اور ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُم المؤمنین ہیں، اور جہاں تک بات ہے ان کی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تو وہ آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں، ان کی دادی حضرت صفیہ (بنت عبدالمطلب) رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی ہیں۔ پھر وہ خود بھی ہمیشہ پاک دامن رہے ہیں، اور قرآن کے قاری ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر وہ (بنوامیہ) ہم سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور ان کو کرنا ہی چاہئے کہ وہ ہمارے نزدیکی رشتہ دار ہیں، اور اگر وہ ہم پر حاکم ہوں، تو ہمارے برابر ہیں، مگر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو بنی اسد، بنی تویت اور بنی اسامہ کو ہم سے زیادہ اپنا مقرب اور نزدیکی بنالیا ہے، اور عبدالملک نے اپنی چال میں غرور پیدا کرلیا ہے (یعنی مستحکم ہورہا ہے)، مگر ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی دُم موڑلی ہے (یعنی شکست کھا رہے ہیں)۔

ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے مابین رنجش کی وجہ

اس میں پچھلی روایت کی تھوڑی سی تفصیل گذری ہے، اس روایت میں مزید تفصیل ہے۔

حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان بیعت کے معاملے میں کچھ رنجش تھی، میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ "**أتريد أن تقاتل ابن الزبير**" کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سے جنگ کریں/ان سے لڑائی کریں؟ **فتحل ماحرم الله؟** اور کیا اس طرح اللہ کے حرم کی توہین چاہتے ہیں؟

لڑنے کے معنی یہ ہیں کہ چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ میں موجود ہیں تو ان سے لڑنے کیلئے مکہ مکرمہ پر حملہ کرنا ہوگا، حرم مکی کی بے حرمتی کرنی ہوگی اور حرم کے اندر قتال کرنا ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ **"معاذ الله"** حرم میں لڑنے سے میں اللہ ﷻ کی پناہ مانگتا ہوں **"ان الله، كتب ابن الزبير وبنى امية محلين"** یہ کام تو اللہ ﷻ نے ابن زبیر اور بنو امیہ کے مقدر میں لکھا ہے کہ وہ حرم کو حلال کر رہے ہیں یعنی ان کے درمیان جو لڑائی ہو رہی ہے تو وہ حرم میں ہو رہی ہے تو اللہ ﷻ نے ان کے مقدر میں لکھا تھا کہ وہ یہ کام کریں۔

"وانى والله لا احله ابدا" اللہ کی قسم! میں تو کبھی بھی یہ کام نہیں کروں گا کہ حرم مکی میں قتال کو حلال سمجھوں اور اس کی بے حرمتی کروں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ **"قال الناس: بايع لابن زبير"** جب لوگوں نے مجھے کہا تھا کہ آپ ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لیجئے۔

تو میں نے لوگوں سے کہا کہ **"واين بهذا الأمر عنه"** یہ خلافت کا معاملہ کچھ اس سے دور تو نہیں۔

"اين عنه" یعنی اس معاملے سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو کتنا فاصلہ ہے؟ یعنی خلافت کو کتنا فاصلہ ہے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے یہ کوئی بعید بات نہیں تھی، اس میں کوئی مضائقہ نہیں تھا کہ ہم عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔

"اما ابوه فحوارى النبى ﷺ" کیونکہ ان کے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے حواری/معاون تھے، **"وما جده فصاحب الغار"** اور ان کے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے صاحب الغار یعنی یارِ غار تھے، **"وما امه فذات النطاق"** اور ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کو ذات النطاقین ہونے کا شرف حاصل ہے، **"واما خالته فام المؤمنين"** اور ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اُم المؤمنین ہیں، **"واما عمته، فزوج النبى ﷺ"** اور جہاں تک بات ہے ان کی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تو وہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں، **"واما عمة النبى ﷺ فجدته"** ان کی دادی حضرت صفیہ (بنت عبدالمطلب) رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کی نسبی خصوصیات کو بیان کرنے بعد ان ذاتی صفات کو بیان کر رہے ہیں کہ **"لم عفيف فى الاسلام، قارى للقرآن"** پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما خود بھی اسلام میں ہمیشہ سے پاک دامن رہے ہیں، اور قرآن کے قاری و عالم ہیں۔

یعنی صرف اتنی بات نہیں کہ نسب کے اعتبار سے رشتے میں ان کو اتنی نسبتیں حاصل ہیں دینی اور ذاتی

صفات میں بھی باکمال شخص ہیں، تو یہ ان کی یعنی ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی صفات ہیں۔
آگے بنو امیہ کی صفات کو بتایا جو انکے مقابلے میں تھے۔
"واللہ ان وصلونی وصلونی من قریب" اللہ کی قسم! اگر بنو امیہ کے لوگ میرے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں، اچھا برتاؤ کرتے ہیں، تو صلہ رحمی قرابت کی وجہ سے کرتے ہیں کہ میری ان سے بنو امیہ سے قرابت ہے۔ **"وان ربونی ربونی اکفاء کرام"** اور اگر وہ میرے پر حاکم ہوں تو میرے برابر کے لوگ مجھ پر حاکم ہیں یعنی بنو امیہ کے لوگ مجھ پر حکمران بننے کی اہلیت رکھتے ہیں۔
"اکفاء" جمع ہے **"کفو"** کی، جو کسی چیز کا اہل ہو اس کو **"کفو"** کہتے ہیں۔
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ان لوگوں کی صلہ رحمی کی مجھے توقع تھی کہ میرے ساتھ یہ صلہ رحمی قرابت کی وجہ سے کریں گے، لیکن اس کے باوجود عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ان فضائل کی وجہ سے جو میں نے ابھی ذکر کئے، میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر تیار تھا، بنو امیہ میرے ساتھ زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے، پھر بھی میں عبداللہ بن زبیر کے ساتھ فی الجملہ بیعت کرنے پر تیار تھا۔
لیکن! ہوا کیا؟ وہ وجہ بیان فرمارہے ہیں۔
"فآثر علی التویتات والأسامات والحمیدات" مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے مجھ پر تویتات، اسامات اور حمیدات کو ترجیح دی، یعنی ان کو اپنا مقرب اور نزدیکی بنالیا اور میرے ساتھ بے اعتنائی کا معاملہ کیا۔
"یرید أبطنا من بنی أسد: ابن تویت، وبنی أسامة، وبنی أسد" آپ کی مراد مختلف قبائل تھے یعنی بنی اسد، بنی تویت اور بنی اُسامہ وغیرہ، تویت ایک شخص کا نام تھا جس کے نام پر قریش کا ایک قبیلہ ہے۔
پھر آگے فرمایا **"ان ابن أبی العاص برز یمشی القدمیة"** اور ابن ابی العاص یعنی عبدالملک بن مروان، جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلے پر تھا، وہ پیش قدمی کی چال چلتا ہوا آگے نکل آیا ہے یعنی اس نے بہت سے علاقوں پر فتح پالی ہے۔
"وانہ لوی ذنبہ، یعنی ابن الزبیر" اور انہوں نے یعنی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی دُم موڑ لی ہے۔ یہ محاورہ ہے، مراد ہے کہ شکست کھا رہے ہیں اور اپنے مقاصد میں ناکام ہو رہے ہیں۔
اب نتیجہ یہ ہو رہا ہے اور عبدالملک بن مروان بنو امیہ کی نمائندگی کرتے ہوئے بڑھتے چلے جارہے ہیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پیچھے ہٹتے جارہے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے غلط لوگوں کو اپنے قریب کرلیا اور جو ان کے فضائل کو جاننے والے تھے ان کو پیچھے رکھا، ان کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ [۱۵]

---

۱۵ عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۳۸۳

۴۶۶۶ ـ حدثنا محمد بن عبيد بن ميمون: حدثنا عيسیٰ بن يونس، عن عمر بن سعيد. قال: أخبرني ابن مليكة: دخلنا على ابن عباس فقال: ألا تعجبون لابن الزبير قام في أمره هذا؟ فقلت: لأحاسبن نفسي له، ما حاسبتها لأبي بكر ولا لعمر، ولهما كانا اولیٰ بكل خير منه. وقلت: ابن عمة النبي ﷺ، وابن الزبير، وابن أبي بكر، وابن أخي خديجة، وابن اخت عائشة، فاذا هو يتعلى عني ولا يريد ذلک. فقلت: ما كنت أظن اني أعرض هذا من نفسي فيدعه وما أراه يريد خيرا وان كان لا بد لأن يربني بنو عمي أحب الي من أن يربني غيرهم. [راجع: ۴۶۶۴]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آئے تو وہ کہنے لگے کیا تمہیں ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر حیرت نہیں ہوتی کہ وہ خلافت کے لئے کھڑے ہوئے ہیں؟ میں نے سوچ لیا ہے کہ میں اس معاملہ میں غور کروں گا (کہ آیا وہ اس کے مستحق ہیں یا نہیں)، میں نے حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کے معاملہ میں کبھی کچھ غور نہیں کیا، کیونکہ وہ ہر طرح اس کے لائق تھے۔ اور پھر میں نے لوگوں کہا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے اور زبیر بن عوام ﷺ کے صاحبزادے ہیں، اور ابوبکر ﷺ کے نواسے ہیں، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی کے بیٹے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن کے بیٹے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ خود کو مجھ سے افضل خیال کرتے ہیں، اور اس بات کی کوشش نہیں کرتے کہ میں ان سے مقرب بن جاؤں۔ میں نے اپنے دل میں بھی یہ گمان نہیں کیا تھا میں ان کے لئے بھی ایسے اعراض کروں گا، مگر ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میری طرف توجہ نہیں کرتے، اور میرا انہیں خیال کہ وہ اس میں کچھ بھلائی پاتے ہوں، لیکن میں اب اپنے چچا کے بیٹے کی بیعت کرلوں گا، کیونکہ غیر کے حاکم ہونے سے یہ بہتر ہے کہ ہمارے عزیز حاکم ہوں۔

تشریح

یہاں پر بھی یہی روایت ہے الفاظ ذرا مختلف ہیں۔

"فقلت: لأحاسبن نفسي له" یعنی میں نے دل میں یہ سوچا تھا کہ میں نے سوچ لیا ہے کہ میں اس معاملہ میں غور کروں گا کہ آیا وہ اس کے مستحق ہیں یا نہیں، اپنے نفس سے حساب لوں گا۔

"ما حاسبتها لأبي بكر ولا لعمر" حضرت صدیق اکبر اور عمر رضی اللہ عنہما کیلئے یعنی ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے میں نے کبھی کچھ غور نہیں کیا، **"ولهما كانا اولیٰ بكل خير منه"** اور وہ دونوں

حضرات ان کے مقابلے میں بیعت کے ہر طرح سے زیادہ مستحق تھے۔

"فقلت: ما كنت أظن انی اعرض هذا من نفسی فیدعه" کہہ رہے ہیں کہ میرا گمان یہ نہیں تھا کہ میں اپنے نفس کی طرف سے عبداللہ بن زبیر کو اس بات کی پیشکش کروں گا کہ میں تمہاری اطاعت کروں گا یعنی اس حد تک ان کیلئے عاجزی اور انکساری کا مظاہرہ کروں گا، اور وہ چھوڑ دیں گے یعنی وہ میری حمایت کی کوئی پرواہ بھی نہیں کریں گے، **"وما أراه يريد خيرا"** میرا نہیں گمان کہ وہ کوئی بھلائی کا ارادہ کر رہے ہیں۔

"وان كان لا بد" اور اگر ان کو یہی اعراض ہی کرنا ہے، **"لأن يربني بنو عمی أحب الی من أن يربني غيرهم"** تو اگر میرے پرورش کریں میرے چچا زاد بھائی یعنی بنو امیہ تو مجھے یہ زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ کوئی دوسرا پرورش کرے یعنی پھر میں ان کے ساتھ جا کر مل جاؤں، کیونکہ بنو امیہ بنو ہاشم سے بنسبت بنو اسد کے زیادہ قریب تھے۔

(۱۰) باب قوله: ﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ﴾ [۶۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: "اور ان کا جن کی دلداری مقصود ہے، نیز انہیں غلاموں کو آزاد کرنے میں"۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد مُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ - کا حکم

محققین، محدثین وفقہاء کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ کسی کافر کسی وقت بھی نہیں دیا گیا، نہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں اور نہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں، اور جن غیر مسلموں کو دینا ثابت ہے، وہ مدصدقات وزکوۃ سے نہیں بلکہ خمس غنیمت میں سے دیا گیا ہے، جس سے ہر حاجت مند مسلم وغیر مسلم کو دیا جا سکتا ہے، تو مؤلفۃ القلوب صرف مسلم رہ گئے، اور ان میں جو فقراء ہیں ان کا حصہ بدستور باقی ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔

اختلاف صرف اس صورت میں رہ گیا کہ یہ لوگ غنی صاحب نصاب ہوں تو امام شافعی، امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک چونکہ تمام مصارف زکوۃ میں فقر وحاجت مندی شرط نہیں، اس لئے وہ مؤلفۃ القلوب میں ایسے لوگوں کو بھی داخل کرتے ہیں جو غنی اور صاحب نصاب ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک عاملین صدقہ کے علاوہ باقی تمام مصارف فقر وحاجت مندی شرط ہے، اس لئے مؤلفۃ القلوب حصہ بھی ان کو اسی شرط پر دیا جائے گا کہ وہ فقیر وحاجتمند ہوں جیسے غارمین اور رقاب، ابن سبیل وغیرہ سب میں اسی شرط کے ساتھ ان کو زکوۃ دی جاتی ہے کہ وہ اس جگہ

حاجتمندوں ہوں، گو وہ اپنے مقام پر مال دار ہوں۔

اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ ائمہ اربعہ کے نزدیک منسوخ نہیں فرق صرف اتنا ہے کہ بعض حضرات نے فقراء ومساکین کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں فقر وحاجت مندی کے ساتھ مشروط نہیں کیا، اور بعض نے یہ شرط رکھی ہے کہ مؤلفۃ القلوب میں بھی صرف انہی لوگوں کو دیتے ہیں جو حاجتمند اور غریب ہوں، بہرحال یہ حصہ قائم اور باقی ہے۔ [۱۶]

فِي الرِّقَاب — سے مراد اور اس میں اختلاف

"فِي الرِّقَاب" یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلائی جائے یا خرید کر آزاد کیا جائے یا اسیروں کا فدیہ دے کر رہا کرایا جائے۔

فقہائے کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہاں رقاب سے کیا مراد ہے؟

جمہور فقہا ومحدثین کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ غلام ہیں جن کے آقاؤں نے کوئی مقدار مال کی متعین کر کے کہہ دیا ہے کہ اتنا مال کما کر ہمیں دیدو تو تم آزاد ہو، جس کو قرآن وسنت کی اصطلاح میں **"مُکَاتَب"** کہا جاتا ہے ایسے شخص کو آقا اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ تجارت یا مزدوری کے ذریعے مال کمائے اور آقا کو لا کر دے، آیت میں رقاب سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کو رقم زکوٰۃ میں حصہ دے کر اسکی گلوخلاصی میں امداد کی جائے۔

یہ قسم غلاموں کی باتفاق مفسرین وفقہاء لفظ **"وَفِي الرِّقَاب"** کی مراد ہے کہ رقم زکوٰۃ ان کو دے کر ان کی گلوخلاصی میں امداد کی جائے۔

ان کے علاوہ دوسرے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا یا ان کے آقاؤں کو رقم زکوٰۃ دے کر یہ معاہدہ کر لینا کہ وہ ان کو آزاد کر دیں گے، اس میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے۔

جمہور ائمہ ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین اس کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ بھی ایک روایت میں جمہور کے ساتھ متفق ہیں کہ فی الرقاب کو صرف مکاتب کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں، اور ایک دوسری روایت میں امام مالک رحمہ اللہ سے یہ بھی منقول ہے وہ فی الرقاب میں عام غلاموں کو داخل کر کے اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ رقم زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کئے جائیں۔ [۱۷]

---

[۱۶] معارف القرآن، ج:۴، ص:۴۰۴

[۱۷] احکام القرآن لابن العربی، ج: ۲، ص: ۵۳۱ — ۵۳۰

جمہور ائمہ وفقہاء جو اس کو جائز نہیں سمجھتے ہیں، ان کے پیش نظر ایک فقہی اشکال ہے کہ اگر رقم زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کیا گیا تو اس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہیں آتی، کیونکہ صدقہ وہ مال ہے کو کسی مستحق کو بلا معاوضہ دیا جائے۔

رقم زکوٰۃ اگر آقا کو دی جائے تو ظاہر ہے کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے ہی نہیں اور نہ اس کو یہ رقم بلا معاوضہ دی جارہی ہے، اور غلام جو مستحق زکوٰۃ ہے اس کو یہ رقم دی نہیں گئی، یہ الگ بات ہے کہ اس رقم کے دینے کا فائدہ غلام پہنچ گیا کہ اس نے خرید کر آزاد کردیا، مگر آزاد کرنا صدقہ کی تعریف میں داخل نہیں ہوتا اور حقیقی معنی کو بلا وجہ چھوڑ کر صدقہ کے مجازی معنی یعنی عام مراد لینے کا بلا ضرورت کوئی جواز نہیں۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ میں مصارف صدقات کے بیان کئے جارہے ہیں، اس لئے فی الرّقاب کا مصداق کوئی ایسی چیز نہیں بن سکتی جس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہ آئے۔

اور اگر یہ رقم زکوٰۃ خود غلام کو دی جائے تو غلام کی کوئی ملک نہیں ہوتی وہ خود بخود آقا کا مال بن جائے گا، پھر آزاد کرنا نہ کرنا بھی اس کے اختیار میں رہے گا۔

اس فقہی اختلاف کی وجہ سے جمہور ائمہ وفقہاء رحمہم اللہ اجمعین نے فرمایا ہے کہ **"فی الرقاب"** سے مراد صرف غلام مکاتب ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صدقہ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی مستحق کو مالک بنا کر اس کے قبضے میں دیدیا جائے، جب تک مستحق کا مالکانہ قبضہ اس پر نہیں ہوگا زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ [۱۸]

قال مجاهد: يتألفهم بالعطية.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ عطیہ رتحائف دیکر لوگوں کی دل جوئی فرماتے تھے۔

۴۶۶۷ ۔ حدثنا محمد بن كثير: أخبرنا سفيان، عن أبيه، عن أبي نعم، عن أبي سعيد ﷺ قال: بعث الى النبي ﷺ بشيء فقسمه بين أربعة وقال: ((أتألفهم))، فقال رجل: ما عدلت، فقال: ((يخرج من ضئضئ هذا قوم يمرقون من الدين)). [راجع: ۳۳۴۴]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ مال آیا، تو آپ نے اسے چار آدمیوں کے درمیان میں تقسیم کردیا اور فرمایا کہ میں ان لوگوں کی دلجوئی کرتا ہوں۔ اس پر ایک شخص نے بولا کہ آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دین سے خارج ہوجائیں گے۔

---

[۱۸] معارف القرآن، ج:۴، ص:۴۰۶، ۴۰۵

(۱۱) باب قوله: ﴿اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ﴾ [۷۹]

اس ارشاد کا بیان: ”(یہ منافق وہی ہیں) جو خوشی سے صدقہ کرنے والوں کو بھی طعنے دیتے ہیں“۔

منافقین کے مخلص مسلمانوں کو طعنے

نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو صدقات نکالنے کی ترغیب دی تو ہر مخلص مسلمان نے اپنی استطاعت کے مطابق صدقہ لاکر پیش کیا، منافقین خود تو اس اس کارِ خیر میں کیا حصہ لیتے، مسلمانوں کو طعنے دیتے رہتے تھے۔

اگر کوئی شخص زیادہ مال لے کر آتا تو کہتے کہ یہ تو دِکھاوے کے لئے صدقہ کر رہا ہے، اور اگر کوئی غریب مزدور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے کچھ تھوڑا صدقہ لے کر آتا تو منافقین اس کا مذاق اُڑاتے اور کہتے یہ کیا چیز اُٹھا کر لایا ہے؟ اللہ اس سے بے نیاز ہے۔

روایات میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں، لیکن اس جگہ غالباً غزوہ تبوک کے موقع پر جب چندہ جمع کرنے کی ترغیب دی گئی اس کا ذکر ہے۔ [۱۹]

﴿یَلْمِزُوْنَ﴾: یعیبون. ﴿جُهْدَهُمْ﴾ وجَهْدَهُمْ: طاقتهم.

ترجمہ: "یَلْمِزُوْن" کے معنی ہیں کہ وہ لوگ طعن کرتے ہیں، عیب لگاتے ہیں۔

"جُهْدَهُمْ" ضمہ کے ساتھ اور "جَهْدَهُمْ" فتحہ کے ساتھ، ان دونوں کا ایک ہی مطلب ہے طاقت۔

۴۶۶۸ ـ حدثنی بشر بن خالد أبو محمد: أخبرنا محمد بن جعفر، عن شعبة، عن سليمان، عن أبی وائل، عن أبی مسعود قال: لما أمرنا بالصدقة كنا نتحامل فجاء أبو عقيل بنصف صاع وجاء انسان بأكثر منه فقال المنافقون: ان الله لغنی عن صدقة هذا وما فعل هذا الآخر الا رياء، فنزلت ﴿اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِیْنَ لَایَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ الآية. [راجع: ۱۴۱۵]

ترجمہ: حضرت ابی مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ہمیں صدقہ وخیرات کرنے کا حکم آیا تو ہم مزدوری پر بوجھ اٹھایا کرتے تھے، ایک دن ابو عقیل رضی اللہ عنہ آدھا صاع لیکر آئے، اور ایک صحابی بہت زیادہ مال لے کر آئے، تو منافق کہنے لگے، اللہ اس (ابو عقیل رضی اللہ عنہ کے) حقیر صدقہ سے بے پرواہ ہے، اور یہ دوسرا تو صرف زیادہ مال

---

[۱۹] آسان ترجمہ قرآن، ج:۱، ص:۵۹۶

دکھانے کیلئے لایا ہے، تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِیْنَ لَایَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ ۔

صدقہ سے مال بڑھتا ہے

"نتحامل" کے معنی ہم سامان اٹھا کر مزدوری کیا کرتے تھے اور اس مزدوری پر جو تھوڑی بہت اجرت ہمیں مل جایا کرتی تھی۔

تو اب جب صدقہ کا حکم ہوا تو حضرت ابو عقیل ﷺ آدھا صاع لے کر آئے، کوئی دوسرا آدمی اس سے تھوڑا زیادہ لے کر آیا تو منافقین نے مذاق اڑایا اور یہ کہا کہ اللہ ﷻ ان کے صدقے سے غنی ہے، تو یہ جو کر رہے ہیں صرف دکھاوے کیلئے کر رہے ہیں، ورنہ آدھا صاع صدقہ کرنے سے کیا فائدہ، ان کا یہ مطلب ہے۔

۴۶۶۹ ـ حدثنی اسحاق بن ابراهیم قال: قلت لأبی أسامة: أحدثكم زائدة، عن سليمان، عن شقيق، عن أبی مسعود الأنصاری قال: كان رسول الله ﷺ يامر بالصدقة فيحتال أحدنا حتى يجیء بالمد وأن لأحدهم اليوم مائة ألف، كانه يعرض بنفسه. [راجع: ۱۴۱۵]

ترجمہ: حضرت ابی مسعود انصاری ﷺ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہم کو صدقہ کا حکم دیتے تو ہم میں سے بعض نہایت محنت مزدوری کرنے کے بعد ایک مد لاتے تھے، مگر آج ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ایک لاکھ موجود ہے ہیں، غالباً حضرت ابی مسعود انصاری ﷺ کا اپنی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا۔

صدقہ کی برکات

حضرت ابی مسعود انصاری ﷺ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ نے صدقہ کا حکم دیا **"فيحتال احدنا حتى يجیء بالمد"** تو ہم میں سے بعض لوگ بہت مشکل سے رمحنت مزدوری کرنے کے بعد ایک مُد صدقہ لے آتا تھا، اس وقت یہ حالت تھی۔

"وان لاحد اليوم ماة الف" جبکہ آج یہ حالات ہے کہ اسی آدمی کے پاس ایک لاکھ کے قریب مال موجود ہے۔

"كانه يعرض بنفسه" گویا میرے پاس، اپنے نفس کی طرف اشارہ کر کے، کہ ایک لاکھ کا مال ہے اور اس وقت ایک مد کا بھی صدقہ کرنا بھاری ہوتا تھا۔

(۱۲) باب قوله: ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ [۸۰]

اس ارشاد کا بیان: ”(اے نبی!) تم ان کیلئے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کیلئے ستر مرتبہ استغفار کرو گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا“۔

۴۶۷۰ ۔ حدثني عبيد بن اسماعيل، عن أبي اسامة، عن عبيدالله عن نافع، عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: لما توفي عبدالله بن أبي جاء ابنه عبدالله بن عبدالله الى رسول الله ﷺ فسأله أن يعطيه قميصه يكفن فيه أباه، فأعطاه ثم سأله أن يصلي عليه فقام رسول الله ﷺ ليصلي عليه، فقام عمر فأخذ بثوب رسول الله ﷺ فقال: يارسول الله، أتصلي عليه وقد نهاك ربك أن تصلي عليه؟ فقال رسول الله ﷺ: ((انما خيرني الله فقال: ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ وسأزيده على السبعين)). قال: انه منافق، قال: فصلى عليه رسول الله ﷺ فأنزل الله تعالىٰ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ أَبَداً وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهِ﴾ [۸۴]۔ [۲۰]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب عبداللہ بن ابی منافق کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنی قمیص میرے والد کے کفن طور پر عنایت فرما دیں، پھر انہوں نے درخواست کی کہ آپ ان کی نماز جنازہ بھی پڑھا دیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوگئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا آپ اسکی نماز جنازہ پڑھائیں گے، حالانکہ آپ کو اسکی نماز

---

[۲۰] وفي صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة رضي الله عنهم، باب من فضائل عمر رضي الله عنه، رقم: ۴۴۰۰، وكتاب صفات المنافقين وأحكامها، رقم: ۴۹۷۴، وسنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، رقم: ۳۰۹۷، ۳۰۹۸، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، القميص في الكفن، رقم: ۱۹۹۰، والصلاة على المنافقين، رقم: ۱۹۶۶، وسنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب في الصلاة على أهل القبلة، رقم: ۱۵۲۳، ومسند أحمد، مسند الخلفاء الراشدين، أول مسند عمر بن الخطاب رضي الله عنه، رقم: ۹۵، ومسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن عمر رضي الله عنهما، رقم: ۴۶۸۰

جنازہ پڑھانے سے آپ کے رب نے منع فرمادیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ﴾، اور میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا (شاید کہ اللہ ﷻ ان کو معاف کردے)، حضرت عمر ؓ نے عرض کیا یہ تو ایک منافق شخص ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، اسکے بعد اللہ ﷻ نے یہ حکم نازل فرمایا ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰی أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهِ﴾۔

۴۶۷۱ ۔ حدثنا یحیی بن بکیر: حدثنا اللیث، عن عقیل. وقال غیره: حدثنی اللیث: حدثنی عقیل، عن ابن شهاب قال: أخبرنی عبیدالله بن عبدالله، عن ابن عباس، عن عمر بن الخطاب ؓ أنه قال: لما مات عبدالله بن أبی بن سلول دعی له رسول الله ﷺ لیصلی علیه، فلما قام رسول الله ﷺ وثبت الیه فقلت: یا رسول الله، أتصلی علی ابن أبی وقد قال یوم كذا، كذا وكذا؟ قال: أعدد علیه قوله، فتبسم رسول الله ﷺ وقال: ((أخر عنی یا عمر))، فلما أكثرت علیه قال: ((انی خیرت فاخترت، لو أعلم أنی ان زدت علی السبعین یغفر له لزدت علیها)). قال: فصلی علیه رسول الله ﷺ ثم انصرف فلم یمكث الا یسیراً حتی نزلت الآیتان من براءة ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَی أَحَدٍ منهم مَاتَ أَبَدًا﴾ الی قوله: ﴿وَهُمْ فَاسِقُوْنَ﴾ قال: فعجبت بعد من جرأتی علی رسول الله ﷺ، والله ورسوله أعلم. [راجع: ۱۳۶۶]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی مرا تو رسول اللہ ﷺ کو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے بلایا گیا، جب آپ ﷺ نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں تیزی آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اس کی نماز پڑھائیں گے؟ حالانکہ اس شخص نے فلاں دن، اس اس طرح کی باتیں کہی تھیں، حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں کہ میں اس کی کی ہوئی ایک ایک بات آپ کے سامنے پیش کرنے لگا، تو رسول اللہ ﷺ قدرے مسکرائے، اور ارشاد فرمایا کہ اے عمر! مجھ سے پیچھے ہو جاؤ۔ جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اختیار دیا گیا ہے تو میں نے اس بات کو اختیار کیا ہے، گر میں یہ سمجھوں کہ کوئی ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے بخش دیا جائے گا تو میں اس کے لئے ستر سے زیادہ بار استغفار کروں گا۔ حضرت عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، اور واپس تشریف لائے، ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ سورۃ براءۃ کی دو آیات نازل ہوئیں ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَی أَحَدٍ منهم مَاتَ أَبَدًا﴾ سے لیکر ﴿وَهُمْ فَاسِقُوْنَ﴾ تک۔ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بعد میں مجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس حد تک جرأت کرنے حیرانگی ہوتی تھی، اور اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔

احسان کا ازالہ بھی، قبول اسلام کا امالہ بھی

عبداللہ بن ابی ایک ایسا منافق تھا جس کا نفاق مختلف اوقات میں ظاہر بھی ہو چکا تھا اور سب منافقوں کا سردار مانا جاتا تھا اس کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کا یہ امتیازی سلوک کیسے ہوا کہ اس کے کفن کے لئے اپنا کرتہ مبارک عطا فرمایا دیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت سابقہ سے خود آنحضرت ﷺ کو یقین ہو گیا تھا کہ ہمارے کسی عمل سے اس منافق کی مغفرت نہیں ہوگی، مگر چونکہ ظاہری الفاظ آیات میں آپ کو اختیار دیا گیا تھا اور کسی دوسری آیت سے بھی اس کی ممانعت اب تک نہیں آئی تھی۔

دوسری طرف ایک کافر کے احسان سے دنیا میں نجات حاصل کرنے کا فائدہ بھی تھا اور اس معاملہ میں دوسرے کافروں کے مسلمان ہونے کی توقع تھی، اسی لئے آپ ﷺ نے نماز پڑھانے کو ترجیح دی۔ [۱۲]

(۱۳) باب قوله: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ﴾ [۸۴]

اس ارشاد کا بیان: ''اور (اے پیغمبر!) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مرجائے، تو تم اس پر نماز (جنازہ) مت پڑھنا، اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہونا''۔

۴۶۷۲ - حدثني إبراهيم بن المنذر: حدثنا أنس بن عياض، عن عبيدالله، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه قال: لما توفي عبدالله بن أبي جاء ابنه عبدالله بن عبدالله إلى رسول الله ﷺ فأعطاه قميصه وأمره أن يكفنه فيه، ثم قام يصلي عليه فأخذ عمر بن الخطاب بثوبه فقال: تصلي عليه وهو منافق وقد نهاك الله أن تستغفر لهم؟ قال: ((إنما خيرني الله، أو أخبرني الله فقال: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ فقال: سأزيده على سبعين)). قال: فصلى عليه رسول الله

---

[۱۲] اس پر چند اشکالات اور اس کی مفید توجیہات ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الجنائز، رقم: ۱۲۶۹، ج: ۴، ص: ۴۲۹

ﷺ وصلينا معه ثم أنزل الله عليه ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ أَبَداً وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللهِ وَرَسُولِهٖ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ﴾.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب عبداللہ بن ابی منافق کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ اپنی قمیص ان کو عطاء فرمائی اور حکم دیا کہ اس قمیص کو اس کا کفن بنایا جائے، پھر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے؟ حالانکہ وہ منافق ہے اور اللہ ﷻ ان کیلئے استغفار سے آپ کو منع فرما چکے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے مجھے اختیار دیا ہے یا یہ فرمایا کہ اللہ ﷻ مجھے خبر دے چکے ہیں اور فرمایا ہے کہ ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ الخ﴾، پھر فرمایا کہ میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا (شاید کہ اللہ ﷻ ان کو معاف کردے)۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسکی نماز جنازہ پڑھی، اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی اسکے بعد اللہ ﷻ نے یہ حکم نازل فرمایا ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ أَبَداً وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللهِ وَرَسُولِهٖ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ﴾۔

(۱۴) باب قوله: ﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ﴾ الآية [۹۵]

اس ارشاد کا بیان: ''جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تو یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم اِن سے درگذر کرو''۔

۴۶۷۳ ـ حدثنا يحيى: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن عبدالرحمن بن عبدالله: أن عبدالله بن كعب بن مالك قال: سمعت كعب بن مالك حين تخلف عن تبوك: والله ما أنعم الله علي من نعمة بعد إذ هداني أعظم من صدقي رسول الله ﷺ أن لا أكون كذبته فأهلك كما هلك الذين كذبوا حين أنزل الوحي ﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ﴾ الى قوله: ﴿اَلْفَاسِقِيْنَ﴾. [راجع: ۲۷۵۷]

ترجمہ: عبداللہ بن کعب بن مالک نے بیان کیا کہ میں نے (اپنے والد) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے غزوہ تبوک میں ان کے شریک نہ ہونے سکنے کا واقعہ ان سے سنا، انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! سیدھے راستے (اسلام) پر چلنے کی ہدایت کے بعد اللہ ﷻ نے مجھ پر اتنا بڑا کوئی اور انعام نہیں کیا جتنا رسول اللہ ﷺ سے سچ

بولنے کے بعد ظاہر ہوا کہ میں جھوٹ بولنے سے محفوظ رہا ورنہ میں بھی اسی طرح ہلاک ہوجاتا جس طرح دوسرے لوگ جھوٹی معذرتیں بیان کرنے والے ہلاک ہوئے تھے، جس وقت وحی نازل ہوئی تھی ﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ﴾ اس آیت سے لیکر ﴿اَلْفَاسِقِيْنَ﴾ تک۔

(۱۵) باب قوله: ﴿وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ الآیۃ [۱۰۲]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرلیا ہے''۔

آیت کا شانِ نزول

منافقین اپنی منافقت کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شامل نہیں ہوئے، اور اب تک اُنہی کا ذکر ہوتا رہا ہے لیکن مخلص مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو سستی کی وجہ سے جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق یہ کل دس افراد تھے۔

ان میں سے سات کو اپنی اس سستی پر اتنی سخت شرمندگی ہوئی کہ ابھی آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس بھی نہیں پہنچے تھے کہ یہ خود اپنے آپ کو سزاء دینے کیلئے مسجد نبوی پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کو ستونوں سے باندھ لیا اور کہا کہ جب تک آپ ﷺ خود ہمیں معاف کر کے نہیں کھولیں گے، ہم انہی ستونوں سے بندھے رہیں گے۔

آپ ﷺ کی واپسی کا وقت قریب تھا، اور جب آپ تشریف لائے اور انہیں بندھا ہوا دیکھا تو پوچھا کیا معاملہ ہے؟ اس پر آپ کو علم ہوا کہ انہوں نے اس لئے اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب میں بھی اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ خود انہیں کھولنے کا حکم نہ دیدے۔

اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اُن کی توبہ قبول کرلی گئی اور انہیں کھول دیا گیا۔ ان سات حضرات میں حضرت ابولبابہ ﷺ بھی تھے، جن کے نام سے ایک ستون اب بھی مسجدِ نبوی میں موجود ہے اور اُسے اُسطوانہ التوبہ بھی کہا جاتا ہے۔

ایک روایات میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس ستون سے اپنے آپ کو اُس وقت باندھا تھا جب بنو قریظہ کے معاملے میں اُن سے ایک غلطی ہوگئی تھی، لیکن حافظ ابن جریر رحمہ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ واقعہ تبوک کے متعلق ہے، اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [۲۲]

---

[۲۲] تفسیر الطبری- جامع البیان عن تأویل آی القرآن، ج: ۱۱، ص: ۶۵۱، مطبع: دار ھجر للطباعة والنشر والتوزیع

باقی تین حضرات کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع ﷺ جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اپنے گناہوں پر اظہارِ ندامت

اس آیت نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اگر کسی سے کوئی گناہ ہو جائے تو اُسے مایوس ہونے کے بجائے توبہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

اور غلطی کی تاویلیں کرنے کے بجائے ہر ممکن طریقے سے اپنی غلطی پر اظہارِ ندامت کرنا چاہئے۔ ایسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ اُمید دِلائی ہے کہ اُنہیں معاف کر دیا جائے گا۔ ۲۳

۴۶۷۴ - حدثني مؤمل: حدثنا اسمٰعیل بن ابراهيم: حدثنا عوف: حدثنا أبو رجاء: حدثنا سمرة بن جندب ﷺ قال: رسول الله ﷺ لنا: ((أتاني الليلة آتيان فابتعثاني فانتهينا الى مدينة مبنية بلبن ذهب ولبن فضة فتلقانا رجال، شطر من خلقهم كأحسن ما أنت راء، وشطر كأقبح ما أنت راء، قالا لهم: اذهبوا فقعوا في ذلك النهر، فوقعوا فيه ثم رجعوا الينا قد ذهب ذلك السوء عنهم فصاروا في احسن صورة. قالا لي: هذه جنة عدن وهذاك منزلك. قالا: اما القوم الذين كانوا شطر منهم حسن وشطر منهم قبيح فانهم خلطوا عملا صالحا وآخر سيئا، تجاوز الله عنهم)). [راجع: ۸۴۵]

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا رات کو میرے پاس دو فرشتے آئے اور مجھے ایسے شہر میں لے گئے جو سونے اور چاندی کے اینٹوں سے بنایا گیا تھا، وہاں ہمیں ایسے لوگ ملے جن کا آدھا بدن نہایت خوبصورت تھا کہ کسی دیکھنے والے نے ایسا حسن نہ دیکھا ہوگا اور بدن کا دوسرا حصہ نہایت بدصورت تھا کہ کسی نے بھی ایسی بدصورتی نہ دیکھی ہوگی، دونوں فرشتوں نے ان سے کہا کہ جاؤ اور اس نہر میں غوطہ لگاؤ، چنانچہ وہ لوگ اس نہر میں غوطہ لگایا، پھر جب وہ دوبارہ ہمارے پاس آئے تو ان کی وہ بدصورتی چلی گئی اور اب وہ نہایت حسین وخوبصورت ہو گئے، پھر دونوں فرشتوں نے مجھ سے کہا یہ جنت عدن ہے اور یہی آپ کی منزل ہے، دونوں فرشتوں نے بتایا کہ جن لوگوں کو ابھی آپ نے دیکھا کہ جسم کا آدھا حصہ خوبصورت تھا اور اور آدھا بدصورت، تو یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نیک اعمال کے ساتھ کچھ برے اعمال بھی کئے تھے اور اللہ ﷻ نے انہیں معاف کر دیا تھا۔

---

۲۳ آسان ترجمۂ قرآن، سورۃ التوبہ، آیت: ۱۰۲، ج: ۱، ص: ۶۰۵، ۶۰۴۔

(۱۶) باب قوله: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ [۱۱۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''یہ بات نہ تو نبی کو زیب دیتی ہے، اور نہ دوسرے مؤمنوں کو کہ وہ مشرکین کیلئے مغفرت کی دعا کریں''۔

مشرکین کیلئے دعاء مغفرت کی ممانعت

اس آیت کا شانِ نزول یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب نے اگرچہ آپ کی بڑی مدد کی تھی، لیکن انہوں نے آخر وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب اُن کی وفات کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے اُنہیں ترغیب دی کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں، مگر اُسی وقت ابو جہل وغیرہ نے مخالفت کی اور وہ مسلمان نہ ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ میں آپ کیلئے اُس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس آیت نے آپ کو ان کیلئے استغفار سے منع فرما دیا۔

اس کے علاوہ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں روایت ہے کہ بعض مسلمانوں نے اپنے مشرک باپ دادوں کے لئے استغفار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، اور یہ کہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کیلئے استغفار کی تھی، اس لئے ہم بھی کر سکتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [۲۴]

۴۶۷۵ - حدثنا اسحاق بن ابراهيم: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن سعيد بن المسيب، عن أبيه قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة دخل النبي ﷺ وعنده أبو جهل وعبدالله بن أبي أمية فقال النبي ﷺ: ((أي عم، قل: لا إله إلا الله، أحاج لك بها عند الله)). فقال أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب أترغب عن ملة عبدالمطلب؟ فقال النبي ﷺ: ((لأستغفرن لك ما لم أنه عنك))، فنزلت ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ﴾ [۱۱۳]. [۲۵]

---

[۲۴] تفسير الطبري- جامع البيان عن تأويل آية القرآن، ج: ۱۲، ص: ۱۹، وآسان ترجمہ قرآن، ج: ۱، ص: ۶۱۱

[۲۵] وفي صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب أول الايمان قوله لا اله الا الله، رقم: ۲۰۳، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، النهي عن الاستغفار للمشركين. رقم: ۲۰۳۵، ومسند أحمد، احاديث رجال من اصحاب النبي ﷺ، حديث المسيب بن حزم، رقم: ۲۳۶۷۴

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ اپنے والد حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوطالب کی وفات کے وقت نبی اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، اس وقت ابوطالب کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی موجود تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ابوطالب سے فرمایا اے چچا! آپ ایک بار زبان سے کہ یہ کلمہ ادا کردیں "لا الٰہ الا اللہ" میں اس کلمہ کو آپ کی نجات کیلئے اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں پیش کردوں گا۔ اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کہنے لگے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں آپ کیلئے برابر مغفرت کی دعا مانگتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے روک نہ دیا جائے تو یہ آیت نازل ہوئی ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ الخ﴾۔

(۱۷) باب قوله: ﴿لَقَدْ تَابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ﴾ [۱۱۷]

اس ارشاد کا بیان: "حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر اور اُن مہاجرین اور انصار پر"۔

کٹھن حالات میں شریکِ جہاد ہونے پر اللہ کی رحمت

منافقین کی مذمت اور سستی سے رہ جانے والے مسلمانوں کی معافی کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کی اس کی اکثریت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاباش دی جارہی ہے جنہوں نے انتہائی کٹھن حالات میں خندہ پیشانی کے ساتھ تبوک کی مہم میں حصہ لیا۔ ان میں اکثریت تو اُنہی کی تھی جن کے دِل میں جہاد اور تعمیل حکم کا جذبہ اتنا مضبوط تھا کہ وہ ان مشکل حالات کو خاطر میں نہیں لائے۔

البتہ کچھ حضرات ایسے بھی تھے کہ شروع میں اِن مشکلات کی وجہ سے اُنکے دِل میں وسوسے آئے، لیکن آخرکار انہوں نے دِل وجان سے مہم میں حصہ لیا۔ انہی مسلمانوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ [۲۶]

۴۶۷۶ ـ حدثنا أحمد بن صالح قال: حدثني ابن وهب قال: أخبرني يونس. قال أحمد: وحدثنا عنبسة: حدثنا يونس، عن ابن شهاب قال: أخبرني عبدالرحمن ابن كعب قال: أخبرني عبدالله بن كعب وكان قائد كعب من بنيه حين عمي قال: سمعت كعب بن

---

[۲۶] آسان ترجمہ قرآن، ج:۱، ص:۶۱۴

مالک فی حدیثه ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوْا﴾ قال فی آخر حدیثه: ان من توبتی أن أنخلع من مالی صدقة الی الله ورسول الله، فقال النبی ﷺ: ((أمسک بعض مالک فهو خیر لک)). [راجع :۲۷۵۷]

ترجمہ: عبداللہ بن کعب رحمہ اللہ کا بیان ہے اور جس وقت حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نابینا ہو گئے تھے تو ان کے بیٹوں میں یہی عبداللہ بن کعب ان کو راستہ میں لے کر چلتے تھے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان سے اس واقعہ کے بارے میں سنا جس کے بارے میں آیت **﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوْا﴾** نازل ہوئی تھی، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے آخر میں سے عرض کیا تھا کہ اپنی توبہ کے قبول ہونے کی خوشی میں اپنا تمام مال اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنا کچھ تھوڑا سا مال اپنے پاس ہی رہنے دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

صداقت کی برکت سے جوشِ طاعت میں اضافہ

یہاں پر حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے آخری حصہ کو نقل کیا ہے کہ جب توبہ قبول ہونے کا اعلان ہوا اور میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں اپنی توبہ قبول ہونے کی خوشی میں اپنا سب مال ومتاع اللہ اور اس کے رسول کے راستے میں صدقہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں کچھ مال اپنی ضروریات کیلئے اپنے پاس ہی رہنے دو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

تفصیلی روایت میں ہے کہ پھر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی ہے اس لئے میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں کبھی سچ کے سوا کوئی کلمہ نہیں بولوں گا۔ پھر فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سچ بولنے کا عہد کیا تھا الحمد للہ اس کے بعد آج تک کوئی جھوٹ کلمہ میری زبان پر نہیں آیا، اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ رکھیں گے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اسلام کے بعد اس سے بڑی نعمت مجھے نہیں ملی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ بولا، جھوٹ سے پرہیز کیا، کیونکہ اگر میں جھوٹ بولتا تو اسی طرح ہلاکت میں پڑ جاتا جس طرح دوسرے جھوٹی قسمیں کھانیوالے ہلاک ہوئے۔ [۲۷]

---

[۲۷] حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی مکمل تفصیل ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب المغازی، ج: ۱۰، ص: ۴۹۲

(۱۸) باب: ﴿وَعَلَى الثَّلاَثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾ الآية [۱۱۸]

باب: "اور اُن تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب اُن پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی۔"

۴۶۷۷ - حدثني محمد: حدثنا أحمد بن أبي شعيب: حدثنا موسى بن أعين: حدثنا اسحاق بن راشد: أن الزهري حدثه قال: أخبرني عبدالرحمٰن بن عبدالله بن كعب بن مالك، عن أبيه قال: سمعت أبي كعب بن مالك وهو أحد الثلاثة الذين تيب عليهم أنه لم يتخلف عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة غزاها قط غير غزوتين: غزوة العسرة، وغزوة بدر. قال: فأجمعت صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى وكان قلما يقدم من سفر سافره الاضحىً، وكان يبدأ بالمسجد فيركع ركعتين ونهى النبي صلى الله عليه وسلم عن كلامي وكلام صاحبي ولم ينه عن كلام أحد من المتخلفين غيرنا. فاجتنب الناس كلامنا فلبثت كذلك حتى طال علي الأمر وما من شيءٍ أهم الي من أن أموت فلايصلي علي النبي صلى الله عليه وسلم، أويموت رسول الله فأكون من الناس بتلك المنزلة فلا يكلمني أحد منهم ولايصلي علي، فأنزل الله توبتنا على نبيه صلى الله عليه وسلم حين بقي الثلث الآخر من الليل ورسول الله صلى الله عليه وسلم عند أم سلمة، وكانت أم سلمة محسنة في شأني، معنية في أمري. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((يا أم سلمة، تيب على كعب)) قالت: أفلا أرسل اليه فأبشره؟ قال: ((اذاً يحطمكم الناس فيمنعونكم النوم سائر الليلة))، حتى اذاصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الفجر آذن بتوبة الله علينا، وكان اذا استبشر استنار وجهه حتى كأنه قطعة من القمر، وكنا أيها الثلاثة الذين خلفوا عن الأمر الذي قبل من هؤلاء الذين اعتذروا حين أنزل الله لنا التوبة. فلما ذكر الذين كذبوا رسول الله صلى الله عليه وسلم من المتخلفين واعتذروا بالباطل ذكروا بشرما ذكر به أحد، قال الله سبحانه: ﴿يَعْتَذِرُوْنَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لاَ تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهُ﴾ الآية

[۹۴] ۲۸

ترجمہ: عبدالرحمن بن عبداللہ بن کعب بن مالک اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ ان تین صحابہ میں سے تھے جن کی توبہ قبول کی گئی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی بھی غزوہ میں جانے سے کبھی پیچھے نہیں رہے، مگر سوائے دو غزوات کے، ایک غزوہ عسرہ یعنی غزوہ تبوک اور دوسرا غزوہ بدر۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپسی پر مدینہ تشریف لائے) تو چاشت کے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (بہانہ کرنے کے بجائے) سچ کہنے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب بھی سفر سے واپس تشریف لاتے تو اکثر چاشت کے وقت تشریف لایا کرتے تھے، اور پہلے مسجد تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو میرے اور میرے دونوں ساتھیوں کے ساتھ بات کرنے سے روک دیا تھا، مگر ہمارے دوسرے رہ جانے والوں سے بات کرنے سے نہیں روکا تھا، چنانچہ لوگ ہم تینوں سے بات کرنے سے اجتناب کرتے (اور ہم سے الگ رہتے)، میں اسی حالت میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ معاملہ طویل ہو گیا اور مجھے اس بات کا بہت غم تھا کہ کہیں میں اسی حال میں مر نہ جاؤں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھیں

---

۲۸ وفی صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب استحباب الرکعتین فی المسجد لمن قدم من سفر أول قدومه، رقم: ۱۱۶۷، وکتاب التوبة، باب حدیث توبة کعب بن مالک وصاحبیه، رقم: ۴۹۷۶، وسنن ابی داؤد، کتاب الطلاق باب فیما عنی به الطلاق والنیات، رقم: ۲۲۰۲، وکتاب الجهاد، باب فی ای یوم یستحب السفر، رقم: ۲۲۰۰۵، وباب المکر فی الحرب، رقم: ۲۲۳۷، وسنن النسائی، کتاب المساجد، الرخصة فی الجلوس فیه والخروج منه بغیر صلاة، رقم: ۷۳۱، وکتاب الطلاق، باب الحقی بأهلک، رقم: ۳۳۲۲، ۳۳۲۳، ۳۳۲۴، ۳۳۲۵، ۳۳۲۶، وکتاب الأیمان والنذور، اذا اهدی ماله علی وجه النذر، رقم: ۳۸۲۳، ۳۸۲۴، ۳۸۲۵، ۳۸۲۶، وسنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب ما جاء فی الصلاة والسجدة عند الشکر، رقم: ۱۳۹۳، ومسند أحمد، مسند المکیین، بقیة حدیث کعب بن مالک الأنصاری، رقم: ۱۵۷۷۰، ۱۵۷۷۱، ۱۵۷۷۲، ۱۵۷۷۳، ۱۵۷۷۴، ۱۵۷۷۹، ۱۵۷۸۱، ۱۵۷۸۲، ۱۵۷۸۸، ۱۵۷۸۹، والملحق المستدرک من مسند الأنصار بقیة خامس عشر الأنصار، حدیث کعب بن مالک، رقم: ۲۷۱۷۰، ۲۷۱۷۲، ۲۷۱۷۵، ۲۷۱۷۶، ۲۷۱۷۷، ۲۷۱۷۸، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب فی صلاة الرجل اذا قدم من سفره، رقم: ۱۵۶۱، ومن کتاب السیر، باب فی الخروج یوم الخمیس، رقم: ۲۳۸۰، وباب فی الحرب خدعة، رقم: ۲۳۹۳

گے، یا خدانخواستہ خود رسول اللہ ﷺ ہی اس دنیا سے سے رحلت نہ فرما جائیں، تو پھر سب کا ہمارے ساتھ ایسا ہی برتاؤ رہے، اور لوگ نہ ہمارے ساتھ کلام کریں اور نہ ہی نماز جنازہ پڑھیں۔

آخر (پچاس دن کے بعد) اللہ تعالیٰ کی طرف سے، جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی تھا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہماری توبہ (کی قبولیت) کی وحی نازل کی گئی، اس وقت رسول اللہ ﷺ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تھے، اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا میرے اس معاملے میں میری محسنہ اور میری مدد کرنے والی تھیں (یعنی وہ ہماری بہت سفارش کیا کرتی تھیں)۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے ام سلمہ! کعب کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں ان کے پاس کسی کو بھیج نا دوں جو جا کر انہیں یہ خوشخبری سنا دے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (یہ خبر سنتے ہی) اس وقت سب لوگ جمع ہو جائیں گے، پھر تم کو تمام رات سونا نصیب نہ ہوگا۔

چنانچہ جب صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہماری توبہ کے قبول ہونے کا اعلان فرمایا، آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا گویا چاند کو ٹکڑا ہو، اور ہر خوشی کے وقت آپ ﷺ کا چہرہ اسی طرح چمکنے لگتا تھا۔ ہم تینوں آدمی تھے جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا، ان تمام لوگوں (منافقوں) سے جنہوں نے بہانے بنائے تھے اور ان کی بات کو قبول بھی کر لیا گیا تھا۔

جب اللہ نے ہماری توبہ کے قبول ہونے کی وحی نازل فرمائی، اس وقت ان لوگوں کا ذکر کیا گیا، جو پیچھے رہ گئے تھے، اور رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ ولا اور سراسر جھوٹی معذرتیں پیش کیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کیلئے ایسا برا بھلا کہا کہ کسی کیلئے ایسے نہیں کہا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ ﴿يَعْتَذِرُوْنَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللّٰهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهُ﴾۔

تشریح

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۔

یہ تین شخص حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن الربیع ﷺ ہیں، جو باوجود مؤمن مخلص ہونے کے محض تن آسانی اور سہل انگاری کے بنا پر بدون عذر شرعی کے غزوۂ تبوک میں شرکت سے محروم رہے۔

جب حضور اقدس ﷺ واپس تشریف لائے تو نہ انہوں نے منافقین کی طرح جھوٹے عذر پیش کئے اور نہ بعض صحابہ کرام ﷺ کی طرح اپنے کو ستونوں سے باندھا، جو واقعہ تھا صاف صاف عرض کر دیا اور اپنی کوتاہی و تقصیر کا

اعلانیہ اعتراف کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ منافقین کی طرف سے بظاہر اغماض کر کے ان کے بواطن کو خدا کے سپرد کر دیا گیا، "اصحاب سواری" یعنی جو مسجد کے ستونوں سے بندھے ہوئے تھے، ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔

لیکن ان تینوں حضرات کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع ﷺ کا فیصلہ تا دیا کچھ مدت کیلئے ملتوی رکھا گیا، پچاس دن گذرنے کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔

پیچھے رہ جانے کا یہ مطلب ہے جیسا کہ خود کعب بن مالک ﷺ سے منقول ہے۔

(۱۹) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [۱۱۹]

باب: "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو"۔

۴۶۷۸ - حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن عبدالرحمن بن عبدالله بن كعب بن مالك أن عبدالله بن كعب بن مالك وكان قائد كعب بن مالك قال: سمعت كعب بن مالك يحدث حين تخلف عن قصة تبوك: فوالله ما أعلم أحدا أبلاه الله في صدق الحديث أحسن مما أبلاني، ما تعمدت منذ ذكرت ذلك لرسول الله ﷺ الى يومي هذا كذبا، وأنزل الله عزوجل على رسوله ﷺ ﴿لَقَدْ تَابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ﴾ الى قوله: ﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [۱۱۷-۱۱۹].

ترجمہ: ابن شہاب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عبداللہ بن کعب بن مالک (حضرت کعب بن مالک ﷺ کے پوتے) روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن کعب بن مالک، یہ عبداللہ وہی ہیں جو حضرت کعب بن مالک ﷺ کے نابینا ہونے کے بعد انکو اپنے ساتھ لے کر چلتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنے والد) حضرت کعب بن مالک ﷺ سے سنا کہ، انہوں نے غزوہ تبوک سے اپنے پیچھے رہ جانے کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کی قسم! شاید اللہ تعالیٰ نے کسی پر سچ بولنے کے صلہ میں اتنا بڑا انعام نہ کیا ہو، جتنا مجھ پر عنایت فرمایا ہے، جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا ٹھیک ٹھاک سبب بیان کر دیا ہے، تب سے لے کر آج تک جھوٹ بولنے کا قصد بھی نہیں کیا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ آیت ﴿لَقَدْ تَابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ﴾ سے لیکر ﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ تک نازل فرمائی۔

سچائی میں برکت اور جھوٹ میں نحوست

"وکان قائد کعب بن مالک" عبداللہ بن کعب بن مالک نے بیان کیا اور یہ عبداللہ اپنے والد حضرت کعب بن مالک ﷛ کو ساتھ لے کر چلتے تھے، جب آخری عمر میں وہ نابینا ہو گئے تھے۔۔

عبداللہ بن کعب کا بیان ہے کہ میں نے کعب بن مالک ﷛ سے سنا غزوہ تبوک میں اپنی غیر حاضری کا قصہ بیان کر رہے تھے، فرمایا خدا کی قسم! سچ بولنے کا جتنا عمدہ پھل اللہ ﷻ نے مجھے دیا کسی اور کو دینا میرے علم میں نہیں جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس بارے میں سچی بات کہی تھی اس وقت سے آج تک میں نے کبھی جھوٹ کا ارادہ تک نہیں کیا۔

اور اللہ ﷻ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ آیت نازل کی تھی ﴿**لَقَدْ تَابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ الخ**﴾ بے شک اللہ نے نبی پر اور مہاجرین وانصار پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی کہ ان کی اس سچائی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نہ صرف توبہ قبول فرمائی، بلکہ سچے لوگوں کی حیثیت سے قیامت تک کیلئے ان کا تذکرہ قرآن کریم میں زندۂ جاوید کر دیا گیا۔

اس آیت میں یہ تعلیم بھی ہے کہ انسان کو اپنی صحبت سچے لوگوں کے ساتھ رکھنی چاہئے، جو زبان کے بھی سچے ہوں اور عمل کے بھی سچے ہوں۔

(۲۰) باب قوله: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ﴾

الآية [۱۲۸]

اس ارشاد کا بیان: "(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے"۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات؛ ہر ایک کیلئے رحمت

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کا پوری خلقِ خدا خصوصاً مسلمانوں پر بیحد مہربان وشفیق ہونا بیان فرمایا ہے۔
سورۂ توبہ کے آخر میں یہ مضمون اس لئے لانا مناسب ہوا کہ اس پوری سورت میں کفار سے براءت، قطع

تعلق، قتال و جہاد کا ذکر تھا جو دعوت الی اللہ کی آخری صورت ہے جبکہ زبانی دعوت وتبلیغ سے اصلاح کی توقع نہ رہے، لیکن اصل کام انبیاء علیہم السلام کا یہی ہے کہ شفقت ورحمت اور ہمدردی وخیرخواہی کے جذبے سے خلق خدا کو خدا کی طرف آنے کی دعوت دیں، اوران کی طرف سے اعراض یا کوئی تکلیف پیش آئے تو اس کو اللہ کے سپرد کردیں اس پر توکل کریں، کیونکہ وہ رب العرش العظیم ہے۔ [۲۹]

من الرأفة .

ترجمۃ الباب میں بیان کی گئی آیت میں لفظ "رؤف" مشتق ہے "الـــرأفة" سے جسکے معنی ہیں مہربانی اور شفقت کے ہیں۔

۴۶۷۹ - حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهرى قال: أخبرنى ابن السباق: أن زيد بن ثابت الأنصارى ﷺ وكـان مـمن يكتب الوحى قال: أرسل الى أبوبكر مقتل أهل اليـمـامة وعـنـده عـمر فقال أبو بكر: ان عمر أتانى فقال: ان القتل قد استحر يوم القيامة بـالناس، وانى أخشى أن يستحر القتل بالقراء فى المواطن فيذهب كثير من القرآن الا أن تـجمعوه. وانى لأرى أن تجمع القرآن، قال أبوبكر: قلت لعمر: كيف أفعل شيئا لم يفعله رسول الله ﷺ؟ فـقال عمر: هو والله خير، فلم يزل عمر يراجعنى فيه حتى شرح الله لذلک صـدرى ورأيت الـذى رأى عمر. قال زيد بن ثابت: وعمر عنده جالس لايتكلم، فقال أبو بـكـر: انک رجـل شـاب عـاقـل ولا نتهـمـک، كـنـت تكتب الوحى لرسول الله ﷺ فتتبع الـقـرآن فـاجـمـعه. فوالله لو كلفنى نقل جبل من الجبال ما كان أثقل على مما أمرنى به من جـمع القرآن. قلت: كيف تفعلان شيئا لم يفعله النبى ﷺ؟ فقال أبوبكر: هو واللهخير، فلم أزل أراجعه حتى شرح الله صدرى للذى شرح الله له صدر أبى بكروعمر. فقمت فتتبعت الـقـرآن اجـمـعـه مـن الـرقـاع والأكـتـاف والـعسف وصـدور الرجـال حتى وجدت من سـورةالتوبة آيتين مع خزيمة الأنصارى لم أجدهما مع أحد غيره ﴿لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْـفُسِـكُـمْ عَـزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ﴾ الى آخرها. وكانت الصحف التى جمع فيها القرآن عند أبى بكر حتى توفاه الله، ثم عند عمر حتى توفاه الله، ثم عند حفصة بنت عمر.

تابعه عثمان بن عمر، والليث، عن يونس، عن ابن شهاب.

وقـال الـليـث: حدثنى عبدالرحمٰن بن خالد، عن ابن شهاب وقال: مع أبى خزيمة

---

[۲۹] معارف القرآن، ج:۴،ص:۴۹۶

الأنصاری وقال موسی، عن ابراهیم: حدثنا ابن شهاب: مع أبی خزیمة. وتابعه یعقوب بن ابراهیم عن أبیه. وقال أبوثابت: حدثنا ابراهیم، وقال: مع خزیمة، أو أبی خزیمة. [راجع: ۲۸۰۷]

ترجمہ: حضرت زید بن انصاری ﷺ جو کاتب وحی تھے، انہوں نے بیان کیا کہ اہل یمامہ کی جنگ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے مجھ کو بلا بھیجا، اور حضرت عمر ﷺ بھی ان کے پاس موجود تھے، حضرت ابوبکر ﷺ نے فرمایا کہ عمر میرے پاس آئے اور کہا کہ جنگ یمامہ میں مسلمانوں کا فی تعداد میں شہید ہوئے ہیں (جن میں قرآن کے حافظ صحابہ بڑی تعداد میں تھے) اور مجھے اندیشہ ہے کہ مختلف مقامات میں بھی کفار کے ساتھ جنگ میں قران کے حافظ شہید ہوں گے، پھر قرآن مجید کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا، اس لئے آپ قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرادیں (تاکہ قرآن محفوظ ہو جائے) اور میرا خیال یہ ہے کہ آپ قرآن جمع کرادیں۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے حضرت عمر ﷺ سے کہا کہ میں ایسا کام کس طرح کرسکتا ہوں جو خود رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا تھا؟ تو حضرت عمر ﷺ نے کہا اللہ کی قسم! یہ تو محض نیک کام ہے، چنانچہ حضرت عمر ﷺ اس معاملہ میں بار بار مجھ سے گفتگو کرتے رہے، آخر کار اللہ ﷻ نے اس کام کے لئے مجھے بھی شرح صدر عطا فرمایا اور میری بھی رائے وہی ہوگئی جو حضرت عمر ﷺ کی تھی۔

حضرت زید بن ثابت ﷺ فرماتے ہیں حضرت عمر ﷺ وہیں پر خاموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر ابو بکر صدیق ﷺ نے فرمایا تم جوان اور سمجھدار آدمی ہو اور نہ ہمیں تم پر کسی قسم کا جھوٹ اور بھول کا شبہ ہے اور تم رسول اللہ ﷺ کی وحی بھی لکھا کرتے تھے اس لئے تم ہی قرآن مجید کو متفرق مخطوطات سے تلاش کر کے اسے جمع کردو۔

(حضرت زید بن ثابت ﷺ فرماتے ہیں کہ) اللہ کی قسم! اگر حضرت ابوبکر صدیق ﷺ مجھے کسی پہاڑ کو اٹھا کر لے جانے کے متعلق کہتے تو یہ میرے لئے اتنا گراں نہیں تھا جتنا قرآن کی ترتیب وجمع کا حکم مجھ پر گراں تھا۔ پھر میں (یعنی حضرت زید بن ثابت ﷺ) نے عرض کیا کہ آپ دونوں حضرات یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ایسا کام کرنے پر کس طرح آمادہ ہوگئے جسے خود نبی کریم ﷺ نے نہیں کیا تھا؟ تو حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم! یہ تو ایک نیک کام ہے۔

پھر میں ان سے اس مسئلہ پر گفتگو کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے مجھے بھی شرح صدر فرمایا جس طرح حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو شرح صدر فرمایا تھا۔

چنانچہ میں اٹھا اور میں نے کھال، ہڈی اور کھجور کی شاخوں سے قرآن کو جمع کرنا شروع کیا، اور دوسرے لوگوں کے حافظہ سے بھی مدد لی، یہاں تک کہ سورۂ توبہ کی دو آیتیں حضرت خزیمہ انصاری ﷺ کے پاس مجھے ملیں، جو ان کے علاوہ کسی کے پاس مجھے نہیں ملی تھیں (وہ آیتیں یہ تھیں)، ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ﴾ سورۃ کے آخر تک۔

پھر وہ مصحف جس میں قرآن مجید جمع کیا گیا تھا حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے پاس رہا، یہاں کہ اللہ نے آپ کو وفات دے دی، پھر حضرت عمر ﷺ کے پاس محفوظ رہا، یہاں کہ اللہ نے ان کو وفات دے دی، پھر اس کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہا۔

اس روایت میں شعیب کی متابعت عثمان بن عمرو اور لیث بن سعد نے کی، ان دونوں بھی یونس سے روایت کی اور انہوں ابن شہاب زہری سے۔

لیث بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی اور انہوں نے ابن شہاب سے روایت نقل کی، اور کہتے ہیں سورۃ التوبہ کی آخری دو آیات ابوخزیمہ انصاری ﷺ کے پاس تھیں، (نہ کہ خزیمہ انصاری ﷺ کے پاس)۔ اور موسیٰ بن اسماعیل نے ابراہیم سے روایت کی، ہم سے ابن شہاب نے روایت بیان کی کہ ابوخزیمہ انصاری ﷺ کے پاس تھیں۔ اور ان کی متابعت یعقوب بن ابراہیم نے بھی کی ہے، اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے۔ اور ابوثابت کہتے ہیں کہ ہم سے ابراہیم نے روایت بیان کی اور خزیمہ ﷺ یا ابوخزیمہ ﷺ کہا (یعنی شک کے ساتھ)۔

(۱۰) سورة یونس

سورۂ یونس کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہ تسمیہ

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی، البتہ بعض مفسرین نے اس کی تین آیتوں کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن اس کا کوئی یقینی ثبوت موجود نہیں ہے۔

سورت کا نام حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے جن کا ذکر اس آیت میں ہے ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ﴾ [الآیة: ۹۸]۔

سورت کا مرکزی مضمون

ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں سب سے اہم مسئلہ اسلام کے بنیادی عقائد کو ثابت کرنا تھا، اس لئے اکثر مکی سورتوں میں بنیادی زور توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین پر دیا گیا ہے۔ اس سورت کے بھی مرکزی موضوعات یہی ہیں۔

اس کے ساتھ اسلام پر مشرکین عرب کے اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں اور اُن کے غلط طرز عمل کی مذمت کی گئی ہے اور انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر انہوں نے اپنی ضد جاری رکھی تو دنیا اور آخرت دونوں میں اُن پر اللہ ﷻ کی طرف سے عذاب آ سکتا ہے۔

اسی سلسلے میں پچھلے انبیاء کرام میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کے نتیجے میں فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ اور حضرت نوح اور حضرت یونس علیہما السلام کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان میں کافروں کیلئے تو یہ سبق ہے کہ انہوں نے پیغمبر کی مخالفت میں جو رویہ اختیار کیا ہوا ہے، اس کے نتیجے میں ان کا انجام بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے۔

اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کیلئے یہ تسلی کا سامان بھی ہے کہ ان ساری مخالفتوں کے باوجود آخری انجام ان شاء اللہ اُنہی کے حق میں ہوگا۔

(۱) بابٌ:

یہ باب بلاعنوان ہے۔

وقال ابن عباس: ﴿فَاخْتَلَطَ﴾ [۲۴]: فنبت بالماء من كل لون. و﴿قَالُوْا اتَّخَذَ اللهُ وَلَداً سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾[۶۸]. وقال زيد بن اسلم ﴿أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ﴾[۲] محمد ﷺ.

وقال مجاهد: خير. يقال: ﴿تِلْكَ آيَاتُ﴾، يعنى هذه اعلام القرآن. ومثله ﴿حَتّٰى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ﴾[۲۲] المعنى: بكم. ﴿دَعْوَاهُمْ﴾[۱۰]: دعاؤهم.

﴿أُحِيطَ بِهِمْ﴾[۲۲]: دنوا من الهلكة، ﴿أَحَاطَتْ بِهِ خَطِيْئَتُهُ﴾ [البقرة: ۸۱]. ﴿فَاتْبَعَهُمْ﴾ واتبعهم واحد. ﴿عَدْواً﴾[۹۰]: من العدوان.

وقال مجاهد: ﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ﴾. قول الإنسان لولده وماله إذا غضب: اللهم لاتبارك فيه والعنة. ﴿لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ﴾[۱۱]: لأهلك من دعى عليه ولأماتة.

﴿لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى﴾ به مثلها حسنى. ﴿وَزِيَادَةٌ﴾ [۲۶]: مغفرة ورضوان. وقال غيره: النظر الى وجهه. ﴿الْكِبْرِيَاءُ﴾[۷۸]: الملك.

ترجمہ وتشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "فَاخْتَلَطَ" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بارش کے بعد زمین پر اُگنے والے ہر قسم کے سبزہ اور ہریالی مراد ہے یہاں پر۔

﴿قَالُوْا اتَّخَذَ اللهُ وَلَداً سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾

ترجمہ: (کچھ) لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔

پاک ہے اُس کی ذات! وہ ہر چیز سے پاک ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بیوی بچوں سے پاک ہے، ساری کائنات اسکی مخلوق ومملوک ہے۔

حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ نے ﴿أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ﴾ کی تفسیر کی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں یعنی اللہ ﷻ نے ان کو نبوت ورسالت سے نوازا ہے۔ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے اس کی یہ تفسیر بیان

کی ہے کہ "**خیر**" سے مراد ہے بھلائی، نیک عمل ہے۔

جبکہ عام مفسرین نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ "**قدم صدق**" کے معنی ہے سچائی کا مقام یعنی وہ لوگ جو ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے ان کو اللہ ﷻ اچھا مقام عطا فرمائیں گے۔

کہا گیا ہے کہ "**تِلْکَ آیَاتُ**" کے معنی یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کی نشانیاں ہیں۔

اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہاں پر "**تلک**" جو غائب کی طرف اشارہ کرنے کیلئے بیان ہوتا ہے یہاں پر موجود کیلئے استعمال ہو رہا ہے۔ جیسے کہ اس آیت میں ہے کہ .

﴿حَتّٰى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ جب تک کشتیوں سوار ہوتے ہو، اور یہ کشتیاں تم لوگوں کو لے کر چلتی ہیں۔

یہاں پر "**بِهِمْ**" یعنی غائب کی ضمیر، "**بکم**" حاضر کیلئے استعمال ہوئی ہے۔

"**دَعْوَاهُمْ**" کا معنی ہیں ان کی دعائیں، ان کی پکار۔

"**أُحِيطَ بِهِم**" ان کو بُری طرح گھیر لیا، یہ بمعنی "**دنوا من الهلكة**" یعنی ہلاکت و بربادی کے قریب پہنچے، جیسا سورۃ البقرہ کی آیت میں ہے کہ

﴿أَحَاطَتْ بِهِ خَطِيْئَتُهُ﴾

ترجمہ: اور انکے گناہ انہیں (ہر طرف سے) گھیر لیتے ہیں۔

"**فَاتَّبَعَهُمْ**" کے معنی ہیں کہ وہ ان کے پیچھے چلا۔

"**عَدْواً**" کے معنی ہیں ظلم اور زیادتی کے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ **﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ﴾** سے مراد یہ ہے کہ انسان غصہ میں اپنی اولاد اور مال کو کوستا ہے کہ اے اللہ اس میں برکت نہ کر اور اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے، یعنی اس پر لعنت فرما۔

﴿لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ ﷻ شر کو بھی اتنا جلد لے آیا کریں جیسا کہ وہ خیر کی طلب بھی جلدی کرتا ہے، تو پھر سب ہی کا کام تمام ہو جائے۔

اس کا شان نزول یہ ہے کہ ابو جہل نے کہا تھا کہ آپ سچے ہیں تو کیوں نہ ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسیں اور ہمیں سخت عذاب میں ڈالا جائے۔ اس بات پر یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ اگر ان کی مرضی کے موافق جیسا کہ خیر طلب کی جائے اور اللہ تعالیٰ جلدی خیر عطا فرما دیتے ہیں اگر شر کو طلب کرنے پر اس کو بھی ایسی ہی جلد پورا کر دیا جائے تو پھر سب ہی کا کام تمام ہو جائے۔

تو یہ آیت کفار کے استعجاب عذاب کے بارے میں نازل ہوئی تھی، لیکن اس عموم کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ کوئی شخص بعض اوقات غصہ میں اپنے اولاد کے بارے میں بددعا دے دیتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا کردے یعنی اپنی اولاد کے بارے میں بددعا دیدے، تو اللہ ﷻ فوراً دعا کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ اگر اس بددعا کو قبول کرلیں تو سب کا کام تمام ہو جائے، تو یہ بھی عموم میں داخل ہے۔

﴿لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا الْحُسْنَى﴾ مراد یہ ہے کہ جنہوں نے بھلائی کے کام کئے ان کیلئے بدلے میں بھی بھلائی (جنت) ہے۔

اور آگے اسی آیت میں "وَزِيَادَةٌ" کے بارے میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مطلب یہ ہے کہ مغفرت اور رضامندی ہے۔ انکے علاوہ یعنی حضرت ابوقتادۃ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "وَزِيَادَةٌ" کے سے مراد اللہ ﷻ کا دیدار ہے، زیارت ہے۔

"الْكِبْرِيَاءُ" سے مراد بندگی اور بادشاہت ہے۔

(۲) باب: ﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِيْ إِسْرَائِيْلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهُ بَغْياً وَعَدْواً حَتَّى إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لاَ إِلٰهَ إِلَّا الَّذِيْ آمَنَتْ بِهِ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [۹۰]

باب: "اور ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر پار کرادیا، تو فرعون اور اُس کے لشکر نے بھی ظلم اور زیادتی کی نیت سے اُن کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب ڈوبنے کا انجام اُس کے سر پر آپہنچا تو کہنے لگا: میں مان گیا کہ جس خدا پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں، اُس کے سواء کوئی معبود نہیں، اور میں بھی فرماں برداروں میں شامل ہوتا ہوں۔"

﴿نُنَجِّيْكَ﴾ کی تفسیر اور اس میں اقوال

﴿نُنَجِّيْكَ﴾: نلقيك على نجوة من الأرض، وهو النشز، المكان المرتفع.

"نُنَجِّيْكَ" ہم تم کو نجات دیں گے، اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم تجھ کو زمین کے بلند حصے پر ڈال دیں گے، "نجوة" ٹیلہ کو یا اونچے، بلند مقام کو کہتے ہیں۔

یہاں پر بعض حضرات نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ "نُنَجِّیکَ" نجات سے نہیں نکلا بلکہ "نجوۃ" سے نکلا ہے "نجوۃ" بلند مقام کو کہتے ہیں، کوئی ٹیلہ وغیرہ تو معنی یہ ہوئے کہ ہم تمہاری لاش کو ٹیلے پر، یا زمین کے کسی ایسے حصے پر اونچا اور نمایاں جگہ پر لیجا کر رکھ دیں گے، تا کہ تم اپنے آنے والوں کیلئے نشانۂ عبرت بن جاؤ۔

بظاہر یہ تفسیر جو کی گئی ہے کہ "نجوۃ" مراد ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ سمجھنا ذرا مشکل ہو رہا تھا کہ فرعون کا بدن کیسے محفوظ رہے گا۔ تو اس واسطے شاید یہ تفسیر کی گئی ہو۔

چنانچہ بعض روایتیں اسکے اندر یہ بھی مذکور ہیں اگر چہ اسرائیلی روایتیں ہیں، ہوا یہ تھا کہ جب فرعون غرق ہو گیا تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمارا تو نہیں خیال کہ وہ غرق ہوا ہو، ہمارا خیال ہے کہ وہ کہیں چھپ چھپا گیا اور پھر کسی وقت نکل آئے گا۔ اس قسم کی باتیں بنی اسرائیل نے کرنی شروع کر دیں۔

اسکے جواب میں اللہ جل جلالہ نے یہ کیا کہ فرعون کی لاش اوپر آ گئی، تو اس وقت بنی اسرائیل نے دیکھا کہ واقعی غرق ہو گیا۔ تو "نُنَجِّیکَ" کے معنی ہے اللہ جل جلالہ نے اس کو اوپر کر دیا۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ لاش کا اوپر آ جانا یہ فرعون سے ہی شروع ہوا یعنی اس سے پہلے اگر کوئی سمندر میں یا دریا میں مر جائے تو اس کی لاش اوپر نہیں آتی تھی اور فرعون کی لاش پہلی مرتبہ اوپر لائی گئی اور اس کے بعد ساری لاشیں اوپر آنی شروع ہو گئیں اور یہ روایت کچھ ایسی ویسی ہی لگتی ہے، لیکن بہر حال تفسیر کی کتابوں میں یہ روایت بھی لکھی ہوئی ہے۔

لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جن حضرات نے تفسیر یہ کی تھی کہ معنی یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ ان کے بدن کو بعد میں آنے والوں کیلئے سالم رکھیں گے۔ اس وقت مفسرین نے جنہوں نے یہی تفسیر کی تھی ان کو پتہ بھی نہیں تھا کہ ان کا بدن کہیں ہے بھی یا نہیں۔ بعد میں اللہ جل جلالہ نے دکھلا دیا، آج ساری دنیا فرعون کی لاش دیکھ رہی ہے، جو آج تک محفوظ ہے اور قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ رکھی ہوئی ہے۔

فرعون کی لاش دیکھنا کیسا ہے؟

میں سب سے پہلے جب ۱۹۶۷ء/۱۹۶۷ء میں قاہرہ گیا تھا تو اس وقت وہ عجائب گھر جا کے دیکھا تھا، اس وقت وہ فرعون جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون مشہور ہے، اسکی لاش مرمت کیلئے پیرس گئی ہوئی تھی، اس وقت تو دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن اور فراعنہ کی لاشیں تھی اور ان فراعنہ میں جو ان کی خواتین تھی ان کے بالوں کی مینڈھیاں تک صحیح سالم ہے۔ بعد میں جب گیا تو اس فرعون کی لاش دیکھنے کا بھی موقع ملا، تو دیکھا کہ نشانِ عبرت پڑا ہوا ہے کالا چہرہ، اور منہ کھلا ہوا ہے، تو قصہ مختصر اس کی لاش اب بھی موجود ہے۔

کسی وقت پتہ نہیں تھا کہ فرعون کی لاش ہوگی، اب تو اللہ ﷻ نے اسکو یوں نشان عبرت بنا کر رکھا ہے۔

لیکن یہ بھی بس ایک گمان ہے، کیونکہ اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون تھا اس کا نام رامیس تھا، اور وہ یہی ہے جس کی لاش پہلے موجود نہیں تھی بعد میں دریافت ہوئی۔ دوسری روایت میں یہ ذکر ہے کہ اس فرعون کا نام منفتح تھا۔ بہر حال اب منفتح کی لاش بھی محفوظ ہے اور رامیس کی لاش بھی محفوظ ہے۔

اصل میں فراعنہ کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب کوئی فرعون مرتا تھا تو اسکی لاش کو تابوت میں بند کر کے رکھتے تھے اور اس کے اوپر مصالحے وغیرہ لگایا کرتے تھے جس سے جسم محفوظ رہتا تھا اور اس کے ساتھ اس کے زیورات سونا چاندی وغیرہ بھی اس میں رکھا کرتے تھے۔ یہ اہرام جو بنے ہوئے ہیں یعنی اہرام مصر تو ان کے اندر فراعنہ کی لاش رکھی جاتی تھی، اس لئے دیگر فراعنہ کی لاشیں تو پہلے سے تھیں۔

لیکن اس کی لاش بعد میں دریافت ہوئی ہے، یہ فرعون چونکہ سمندر میں غرق ہوگیا تھا تو اس واسطے اس کی لاش بظاہر محفوظ نہ رہتی لیکن اللہ ﷻ نے غیب سے ایسا سامان پیدا کیا اور اب سے ڈیڑھ، دوسو سال پہلے اس کی لاش ملی اور جس وقت ملی ہے تو باہر کے کسی ٹیلے سے ملی ہے اور جو آثار قدیمہ کے ماہرین ہیں انہوں نے علامات سے یہ تعین کیا کہ یہ وہی فرعون ہے۔ **واللہ اعلم۔**

اب اس کو قطعی یقینی تو نہیں کہہ سکتے لیکن آثار قدیمہ کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ وہی فرعون ہے۔

سوال: فرعون کے پاس جانا کیسا ہے جب کہ مواضع عذاب سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟

جواب: مواضع عذاب سے حتی الامکان جلدی نکلنا چاہئے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نکلے، البتہ جس کیلئے قرآن نے خود کہا کہ ﴿**لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً**﴾ اگر عبرت کیلئے اس کو جا کر دیکھیں تو کوئی حرج نہیں۔

۴۶۸۰ ۔ حدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن أبي بشر، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قدم النبي ﷺ المدينة واليهود تصوم عاشوراء فقالوا: هذا يوم ظهر فيه موسى على فرعون. فقال النبي ﷺ لأصحابه: ((أنتم أحق بموسى منهم فصوموا)). [راجع: ۲۰۰۴]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمانے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، اور وہ لوگ کہتے تھے کہ یہ وہ دن ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ حاصل ہوا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم لوگ ان یہود سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مستحق ہو، اس لئے تم بھی روزہ رکھو۔

(۱۱) سورة هود

سورۂ ہود کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

سورت میں عذابِ الٰہی کے واقعات

یہ سورت بھی مکی ہے اور اس کے مضامین پچھلی سورت کے مضامین سے ملتے جلتے ہیں، البتہ سورۂ یونس میں جن پیغمبروں کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان ہوئے تھے، اس سورت میں انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ خاص طور پر حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت لوط علیہم الصلوۃ والسلام کے واقعات زیادہ تفصیل سے انتہائی بلیغ اور مؤثر اسلوب میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ ﷻ کی نافرمانی بڑی بڑی زور آور قوموں کو تباہ کرچکی ہے، اور جب انسان اسی نافرمانی کی وجہ سے اللہ ﷻ کے قہر اور عذاب کا مستحق ہوجائے تو چاہے وہ کتنے بڑے پیغمبر سے قریبی رشتہ رکھتا ہو، اُس کا یہ رشتہ اُسے عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتا، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو نہیں بچا سکا۔

اس سورت میں عذاب الٰہی کے واقعات اتنے مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود اور اُس جیسی سورتوں نے بوڑھا کردیا ہے یعنی ان سورتوں میں جو تنبیہ کی گئی ہے، اُس کی بنا پر آپ ﷺ کو اپنی امت کے بارے میں بھی یہ خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ بھی اپنی نافرمانی کی وجہ سے اسی طرح کے کسی عذاب کا شکار نہ ہوجائے۔[1]

قال ابن عباس: ﴿عَصِيبٌ﴾ شديد ﴿لاجرم﴾ بلى وقال غيره: ﴿وَحَاقَ﴾ نزل يحيق ينزل ﴿يؤس﴾ فعول من يئست.

---

[1] حدثنا أبو كريب قال: حدثنا معاوية بن هشام، عن شيبان، عن أبي إسحاق، عن عكرمة، عن ابن عباس، قال: قال أبو بكر: يا رسول الله قد شبت، قال: ((شيبتني هود، والواقعة، والمرسلات، وعم يتساءلون، وإذا الشمس كورت)). سنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، رقم: ۳۲۹۷، ج: ۵، ص: ۴۰۲

قال مجاهد: ﴿تَبْتَئِسْ﴾ تحزن ﴿يثنون صُدُورهم﴾ شک وامتراءٌ في الحق ﴿لِيَسْتَخْفُوا منه﴾ من الله ان استطاعوا. وقال أبو ميسرة: ﴿الأَوَّاهُ﴾: الرحيم بالحبشة. وقال ابن عباس: ﴿بادِيَ الرأيِ﴾ [۲۷]، ما ظهر لنا.

وقال مجاهد: ﴿الجُودِيِّ﴾ جبل بالجزيرة. وقال الحسن ﴿ إِنَّكَ لأَنتَ الحَلِيمُ﴾[۸۷] يستهزؤن به.

وقال ابن عباس: ﴿أَقْلِعِي﴾ [۴۴]: امسكي. ﴿عَصِيبٌ﴾ [۷۷]: شديد. ﴿لاجرم﴾[۲۲]: بلى. ﴿وَفَارَ التَّنُّورُ﴾ [۴۰]: نبع الماء. وقال عكرمة: وجه الأرض.

ترجمہ وتشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "عَصِيبٌ" بمعنی شدید، سخت کے ہے۔ اور "لاجرم" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ "بلى" کے معنی ہے، یعنی کیوں نہیں، ضرور ایسا ہی ہے۔

بعض نے کہا ہے یعنی حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ نے کہا کہ "وَحَاقَ - يَحِيقُ" بمعنی "نزل - ينزل" یعنی اُتر پڑا، اُتر پڑے گا۔

"يؤس" فعول کے وزن پر ہے، اور یہ "يئست" سے ماخوذ ہے یعنی ناامید ہونا۔

"تَبْتَئِسْ" کے بارے میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ "تحزن" کے معنی میں ہے غمگین ہونا۔

"يثنون صُدُورهم" سینوں کو دُہرا کرتے ہیں، اس کے معنی ہیں کہ حق کے اندر شک کرنا۔

"لِيَسْتَخْفُوا منه" اگر ممکن ہو تو اللہ ﷻ سے چھپالیں۔

یعنی جو تخلی اور مجامعت کے وقت حیاء کرتے تھے تو ان کے متعلق پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

حضرت ابومیسرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "الأَوَّاهُ" کے معنی حبشی زبان میں مہربان کے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "بادِيَ الرأيِ" کے معنی جو ہمیں ظاہر ہوا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "الجُودِيِّ" جزیرہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "إِنَّكَ لأَنتَ الحَلِيمُ" یہ جملہ بطور استہزاء کفار حضرت شعیب علیہ السلام سے کہتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "أَقْلِعِي" کا معنی ہیں رک جا، تھم جا۔

"وَفَارَ التَّنُّورُ" کے معنی ہیں پانی جوش مارنے لگا، پانی پھوٹ پڑا۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تنور سے سطح زمین مراد ہے۔

(۱) باب: ﴿أَلا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ أَلا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ [۵]

باب: ''دیکھو، یہ لوگ اپنے سینوں کو اُس سے چھپنے کے لئے دُہرا کر لیتے ہیں۔ یاد رکھو جب یہ اپنے اُوپر کپڑے لپیٹتے ہیں، اللہ اُن کی وہ باتیں بھی جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں، اور وہ بھی جو یہ علی الاعلان کرتے ہیں۔''

آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال

﴿أَلا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ﴾ اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ یہ مشرکین اور منافقین جب حضور اکرم ﷺ کے دیکھتے ہیں تو اپنے اوپر کپڑا ڈال لیتے ہیں تا کہ آپ ﷺ سے چھپیں، انکا سامنا نہ کرنا پڑے تا کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کی رسالت کے بارے میں اور قرآن کریم کے بارے میں جو شک کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ سے جو دل میں عداوت اور مخالفت اپنے دلوں میں رکھتے اس کو چھپالیں، تو اس پر فرمایا کہ ممکن ہو تو یہ اللہ ﷻ سے بھی چھپالیں، لیکن یہ کسی طرح ممکن نہیں۔

لیکن اس کی ایک صحیح تفسیر وہ ہے جو آگے خود حدیث کے اندر آرہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ بعض مؤمن حیاء کے غلبہ کی وجہ سے استنجاء، جماع اور دیگر بشری ضروریات کے وقت بھی کشف عورت سے پرہیز کرتے تھے، یہاں انکا ذکر ہے۔

بہت سے مشرک لوگ آنحضرت ﷺ کا سامنا کرنے سے اپنے آپ کو بچاتے تھے، تا کہ آپ کی کوئی بات انکے کان میں نہ پڑے، چنانچہ کبھی آنحضرت ﷺ نظر آتے تو وہ اپنے سینوں کو دُہرا کر کے اور اپنے اُوپر کپڑے لپیٹ کر وہاں سے کھسک جاتے تھے۔

اسی طرح بعض احمق جب کوئی گناہ کا کام کرتے تو اُس وقت بھی اپنے آپ کو چھپانے کے لئے دُہرے ہوجاتے، اور اپنے اُوپر کپڑے لپیٹ لیتے، اس طرح یہ سمجھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ گئے۔ [۶]

---

[۶] آسان ترجمہ قرآن، ج:۲، ص:۶۶۸

اسی طرح یہ تفسیر بھی بیان کی گئی ہے کہ اس آیت میں منافقین کے ایک گمانِ بد اور خیال فاسد کی تردید ہے کہ یہ لوگ اپنی عداوت اور رسول کریم ﷺ کی مخالفت کو اپنے نزدیک چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے سینوں میں جو حسد وبغض کی آگ بھری ہوئی ہے اس پر ہر طرح کے پردے ڈالتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس طرح ہمارا اصل حال کسی کو معلوم نہ ہوگا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ کپڑوں کی تہ میں، پردوں کے پیچھے جو کچھ کرتے ہیں، اللہ پر سب کچھ روشن ہے، ﴿إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ کیونکہ وہ تو دلوں کے پوشیدہ اسرار کو بھی خوب جانتے ہیں۔

اس آیت کی ایک اور تفسیر بھی ہے جو درج ذیل حدیث میں آرہی ہے۔

۴۶۸۱ ـ حدثنا الحسن بن محمد بن صباح: حدثنا حجاج قال: قال ابن جريج: اخبرني محمد بن عباد بن جعفر: أنه سمع ابن عباس يقرأ: الا إنهم تثنوني صدورهم. قال: سألته عنها فقال: أناس كانوا يستحيون أن يتخلوا فيفضوا الى السماء وأن يجامعوا نساء هم فيفضوا الى السماء. فنزل ذلك فيهم.

ترجمہ: ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن عباد بن جعفر نے بتایا کہ انہوں نے سنا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ **"الا إنهم تثنوني صدورهم"** پڑھ رہے ہیں۔ کہتے ہیں میں اس آیت کے متعلق ان سے سوال کیا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کچھ لوگ اس بات میں شرم محسوس کرنے لگے کہ اپنا ستر کھول کر قضائے حاجت کریں، اور اس بات سے بھی شرم محسوس کرتے تھے کہ ستر کھول کر اپنی بیویوں سے جماع کریں، تو انہیں لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

۴۶۸۲ ـ حدثني ابراهيم بن موسى: أخبرنا هشام، عن ابن جريج، واخبرني محمد بن عباد بن جعفر: أن ابن عباس قرأ: ألا إنهم تثنوني صدورهم. قلت: يأبا العباس، ماتثنوني صدورهم؟ قال: كان الرجل يجامع امرأته فيستحي أو يتخلي فيستحي، فنزلت: (ألا إنهم يثنون صدورهم).

ترجمہ: محمد بن عباد بن جعفر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے **"ألا إنهم تثنوني صدورهم"** پڑھا تو میں نے عرض کیا اے ابو العباس! **"ماتثنوني صدورهم"** اس کا مطلب کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کچھ لوگ اپنی عورتوں سے جماع کے وقت یا قضائے حاجت کے وقت برہنہ ہونے میں شرم کرتے تھے (انکا خیال تھا کہ ہمیں پروردگار دیکھ رہا ہے)۔ لہٰذا یہ آیت نازل اس وقت ہوئی۔

۴۶۸۳ ـ حدثنا الحميدي: حدثنا سفيان: حدثنا عمرو قال: قرأ ابن عباس ﴿ألا

إِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ أَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ﴾. وقال غيره، وعن ابن عباس: ﴿يَسْتَغْشُوْنَ﴾: يغطون رؤوسهم.

ترجمہ: عمرو (بن دینار) بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت ﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ أَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ﴾ اسی طرح پڑھی۔ (عمرو بن دینار کے علاوہ) دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "يَسْتَغْشُوْنَ" کا معنی بیان فرمایا کہ وہ لوگ اپنے سر ڈھانپ لیتے ہیں۔

سِيءَ بهم: ساءَ ظَنُّه بقومه. ﴿وَضَاقَ بِهِمْ﴾ باضيافه.

﴿بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ﴾: بسوادٍ. وقال مجاهد: ﴿أُنِيبُ﴾: أرجع.

ترجمہ وتشریح

"سيء بهم" کے معنی یہ ہے کہ اپنی قوم سے بدگمان ہوئے۔ "وَضَاقَ بِهِمْ" یعنی اپنے مہمان کو دیکھ کر رنجیدہ ہوئے، تنگ دل ہوئے۔

جب حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی حرکات کی وجہ سے ان سے بدگمان ہوئے اور مہمانوں (فرشتوں) کے آنے سے بہت تنگ دل ہوئے۔

"بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْل" کے معنی رات کی سیاہی۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "أُنِيبُ" بمعنی "أرجع" یعنی میں رجوع کرتا ہوں۔

(۲) باب قوله: ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾ [۷]

اس ارشاد کا بیان کہ: "جبکہ اُس کا عرش پانی پر تھا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ عرش اور پانی کی تخلیق زمین اور آسمانوں سے پہلے ہو چکی تھی۔

۴۶۸۴ - حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب: حدثنا أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال: ((قال الله عزوجل: أنفق أُنفق عليك، وقال: يد الله ملأى لا تغيضها نفقة سحاء الليل والنهار)). وقال: ((أرأيتم ما أنفق منذ خلق السماء والأرض

فانه لم يغض ما في يده وكان عرشه على الماء، وبيده الميزان يخفض ويرفع))۔ ۳

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ جل جلالہ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے تو مجھے دے، تو میں تجھے دوں گا، پھر فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے (یعنی اللہ جل جلالہ کا خزانہ بھرا ہوا ہے)، اگر دن رات خرچ کرتا رہے، تب بھی خالی نہیں ہوتا۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب سے اللہ نے زمین وآسمان کو بنایا ہے کس قدر خرچ کر دیا ہے، مگر پھر بھی اس کی کوئی خزانے (نعمت) میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور اللہ جل جلالہ کا عرش پانی پر تھا، اس کے ہاتھ میں (رزق کا) ترازو ہے جس طرح چاہتا ہے جھکا دیتا ہے اور جس کے لئے مناسب خیال کرتا ہے اٹھا دیتا ہے۔

﴿اعْتَرَاكَ﴾، افتعلك من عروته أي أصبته. ومنه يعروه واعترانى.

﴿آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا﴾ أي في مُلكه وسلطانه. ﴿عَنِيدٌ﴾ وعنود وعائد واحد.

﴿اسْتَعْمَرَكُمْ﴾: جعلكم عمارا، اعمرته الدار فهي عمرى: جعلتها له.

﴿نَكِرَهُمْ﴾ وأنكرهم واستنكرهم واحد.

﴿حَمِيدٌ مَجِيدٌ﴾: كأنه فعيل من ماجد، محمود: من حميد.

﴿سِجِّيلٍ﴾: الشديد الكبير، سجيل وسجين الام واللام والنون أختان، وقال تميم بن مقبل:

ورجلة يضربون البيض ضاحية — ضرباً تواصى به الأطفال سجيناً۔

ترجمہ وتشریح

"اعْتَرَاكَ" باب افتعال سے، لفظ "عروته" سے ہے، یعنی تجھے میں نے مصیبت میں مبتلاء کر دیا۔ اور اسی سے "يعروه واعترانى" ہے، جس کے معنی ہیں اس پر چھا گیا۔

---

۳ وفي صحيح مسلم، كتاب الكسوف، باب الحث على النفقة وتبشير المنفق بالخلف، رقم: ۹۹۳، وسنن الترمذي، أبواب التفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، رقم: ۳۰۴۵، وسنن ابن ماجه، افتتاح الكتاب في الإيمان وفضائل الصحابة والعلم، باب فيما أنكرت الجهمية، رقم: ۱۹۷، وكتاب الكفارات، باب النهي عن النذر، رقم: ۲۱۲۳، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، رقم: ۷۲۹۸، ۸۱۴۰، ۹۹۸۵، ۱۰۵۰۰.

اس طرح "اعتراک" کے معنی ہوئے تجھ پر چھا گیا، تجھ کو مصیبت میں مبتلاء کردیا۔

"آخذ بناصیتها" یعنی اس کی حکومت اور قبضہ میں سے۔

"عَنِیدٌ، عنود، عاند" سب کے معنی ایک ہی ہیں یعنی سخت تکبر و سرکشی والا۔

"استعمرکم" تم کو بسایا، تم کو عمارت بنا کر آباد ہونے کی قدرت دی۔ عرب کہتے ہیں یعنی یہ گھر میں نے اس کو تمام زندگی کے لئے دے ڈالا۔ پس وہ "عمریٰ" ہے، میں نے اس کو دے دیا۔

"نَکِرَهُمْ، وانکرهم واستنکرهم" سب کے ایک ہی معنی ہیں۔

"حَمِیدٌ مَجِیدٌ" یہ فعیل کے وزن پر ہے، "ماجد" سے اسمِ فاعل بمعنی کرم کرنے والا، بخشش کرنے والا، "حَمِید" بمعنی "محمود" - سراہا گیا، تعریف کیا ہوا۔

"سِجّیل" اور "سجین" دونوں کے معنی شدید، اور بڑے کے آتے ہیں، "سِجّیل" اور "سجین" دونوں میں لام اور نون دونوں بہنیں ہیں یعنی حروف زائدہ ہیں۔

عام طور پر اس کے معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ "سِجّیلٍ مَّنضُوْد" گارے کی مٹی۔

اور یہ اصل میں فارسی لفظ ہے "سنگ" اور "گل" سے ملا کر اس کو معرب کیا گیا "سِجّیل" یہاں پر جو دوسری تفسیر کی گئی کہ "سِجّیل" کے معنی شدید کے بھی آتے ہیں اور اس پر تمیم ابن مقبل کا ایک شعر بھی پیش کیا ہے ۔

ورجلة يضربون البيض ضاحية

ضرباً تواصى به الأطفال سجيناً

بہت سے پیادے ایسے ہیں جو کھلے میدان میں خود کے اوپر مارتے ہیں

کہ بہادر لوگ ایک دوسرے کو اسکی وصیت کرتے ہیں۔

"بیض" جمع "بیضة" - تلوار کی ضرب سے بچنے کیلئے سر پر پہننے والے خود کو کہتے ہیں، اور "ضاحیة" کے معنی کھلے میدان کے بھی ہیں اور چاشت کے وقت کے بھی ہیں، اور "سجیناً" صفت ہے "ضرباً" کی۔

(۳) باب:

یہ باب بلاعنوان ہے۔

﴿وإلىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْباً﴾: الى أهل مدين لأن مدين بلد. ومثله، ﴿وَاسأَلِ الْقَرْيَةَ﴾، ﴿وَاسأَلِ العِيرَ﴾، يعنى أهل القرية والعير.

﴿وَرَاءَ کُمْ ظِهْرِيًّا﴾: يقول: لم تلتفتوا اليه، ويقال اذالم يقض الرجل حاجته: ظهرت بحاجتي وجعلتني ظهريا. والظهري ههنا: أن تأخذ معك دابة أووعاء تستظهر به.

﴿أَرَاذِلُنَا﴾: سقاطنا. ﴿إِجْرَامِي﴾: هو مصدر من أجرمت، وبعضهم يقول: جرمت. ﴿الْفُلْكُ﴾ والفلک واحد وهي الفينة والسفن.

﴿مُجْرَاهَا﴾: مَدْفَعُها، وهو مصدر أجْرَيْتُ، وأرْسَيْتُ: حَبَسْتُ، ويقرأ: ومَجْراها: من جَرَتْ هي. مَرْساها، من رَسَتْ هي، ومُجْرِيها: ومُرْسِيها، من فُعِلَ بها. الرَّاسِيات: ثابتاتٌ.

ترجمہ وتشریح

﴿وإِلىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْباً﴾ یعنی مدین والوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہاں پر مضاف محذوف ہے۔

اسی کی دوسری مثال یہ ہے "واسال القرية" بستی سے پوچھیں اور یہ اصل میں "وَاسالِ العَيرَ" کے معنی میں ہے کہ قافلہ والوں سے پوچھیں۔

"وَرَاءَ کُمْ ظِهْرِيًّا" پس پشت ڈال دیا، یعنی اس کی طرف توجہ نہیں کی، جب کسی کا مقصد پورا نہ ہو تو اہلِ عرب کہتے ہیں کہ "ظهرت بحاجتي وجعلتني ظهريا" اور میری ضرورت اور حاجت کو پسِ پشت ڈال دیا، نظر انداز کر دیا اور مجھ کو پیچھے کر دیا یعنی میری طرف متوجہ نہیں ہوا۔

اس جگہ "ظهري" سے وہ جانور۔ یا برتن مراد ہیں جو کام یا ضرورت کیلئے ساتھ رکھتے ہیں۔

"أَرَاذِلُنا" اس کے معنی ہیں بالکل گرے پڑے لوگ۔

"إِجْرَامِي" یہ "أَجْرَمْتُ" کا مصدر ہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ "جَرَمْتُ" سے ہے۔

"الفُلک" واحد اور جمع دونوں میں مستعمل ہے یعنی کشتی اور کشتیاں۔

"مُجْرَاهَا" میم کے ضمہ کے ساتھ بمعنی "مَدْفَعُها" یعنی کشتی کا چلنا یہ مصدر ہے "أجْرَيْت" کا، اسی طرح "أرْسَيْت"، بمعنی "حَبَسْتُ" یعنی میں نے کشتی کو لنگر لگا دیا، روک دیا۔

بعض نے "مَجْراها" میم کے فتحہ کے ساتھ کہا ہے اور یہ ماخوذ ہے "من جَرَتْ هي" یعنی وہ کشتی چل پڑی۔ اور اسی طرح "مَرْساها" بفتح میم پڑھا ہے، اور یہ بھی ماخوذ ہے "رَسَتْ هي" یعنی وہ کشتی رُک گئی۔

"مُجْرِيها - مُرْسِيها" یعنی اس کشتی کا چلانے والا اور تھامنے والا اللہ ﷻ ہے، اور یہ "فُعِلَ بها"

یعنی مجہول سے ماخوذ ہے۔

"الرّاسِیات" کے معنی ہیں لنگر انداز اور "ثابِتاتٌ" کے معنی ٹھہری ہوئی جمی ہوئی۔

(۴) باب قوله: ﴿وَيَقُوْلُ الْأَشْهَادُ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا﴾ [۱۸]

اس ارشاد کا بیان کہ: "اور وہ گواہی دینے والے کہیں گے کہ: یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹی باتیں لگائی تھیں۔"

گواہی دینے والوں میں وہ فرشتے بھی شامل ہیں جو انسانوں کے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام بھی جو اپنی اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے۔ [۶]

واحد الأشهاد شاهد، مثل صاحب وأصحاب.

ترجمہ: "أشهاد" کا واحد "شاهد" ہے، جیسے "صاحب وأصحاب"۔

۴۶۸۵ ـ حدثنا مسدد: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا سعيد وهشام قالا: حدثنا قتادة، عن صفوان بن محرز قال: بينا ابن عمر يطوف إذعرض رجل فقال: أباعبدالرحمٰن، أوقال: ياابن عمر، هل سمعت النبی ﷺ فی النجوی؟ فقال: سمعت النبی ﷺ يقول: ((يدنی المؤمن من ربه)). وقال هشام: ((يدنو المؤمن حتی يضع عليه كنفه فيقرّره بذنوبه. تعرف ذنب كذا يقول: أعرف رب، يقول: أعرف، ـ مرتين ـ فيقول: سترها فی الدنيا واغفرها لک اليوم. ثم تطوی صحيفة حسناته. وأما الآخرون أو الكفار فينادی علی رؤس الأشهاد: هؤلاء الذين كذبوا علی ربهم)).

وقال شيبان، عن قتادة: حدثنا صفوان. [راجع: ۲۴۴۱]

ترجمہ: صفوان بن محرز روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس نے مخاطب ہو کر کہا اے ابا عبدالرحمٰن یا اے ابن عمر! کیا آپ نے نبی کریم ﷺ سے سرگوشی (جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے کریگا) کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ مؤمن کو اپنے رب

---

[۶] آسان ترجمہ قرآن، سورہ ہود: ۱۸، حاشیہ: ۱۳، ج: ۲، ص: ۶۷۳

کے قریب لایا جائے گا۔ اور ہشام کہتے ہیں کہ قیامت کے دن مؤمن اپنے رب کے قریب ہو جائے گا، اللہ ﷻ اپنا ایک طرف اس پر رکھے گا (سایۂ رحمت مراد ہے) اور اسکے گناہوں کا اقرار کرائے گا۔ بندہ عرض کرے گا کہ جی ہاں! میں اپنے گناہوں کا اقرار اور اعتراف کرتا ہوں، بے شک مجھسے گناہ ہوئے ہیں، چنانچہ دو مرتبہ اسی طرح اقرار کرے گا، اسکے بعد اللہ ﷻ ارشاد فرمائے گا میں نے دنیا میں تمہارے گناہوں کو چھپایا تھا، آج بھی تم کو بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا دفتر لپیٹ دیا جائے گا، مگر جہاں تک بات ہے دوسرے لوگوں کی یا کافروں کی، تو گواہوں کے سامنے ان کو آواز لگائی جائے گی اور فرمائے گا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھے تھے۔

اور شیبان نے اس حدیث کو قتادہ سے روایت کیا کہ ہم سے صفوان نے روایت بیان کی۔

(۵) باب قوله: ﴿وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ [۱۰۲]

اس ارشاد کا بیان کہ: "اور جو بستیاں ظالم ہوتی ہیں، تمہارا ربّ جب اُن کو گرفت میں لیتا ہے تو اُس کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ واقعی اُس کی پکڑ بڑی دردناک، بڑی سخت ہے۔"

﴿الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ﴾: العون المعين، رفدته: اعنته.
﴿تَرْكَنُوْا﴾: تميلوا. ﴿فَلَوْلَا كَانَ﴾: فهلا كان. ﴿أُتْرِفُوْا﴾: اهلكوا.
وقال ابن عباس: ﴿زَفِيْرٌ وَشَهِيْقٌ﴾: شديد وصوت ضعيف.

ترجمہ وتشریح

"**الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ**" بمعنی "**العون المعين**" یعنی مدد جودی جائے، عربوں کا مقولہ ہے "**رفدته**" میں نے اسکی مدد کی۔

"**تَرْكَنُوْا**" کا مطلب ہے جھکو، مائل ہو جاؤ۔

"**فَلَوْلَا كَانَ**" بمعنی "**فهلا كان**" پھر کیوں نہ ہوئے۔

"**أُتْرِفُوْا**" بمعنی "**اهلكوا**" یعنی ہلاک کئے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "**زَفِيْرٌ**" کے معنی ہیں خطرناک آواز، "**شَهِيْقٌ**" کے معنی

ہیں ہلکی آواز۔

۴۶۸۶ ـ حدثنا صدقة بن الفضل: أخبرنا أبومعاوية: حدثنا برید بن أبی بردة، عن أبیه، عن أبی بردة، عن أبی موسى رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((ان الله لیملی للظالم حتی اذا أخذه لم یفلته))، قال: ثم قرأ ﴿وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾. ۵

ترجمہ: حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل جلالہ ظالم کو مہلت دیتا ہے، مگر جب اس کی گرفت فرماتا ہے تو پھر اس کو نہیں چھوڑتا ہے۔ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اسکے بعد آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی ﴿وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾۔

(۶) باب قوله: ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفاً مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ الآیة [۱۱۴]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور (اے پیغمبر!) دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو۔“

اوقاتِ صلوٰۃ کا اجمالی بیان

یہاں رسول کریم ﷺ کو مخاطب کر کے آپ کو اور آپ کی پوری امت کو اقامتِ صلوۃ کا حکم دیا گیا ہے۔

علماءِ تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ "صلوۃ" سے مراد اس جگہ فرض نمازیں ہیں۔ ۶

”صلوۃ کی اقامت“ سے مراد اُسکی پوری پابندی اور مداومت ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ نماز کو اُسکے تمام آداب کے ساتھ ادا کرنا مُراد ہے۔

---

۵ وفی صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم، رقم: ۲۵۸۳، وسنن الترمذی، أبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة هود، رقم: ۳۱۱۰، وسنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب العقوبات، رقم: ۴۰۱۸

۶ تفسیر القرطبی، ج: ۹، ص: ۱۰۹

بعض نے فرمایا کہ نماز کو اس کے افضل وقت میں ادا کرنا مراد ہے۔

یہ تینوں اقوال "**أَقِمِ الصَّلَاةَ**" کی تفسیر میں منقول ہیں اور درحقیقت یہ کوئی اختلاف نہیں یہ سبھی چیزیں "**اقامتِ صلوۃ**" کے مفہوم میں شامل ہیں۔

اقامت صلوۃ کا حکم دینے کے بعد نماز کے اوقات کا اجمالی بیان یہ ہے کہ "**دن کے دونوں سروں یعنی شروع اور آخر میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو**"۔

دن کے دونوں سروں کی نماز کے متعلق اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ پہلے سرے کی نماز نمازِ فجر ہے، آخری سرے کی نماز کو بعض حضرات نے مغرب کو قرار دیا ہے کہ دن کے بالکل ختم پر ہے اور بعض حضرات نے عصر کی نماز کو دن کے آخری سرے کی نماز قرار دیا ہے، کیونکہ دن کی آخری نماز وہی ہے، مغرب کا وقت دن کا جز نہیں بلکہ دن گزرنے کے بعد آتا ہے۔

"**وَزُلَفاً مِنَ اللَّيْلِ**" یعنی رات کے حصوں کی نماز سے مراد جمہور مفسرین نے مغرب وعشاء کی نماز کو قرار دیا ہے اور ایک حدیث سے اسکی تائید ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "**هما زلفتا الليل المغرب والعشاء**" یعنی رات کے بعض حصوں میں نماز سے مراد مغرب وعشاء کی نمازیں ہیں۔ [۷]

چنانچہ **طرفی النهار** — سے مراد صبح اور عصر کی نماز ہوئی اور **زلفا من الليل** — سے مراد مغرب وعشاء ہے، تو اس آیت میں چار نمازوں کے اوقات کا بیان آگیا صرف ظہر کی نماز کا بیان رہ گیا جو دوسری آیت ﴿**أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ**﴾ [الاسراء: ۷۸] میں آیا ہے۔

عظیم فائدہ

اس آیت مذکورہ میں اقامتِ صلوۃ کے حکم کے بعد ان کا ایک عظیم فائدہ بھی بتایا گیا ہے کہ ﴿**إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ**﴾ یعنی نیک کام بُرے کاموں کو مٹا دیتے ہیں۔

حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ نیک کام سے تمام نیک کام مراد ہیں جن میں نماز، روزہ، زکوۃ، صدقات، حسن خلق، حسن معاملہ وغیرہ سب داخل ہیں مگر نماز کو ان سب میں اولیت حاصل ہے۔

اسی طرح "**سَيِّـئَات**" کا لفظ تمام برے کاموں کو حاوی اور شامل ہے خواہ وہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ،

---

[۷] تفسیر ابن کثیر، ج: ۴، ص: ۳۰۴

لیکن قرآن مجید کی ایک دوسری آیت نیز رسول اللہ ﷺ کے متعدد ارشادات نے اس کو صغیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے معنی یہ ہیں کہ نیک کام جن میں نماز سب سے افضل ہے، صغیرہ گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں اور ان کے گناہ کو مٹا دیتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے کہ

﴿إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾

یعنی اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا خود کفارہ کر دیں گے۔ [۸]

﴿وَزُلَفاً﴾ ساعات بعد ساعات. منه سميت المزدلفة. الزلف: منزلة بعد منزلة. وأما ﴿زُلْفَى﴾ فمصدر من القربى. ازدلفوا: اجتمعوا. ﴿أَزْلَفْنَا﴾: جمعنا.

ترجمہ وتشریح

"وَزُلَفاً" کے معنی ہیں ساعت بساعت اور اسی سے "مزدلفة" نکلا ہے، کیونکہ مزدلفہ میں لوگ رات کے وقت میں آتے ہیں۔ "زلف" کے معنی ہیں منزل بمنزل۔

"زُلْفَى" مصدر ہے اور اس کا مطلب ہے قریب۔

اور "ازدلفوا" کے معنی ہیں جمع ہو گئے۔

"أَزْلَفْنَا" کے معنی ہم نے جمع کیا اور یہ متعدی ہے۔

۴۶۸۷ ـ حدثنا مسدد: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا سليمان التيمي، عن أبي عثمان، عن ابن مسعود ﷺ أن رجلا أصاب من امرأة قبلة فأتى رسول الله ﷺ فذكر ذلك له فأنزلت عليه ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفاً مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ﴾ . قال الرجل: ألي هذه؟ قال: ((لمن عمل بها من أمتي)). [راجع: ۵۲۶]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود ﷺ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک غیر عورت کا بوسہ لیا، اور پھر یہ

---

[۸] معارف القرآن، ج:۴، ص:۶۷۶، ۶۷۷، وعمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۳۲۴

بات رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر بیان کر دی (اور معافی کی التجا کی)، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفاً مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ﴾ تو اس آدمی نے عرض کیا کہ کیا یہ حکم صرف میرے لئے ہے یا سب کیلئے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میری امت میں سے جو بھی اس پر عمل سب کے لئے ہے۔

(۱۲) سورة یوسف

سورۂ یوسف کا بیان

بسم الله الرحمن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔ یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔

کنویں سے بازارِ مصر تک

اسیری سے زعیم سلطنت تک کا سفر

بعض روایات میں ہے کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ سوال کروایا تھا کہ بنو اسرائیل کے لوگ جو فلسطین کے باشندے تھے، مصر میں جا کر کیوں آباد ہوئے؟

ان لوگوں کا خیال تھا کہ آپ ﷺ کے پاس چونکہ بنو اسرائیل کی تاریخ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس لئے آپ اس سوال کا جواب نہیں دے پائیں گے اور اس طرح آپ ﷺ کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع مل جائیگا کہ آپ (معاذ اللہ) سچے نبی نہیں ہیں۔

اس سوال کے جواب میں اللہ ﷻ نے یہ پوری سورۂ یوسف نازل فرمادی جس میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔

دراصل بنو اسرائیل کے جدامجد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، انہی کا دوسرا نام اسرائیل بھی تھا۔ انکے بارہ صاحبزادے تھے، انہی کی نسل سے بنو اسرائیل کے بارہ قبیلے پیدا ہوئے۔ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے صاحبزادوں کے ساتھ فلسطین میں مقیم تھے جن میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین بھی شامل تھے۔ ان دونوں کے سوتیلے بھائیوں نے سازش کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں میں ڈال دیا، جہاں سے ایک قافلے نے انہیں اٹھا کر مصر کے ایک سردار کے ہاتھ بیچ دیا، شروع میں وہ غلامی کی زندگی گذارتے رہے، لیکن اُس واقعے کے تحت جسکی تفصیل اس سورت میں آرہی ہے، اس سردار کی بیوی زلیخا نے

انہیں گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا۔

اللہ ﷻ کا کرنا ایسا ہوا کہ مصر کے بادشاہ کے ایک خواب کی صحیح تعبیر دینے پر بادشاہ ان پر مہربان ہوا، اور انہیں نہ صرف جیل سے نکال کر باعزت بری کر دیا، بلکہ انہیں اپنا وزیر خزانہ مقرر کیا، اور بعد میں حکومت کے سارے اختیارات انہی کو سونپ دیئے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو فلسطین سے مصر بلوالیا، اس طرح بنو اسرائیل فلسطین سے مصر منتقل ہو گئے۔

احسن القصص - نہایت حسین طرزِ بیان

سورۂ یوسف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ ایک ہی تسلسل میں نہایت حسین اور بہترین طرزِ بیان کے ساتھ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جس کو قرآن کریم میں **احسن القصص** یعنی بہترین واقعہ کہا گیا ہے اور تقریباً پوری سورت اسی کیلئے وقف ہے، یہ واقعہ کسی اور سورت میں نہیں آیا۔

اس واقعے کو اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کر کے اللہ ﷻ نے ان کافروں پر ایک حجت قائم فرما دی ہے جو آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ یہ بات ان پر بھی واضح تھی کہ اس واقعے کا علم ہونے کا آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لہٰذا یہ تفصیل آپ کو وحی کے علاوہ کسی اور طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

اسکے علاوہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کفار مکہ کی طرف سے جن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اُن کے پیش نظر اس واقعے میں آپ کے لئے تسلی کا بھی بڑا سامان تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کی سازش کے نتیجے میں بڑے سخت حالات سے گذرے، لیکن آخر کار اللہ ﷻ نے انہی کو عزت، شوکت اور سر بلندی عطا فرمائی، جن لوگوں نے انہیں تکلیفوں کا نشانہ بنایا تھا، اُن سب کو اُنکے آگے جھکنا پڑا۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کو اگرچہ مکہ مکرمہ میں تکلیفیں اُٹھانی پڑ رہی ہیں، لیکن آخر کار یہ سازشی لوگ آپ ہی کے سامنے جھکیں گے اور حق غالب ہو کر رہے گا۔ اس کے علاوہ بھی اس واقعے میں مسلمانوں کیلئے بہت سے سبق ہیں، شاید اسی لئے اللہ ﷻ نے اس کو بہترین قصہ قرار دیا ہے۔[1]

وقال فضيل، عن حصين، عن مجاهد: ﴿مُتَّكَأً﴾: الأترج: بالحبشية متكا. وقال ابن عيينة، عن رجل، عن مجاهد: مُتْكاً: كل شيء قطع بالسكين. وقال قتادة: ﴿لَذُو عِلْمٍ﴾: عامل بما علم.

---

[1] آسان ترجمہ قرآن، ج:۲، ص:۷۰۶، ۷۰۷

وقال سعيد بن جبير: ﴿صُواعٌ﴾: مكوك الفارسي الذى يلتقي طرفاه، كانت تشرب به الأعاجم. وقال ابن عباس: ﴿تُفَنِّدُونِ﴾: تجهلون.

وقال غيره: ﴿غَيابَةِ الجُبِّ﴾: كل شيء غيب عنك شيئا فهو غيابة. و﴿الجُبِّ﴾ الركية التى لم تطو. ﴿بِمُؤْمِنٍ لَنا﴾: بمصدق. ﴿أَشُدَّهُ﴾ قبل أن يأخذ في النقصان يقال: بلغ أشده، وبلغوا أشدهم. وقال بعضهم: واحدها شد.

والمتكأ: ما اتكأت عليه لشراب أولحديث أولطعام، وأبطل الذى قال: الأترج، وليس في كلام العرب الأترج فلما احتج عليهم بأنه المتكأ من نمارق فروا الى شر منه، فقالوا: انما هو المتك ساكنة التاء، وانما المتك طرف البظر. ومن ذلك قيل لها: متكاء وابن المتكاء فان كان ثم أترج فانه بعد المتكأ.

﴿شَغَفَها﴾: يقال: بلغ الى شغافها، وهو غلاف قلبها، واما شعفها: فمن المشعوف. ﴿أَصْبُ إِلَيْهِنَّ﴾: أميل اليهن حبا. ﴿أَضْغاثُ أَحْلامٍ﴾: ما لا تاويل له.

والضغث ملءُ اليد من حشيش وما أشبهه ومنه. ﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثاً﴾ [ص:۴۴] لا من قوله: ﴿أَضْغاثُ أَحْلامٍ﴾ واحدها ضغث.

﴿نَمِيرُ﴾: من الميرة. ﴿وَنَزْدادُ كَيْلَ بَعِيرٍ﴾: مايحمل بعير. ﴿آوَى إِلَيْهِ﴾: ضم اليه. ﴿السِّقايَةَ﴾: مكيال.

﴿استيأسوا﴾ يئسوا أو لاتيأسوا من روح الله معناه الرجاء ﴿خَلَصُوا نَجِيًّا﴾ اعترفوا نجيا والجمع أنجية يتناجون، الواحد: نجيّ والاثنان والجمع نجي وأنجية ﴿تَفْتَؤُ﴾: لاتزال.

﴿حَرَضاً﴾ محرضا: يذيبك الهم. ﴿تَحَسَّسُوا﴾: تخبّروا. ﴿مُزْجاةٍ﴾: قليلة. ﴿غاشِيَةٌ مِنْ عَذابِ اللهِ﴾: عامة مجللة.

ترجمہ وتشریح

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ، حصین سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''مُتْکاً'' بمعنی ''الاترج'' اور اسکی تفصیل بتارہے ہیں کہ حبشی زبان میں ''متکا'' لیموں کو کہتے ہیں۔

اور حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ایک آدمی کے واسطے سے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ **"مُتْكاً"** ہر وہ چیز ہے جس کو چھری سے کاٹا جاتا ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"لَذُو عِلْمٍ"** کے معنی ہیں اپنے علم پر عمل کرنے والا۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ، لفظ **"صُواعُ"** کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فارس والوں یعنی اہل عراق کا ایک پیمانہ ہے جس کے دونوں طرف مل جاتے ہیں، اور عجم کے لوگ اس برتن سے پیتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ **"تُفَنِّدُون"** کے معنی ہیں **"تجهلون"** یعنی تم جاہل نہ کہو، نقصان عقل کی طرف منسوب نہ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ یعنی حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ نے کہا کہ **"غَيَابَةِ الجُبّ"** کنویں کی تاریکی اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ چیز جو تم سے کسی چیز کو چھپا دے، غائب کر دے۔

"الجُبّ" وہ کنواں ہے جس کی بندش نہ ہوئی ہو یعنی اوپر چاروں طرف دیوار نہ ہو۔

"بِمُؤْمِنٍ لَنا" بمعنی **"بمصدق"** یعنی ہماری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

"أَشُدَّهُ" سے مراد وہ عمر ہے جو نقصان و انحطاط سے پہلے ہو، یعنی تیس برس تک انسان کی نشو نما مکمل ہو جاتی ہے، چالیس برس کے بعد انسان کے جسم میں انحطاط و زوال شروع ہو جاتا ہے، تو اس درمیانی عرصے کو کہتے ہیں۔

بعض لوگ یعنی اہلِ عرب کہتے ہیں کہ **"بلغ أشده، وبلغوا اشدهم"** یعنی اپنی قوت اور جوانی پر پہونچ گیا۔ اور بعض لوگ یعنی سیبویہ نے کہا کہ **"أَشُدّ"** کا واحد **"شَدّ"** ہے۔

یہاں سے امام بخاری رحمہ اللہ دوبارہ لفظ **"معكا"** پر بحث شروع کر رہے ہیں۔

"معكا" وہ چیز یعنی وہ مسند گاؤ تکیہ جس پر کھانے پینے یا بات کرنے کیلئے ٹیک لگائیں۔ اور غلط کہا ان لوگوں نے کہ جنہوں نے اسکا معنی **"الأترج"** بیان کیا۔ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ کی تقلید میں کہتے ہیں کہ **"معكا"** کا معنی جو حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے **"الأترج"** یعنی لیموں کہا ہے وہ غلط ہے۔

کلام عرب میں **"الأترج"** نہیں ہے یعنی **"معكا"** کا معنی عربی میں **"الأترج"** بالکل نہیں آیا ہے۔

پھر جب ان کے خلاف دلیل پیش کی گئی کہ **"معكا"** کے معنی مسند اور تکیہ کے ہیں تو وہ اس سے بھی بدتر معنی جو عقلاً اور نقلاً بالکل غلط ہو بیان کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ لفظ **"معك"** - تاء کے سکون کے ساتھ یعنی بلا تشدید ہے اور یہ غلط اس لئے کہ **"معك"** عورت کے شرم گاہ کا کنارہ ہے، جہاں سے عورت کا ختنہ کرتے ہیں تو ختنہ کے بعد جو حصہ باقی رہتا ہے اس کو **"متك"** کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے عورت کو **"مَتكا"** اور اسکے بیٹے کو "ابن

المتکأ" کہا جاتا ہے۔

پھر اگر وہاں زلیخا کی مجلس میں لیموں رہا ہوگا تو مسند تکیہ کے بعد ہی ہوگا۔

"**شَغَفَها**" کے معنی ہیں اسکے شغاف تک جا پہنچا، اور "**شغاف**" دل کے غلاف / پردے کو کہتے ہیں۔

اور جہاں تک بات ہے "**شعفها**" سے کی تو یہ لفظ "**مشعوف**" سے مشتق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک قرأت عین مہملہ کے ساتھ ہے جو "**مشعوف**" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں فریفتہ شدہ یعنی یوسف نے اس کو فریفتہ کر دیا۔

"**اَصْبُ اِلَيْهِنَّ**" بمعنی "**اميل اليهن حبا**" یعنی میں ان کی طرف محبت سے مائل ہو جاؤں گا۔

"**اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ**" کے معنی وہ خواب جن کی کوئی تعبیر نہ ہو اور "**الضغث**" یعنی مفرد اس معنی میں ہوتا ہے کہ گھاس یا اس کی طرح کی کوئی چیز تنکے وغیرہ سے مٹھی کو بھر لینا۔

سورہ ص کی یہ آیت ﴿**وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا**﴾ اسی معنی میں ہے۔ جبکہ یہاں سورہ یوسف میں جو ﴿**اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ**﴾ آیا ہے وہ اس مفرد کے معنی میں نہیں ہے۔

"**نَمِيرُ**" ماخوذ ہے "**الميرة**" سے جس کے معنی ہیں غلہ لانا۔

"**وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ**" سے مراد یہ ہے کہ ایک اونٹ جو بوجھ اٹھا سکے۔

"**آوَى اِلَيْهِ**" کے معنی ہیں "**ضم اليه**" اپنے ساتھ ملا لیا، اپنے پاس جگہ دی۔

فرماتے ہیں "**السِّقَايَةُ**" کے معنی ہیں "**مكيال**" یعنی پیمانہ۔

"**استيأسوا**" بمعنی ناامید ہو گئے اور یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔

"**خَلَصُوا نَجِيًّا**" بمعنی الگ ہو کر صلاح کرنے لگے۔

"**تَفتؤُ**" بمعنی "**لاتزال**" یعنی تو ہمیشہ رہے گا، برابر رہے گا۔

"**حرضاً**" بمعنی "**محروضا**" مصدر بمعنی اسم مفعول ہے، اسکے معنی ہیں مضمحل، بیمار پھر اسکی تفسیر بیان کرتے ہیں "**يذيبك الهم**" یعنی غم آپ کو گھلا دے گا۔

"**تَحَسَّسُوا**" بمعنی "**تخبروا**" یعنی تم خبر لو، "**تحسس**" کے معنی ہے خبر لینا، تلاش کرنا، ٹوہ لگانا۔

"**مُزْجاةٌ**" کے معنی قلیل و ناقص کے ہیں۔

"**غَاشِيَةٌ مِنْ عَذَابِ اللهِ**" کے معنی ہوئے "**عامة المجلة**" یعنی ایسا عام و عالمگیر عذاب جو انکو محیط ہو کسی کو نہ چھوڑے، ایسا عذاب جو جھل کے طرح ہو جائے۔

(١) باب قوله: ﴿وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَى آلِ يَعْقُوْبَ﴾ الآیة [٦]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''اور تم پر اور یعقوب کی اولاد پر اپنی نعمت اُسی طرح پوری کرے گا۔''

٤٦٨٨ ـ حدثنا عبدالله بن محمد: حدثنا عبدالصمد، عن عبدالرحمٰن بن عبدالله بن دینار، عن أبیه، عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما عن النبی ﷺ قال: ((الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراهیم)). [راجع: ٣٣٨٢]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عزت والے، عزت والے کے بیٹے، عزت والے پوتے، عزت والے کے پڑپوتے، حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، ان کے والد یعقوب علیہ السلام دادا اسحاق علیہ السلام، پردادا ابراہیم علیہ السلام (سب پیغمبر) تھے۔

(٢) باب قوله: ﴿لَقَدْ كَانَ فِي يُوْسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِيْنَ﴾ [٧]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ (تم سے یہ واقعہ) پوچھ رہے ہیں، اُن کیلئے یوسف اور اُن کے بھائیوں (کے حالات میں) بڑی نشانیاں ہیں۔''

قصہ یوسف علیہ السلام میں عقل والوں کیلئے نشانیاں

اس آیت میں اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ اس سورۃ میں آنے والے قصۂ یوسف علیہ السلام کو محض ایک قصہ نہ سمجھو، بلکہ اس میں سوال کرنے والوں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی بڑی نشانیاں اور ہدایتیں ہیں۔

اس سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کی آزمائش کیلئے یہ قصہ آپ سے پوچھا تھا ان کیلئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔ روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ کی مکہ معظمہ میں بعثت ہوئی اور اس کی خبر یثرب (مدینہ منورہ) پہنچی تو وہاں کے یہودیوں نے اپنے چند آدمی اس کام کے لئے مکہ معظمہ بھیجے کہ وہ جاکر آنحضرت ﷺ کی آزمائش کریں، اس لئے یہ سوال ایک مبہم انداز میں اس طرح کیا گیا کہ اگر آپ خدا کے سچے نبی ہیں تو یہ بتائیے کہ وہ کونسا پیغمبر ہے جس کا ایک بیٹا ملک شام سے مصر لے جایا گیا اور باپ اس کے غم میں روتے

روتے نابینا ہو گئے۔

یہ واقعہ یہودیوں نے اس لئے منتخب کیا تھا کہ نہ اس کی کوئی عام شہرت تھی، نہ مکہ میں کوئی اس واقعہ سے واقف تھا اور اس وقت مکہ میں اہل کتاب میں سے بھی کوئی نہ تھا جس سے بحوالہ تورات وانجیل اس قصہ کا کوئی جزء معلوم ہوسکتا، ان کے اس سوال پر ہی پوری سورۂ یوسف نازل ہوئی جس میں حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کا پورا قصہ مذکور ہے اور اتنی تفصیل سے مذکور ہے کہ تورات وانجیل میں بھی اتنی تفصیل نہیں، اس لئے اس کا بیان کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا ہوا معجزہ تھا۔

اور اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قطع نظر سوال یہود کے خود یہ واقعہ ایسے امور پر مشتمل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی بڑی نشانیاں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے بڑی ہدایتیں اور احکام ومسائل موجود ہیں کہ جس بچے کو بھائیوں نے ہلاکت کے غار میں ڈال دیا تھا اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور کس طرح اس کی حفاظت کی، اپنے خاص بندوں کو اپنے احکام کی پابندی کا کس قدر گہرا رنگ عطا فرمایا کہ نوجوانی کے زمانے میں تعیش کا بہترین موقع ملتا ہے، مگر وہ خدا تعالیٰ کے خوف سے نفس کی خواہشات پر کیسا قابو پاتے ہیں کہ صاف اس بلا سے نکل جاتے ہیں اور یہ کہ جو شخص نیکی اور تقویٰ اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے مخالفین کے مقابلے میں کیسی عزت دیتے ہیں اور مخالفین کو اس کے قدموں میں لا ڈالتے ہیں۔

یہ سب عبرتیں اور نصیحتیں اور قدرتِ الٰہیہ کی عظیم نشانیاں ہیں جو ہر تحقیق کرنے والے اور غور کرنے والے کو معلوم ہوسکتی ہیں۔ [۲]

۴۶۸۹ ــ حدثني محمد: أخبرنا عبدة، عن عبيدالله، عن سعيد بن أبي سعيد، عن أبي هريرة ﷺ قال: سئل رسول الله ﷺ: أي الناس أكرم؟ قال: ((أكرمهم عندالله أتقاهم))، قالوا: ليس عن هذا نسألك، قال: ((فأكرم الناس يوسف نبي الله ابن نبي الله ابن نبي الله ابن خليل الله)). قالوا: ليس عن هذا نسألك، قال: ((فعن معادن العرب تسألوني؟)) قالوا: نعم، قال: ((فخياركم في الجاهلية خياركم في الاسلام اذا فقهوا)).

تابعه أبو اسامة، عن عبيدالله. [راجع: ۳۳۵۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سب سے زیادہ عزت وشرافت والا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ﷻ کے نزدیک سب سے عزت وشرافت والا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیز گار ہو۔ لوگوں نے عرض کیا، ہمارا سوال کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے؟

---

[۲] معارف القرآن، ج:۵، ص:۲۸، ۲۹، و تفسیر قرطبی، ج: ۹، ص: ۱۳۰، ۱۲۹

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو پھر سب سے زیادہ صاحب عزت وشرافت والے اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، جو اللہ کے نبی (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے بیٹے، اللہ کے نبی (حضرت اسحاق علیہ السلام) کے پوتے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پڑپوتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارا مطلب یہ بھی نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تو کیا تم لوگ مجھ سے عرب کے خاندانوں کے متعلق پوچھتے ہو؟ تو کہنے لگے جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو جاہلیت میں شریف تھے وہ اسلام میں بھی شریف ہیں، جب کہ دین کی سمجھ کو حاصل کریں یعنی صاحب علم ہوں۔ ابواسامہ نے اس میں (عبدہ) کی متابعت کی ہے، عبیداللہ سے روایت کرنے میں۔

(۳) باب قوله: ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ﴾ [۱۸]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''اُن کے والد نے کہا: (حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ تمہارے دِلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے۔ اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔''

۴۶۹۰ ـ حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ: حدثنا ابراهیم بن سعد، عن صالح، عن ابن شهاب. قال: وحدثنا الحجاج: حدثنا عبداللہ بن عمر النمیری: حدثنا یونس ابن یزید الأیلی قال: سمعت الزهری: سمعت عروة ابن الزبیر، وسعید بن المسیب، وعلقمة بن وقاص، وعبیداللہ بن عبداللہ، عن حدیث عائشة زوج النبی ﷺ حین قال لها أهل الافک ماقالوا فبرأها اللہ. کل حدثنی طائفة من الحدیث. قال النبی ﷺ: ((ان کنت بریئة فسیبرئک اللہ، وان کنت الممت بذنب فاستغفری اللہ وتوبی الیه)). قلت: انی واللہ لاأجد مثلا الا أبا یوسف ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾ وأنزل اللہ ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ﴾ العشر الآیات. [راجع: ۲۵۹۳]

ترجمہ: امام زہری رحمہ اللہ نے بیان کیا میں نے عروہ بن زبیر، سعید بن میتب، علقمہ بن وقاص اور عبیداللہ بن عبداللہ رحمہم اللہ اجمعین سے نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ کے متعلق سنا جس میں تہمت لگانے والوں نے آپ پر تہمت لگائی تھی، پھر اللہ ﷻ نے ان کی پاکی ظاہر کردی تھی۔ ان تمام حضرات (عروہ بن زبیر، سعید بن میتب، علقمہ بن وقاص اور عبیداللہ بن عبداللہ رحمہم اللہ اجمعین) نے مجھ سے اس واقعہ کا ایک ایک حصہ بیان کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا کہ اگر تم اس سب سے بری ہو تو اللہ ﷻ عنقریب تمہارا ان سب تہمتوں سے بری ہونے کا اعلان فرمادے گا (یعنی تمہاری پاکی

ظاہر کر دے گا) اور اگر تم آلودہ ہوگئی ہو اس گناہ سے تو اللہ ﷻ سے مغفرت طلب کر و اور اس کے سامنے توبہ کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں کہا کہ اللہ کی قسم! میں تو حضرت یوسف ﷺ کے والد کے علاوہ کسی کی مثال نہیں پاتی ہوں، ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾ یعنی اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ اور جو باتیں بنائی جارہی ہیں، ان پر اللہ ہی کی مدد درکار ہے۔ اور پھر اللہ ﷻ نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں) یہ دس آیات نازل فرمائیں ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ﴾۔

۴۶۹۱ ـ حدثنا موسى: حدثنا أبو عوانة، عن حصين، عن أبي وائل: حدثني مسروق بن الأجدع قال: حدثتني، أم رومان، وهي أم عائشة قالت: بينا أنا وعائشة أخذتها الحمى، فقال النبي ﷺ: ((لعل في حديث تحدث))، قالت: نعم، وقعدت عائشة، قالت: مثلي ومثلكم كيعقوب وبنيه ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾. [راجع: ۳۳۸۸]

ترجمہ: مسروق ابن اجدع کا بیان ہے کہ مجھ سے ام رومان رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، جو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہیں، کہ میں اور عائشہ بیٹھے ہوئے تھے کہ عائشہ کو بخار چڑھ گیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کہ غالباً یہ ان باتوں کی وجہ سے ہوا ہوگا، جو کہ بولی جارہی ہیں۔ ام رومان نے عرض کیا کہ جی ہاں! ایسا ہی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں کہ میری اور آپ لوگوں کی مثال حضرت یعقوب ﷺ اور ان کے بیٹوں جیسی ہے یعنی یعقوب ﷺ نے بیٹوں سے فرمایا تھا ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾۔ [۳]

(۴) باب قوله: ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾ [۲۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے، اُس نے اُن کو ورغلانے کی کوشش کی، اور سارے دروازے بند کرنے کے بعد کہنے لگی: آ بھی جاؤ۔''

وقال عكرمة: ﴿هَيْتَ لَكَ﴾ بالحورانية هلم. وقال ابن جبير: تعاله.

---

[۳] واقعۂ افک ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافک، ج: ۹، ص: ۴۲۹ تا ۴۷۱

ترجمہ: حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا "ھَیْتَ لَکَ" حورانی زبان میں بمعنی "ھلم" یعنی آجاؤ اور حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا کہ بمعنی "تعاله" ہے یعنی آجاؤ۔

۴۶۹۲ ۔ حدثنی أحمد بن سعید: حدثنا بشر بن عمر: حدثنا شعبة، عن سلیمان، عن أبی وائل، عن عبداللہ بن مسعود: ﴿قَالَتْ هَیْتَ لَکَ﴾، وانما نقرؤها کما علمناها. ﴿مَثْوَاهُ﴾: مقامه. ﴿وَأَلْفَیَا﴾: وجدا، ﴿أَلْفَوْا آبَاءَ هُمْ﴾، ﴿أَلْفَیْنَا﴾.

وعن ابن مسعود: ﴿بَلْ عَجِبْتَ وَیَسْخَرُوْنَ﴾ [الصافات: ۱۲].

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے (اس آیت کے بارے میں) روایت ہے کہ ﴿قَالَتْ هَیْتَ لَکَ﴾ بلاشبہ ہم اس کو پڑھتے ہیں جس طرح ہمیں اس کی تعلیم دی گئی یعنی آنحضرت ﷺ نے جیسے ہمیں سکھایا۔

"مَثْوَاهُ" بمعنی "مقامه" یعنی اس کا ٹھکانہ، اور "وَأَلْفَیَا" کسی چیز کو پانے / حاصل کرنے کے معنی میں ہے، یعنی دونوں نے پایا، ﴿أَلْفَوْا آبَاءَ هُمْ﴾ انہوں نے اپنے باپ دادا کو پایا، اور ﴿أَلْفَیْنَا﴾ یعنی ہم نے پایا، یہ دونوں اسی معنی میں ہیں۔

حضرت ابن مسعود ﷺ سے روایت ہے کہ ﴿بَلْ عَجِبْتَ وَیَسْخَرُوْنَ﴾ یہ آیت اس سورہ یعنی سورہ یوسف میں نہیں بلکہ یہ آیت سورہ صافات کی ہے۔

۴۶۹۳ ۔ حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان، عن الأعمش، عن مسلم، عن مسروق، عن عبداللہ ﷺ أن قریشا لما أبطؤا عن النبی ﷺ بالاسلام قال: ((اللّٰهم اکفنیهم بسبع کسبع یوسف))، فأصابتهم سنة حصت کل شیء حتی أکلوا العظام حتی جعل الرجل ینظر الی السماء فیری بینه وبینها مثل الدخان. قال اللہ: ﴿فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَأْتِی السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِیْنٍ﴾ [الدخان: ۱۰] **قال اللہ: ﴿إِنَّا کَاشِفُوْا الْعَذَابِ قَلِیْلاً إِنَّکُمْ عَائِدُوْنَ﴾** [الدخان: ۱۵]. **أفیکشف عنهم العذاب یوم القیامة؟ وقد مضی الدخان ومضت البطشة.** [راجع: ۱۰۰۷]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت ہے کہ قریش نے جب نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے میں تاخیر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات برس کا قحط پڑا تھا ان پر ایسا قحط بھیج۔ پھر ان لوگوں پر ایسا قحط آیا کہ ہر چیز کو ختم کر دیا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے ہڈیوں کو کھایا، جو شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو اپنے درمیان اور آسمان کے درمیان دھواں سا دیکھتا (یعنی شدت بھوک و کثرت فاقہ سے بینائی بھی کمزور ہوگئی کہ جب اوپر دیکھتا تو دھواں سا نظر آتا)۔ اسی پر اللہ جل جلالہ نے فرمایا ﴿فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَأْتِی السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِیْنٍ﴾ اب آپ ان کیلئے اس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان ایک واضح دھواں لائے جو ان سب لوگوں پر عام ہو جائے، اور اللہ جل جلالہ نے فرمایا ﴿إِنَّا کَاشِفُوْا الْعَذَابِ قَلِیْلاً إِنَّکُمْ عَائِدُوْنَ﴾ ہم

تھوڑی مدت کیلئے اس عذاب کو ہٹا دیتے ہیں، مگر تم پھر اپنی اسی حالت کفر پر آ جاؤ گے۔ (حضرت ابن مسعود ﷺ نے فرمایا کہ) کیا قیامت کے روز ان کافروں سے عذاب کو ہٹایا جائے گا؟ بلکہ یہ دھویں کا تو واقعہ گذر چکا اور ان کی پکڑ بھی ہو چکی۔

(۵) باب قوله: ﴿فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ﴾ الی قوله ﴿قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ﴾ [۵۰،۵۱]

اس ارشاد کا بیان کہ: "چنانچہ جب اُن کے پاس ایلچی پہنچا تو یوسف نے کہا: اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ، اور اُن سے پوچھو کہ اُن عورتوں کا کیا قصہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ میرا پروردگار ان عورتوں کے مکر سے خوب واقف ہے۔ بادشاہ نے (اُن عورتوں کو بلا کر اُن سے) کہا: تمہارا کیا قصہ تھا جب تم نے یوسف کو ورغلانے کی کوشش کی تھی؟ ان سب عورتوں نے کہا کہ: حاشاللہ!"۔

یعنی حضرت یوسف ﷺ نے قاصد سے کہا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا کر پہلے یہ دریافت کرو کہ آپ کے نزدیک ان عورتوں کا معاملہ کس طرح ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، کیا اس واقعہ میں وہ مجھے مشتبہ سمجھتے ہیں؟ میرا کوئی قصور قرار دیتے ہیں؟ یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اس وقت یوسف ﷺ ان عورتوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے ہاتھ کاٹ لئے تھے، عزیز کی بیوی کا نام نہیں جو اصل سبب تھی، اس میں اس حق کی رعایت تھی جو عزیز کے گھر میں پرورش پانے سے فطرۃً شریف انسان کے لئے قابل لحاظ ہوتا ہے۔

اور ایک بات یہ بھی کہ ہے کہ اصل مقصود اپنی برأت کا ثبوت تھا، وہ ان عورتوں سے بھی ہو سکتا تھا اور اس میں عورتوں کی بھی کوئی زیادہ رسوائی نہ تھی، اگر وہ سچی بات کا اقرار کر بھی لیتیں تو صرف مشورہ ہی کی مجرم ٹھہرتیں، بخلاف عزیز کی بیوی کے کہ اس کو تحقیقات کا ہدف بنایا جاتا، تو اس کی رسوائی زیادہ تھی۔ [۲]

اور اس کے ساتھ ہی حضرت یوسف ﷺ نے فرمایا کہ ﴿إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ﴾ یعنی میرا پروردگار تو ان کے جھوٹ اور مکر و فریب کو جانتا ہی ہے میں چاہتا ہوں کہ بادشاہ بھی حقیقتِ واقعہ سے واقف ہو جائیں، جس میں ایک لطیف انداز سے اپنی برأت کا اظہار بھی ہے۔

---

[۲] تفسیر القرطبی، یوسف: ۵۰،۵۱، ج: ۹، ص: ۲۰۶، ۲۰۷

حاش وحاشا لتنزيه واستثناء. ﴿حَصْحَصَ﴾: وضح.

ترجمہ: "**حاش وحاشا**" کے معنی ہیں پاکی بیان کرنا، استثناء کرنا۔ "**حَصْحَصَ**" کے معنی واضح ہونا۔

۴۶۹۴ ۔ حدثنا سعيد بن تليد: حدثنا عبدالرحمن بن القاسم، عن بكر بن مضر، عن عمرو بن الحارث، عن يونس بن يزيد، عن ابن شهاب، عن سعيد بن المسيب وأبي سلمة بن عبدالرحمن، عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: ((يرحم الله لوطا لقد كان يأوي الى ركن شديد، ولو لبثت في السجن ما لبث يوسف لأجبت الداعي. ونحن أحق من ابراهيم اذ قال له: ﴿أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ [البقرة: ۲۶۰])). [راجع: ۳۳۷۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت لوط ﷺ پر رحم فرمائے بے شک وہ مضبوط اور مستحکم پناہ حاصل کر رہے تھے، اور اگر میں اتنے دونوں تک قید خانہ میں رہتا جتنے دنوں حضرت یوسف ﷺ رہے تھے تو بلانے والے کی بات رد نہ کرتا۔ اور ہمارے کو بہ نسبت حضرت ابراہیم ﷺ کے (شک کرنے کے) زیادہ حقدار ہیں، جب اللہ ﷻ نے ان سے فرمایا ﴿**أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي**﴾۔

مقام عبدیت

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں حضرت یوسف ﷺ کی جگہ ہوتا اتنے دن جتنے دن وہ رہے تو میں بلانے والے کی دعوت کو قبول کر لیتا۔ تو بعض لوگوں نے تو معنی یہ کئے ہیں کہ گویا حضور اکرم ﷺ حضرت یوسف ﷺ کی عزیمت کی تعریف فرما رہے ہیں کہ انہوں نے بڑی عزیمت کا معاملہ کیا، میں ہوتا تو رخصت پر عمل کرتا۔

تو گویا بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت یوسف ﷺ کی فضیلت جزئیہ ثابت کی جا رہی ہے لیکن مجھے یہ لگتا ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ کہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ عبدیت کا تقاضا یہ تھا کہ اس دعوت کو قبول کر لیا جائے اور میں چونکہ عبدیت کے تقاضے پر زیادہ عمل کرتا ہوں تو میں قبول کر لیتا۔

کیونکہ عبدیت کے معنی یہ ہے کہ انسان اللہ ﷻ کے سامنے اپنی احتیاج ظاہر کریں اور اللہ ﷻ کے سامنے زیادہ بہادر بننا زیادہ اچھا نہیں، تو یہ بندگی کا زیادہ تقاضا تھا۔ تو حضور ﷺ کے اوپر شان عبدیت زیادہ غالب تھی۔ اس واسطے آپ نے فرمایا کہ "**ما خير رسول بين أمرين**" اللہ کے سامنے اپنی شکستگی کے اظہار کے لئے اور اپنی بندگی کا اظہار کرنے کے لئے۔

(۶) باب قوله: ﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ﴾ [۱۱۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہاں تک کہ جب پیغمبر مایوس ہو گئے۔“

۴۶۹۵ - حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ: حدثنا ابراھیم بن سعد، عن صالح، عن ابن شھاب قال: اخبرنی عروۃ بن الزبیر، عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت لہ وھو یسألہ عن قول اللہ تعالیٰ: ﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ﴾ قال: قلت: أکُذِبُوْا ام کُذِّبُوْا؟ قالت عائشۃ: کُذِّبُوْا. قلت: فقد استیقنوا أن قومھم کَذَّبُوْھُمْ فما ھو بالظن. قالت: أجل لعمری لقد استیقنوا بذلک، فقلت لھا: وظنوا أنھم قد کُذِبُوْا، قالت: معاذ اللہ، لم تکن الرسل تظن ذلک بربھا، قلت فما ھذہ الآیۃ؟ قالت: ھم اتباع الرسل الذین آمنوا بربھم وصدقوھم فطال علیھم البلاء واستأخر عنھم النصر حتی إذا استیأس الرسل ممن کذبھم من قومھم وظنت الرسل أن اتباعھم قد کذبوھم جاء ھم نصر اللہ عند ذلک. [راجع: ۳۳۸۹]

ترجمہ: ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، جب وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس ارشادِ باری تعالیٰ ﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ﴾ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ عروہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آیت کریمہ میں ”کُذِبُوْا“ بلا تشدید ہے یا ”کُذِّبُوْا“ تشدید کے ساتھ ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تشدید کے ساتھ ”کُذِّبُوْا“ ہے۔ تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ پیغمبروں کو تو یقین تھا کہ ان کی قوم انہیں جھٹلا رہی ہے، پھر ”ظن“ سے کیا مراد ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہاں! اپنی زندگی کی قسم پیغمبروں کو اس کا یقین تھا یعنی تم نے صحیح کہا۔ اسکے بعد میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ پھر کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ (”قد کُذِبُوْا“ بلا تشدید تخفیف ذال کی صورت میں یہ معنیٰ ہوگا) ان (پیغمبروں) کو گمان تھا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اللہ کی پناہ ہو! پیغمبروں کو اپنے پروردگار کے ساتھ اس طرح کا کوئی گمان نہیں تھا۔ میں نے کہا پھر آیت کا مطلب کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مراد رسولوں کے متبعین ہیں جو اپنے رب پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی لیکن جب ان پر جب مصیبتیں اور پریشانیاں طویل ہوگئی اور مدد آنے پر دیر ہوگئی اتنی کہ پیغمبر اپنی قوم کے ان لوگوں سے مایوس ہو گئے، جنہوں نے ان کی تکذیب کی تھی، اور پیغمبروں اس بات سے ڈرنے لگے کہ کہیں

وہ لوگ انہیں نہ جھٹلا دیں جو ان کے ساتھ ہیں، تو اس وقت اللہ ﷻ کی مدد آن پہنچی۔

۴۶۹۶ - حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعیب، عن الزهری قال: أخبرنی عروة، فقلت: لعلها کُذِبُوْا، مخففة، قالت: معاذ اللہ نحوه. [راجع: ۳۳۸۹]

ترجمہ: حضرت عروہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ شائد آیت میں لفظ "کُذِبُوْا" یعنی ذال تخفیف کے ساتھ ہے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ معاذ اللہ! پھر وہی تفصیل جو پچھلی روایت میں بیان ہوئی۔

اشکال وجواب

یعنی تاخیر عذاب سے دھوکہ مت کھاؤ، پہلی قوموں کو بھی لمبی مہلتیں دی گئیں اور عذاب آنے میں اتنی دیر ہوئی کہ منکرین بالکل بے فکر ہو کر بیش از بیش شرارتیں کرنے لگیں۔

یہ حالات دیکھ کر پیغمبروں کو ان کے ایمان لانے کی کوئی امید نہ رہی، ادھر خدا کی طرف سے ان کو ڈھیل اس قدر دی گئی کہ مدت دراز تک عذاب کے کچھ آثار نہ نظر آتے تھے، غرض دونوں طرف کے حالات وآثار پیغمبروں کے لئے "یاس انگیز" تھے۔

یہ منظر دیکھ کر کفار نے یقینی طور پر یہ خیال کرلیا کہ انبیاء کرامؑ سے جو وعدے ان کی نصرت اور ہماری ہلاکت کے کئے گئے تھے سب جھوٹی باتیں ہیں۔ عذاب وغیرہ ڈھکوسلہ صرف ڈرانے کے واسطے تھا۔

کچھ بعید نہیں کہ ایسی مایوس کن اضطراب انگیز حالت میں انبیاء کرامؑ کے قلوب میں بھی یہ خیالات آنے لگے ہوں کہ وعدہ عذاب کو جس رنگ میں ہم نے سمجھا تھا وہ صحیح نہ تھا یا وساوس وخطرات کے درجہ میں بے اختیار یہ وہم گزرنے لگے ہوں کہ ہماری نصرت اور منکرین کی ہلاکت کے جو وعدے کئے گئے تھے کیا وہ پورے نہ کئے جائیں گے؟

جیسے دوسری جگہ فرمایا ﴿وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ﴾ [بقرہ: رکوع، ۲۶] جب مجرمین کی بے خوفی اور انبیاء کرام کی تشویش اس حد تک پہنچ گئی اس وقت ناگہاں آسمانی مدد آئی، پھر جس کو خدا نے چاہا یعنی فرمانبردار مؤمنین کو محفوظ ومصون رکھا، اور مجرموں کی جڑ کاٹ دی۔ [۵]

---

۵ اس آیت کی مکمل تفسیر، تفصیل اور وضاحت سورۃ البقرہ میں گزری ہے، ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری [کتاب التفسیر: حصہ اول]، ج: ۱۱، (۳۸) باب: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ الآية [۲۱۴]

(۱۳) سورة الرعد

سورۂ رعد کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ سورت مکی ہے اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں، یہ سورت بھی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔

قدرتِ کاملہ، وحدانیت، عقیدۂ رسالت و آخرت

اس کا بنیادی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات اور ان پر عائد کئے جانے والے اعتراضات کا جواب ہے۔

پچھلی سورت یعنی سورۂ یوسف کے آخر (آیت نمبر ۱۰۵) میں اللہ ﷻ نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ ﷻ کی قدرت کاملہ اور اسکی وحدانیت کی بہت سی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن کفار ان کی طرف دھیان دینے کے بجائے ان سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

اب اس سورت میں کائنات کی ان نشانیوں کی کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے جو پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ جس قادر مطلق نے اس کائنات کا یہ محیر العقول نظام بنایا ہے، اُسے اپنی خدائی قائم کرنے کیلئے کسی مددگار یا شریک کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس کائنات کا ہر ذرہ اللہ ﷻ کی توحید کی بھی گواہی دیتا ہے اور اس بات کی بھی کہ یہ سارا نظام اس نے بے مقصد پیدا نہیں کر دیا۔ اس کا یقیناً کوئی مقصد ہے اور وہ یہ کہ اس دنیوی زندگی میں کئے ہوئے ہر کام کا کسی دن حساب ہو اور اُس دن نیکیوں کا انعام اور برائیوں کی سزا دی جائے۔ اس سے خود بخود آخرت کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔

پھر نیکی اور برائی کا تعین کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے واضح ہدایات بندوں کو دی جائیں۔ ان ہدایات کا ذریعہ اللہ ﷻ کے پیغمبر ہیں جو وحی کے ذریعے اللہ ﷻ کے احکام معلوم کر کے دنیا والوں تک پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا اسی سے رسالت کا عقیدہ بھی ثابت ہوتا ہے۔

کائنات کی جونشانیاں اس سورت میں بیان کی گئی ہیں، ان میں بادلوں کی گرج چمک بھی ہے جس کا ذکر اس سورت (آیت نمبر ۳۱) میں آیا ہے۔

عربی میں گرج کو "الرعد" کہا جاتا ہے۔ اسی پر اس سورت کا نام "رعد" رکھا گیا ہے۔

وقال ابن عباس: ﴿كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ﴾ مثل المشرك الذى عبد مع الله إلها غيره كمثل العطشان الذى ينظر الى ظل خياله فى الماء من بعيد وهو يريد أن يتناوله ولا يقدر.

وقال غيره: ﴿مُتَجَاوِرَاتٌ﴾: متدانيات. وقال غيره: ﴿الْمَثُلَاتُ﴾ واحدها مثله: وهى الأشباه والأمثال. وقال ﴿إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا﴾ [يونس: ۱۰۲]. ﴿بِمِقْدَارٍ﴾: بقدر.

يقال ﴿مُعَقِّبَاتٌ﴾: ملائكة حفظة تعقب الأولى منها الأخرى. ومنه قيل: العقيب، أى: عقبت فى اثره. ﴿الْمِحَالِ﴾: العقوبة. ﴿رَابِيًا﴾: من ربا يربوا.

﴿أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ﴾ مثله، المتاع: ما تمتعت به. ﴿جُفَاءً﴾: يقال: أجفأت القدر: اذا غلت فعلاها الزبد، ثم تسكن فيذهب الزبد بلا منفعة فكذلك يميز الحق من الباطل.

﴿الْمِهَادُ﴾: الفراش. ﴿يَدْرَءُونَ﴾: يدفعون. درأته عنى: دفعته. ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُم﴾: أى يقولون: سلام عليكم، والمتاب اليه: توبتى. ﴿أَفَلَمْ يَيْأَسِ﴾: أفلم يتبين.

﴿قَارِعَةٌ﴾: داهية. ﴿فَأَمْلَيْتُ﴾: أطلت، من الملى والملاوة ومنه مليا، ويقال اللواسع الطويل من الأرض: ملى. ﴿أَشَقُّ﴾: أشد، من المشقة. ﴿مُعَقِّبٌ﴾: مغير.

وقال المجاهد: ﴿مُتَجَاوِرَاتٌ﴾: طيبها عذب وخبيثها السباخ. ﴿صِنْوَانٌ﴾: النخلتان أوأكثر فى أصل واحد. ﴿وَغَيْرُ صِنْوَانٍ﴾ وحدها.

﴿السَّحَابَ الثِّقَالَ﴾: الذى فيه الماء. ﴿كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ﴾ يدعو الماء بلسانه ويشير اليه بيده فلا يأتيه أبداً.

﴿فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا﴾ تملأبطن واد. ﴿زَبَدًا رَابِيًا﴾: الزبد السيل مثله زبد. خبث الحديد والحلية.

ترجمہ وتشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ﴾ یہ مشرک کی مثال ہے، جو اللہ ﷻ کے سوا دوسروں کی پوجا کرتا ہے، اس کی مثال اس پیاسے جیسی ہے جو پانی کا تصور کر کے دور سے اپنے ہاتھ کو

بڑھاتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو حاصل کرے، لیکن اس پر قدرت نہیں ہے یعنی نہیں لے سکتا۔

"مُتَجَاوِرَاتٌ" بمعنی **"متدانیات"** یعنی آپس میں قریب ہیں، ملے ہوئے ہیں۔

"المَثُلاتُ" جمع ہے، اسکا واحد **"مثلہ"** ہے اور اس کے معنی ہیں اشباہ وامثال کے جیسے سورہ یونس میں اللہ ﷻ نے فرمایا **﴿إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا﴾** یعنی اب یہ لوگ صرف ان لوگوں کے مشابہ واقعات کا انتظار کررہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔

"بِمِقْدَارٍ" بمعنی **"بقدر"** یعنی معین انداز، مقررہ اندازہ کرنا کہ نہ اس سے بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے۔

"مُعَقِّبَاتٌ" سے مراد نگہبانی کرنے والے فرشتے ہیں، ان فرشتوں میں سے پہلی جماعت کے بعد دوسری جماعت آتی ہے یعنی باری باری آنے والے فرشتوں کی جماعتیں اور اسی سے کہا گیا **"العقیب"** یعنی میں اسکے نشانِ قدم پر پیچھے پیچھے آیا، اس کی پیروی کی۔

"المِحَالِ" بمعنی **"العُقُوبة"** یعنی عقوبت، سختی، عذاب۔

لفظ **"رَابِيًا"** یہ **"ربا۔ یربو"** سے مشتق ہے جس کے معنی پھولنے اور چڑھنے کے ہیں۔

اس آیت **"أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ"** میں **"متاع"** کے معنی ہیں جس چیز سے فائدہ اٹھایا جائے۔

"جُفَاءً" کا معنی جھاگ ہے، اور یہ **"اجفات القدر"** سے ماخوذ ہے، جب ہانڈی میں کوئی چیز پکائی جاتی ہے وہ کوئی بھی چیز جوش مارتی ہے، جس سے جھاگ اوپر آتی ہے، پھر جب وہ ہانڈی یا وہ چیز جو اس میں پکائی جاتی ہے وہ ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو اس میں سے بے فائدہ جھاگ ختم ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح باطل حق سے جدا ہو جاتا ہے۔

"المِهَادُ" یعنی بچھونا، بستر، آرام گاہ۔

"يَدْرَؤُنَ" بمعنی **"یدفعون"** دور کیا جیسا کہ **"درأته عنی"** کے معنی ہیں میں نے اس کو خود سے دور کیا۔

"سَلَامٌ عَلَيْكُم" یہاں پر **"یقولون"** فعل محذوف ہے۔

"المتاب الیہ" بمعنی **"توبتی"** یعنی اسکی طرف میرا رجوع کرنا ہے۔ **"متاب"** بمعنی رجوع۔

"أَفَلَمْ يَيْأَسِ" کے معنی ہیں **"افلم یتبین"** یعنی کیا (ایمان والوں پر) یہ بات ظاہر نہیں ہوئی ہے؟

"قَارِعَةٌ" کے معنی ہیں **"داھیة"** یعنی مہلک، آفت، سخت مصیبت۔

"فَأَمْلَيْتُ" بمعنی **"اطلت"** یعنی میں نے مہلت دراز کردی، ڈھیل دیدی، یہ **"المَلِيُّ والمِلاوة"** سے مشتق ہے اور اسی سے ماخوذ ہے **"ملیا"** یعنی حدیث جبرئیل علیہ السلام میں **"لبثت ملیا"** نیز ایک جگہ قرآن پاک میں ہے **"واھجرنی ملیا"** اور کشادہ وطویل زمین یعنی صحرا و بیابان کو **"ملامن

الارض" کہا جاتا ہے۔

"**اشق**" بمعنی "**اشد**" بہت سخت ، شدید ، اور "**المشقة**" سے مشتق ہے یعنی اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔

"**مُعَقِّبَ**" بمعنی "**مغیر**" یعنی بدلنے والا نہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے "**مُتَجَاوِرَات**" کی تفسیر بیان کی ہے کہ زمین کا بعض حصہ عمدہ ہے اور بعض کھاری ردی زمین ہے ویران ہے جس میں کوئی زراعت وغیرہ نہیں ہوتی ہو۔

"**صِنْوَانٌ**" کا مفہوم ہے کہ ایک جڑ سے دو یا زیادہ شاخیں نکلے ہوں اور "**وَغَيْرُ صِنْوَانٍ**" سے مراد ہے کہ ایک جڑ سے ایک ہی تنہ اوپر تک چلا جاتا ہو۔

"**السَّحَابَ الثِّقَالَ**" سے مراد وہ بادل ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہو۔

"**كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ**" یہ ان کافروں کی مثال ہے جو بتوں کو پکارتے ہیں ، انکی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ہاتھ پھیلا کر زبان سے پانی کو بلاتا ہے اور ہاتھ سے اسکی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میرے پاس آؤ ، سو پانی کبھی بھی اس کی طرف نہیں آئے گا ، کیونکہ وہ نہ سنتا ہے ، نہ سمجھتا ہے جیسے بت۔

"**فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا**" کا مفہوم ہے نالہ کا پیٹ یعنی اندرونی حصہ بھر جاتا ہے اپنی اپنی مقدار کے موافق یعنی چھوٹے نالے میں کم اور بڑے نالہ میں زیادہ پانی بھر کر بہنے لگتا ہے۔

"**زَبَدًا رَابِيًا**" سے سیلاب کے اوپر آنے والی جھاگ مراد ہے۔ یہ اس مثال کی طرح ہے جب لوہے یا چاندی کو آگ پر گرم کرتے ہیں تو اس میں جو زنگ وغیرہ ہوتا ہے وہ جھاگ کی صورت میں آجاتا ہے۔

(۱) باب قوله: ﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ﴾ [۸]

اس ارشاد کا بیان کہ: "جس کسی مادہ کو جو حمل ہوتا ہے ، اللہ اُس کو بھی جانتا ہے ، اور ماؤں کے رحم میں جو کوئی کمی بیشی ہوتی ہے ، اُس کو بھی۔"

غيض : نُقِصَ ،

ترجمہ: "**غیض**" بمعنی کمی بیشی۔

كل انثى وما تغيض الأرحام ۔ مذکر ہے یا مؤنث ، پورا ہے یا ادھورا ، اچھا ہے یا برا۔

یعنی حاملہ کے پیٹ میں ایک بچہ ہے یا زیادہ ، پورا بن چکا ہے یا ناتمام ہے ، تھوڑی مدت میں پیدا ہوگا یا زیادہ میں ، یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

غرض پیٹ کے گھٹنے بڑھنے کے تمام اسرار واسباب اور اوقات واحوال کو پوری طرح جانتا ہے، اور اپنے علم محیط کے موافق ہر چیز کو ہر حالت میں اسکے اندازہ اور استعداد کے موافق رکھتا ہے۔

اسی طرح اس نے جو آیات حضرات انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے اتاری ہیں ان میں خاص اندازہ اور مصالح وحکم ملحوظ رہی ہیں، جس وقت جس قدر بنی آدم کی استعداد وصلاحیت کے مطابق نشانات کا ظاہر کرنا مصلحت تھا اس میں کمی نہیں ہوئی، باقی قبول کرنے اور منتفع ہونے کے لحاظ سے لوگوں کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسے حوامل کے پیٹ سے پیدا ہونے والوں کے احوال تفاوت استعداد وتربیت کی بناء پر مختلف ہوتے ہیں۔

۴۶۹۷ ۔ حدثنی ابراهیم بن المنذر: حدثنا معن قال: حدثنی مالک، عن عبداللہ ابن دینار، عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما: أن رسول اللہ ﷺ قال: ((مفاتیح الغیب خمس لایعلمها الا اللہ: لایعلم ما فی غد الا اللہ، ولایعلم ما تغیض الأرحام الا اللہ، ولایعلم متی یأتی المطر أحد الا اللہ، ولاتدری نفس بأی أرض تموت، ولایعلم متی تقوم الساعة الا اللہ)). [راجع: ۱۰۳۹]

ترجمہ: عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غیب کی پانچ باتیں یا کنجیاں ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ کے سواء کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ ماؤں کے رحموں میں کیا ہے؟ یہ اللہ کے سواء کوئی نہیں جانتا۔ بارش کب ہوگی؟ یہ اللہ کے سواء کوئی بھی نہیں جانتا۔ آدمی نہیں جانتا کہ کس جگہ اس کی موت آئے گی؟ کوئی نہیں جانتا قیامت کب آئے گی؟ سوائے اللہ کے۔

مفاتیح الغیب

ایک سائل نے حضور اقدس ﷺ سے ان پانچ چیزوں کے بارے میں دریافت کیا کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ ماؤں کے رحموں میں کیا ہے؟ بارش کب ہوگی؟ کس جگہ انسان کی موت آئے گی؟ قیامت کب آئے گی؟

اس پر سورہ لقمان کی آیت نازل ہوئی:

﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾

ترجمہ: یقیناً (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کسی متنفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا، اور نہ ہی کسی متنفس کو یہ پتہ ہے کہ کونسی زمین میں اُسے موت آئے گی۔ بے شک اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔

اس آیت میں ان پانچوں کے علم کا اللہ ﷻ کے ساتھ مخصوص ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ [۱]

---

[۱] مزید تفصیل و وضاحت کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۱، ص: ۵۷۰، کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۶۰

(۱۴) سورة ابراهيم

سورۂ ابراہیم کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

سورۂ ابراہیم مکی ہے اور اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور ان کا انکار کرنے کے خوفناک نتائج پر تنبیہ ہے۔

وجہ تسمیہ

چونکہ عرب کے مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے، اس لئے سورت کے آخر سے پہلے رکوع میں اُن کی وہ پر اثر دعا نقل فرمائی گئی ہے جس میں انہوں نے شرک اور بت پرستی کی صاف صاف برائی بیان کرتے ہوئے اللہ ﷻ سے درخواست کی ہے کہ انہیں اور ان کے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ ابراہیم ہے۔

قال ابن عباس: ﴿هَادٍ﴾: داع. وقال مجاهد: ﴿صَدِيدٍ﴾: قيح ودم. وقال ابن عيينة: ﴿اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ أيادي الله عندكم وأيامه.

وقال مجاهد: ﴿مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ﴾: رغبتم إليه فيه. ﴿تَبْغُونَهَا عِوَجًا﴾: تلتمسون لها عوجا.

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ﴾: أعلمكم، آذنكم. ردّوا أيديهم في أفواههم: هذا مثل، كفوا عما أمروا به.

﴿مَقَامِي﴾: حيث يقيمه الله بين يديه. ﴿مِنْ وَرَائِهِ﴾: قدامه جهنم. ﴿لَكُمْ تَبَعًا﴾: واحدها تابع مثل غيب وغائب.

﴿بِمُصْرِخِكُمْ﴾: استصرخني: استغاثني، ﴿يَسْتَصْرِخُهُ﴾: من الصراخ.

﴿وَلَا خِلَالٌ﴾: مصدر خاللته خلالا، ويجوز أيضا جمع خلة وخلال. ﴿اجْتُثَّتْ﴾:

استؤصلت.

ترجمہ وتشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ **"ھَادٍ"** بمعنی **"داع"** یعنی داعی اور دعوت دینے والے، ہدایت کرنے والے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ **"صَدِیْدٍ"** کے معنی پیپ اور خون کے ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿**اُذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللہِ عَلَیْکُمْ**﴾ سے مراد اللہ ﷻ کی وہ نعمتیں جو تمہارے پاس ہیں اور ان ایام و واقعات کو یاد کرو جن میں اللہ ﷻ نے تم لوگوں کو فرعونیوں سے نجات دی۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ﴿**مِنْ کُلِّ مَا سَأَلْتُمُوْہُ**﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ جن جن چیزوں کی طرف تم کو رغبت ہے تم کو دی، تم نے مانگا یا نہیں مانگا۔

﴿**تَبْغُوْنَھَا عِوَجًا**﴾ کے معنی ہیں **"تلتمسون"** یعنی راہ خدا اور دین حق میں کجی تلاش کرتے ہیں۔

﴿**وَاِذْ تَأَذَّنَ رَبُّکُمْ**﴾ اس آیت میں **"تَأَذَّنَ"** بمعنی **"أعلم"** اور **"آذن"**، جس کے معنی اعلام اور اطلاع کے ہیں۔

"ردّوا أیدیھم فی أفواھھم" یہ ایک اہل عرب کی ایک مثال ہے جو **"کفوا عما أمروا بہ"** کے معنی میں ہے، یعنی جس (حق) بات کا ان لوگوں کو حکم دیا گیا، وہ اس سے باز رہے/اس کو جھٹلا دیا۔

"مَقَامِی" وہ مقام جہاں اللہ ﷻ اپنے سامنے کھڑا کرے گا، یعنی روز قیامت حساب وکتاب کیلئے۔

"مِنْ وَّرَائِہٖ" یعنی اس کے سامنے اس کے آگے دوزخ ہے۔

"تَبَعًا" جمع ہے اسکا واحد **"تابع"** ہے جیسے **"غیب وغائب"** ہیں۔

آیت کریمہ میں ﴿**مَا اَنَا بِمُصْرِخِکُمْ**﴾ کے معنی ہیں **"ما أنا بمغیثکم"** جس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارا امددگار نہیں بن سکتا ہوں۔

"بِمُصْرِخِکُم" کی تفسیر کی ہے **"استصرخنی"** سے جو بمعنی **"استغاثنی"** کے ہے یعنی اس نے مجھ سے فریادرسی طلب کی اور **"یَسْتَصْرِخُہٗ"** ماخوذ ہے **"صراخ"** سے جسکے معنی ہیں فریاد، چیخ وپکار۔

"وَلَا خِلَال" کا مصدر ہے **"خاللتہ خلالاً"** یعنی از باب مفاعلہ **"مخالّۃ"** سے ہے، اسکے علاوہ ہوسکتا ہے کہ یہ **"خلۃ"** کی جمع ہو۔

"اُجْتُثَّتْ" بمعنی "استؤصلت" یعنی جڑ سے اکھاڑ لیا جائے گا۔

(۱) باب قوله: ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ﴾ الآية [۲۴]

اس ارشاد کا بیان کہ: "وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوطی سے جمی ہوئی ہے۔"

كلمة طيبة۔ "ستھری بات" میں کلمہ توحید، معرفت الٰہی کی باتیں، ایمان و ایمانیات، قرآن، حمد و ثنا، تسبیح و تہلیل، سچ بولنا سب داخل ہے۔

شجرة طيبة۔ اکثر روایات میں یہاں "ستھرے درخت" کا مصداق کھجور کو قرار دیا ہے، گو دوسرے ستھرے درخت بھی اسکے تحت میں مندرج ہو سکتے ہیں۔

۴٦٩٨ ۔ حدثني عبيد بن اسماعيل، عن أبي أسامة، عن عبيدالله، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كنا عند رسول الله ﷺ فقال: ((أخبروني بشجرة تشبه، أو كالرجل المسلم، لايتحات ورقها ولا... ولا... ولا...، تؤتي أكلها كل حين))، قال ابن عمر: فوقع في نفسي أنها النخلة، ورأيت أبابكر وعمر لايتكلمان فكرهت أن أتكلم. فلما لم يقولوا شيئا قال رسول الله ﷺ: ((هي النخلة)). فلما قمنا قلت لعمر: يا ابتاه، والله لقد كان وقع في نفسي انها النخلة. فقال: مامنعك أن تكلم؟ قال: لم أركم تكلمون فكرهت أن أتكلم أو أقول شيئا. قال عمر: لأن تكون قلتها أحب الي من كذا وكذا.
[راجع: ٦١]

بولنا علم ہے تو کب بولنا یہ حکمت ہے!

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ مجھے ایسے درخت کے بارے میں بتاؤ جو مشابہ ہے (مسلمان کے)، یا مسلمان مرد کی مانند ہے، جس کے پتے نہیں گرتے اور ایسا نہیں ہوتا۔۔۔۔ ایسا نہیں ہوتا۔۔۔۔ ایسا نہیں ہوتا ۔۔۔۔ (یعنی اسکی تین صفات بیان فرمائیں) اور اپنا پھل ہر موسم میں دیتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن میں نے دیکھا

کہ حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں خاموش ہیں تو میں نے ان کے سامنے بولنا مناسب نہیں سمجھا، پھر جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

جب ہم لوگ وہاں سے اُٹھے تو میں نے (اپنے والد) حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے ابا جان اللہ کی قسم! میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تم کو کس چیز نے بولنے سے روکا؟

انہوں نے کہا میں نے دیکھا آپ حضرات کچھ نہیں بول رہے ہیں تو میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ آگے بڑھ کر کچھ بات کروں یا کچھ بولوں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تو نے بتا دیا ہوتا تو مجھ کو فلاں، فلاں چیز سے زیادہ خوشی ہوتی۔

(۲) باب: ﴿يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ [۲۷]

باب: ''جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ اُن کو اس مضبوط بات پر۔''

ایمان دنیا وآخرت میں ثابت قدمی کا سبب

یعنی حق تعالیٰ توحید و ایمان کی باتوں سے مؤمنین کو دنیا وآخرت میں مضبوط ثابت قدم رکھتا ہے، رہی قبر کی منزل جو دنیا وآخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر یا ادھر جس طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں، چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔

غرض یہ کہ مؤمنین دنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے، دنیا میں کیسی ہی آفات وحوادث پیش آئیں، کتنا ہی سخت امتحان ہو، قبر میں منکر نکیر سے سوال و جواب کا مشکل مرحلہ ہو، محشر کا ہولناک منظر ہوش اُڑا دینے والا ہو، ہر موقع پر یہی کلمہ توحید ان کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔

۴۶۹۹ ـ حدثنا أبو الوليد: حدثنا شعبة قال: أخبرني علقمة بن مرثد قال: سمعت سعد بن عبيدة، عن البراء بن عازب رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: ((المسلم إذا سئل في القبر يشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمّد رسول الله. فذلك قوله: ﴿يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾)). [راجع: ۱۳۶۹]

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان سے جب قبر

میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سواء کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پس یہی مفہوم ہے اس ارشاد الٰہی کا ﴿يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾۔

(۳) باب: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللهِ كُفْراً﴾ [۲۸]

باب: ”کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا۔“

﴿أَلَمْ تَرَ﴾ الم تعلم. كقوله: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا﴾.
﴿الْبَوَارِ﴾: الهلاك. بار يبور بوراً. ﴿قوماً بُوراً﴾: هالكين.

ترجمہ وتشریح

”أَلَمْ تَرَ“ بمعنی کیا تم نہیں جانتے؟ کیا تم نے نہیں دیکھا؟ اسی طرح جیسا کہ ایک دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا﴾ یعنی کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو نکالے گئے؟

”البوار“ بمعنی ہلاکت، یہ ”بار، یبور، بوراً“ سے ماخوذ ہے، اور مصدر ہے۔ اسی سے یہ ﴿قوماً بُوراً﴾ بمعنی ہلاک ہونے والے لوگ رقوم۔

۴۷۰۰ ۔ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان، عن عمرو، عن عطاء: سمع ابن عباس ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللهِ كُفْراً﴾ قال: هم كفار أهل مكة. [راجع: ۳۹۷۷]

ترجمہ: عطاء بن رباح روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللهِ كُفْراً﴾ سے مراد مکہ کے کافر ہیں۔

رؤسائے قریش اور کفرانِ نعمت

اس سے کفار ومشرکین کے سردار مراد ہیں، خصوصاً رؤساءِ قریش جن کے ہاتھ میں اس وقت عرب کی باگ دوڑ تھی، یعنی اللہ جل جلالہ نے ان پر کیسے احسان کئے، ان کی ہدایت کے لئے پیغمبر رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا،

قرآن نازل فرمایا، ان لوگوں کو اپنے مقدس حرم اور بیت اللہ کا مجاور بنایا، پورے عرب کی سرداری ان کو دی۔

﴿الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ - انہوں نے ان نعمتوں اور احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ خدا کی ناشکری پر کمربستہ ہوگئے، اس کی باتوں کو جھٹلایا، اس کے پیغمبروں سے لڑائی کی، آخر "**واحلوا قومهم دار البوار**" یعنی اپنی قوم کو لے کر تباہی کے گڑھے میں جا گرے۔

(۱۵) تفسیر سورۃ الحجر

سورۂ حجر کی تفسیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

کفار کی تردید، مسلمانوں کی تسلی اور مؤثر انداز میں تبلیغ کی تعلیم

اس سورت [کی آیت نمبر ۹۴] سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی، کیونکہ اس آیت میں پہلی بار آپ کو کھل کر اسلام کی عام تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ [1]

سورت کے شروع میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ قرآن کریم اللہ ﷻ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے اور جو لوگ اسکی مخالفت کر رہے ہیں، ایک وقت آئیگا جب وہ تمنا کرینگے کہ کاش وہ اسلام لے آتے۔

یہ لوگ آنحضرت ﷺ کو کبھی —معاذ اللہ— مجنون کہتے اور کبھی کاہن قرار دیتے تھے۔ ان باتوں کی تردید کرتے ہوئے کہانت کی حقیقت [آیت نمبر ۱۷ اور ۱۸ میں] بیان فرمائی گئی ہے۔

ان لوگوں کے کفر کی اصل وجہ ان کا تکبر تھا، اس لئے ابلیس کا واقعہ [آیات نمبر ۲۶ تا ۴۴ میں] بیان کیا گیا ہے کہ اس کے تکبر نے کس طرح اُس کو اللہ ﷻ کی رحمت سے محروم کیا۔

کفار کی عبرت کیلئے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت صالح علیہم السلام کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کافروں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی محنت بیکار جا رہی ہے۔ اُن کا فریضہ اتنا ہے کہ وہ مؤثر انداز میں تبلیغ کریں، جو وہ بہترین طریقے پر انجام دے رہے ہیں۔ نتائج کی ذمہ داری اُن پر نہیں ہے۔

---

[1] وقال الطبری۔ رحمہ اللہ۔: ھی مکیۃ باجماع المسلمین، ویرد علیہ بقول الکلبی۔ رحمہ اللہ۔: ان فیھا آیۃ مدینۃ. عمدۃ القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۱

سورت کی وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام قوم ثمود یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم، کی بستیوں کے نام پر رکھا گیا ہے جو "حجر" کہلاتی تھیں اور اُن کا ذکر اس سورت [کی آیت نمبر: ۸۰] میں آیا ہے۔

وقال مجاهد: ﴿صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ﴾: الحق يرجع الى الله، وعليه طريقه. ﴿لَبِإِمَامٍ مُبِينٍ﴾: على الطريق.

وقال ابن عباس: ﴿لَعَمْرُكَ﴾: لعيشك. ﴿قَوْمٌ مُنْكَرُونَ﴾: أنكرهم لوط. ﴿كِتَابٌ مَعْلُومٌ﴾: أجل.

﴿لَوْمَا تَأْتِينَا﴾: هلا تأتينا. ﴿شِيَعٌ﴾: أمم وللأولياء أيضا شيع. وقال ابن عباس: ﴿يُهْرَعُونَ﴾: مسرعين.

﴿لِلْمُتَوَسِّمِينَ﴾: للناظرين. ﴿سُكِّرَتْ﴾: غشيت. ﴿بُرُوجاً﴾: منازل للشمس والقمر. ﴿لَوَاقِحَ﴾، ملاقح ملقحة.

﴿حَمَإٍ﴾: جماعة حماة، وهو الطين المتغير. والمسنون: المصبوب. ﴿تَوْجَلْ﴾: تخف. ﴿دَابِرَ﴾: آخر.

﴿لَبِإِمَامٍ مُبِينٍ﴾: الامام كل ما ائتممت واهتديت به. ﴿الصَّيْحَةُ﴾: الهلكة.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ **﴿صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ﴾** کے معنی ہیں وہ حق جو اللہ جل جلالہ تک پہنچاتا ہے اور اسی راہ حق پر چل کر بندۂ مؤمن اللہ جل جلالہ کا مقرب ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں **"لَعَمْرُكَ"** بمعنی **"لعيشك"** یعنی آپ کی جان کی قسم!

"قَوْمٌ مُنْكَرُونَ" کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے ان فرشتوں کو اجنبی سمجھا۔

"كِتَابٌ مَعْلُومٌ" سے مراد **"أجل"** یعنی مدت ہے، تو کتاب معلوم کے معنی ہوئے مقررہ مدت۔

"لَوْمَا تَأْتِينَا" بمعنی **"هلا تأتينا"** یعنی **"لو"** یہاں تخصیص کیلئے ہے۔

"شِيَعٌ" کے معنی ہیں **"أمم"** امت کی جمع ہے، **"وللأولياء"** نیز اولیاء پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ **"يُهْرَعُونَ"** کے معنی **"مسرعين"** کے ہیں یعنی تیز چلتے

ہوئے، دوڑتے ہوئے۔

"**لِلْمُتَوَسِّمِيْنَ**" کے معنی ہیں "**للناظرین**" یعنی دیکھنے والوں کیلئے۔

"**سُكِّرَتْ**" بمعنی "**غشيت**" یعنی پردہ ڈال دیا گیا، نظر بندی کردی گئی۔

"**بُرُوْجاً**" سے مراد سورج اور چاند کی منزلیں ہیں۔

"**لَوَاقِحَ**" معنی باردار، وہ ہوائیں جو پانی سے بھرے ہوئے بادل کو بطور حمل کے اٹھاتی ہیں اور یہی معنی ہے "**ملاقح**" کا، جو "**ملقحة**" کی جمع ہے۔

"**حَمَإٍ**" جمع ہے "**حماة**" جس کے معنی ہیں متغیر مٹی، بدبودار کیچڑ۔

"**المسنون**" کے معنی ہیں "**المصبوب**" یعنی قالب میں ڈھالی گئی۔

"**تَوْجَلْ**" بمعنی "**تخف**" - یعنی آیت میں ﴿**لَاتَوْجَلْ**﴾ کے معنی ہیں خائف نہ ہو، مت ڈرو۔

"**دَابِرَ**" کے معنی "**آخر**" کے ہیں، یعنی جڑ، بنیاد۔

آیت مبارکہ ﴿**لَبِإمام مبين**﴾ میں "**امام**" ہر وہ چیز ہے جس کی تم پیروی کرو اور جسکے ذریعے راہ پاؤ۔

"**امام**" بروزن "**فعال**" اسم ہے بمعنی مقتداء، رہنما، ہر وہ چیز جس کی اقتداء اور پیروی کی جائے، قصد کیا جائے۔

چونکہ راستہ بھی رہنما ہے اس لئے ایک معنی امام کے راستہ ہیں، "**مبین**" کھلا ہوا، مطلب یہ ہے کہ قوم لوط اور اصحاب ایکہ ایک کھلے راستے پر واقع ہیں جو حجاز سے شام کی طرف جاتا ہے۔

"**الصَّيْحَةُ**" کے معنی ہیں ہلاکت۔

(۱) باب قوله: ﴿إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ﴾

اس ارشاد کا بیان: "البتہ جو کوئی چوری سے کچھ سننے کی کوشش کرے تو ایک روشن شعلہ اُس کا پیچھا کرتا ہے۔"

۴۷۰۱ - حدثنا علی بن عبداللہ: حدثنا سفیان، عن عمرو، عن عكرمة، عن أبي هريرة يبلغ به النبي ﷺ قال: ((إذا قضى الله الأمر في السماء ضربت الملائكة بأجنحتها خضعانا لقوله كالسلسلة على صفوان- قال علي: وقال غيره: - صفوان ينفذهم، ذلك فإذا فزع عن قلوبهم قالوا: ماذا قال ربكم؟ قالوا للذي قال: الحق وهو على الكبير،

فيسمعها مسترقوا السمع ومسترقوا السمع هكذا واحد فوق آخر)) ووصف سفيان بيده وفرج بين أصابع يده اليمنى، نصبها بعضها فوق بعض ((فربما ادرک الشهاب المستمع قبل أن يرمي بها الى صاحبه فيحرقه، وربما لم يدركه حتى يرمي بها الى الذى يليه الى الذى هو أسفل منه حتى يلقوها الى الأرض– وربما قال سفيان:– حتى تنتهى الى الأرض، فتلقى على فم الساحر فيكذب معها مائة كذبة فيصدق فيقولون: ألم يخبرنا يوم كذا وكذا يكون كذا وكذا؟ فوجدناه حقا. للكلمة التى سمعت من السماء)).

حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان: حدثنا عمرو، عن عكرمة، عن أبي هريرة: ((إذا قضى الله الأمر))، وزاد: و((الكاهن)). وحدثنا سفيان فقال: قال عمرو: سمعت عكرمة: حدثنا أبوهريرة قال: ((إذا قضى الله الأمر)) وقال: ((على فم الساحر))، قلت لسفيان: أأنت سمعت عمر قال: سمعت عكرمة، قال: سمعت أبا هريرة؟ قال: قال: نعم. قلت لسفيان: إن إنسانا روى عنک، عن عمرو، عن عكرمة، عن أبي هريرة ويرفعه أنه قرأ ((فُزِّعَ))، قال سفيان: هكذا قرأ عمرو فلا أدرى سمعه هكذا أم لا؟

قال سفيان: وهي قراءتنا. [أنظر: ۴۸۰۰، ۷۴۸۱] ؎

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷜ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ ﷻ آسمانوں پر فرشتوں کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ عاجزی کے ساتھ اپنے پر مارنے لگتے ہیں ارشادِ باری تعالیٰ کے جیسے چکنے پتھر پر زنجیر کی آواز ہو۔ علی مدینی رحمہ اللہ (امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد) کہتے ہیں کہ (سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ) کے علاوہ دوسرے راویوں نے کہا کہ اللہ ﷻ اس حکم کو فرشتوں تک پہنچا دیتے ہیں، جب فرشتے حکم الٰہی کے خوف سے کچھ بے غم ہو جاتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے کیا حکم دیا ہے؟ تو دوسرے، جن سے پوچھا گیا تھا، وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ فرمایا وہ حق ہے اور اللہ ﷻ بڑا بلند و برتر ہے۔ پس چوری چھپے سننے والے (شیاطین) فرشتوں کی باتیں چُرا لے آتے ہیں اور یہ شیطان ایک کے اوپر دوسرا یعنی اوپر تلے رہتے ہیں، اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اشارہ کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیاں کھول کر ایک پر ایک کر کے بتایا، پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتے خبر ہوتے ہی آگ کا شعلہ پھینکتے ہیں اور وہ شعلہ باتیں سننے والوں کو قبل اس سے کہ وہ

؎ وفي سنن ابي داؤد، كتاب الحروف والقراءات، رقم: ۳۹۸۹، وسنن الترمذى، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة سباء، رقم: ۳۲۲۳، وسنن ابن ماجه، افتتاح كتاب الايمان وفضائل الصحابة والعلم، باب فيما أنكرت الجهمية، رقم: ۱۹۴

اپنے ساتھ والے کو بتلائے اس کو جلا ڈالتا ہے۔ اور کبھی اس شعلہ کے اس تک پہنچنے سے پہلے وہ اپنے ساتھی شیطان کو بتا دیتا ہے اور وہ اپنے نیچے والے کو یہاں تک کہ یہ بات زمین تک آجاتی ہے۔ اور بعض دفعہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اس طرح کہتے تھے کہ یہاں تک کہ جب وہ باتیں زمین تک پہنچتیں تو پھر ان باتوں کو جادوگر کے منہ پر ڈالا جاتا ہے اور وہ ایک سچ بات میں سو جھوٹی باتیں ملا کر لوگوں سے بیان کرتا ہے، اگر کوئی کوئی بات اس جادوگر کی سچ نکل آئے، تو لوگ کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو اس نے فلاں فلاں دن ہم سے کہا تھا کہ ایسا ہوگا اور ایسا ہی ہوا، لہٰذا اس کی باتیں سچ نکلی۔ حالانکہ یہ وہی بات ہے جو آسمان سے چُرائی گئی تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم سے علی بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ کہ عمرو کہتے ہیں کہ میں نے عکرمہ سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب اللہ ﷻ فرشتوں کو کوئی حکم دیتا ہے الخ، اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے **"کاھن"** نجومی کا اضافہ کیا۔

تشریح

قال: اذا قضی اللّٰہ الأمر فی السماء" فرمایا کہ اللہ ﷻ آسمان میں جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتے ہیں تو ملائکہ اللہ ﷻ کے ارشاد کے آگے جھکتے ہوئے اپنے پر مارتے ہیں۔ اور پر اس طرح مارتے ہیں کہ اس کی آواز اس طرح ہوتی ہے جیسے چٹان کے اوپر زنجیر ماردی جائے۔

"قال علی" اس روایت میں **"صفوان" بسکون الفاء** ہے، لیکن علی بن مدینی کہتے ہیں کہ دوسرے لوگوں نے جو روایت کی ہے اس میں یہ فاء کے فتح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

"ینفذھم ذالک" یعنی جو خبر ہے کہ اللہ ﷻ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے یہ ان سے نفوذ کر جاتی ہے یعنی ملائکہ تک، ایک سے دوسرے تک پہنچ جاتی ہے۔

"فاذا فزع عن قلوبھم" جب ان کے دل سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے۔

"قالوا: ما ذا قال ربکم" تو وہ کہتے ہیں کہ پروردگار نے کیا کہا، کیا حکم دیا ہے۔

"قالوا للذی قال: الحق" کہ اللہ ﷻ نے جو حکم دیا ہے وہ حق بات کا حکم دیا ہے۔

تو اس طرح فرشتے جو پوچھنے والے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ کیا حکم دیا ہے، دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ حق ہے اور ساتھ میں وہ حکم بتاتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے یہ کام کرنے کا حکم دیا ہے یا فلاں فیصلہ فرمایا ہے۔

چنانچہ اس طرح یہ جنات شیاطین جو چوری چھپے سننے والے ہیں، یہ اس کو چوری چھپے سنتے ہیں کہ ملائکہ آپس میں کیا بات کر رہے ہیں، کس بات کے فیصلے کا ایک دوسرے کو خبر دے رہے ہیں، تو یہ اوپر والا (شیطان)

آسمان کے قریب اس نے کان لگا کے سنا کہ فرشتوں کے درمیان یہ بات ہو رہی ہے، تو اس نے وہاں سے ابھی سنا کان لگا کر اور سوچتا ہے کہ یہ میں نیچے بتاؤں تو وہ اس سے نیچے والے کو دیں اور پھر یہ خبر اس کے نیچے والے کو دیدیں اور یہ خبر نیچے تک جائے، تو ابھی اس نے سنا ہے اور نیچے والے کو خبر نہیں دی۔

"فربما ادرک الشهاب" تو بعض مرتبہ وہ شہاب ثاقب آ کر اس کو لگ جاتا ہے تو یہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور مر جاتا ہے اور دوسرے تک خبر نہیں پہنچتی۔

"وربما لم يدركه" بعض اوقات شہاب ثاقب آیا پر اس کو نہیں لگا اور اس نے دوسرے تک بات منتقل کر دیا، یہاں تک کہ وہ ہوتے ہوتے نیچے والے شیطان کے پاس خبر پہنچ جاتی ہے۔

"حتیٰ يلقوها" اور نیچے والے اس خبر کو زمین تک پہنچا دیتے ہیں تو وہ جادوگر کے منہ پر لے جا کے ڈال دیتے ہیں کہ دیکھو یہ فیصلہ ہوا ہے اور وہ جادوگر اس میں سو جھوٹ ملاتے ہیں تو لوگ تصدیق کرنا شروع کرتے ہیں کہ فلاں دن اس نے خبر دی تھی۔

شہاب ثاقب اور فلاسفہ

آیت اور حدیث میں شہابِ ثاقب کا ذکر ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہاب حفاظت وحی کے لئے شیاطین کو مارنے کے واسطے پیدا ہوتے ہیں ان کے ذریعے شیاطین کو دفع کیا جاتا ہے، تاکہ وہ فرشتوں کی باتیں نہ سن سکیں۔

اس میں ایک اشکال قوی یہ ہے کہ فضائے آسمانی میں شہابوں کا وجود کوئی نئی چیز نہیں، رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹنے کا مشاہدہ کیا جاتا تھا، اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے، تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ شہاب ثاقب شیاطین کو دفع کرنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں جو کہ عہدِ نبوی ﷺ کی خصوصیت ہے؟

اس سے تو بظاہر اسی بات کی تقویت ہوتی ہے جو فلاسفہ کا خیال ہے کہ شہابِ ثاقب کی حقیقت اتنی ہی ہے کہ آفتاب کی تمازت سے جو بخارات زمین سے اٹھتے ہیں ان میں کچھ آتش گیر مادے بھی ہوتے ہیں، اوپر جا کر جب اُن کو آفتاب یا کسی دوسری وجہ سے مزید گرمی پہنچتی ہے تو وہ سُلگ اُٹھتے ہیں اور دیکھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی ستارا ٹوٹا ہے۔

اسی لئے محاورات میں اس کو ستارا ٹوٹنے ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس کے لئے **"اِنقضاضِ کوکب"** کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جو اسی کا ہم معنی ہے۔

جواب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض و اختلاف نہیں، زمین سے اُٹھنے والے بخارات

مشتعل ہو جائیں یہ بھی ممکن ہے اور یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ کسی ستارے یا سیارے سے کوئی شعلہ نکل کر گرے، اور ایسا ہونا عام عادات کے مطابق ہمیشہ سے جاری ہو، مگر بعثت نبوی ﷺ سے پہلے ان شعلوں سے کوئی خاص کام نہیں لیا جاتا تھا، آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد ان شہابی شعلوں سے یہ کام لیا گیا کہ شیاطین جو فرشتوں کی باتیں چوری سے سننا چاہیں ان کو اس شعلے سے مارا جائے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر **"روح المعانی"** میں یہی توجیہ بیان فرمائی ہے اور نقل کیا ہے کہ امام حدیث زہری رحمہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا رسول کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں!

پھر اس پر سوال کرنے والے نے یہ آیت **﴿وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا﴾**[الجن: ۹] معارضہ کیلئے پیش کی، تو فرمایا کہ شہاب ثاقب تو پہلے بھی تھے، مگر بعثت نبوی ﷺ کے بعد جب شیاطین پر تشدد کیا گیا تو ان سے شیاطین کے دفع کرنے کا کام لے لیا گیا۔ [۳]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شہاب ثاقب کے متعلق جو کچھ فلاسفہ نے کہا ہے وہ بھی قرآن کے منافی نہیں، اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ یہ شعلے براہ راست بعض ستاروں سے ٹوٹ کر گرائے جاتے ہیں، مقصد قرآن دونوں صورتوں میں ثابت اور واضح ہے۔ [۴]

(۲) باب قوله: ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ﴾ [۸۰]

اس ارشاد کا بیان: "اور حجر کے باشندوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا"

اصحاب الحجر – سے مراد قوم ثمود ہے، ان کے ملک کا نام "حجر" تھا جو مدینہ سے شمال کی طرف واقع ہے، ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے، ایک نبی کا جھٹلانا سب انبیاء کا جھٹلانا ہے۔ [۵]

---

[۳] روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، ج: ۷، ص: ۲۷۱، ۲۷۰

[۴] معارف القرآن، ج: ۵، ص: ۲۸۸، ۲۸۷

[۵] ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ﴾ يعني ثمود ﴿الْمُرْسَلِينَ﴾ حين كذبوا رسولهم صالحا عليه السلام، فإن من كذب واحدا من رسل الله سبحانه فكأنما كذب الجميع لاتفاق كلمتهم على التوحيد والأصول التي لاتختلف باختلاف الأمم والأعصار. روح المعاني في تفسير القرآن العظيم، ج: ۷، ص: ۳۱۸، و عمدة القاري، ج: ۱۹، ص: ۱۸

۴۷۰۲ ـ حدثنا ابراهیم بن المنذر: حدثنا معن قال: حدثنی مالک، عن عبداللہ بن دینار، عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما: أن رسول اللہ ﷺ قال لأصحاب الحجر: لاتدخلوا علی ھؤلاء القوم الا أن تکونوا باکین، فان لم تکونوا باکین فلا تدخلوا علیھم أن یصیبکم مثل ما أصابھم. [راجع: ۴۳۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر والوں کے متعلق فرمایا کہ تم لوگ اس معذب قوم کی بستی میں مت داخل ہو، لیکن اگر گزرنا ہی پڑ گیا ہے تو اللہ کے خوف سے روتے ہوئے گزر جاؤ، کہیں تم پر عذاب آ جائے جو ان پر آیا تھا۔

مقاماتِ عذاب میں جانے کی ممانعت

"لاتدخلوا علی ھؤلاء القوم الخ"

نبی کریم ﷺ تبوک جاتے ہوئے ''وادی حجر'' سے گزرے، آپ نے سر ڈھانپ لیا سواری کی رفتار تیز کر دی اور صحابہ کرام ؓ کو فرمایا کہ معذب قوم کی بستیوں پر مت داخل ہو، مگر خدا کے خوف سے روتے ہوئے اگر رونا نہ آئے تو رونے والوں کی صورت بنالو، خدا نہ کرے وہ چیز تم کو پہنچے جو ان کو پہنچی تھی۔ یہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ادب سکھلایا کہ آدمی اس قسم کے مقامات میں پہنچ کر عبرت حاصل کرے اور خدا کے خوف سے لرزاں وترساں ہو، محض سیر وتماشہ نہ سمجھے۔

آج کل آثار قدیمہ کے محکمہ نے کچھ رہائشی عمارتیں ہوٹل وغیرہ بھی بنا دیئے ہیں اور آخرت سے غافل مادہ پرست طبیعتوں نے آج کل اس کو ایک سیرگاہ بنایا ہوا ہے، لوگ تماشے کے طور پر اسے دیکھنے جاتے ہیں۔

قرآن کریم نے اسی غفلت شعاری پر تنبیہ کے لئے آخر میں فرمایا ہے کہ

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾

ترجمہ: بے شک یہ نشانیاں ہیں ایمان والوں کیلئے۔

یعنی درحقیقت تو یہ واقعات اور مقامات پر چشم بصیرت رکھنے والے کے لئے عبرت آموز ہیں، لیکن اس عبرت سے فائدہ اُٹھانے والے مؤمنین ہی ہوتے ہیں، دوسرے لوگ ان مقامات کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ کر روانہ ہو جاتے ہیں۔ [۷]

---

[۷] معارف القرآن، ج:۵، ص:۳۰۸، مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۱۰، ص: ۵۱۹

(۳) باب قوله: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعاً مِنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ﴾ [۸۷]

اس ارشاد کا بیان کہ: ''اور ہم نے تمہیں سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں، اور عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔''

۴۷۰۳ — حدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن خبيب بن عبدالرحمٰن، عن حفص بن عاصم، عن أبي سعيد بن المعلى قال: مر بي النبي ﷺ وأنا أصلي فدعاني فلم آته حتى صليت. ثم آتيت فقال: ((ما منعک أن تأتي؟)) فقلت: كنت أصلي، فقال: ((ألم يقل الله: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ﴾؟)) ثم قال: ((ألا أعلمک أعظم سورة في القرآن قبل أن يخرج من المسجد؟)) فذهب النبي ﷺ ليخرج فذكرته فقال: ((الحمد لله رب العالمين، هي السبع المثاني والقرآن العظيم الذي أوتيته)). [راجع: ۴۴۷۴]

ترجمہ: حفص بن عاصم رحمہ اللہ، حضرت ابوسعید بن معلّیٰ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے سامنے سے گزرے، میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ ﷺ نے مجھے بلایا میں نہیں گیا، نماز پڑھنے کے بعد جب میں گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے بلایا تھا تو کیوں نہیں آئے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ **﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ﴾**؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسجد سے جانے سے پہلے میں تمہیں قرآن کی بڑی بزرگ و برتر سورۃ بتاؤں گا۔ پھر جب نبی کریم ﷺ مسجد سے باہر جانے لگے تو میں نے یاددہانی کرائی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سورۃ **''الحمد لله رب العالمين''** ہے، اس میں سات آیات ہیں جو سبع مثانی ہیں اور قرآن عظیم جو مجھے دیا گیا ہے۔

۴۷۰۴ — حدثنا آدمُ حدثنا ابن أبي ذئب حدثنا سعيد المقبري عن أبي هريرة ﷺ قال قال رسول الله ﷺ ((أم القرآن هي السبع المثاني والقرآن العظيم)).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ام القرآن (یعنی سورۃ فاتحہ) ہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔

قرآن کریم کا خلاصہ ومتن

"سبع مثانی" کے مصداق میں علمائے مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، صحیح اور راجح قول یہ ہی ہے کہ اس سے مراد سورۃ الفاتحہ کی سات آیتیں ہیں جو ہر نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں، اور جن کو بطور وظیفہ کے بار بار پڑھا جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور، قرآن کسی کتاب میں اسکا مثل نازل نہیں فرمایا۔

مذکورہ روایت میں بھی تصریح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورہ فاتحہ کو فرمایا ہے کہ یہی **"سبع مثانی"** اور قرآن عظیم ہے جو مجھ کو دیا گیا۔

اس چھوٹی سی سورت کو **قرآن عظیم** بڑا قرآن فرمانا درجہ کے اعتبار سے ہے۔

اس سورت کو **ام القرآن** بھی اسی لحاظ سے کہتے ہیں کہ گویا یہ ایک خلاصہ اور متن ہے، جس کی تفصیل وشرح پورے قرآن سے سمجھنا چاہئے، قرآن کے تمام علوم ومطالب کا اجمالی نقشہ تنہا اس سورت میں موجود ہے، یوں مثانی لفظ بعض حیثیات سے پورے قرآن پر بھی اطلاق کیا گیا ہے **﴿اللهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَّثَانِيَ﴾**[الزمر: ۲۳]۔

اور ممکن ہے کہ دوسری سورتوں کو مختلف وجوہ سے **"مثانی"** کہہ دیا جائے، مگر اس جگہ **"سبع مثانی"** اور **"قرآن عظیم"** کا مصداق یہی سورت **"فاتحہ"** ہے۔ [۷]

(۴) باب قوله عز وجل: ﴿الَّذِيْنَ جَعَلُوْا الْقُرآنَ عِضِيْنَ﴾. [۹۱]

عزوجل کے ارشاد کا بیان: "جنہوں نے (اپنی) پڑھی جانے والی کتاب کے حصے بخرے کر لئے تھے۔"

﴿الْمُقْتَسِمِيْنَ﴾: الذين حلفوا، ومنه ﴿لا أُقْسِمُ﴾: اى اقسم وتقرأ: لأقسم. ﴿قَاسَمَهُمَا﴾: حلف لهما ولم يحلفا له. وقال مجاهد: تقاسموا: تحالفوا.

---

[۷] مزید تفصیل کیلئے "انعام الباری شرح صحیح البخاری" کی اسی جلد (کتاب التفسیر-حصہ اول) میں "باب ما جاء فی فاتحة الكتاب، رقم الحديث: ۴۴۷۴" ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ وتشریح

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**الـمُـقْتَسِمِينَ**" سے مراد وہ کافر لوگ ہیں جنہوں نے قسم کھائی تھی یعنی اصحاب حجر۔

جبکہا سی "**الـمُـقْتَسِمِينَ**" سے ماٴ خوذ ہے "**لاأُقْسِـم ای أُقْسِمُ**" یعنی میں قسم کھا تا ہوں۔ اور ایک قرأت یعنی ابن کثیر رحمہ اللہ کی قرأت "لا" نافیہ نہیں ہے بلکہ "لام" تاکید ہے۔

جبکہ سورۂ اعراف کی اس آیت ﴿**وَقَـاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ**﴾ میں "**قَاسَمَهُمَا**" بمعنی "**حلف لهما ولم يحلفا له**" یعنی شیطان نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی اور آدم وحوا نے قسم نہیں کھائی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "**لـم يـحلفا له**" سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں "**قَاسَمَ**" باب مفاعلہ سے ہے۔

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت "**تـقـاسـموا**" کے معنی ہیں "**تـحـالفوا**" یعنی ان سب کافروں نے قسم کھائی۔

۴۷۰۵ ۔ حدثنا يعقوب بن ابراهيم: حدثنا هشيم: أخبرنا أبو بشر، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما: ﴿الَّذِيْنَ جَعَلُوْا الْقُرآن عِضِيْنَ﴾ قال: هم أهل الكتاب جزؤه أجزاءً فآمنوا ببعضه وكفروا ببعضه. [۸]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ﴿**الَّذِيْنَ جَعَلُوْا الْقُرآن عِضِيْنَ**﴾ سے مراد اہل کتاب یہود ہیں جنہوں نے قرآن شریف کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، یعنی تقسیم کر دیئے ہیں، کہ کچھ کو مانا اور کچھ کو جھٹلا دیا۔

۴۷۰۶ ۔ حدثنی عبيد الله بن موسى، عن الأعمش، عن أبي ظبيان، عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ﴾، قال: آمنوا ببعض وكفروا ببعض، اليهود والنصارىٰ. [۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ ﴿**كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ**﴾ سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں، کچھ قرآن تو انہوں نے قبول کیا اور کچھ کو جھٹلا دیا۔

[۸، ۹] انفرد به البخاری.

"مُقْتَسِمِیْن" کا مصداق

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ﴾ سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں جنہوں نے قرآن کے کچھ حصے کو مانا اور کچھ کو نہ مانا۔

اس آیت کے معنی کئی طرح کیے گئے ہیں:

بعض نے کہا کہ "مُقْتَسِمِیْنَ" سے مراد آپ ﷺ کے زمانہ کے یہود ونصاریٰ وغیرہ ہیں، جنہوں نے قرآن کی تقسیم وتحلیل کر رکھی تھی یعنی جو مضمون قرآنی ان کی تحریفات یا آراء واہواء کے موافق پڑ جائے اسکو مان لو، جو خلاف ہو اسکو نہ مانو۔

مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو "سبع مثانی" اور "قرآن عظیم" دے کر بھیجا، جیسے ان لوگوں پر بھی پہلے کتابیں نازل کی تھیں، آپ پر کتاب اتارنا یا وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں، جسکا انکار کیا جائے۔

بعض نے "مُقْتَسِمِیْنَ" سے یہود ونصاریٰ مراد لے کر لفظ قرآن سے کتب سابقہ مراد لی ہیں یعنی انہوں نے تحریف کر کے اپنی کتابوں کو پارہ پارہ کر ڈالا۔

بعض نے کہا مشرکین مراد ہیں، جو بطور استہزاء وتمسخر قرآن کی تقسیم کرتے تھے، جب سورتوں کے نام سنتے تو ہنس کر آپس میں کہتے "بقرۃ" یا "مائدہ" میں لوں گا، "عنکبوت" تجھ کو دوں گا۔

ان لوگوں نے ایک اور طرح بھی قرآن کے متعلق خیالات تقسیم کر رکھے تھے کوئی اسے شاعری بتاتا، کوئی کہانت، کوئی جادو، کوئی مجنون کی بڑ، کوئی اساطیر الاولین، ان کو آگاہ کیا کہ میں سب کو عذاب سے ڈرانے والا ہوں جیسا عذاب یقیناً نازل ہونے والا ہے، ان ٹھٹھا کرنے والوں پر۔

اس وقت "أنزلنا" کی تعبیر اس لحاظ سے ہوگی کہ "متيقن الوقوع" اور "قريب الوقوع" مستقبل کو گویا ماضی فرض کر لیا گیا۔ [۱]

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لفظ "مقتسمین" کے معنی قسم کھانے والوں کے کیے ہیں یعنی وہ گزشتہ قومیں جو انبیاء علیہم السلام کی تکذیب ومخالفت کے حلف اٹھا چکی تھیں، جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتی تھیں اور انہوں نے کتب سماویہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے، پھر جیسا عذاب ہم نے ان اقوام پر اتارا تھا، اسی طرح کے عذاب سے یہ "نذیر مبین" تم کو ڈراتا ہے۔

---

[۱] عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۲۱-۲۳.

"**مقتسمین**" کے اس معنی کی تائید میں ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذیل کی آیات پیش کی ہیں:

﴿تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ﴾ [نمل:۴]

﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ﴾ [نحل:۵]

﴿اَوَلَمْ تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ﴾ [ابراهيم: ۷]

﴿اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ﴾ [اعراف: ٦] [۱۱]

(۵) باب قوله: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ [۹۹]

اس ارشاد کا بیان: "اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے"۔

ذکر اللہ؛ قلب وذہن کی راحت کا ساماں

یعنی اگر ان کی ہٹ دھرمی سے دل تنگ ہو تو آپ ان سے توجہ ہٹا کر ہمہ تن اللہ کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہئے، خدا کا ذکر، نماز، سجدہ، عبادت الٰہی وہ چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے قلب مطمئن ومنشرح رہتا ہے اور فکر وغم دور ہوتے ہیں، اس لئے نبی کریم ﷺ کی عادت تھی کہ جب کوئی مہم بات کی فکر پیش آتی آپ نماز کی طرف جھپٹتے۔

قال سالم: ﴿اليقين﴾ الموت.

ترجمہ: حضرت سالم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "**الیقین**" بمعنی موت ہے۔

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دم آخر دمے فارغ مباش

---

[۱۱] تفسير ابن كثير، سورة الحجر: ۹۱، ج: ۴، ص: ۴۷۰

(۱۶) سورة النحل

سورت النحل کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

"نحل" عربی میں شہد کی مکھی کو کہتے ہیں، اس سورت کی آیت نمبر ۸۶ میں اللہ ﷻ نے اپنے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے شہد کی مکھی کا حوالہ دیا ہے کہ وہ کس طرح اللہ ﷻ کے حکم سے پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنے چھتے بناتی اور شہد پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے سورت کا نام **"نحل"** رکھا گیا ہے۔

نعمتوں کا تذکرہ، قبول ایمان کی دعوت اور شرعی احکام پر مشتمل سورة

اس سورت کا بنیادی موضوع اللہ ﷻ کی ان نعمتوں کا مفصل بیان ہے جو اللہ ﷻ نے اس کائنات میں انسان کے فائدے کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ اسی لئے اس سورت کو **"سورة النعم"** یعنی نعمتوں کی سورت بھی کہا جاتا ہے۔

عرب کے مشرکین عام طور سے یہ بات مانتے تھے کہ ان میں سے بیشتر نعمتیں اللہ ﷻ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ اللہ ﷻ کی خدائی میں وہ بت بھی شریک ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ نعوذ باللہ۔ اس طرح اللہ ﷻ کی ان نعمتوں کا تذکرہ فرما کر انہیں توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اُن کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور ایمان نہ لانے کی صورت میں اُنہیں اللہ ﷻ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

یہ سورت جس زمانے میں نازل ہوئی، اس وقت بہت سے مسلمان کفار کے ظلم وستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ آیت نمبر ۴۲ میں اُن کو تسلی دی گئی ہے کہ اُن کے مصائب وآلام کا دور ختم ہونے والا ہے اور انہیں دنیا میں بھی اچھا ٹھکانا عطا ہوگا اور آخرت میں بھی اُن کیلئے بڑا اجر وثواب ہے،

بشرطیکہ وہ صبر سے کام لیں، اور اللہ ﷻ پر بھروسہ رکھیں۔

سورت کے آخری حصے میں اسلامی شریعت کے کچھ اہم احکام بھی بیان فرمائے گئے ہیں جو ایک مسلمان کے طرز عمل کی بنیاد ہونے چاہئیں۔

﴿رُوْحُ الْقُدُسِ﴾: جبریل. ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ﴾. ﴿فِى ضَيْقٍ﴾: يقال: أمر ضيْقٌ وضيِّقٌ مثل هيْن وهيِّن، ولَيْن وليِّن، ميْت وميِّت.

وقال ابن عباس: ﴿تتفيأُ ظِلالُهُ﴾ تتهيأ. ﴿سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلاً﴾ لايتوعر عليها مكان سلكته.

وقال ابن عباس: ﴿فِى تَقَلُّبِهِمْ﴾: اختلافهم. وقال مجاهد: ﴿تَمِيدَ﴾: تكفأ. ﴿مُفْرَطُوْنَ﴾: منسيون.

وقال غيره: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾، هذا مقدم ومؤخر: وذلك أن لاستعاذة قبل القراءة ومعناها الاعتصام بالله.

وقال ابن عباس: ﴿تُسِيمُونَ﴾ ترعون ﴿شاكِلَته﴾ ناحيته ﴿قَصْدُ السَّبِيلِ﴾: البيان. الدفء: ما ستدفأت به.

﴿تُرِيحُونَ﴾: بالعشى، ﴿وَتَسْرَحُونَ﴾: بالغداة. ﴿بِشِقِّ﴾: يعنى المشقة. ﴿عَلى تَخَوُّفٍ﴾: تنقص.

﴿الأنعام لَعِبْرَةً﴾، وهى تؤنث وتذكر، وكذلك النّعم ﴿الأنعام﴾ جماعة النعم. ﴿أكناناً﴾ واحدها كن مثل حمل وأحمال.

﴿سَرَابِيلَ﴾: قمص ﴿تَقِيكُمُ الحَرَّ﴾ وأما ﴿سَرَابِيل تَقِيْكُم بأسَكُم﴾ فانها الدروع.

﴿دَخَلاً بَيْنَكُمْ﴾: كل شىء لم يصح فهو دخل. قال ابن عباس: ﴿حَفَدَةً﴾: من ولد الرجل.

﴿السَّكَرُ﴾: ما حُرِّم من ثمرتها، ﴿والرِّزْق الحسن﴾: ما أحل الله.

وقال ابن عيينة، عن صدقة: ﴿أنكاثاً﴾: هى خرقاء كانت اذا أبرمت غزلها نقضته. الكاثاً: هى خرقاء كانت اذا ابرمت.

وقال ابن مسعود: ﴿الأُمَّةُ﴾ معلم الخير. و﴿القانِتُ﴾: المطيع.

ترجمہ وتشریح

"**رُوْحُ الْقُدُسِ**" سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ بطور تائید کے سورہ شعراء کی یہ آیت لائے ہیں ﴿**نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ**﴾۔

لفظ "**ضَيْقٍ**" میں دو لغت ہیں "**ضَيْقٌ**" یعنی بسکون الیاء بلا تشدید "**ضَيِّقٌ**" بتشدید الیاء۔ اس میں دونوں لغتیں درست ہیں۔ پھر یہ تین مثالیں دی گئی ہیں "**هيْن وهيِّن، ولَيْن ولَيِّن، ميْت وميِّت**" ان سب میں دونوں لغتیں درست ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ آیت کریمہ میں ﴿**فِي تَقَلُّبِهِمْ**﴾ بمعنی "**اختلافهم**" یعنی ان کے سفر وحضر میں ان کے رات اور دن میں اللہ جل جلالہ پکڑے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں "**تَمِيدَ**" بمعنی "**تكفا**" یعنی لڑکھڑانے لگے، ڈگمگانے لگے۔ "**تميد — ماد، يميد، ميدا**" کے معنی ہیں مضطرب ہونا، اِدھر اُدھر ہلنا۔

"**مُفْرَطُوْنَ**" بمعنی "**منسيون**" یعنی جہنم میں بھلا دیئے گئے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے علاوہ یعنی حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ آیت کریمہ ﴿**فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ**﴾ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آیت میں بظاہر تقدیم وتاخیر ہے، کیونکہ استعاذہ قرآن پڑھنے سے پہلے ہونا چاہئے نہ کہ بعد میں اور استعاذہ کے معنی ہیں اللہ جل جلالہ کو مضبوط پکڑنا، اللہ جل جلالہ کی مہربانی سے شیطان کے وساوس وشر سے محفوظ رہنا۔

"**قَصْدُ السَّبِيلِ**" کے معنی ہیں بیان یعنی ہدایت وضلالت کا بیان کرنا اللہ ہی پر ہے۔

"**الدفء**" کے معنی ہیں ہر وہ چیز جس سے گرمی حاصل ہو یعنی جاڑے کا سامان۔

"**تُرِيْحُوْنَ**" کے معنی ہیں چرا کر شام کو لاتے ہو، "**وَتَسْرَحُوْنَ**" کے معنی صبح کو چرانے لے جاتے ہو

"**بِشِقِّ**" سے مراد مشقت ومحنت سے، تکلیف شدید اٹھا کر۔

"**تَخَوُّفٍ**"، بمعنی "**تنقص**" — جس کے معنی ہیں بتدریج گھٹانا، کم کرنا۔

یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے اور یہی تفسیر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے منقول ہے جیسا کہ ترجمہ "گھٹاتے گھٹاتے" سے ظاہر ہے۔

"**الأنعام لَعِبْرَةً**" میں لفظ "**انعام**" مذکر بھی آتا ہے اور مؤنث بھی آتا ہے، اسی طرح "**النعم**" بھی

مذکر ومؤنث دونوں طرح آتا ہے اور **"الأنعام"** یہ جمع ہے **"النعم"** کی۔

"سَرَابِيلَ" بمعنی **"قمص"** یعنی کرتے اور قمیص۔

اور اس **"سرابیل"** جمع **"سربال"**، قمیص، اور **"قمیص"** کی جمع **"قمص"** ہے۔ قمیص رکرتہ وہ ہے **"تَقِيكُمُ الحَرَّ"** جوتم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔

جہاں تک بات ہے **"سَرَابِيلَ"** کی تو وہ **"تَقِيكُم بَأسَكُم"** جولڑائی سے بچاتے ہیں یعنی زرہیں۔

مقصد یہ بتانا ہے کہ **"سرابیل"** کا اطلاق ہر اس چیز پر آتا ہے جو بدن پر استعمال ہو، خواہ کرتہ، پاجامہ، یا زرہ یعنی جنگیں لباس ہو۔

آیت کریمہ میں **﴿دَخَلاً بَيْنَكُمْ﴾** سے مراد ہر وہ چیز ہے جو درست نہ ہو۔

یہ تفسیر جو امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ کی ہے، دراصل **"دخل یدخل"** کا مصدر ہے ہر وہ ملاوٹ، جو فساد کے لئے ہو **"دخــل"** ہے، اسی لئے بعض حضرات نے اسکی تفسیر خیانت سے کی ہے، الغرض دغا، فساد، خیانت سب **"دخل"** ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ **"حَفَدَةً"** وہ شخص جو مرد کی اولاد ہے یعنی بیٹے، پوتے۔

"حفدة" جمع **"حـافد"** جو اسم فاعل کا صیغہ ہے، ہر وہ شخص جو خوشی سے دوڑتے ہوئے خدمت کے لئے حاضر ہو، خواہ رشتہ دار ہو یا خادم **"حافد"** کہلاتا ہے، یہاں پوتے مراد ہیں۔

"السَّكَرُ" سے مراد ہر وہ چیز ہے جو انگوروں اور کھجوروں کے پھلوں سے حرام ہو یعنی نشہ آور چیز۔

اور **"والرِّزْقُ الحسن"** وہ ہے جو اللہ ﷻ نے حلال کیا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے صدقہ ابوالہذیل سے نقل کیا کہ **"أنكاثاً"** کی تفسیر میں کہ اس میں ایک پاگل عورت کا ذکر ہے، جسکا نام خرقاء تھا، یہ عورت جب اپنے کاتے ہوئے سوت کو مضبوط کر لیتی تو پھر اس کو توڑ دیتی۔ یہاں آیت کریمہ میں اس شخص کی مثال بیان کی گئی ہے جو اپنا عہد توڑ ڈالے۔

"خرقاء" کے معنی دیوانی، پگلی، مجنونہ' جس کو کام کا کوئی سلیقہ نہ ہو، اس کو **"خرقاء"** کہتے ہیں۔

اسی سے مثل عربی مشہور ہے کہ **"خـرقـاء وجـدت صوفاً"** یعنی پگلی کے ہاتھ میں اون آ گیا کہ اون فائدہ کی چیز ہے، لیکن وہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتی، جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ بندر کے ہاتھ میں ناریل آ گیا۔ یہ ایسے وقت بولتے ہیں کہ جب کوئی اچھی چیز غیر مستحق کے پاس چلی جائے۔

حضرت ابن مسعود ﷺ نے فرمایا کہ آیت میں **"الأُمَّةُ"** کا مفہوم ہے خیر کی تعلیم دینے والا، اچھی باتیں سکھانے والا۔

"القانِتُ" کے معنی ہیں مطیع یعنی فرمانبردار۔

(۱) باب قوله تعالىٰ: ﴿وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ﴾ [۷۰]

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: ''اور تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو عمر کے سب سے ناکارہ حصے تک پہنچا دیا جاتا ہے۔''

انسان کی حیثیت!

قدرت کے بہت سے خارجی نشانیاں بیان فرما کر انسان کو متنبہ کرتے ہیں کہ خود اپنے اندرونی حالات میں غور کرے، وہ کچھ نہ تھا، خدا نے وجود بخشا پھر موت بھیجی اور دی ہوئی زندگی واپس لے لی یہ کچھ نہ کر سکا اور بعضوں کو موت سے پہلے ہی پیرانہ سالی کے ایسے درجہ میں پہنچا دیا کہ ہوش وحواس ٹھکانے نہ رہے، نہ ہاتھ پاؤں میں طاقت رہی، بالکل نکما ہو گیا، نہ کوئی بات سمجھتا ہے نہ سمجھی ہوئی یاد رکھ سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علم وقدرت اسی خالق و مالک کے خزانہ میں ہے، جب اور جس قدر چاہے دے اور جب چاہے واپس کر لے۔

''مَنْ يُرَدُّ'' کے لفظ سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ انسان پر پہلے بھی ایک ضعف اور کمزوری کا وقت گزر چکا ہے، یہ اس کے بچپن کا ابتدائی دور تھا جس میں یہ کسی سوجھ بوجھ کا مالک نہ تھا، اس کے قویٰ بالکل ضعیف وناتواں تھے، یہ اپنی بھوک پیاس کو دور کرنے اور اپنے اُٹھنے بیٹھنے میں غیروں کا محتاج تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو جوانی عطاء کی یہ اس کی ترقی کا زمانہ ہے، پھر رفتہ رفتہ اس کو بڑھاپے کے ایسے درجے پر لوٹا دیا جاتا ہے جیسا کہ بچپن میں تھا۔

''أَرْذَلِ الْعُمُرِ'' اس سے مراد پیرانہ سالی کی وہ عمر ہے جس میں انسان کے تمام جسمانی اور دماغی قویٰ مختل ہو جاتے ہیں، نبی کریم ﷺ اس عمر سے پناہ مانگتے تھے، جس کا ذکر درج ذیل حدیث میں ہے۔[۱]

۴۷۰۷ - حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا هارون بن موسى أبو عبدالله الأعور، وعن شعيب، عن أنس بن مالك ﷺ أن رسول الله ﷺ كان يدعو: ((أعوذبك من البخل والكسل، وأرذل العمر، وعذاب القبر، وفتنة الدجال وفتنة المحيا والممات)).

[راجع: ۲۸۲۳]

---

[۱] معارف القرآن، ج: ۵، ص: ۳۶۹

دعائے ماثورہ

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کرتے تھے: **"أعوذبک من البخل والكسل، وأرذل العمر، وعذاب القبر، وفتنة الدجال وفتنة المحيا والممات"** اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخیلی سے اور (نیک کام میں) سستی سے اور نکمی زندگی سے، اور قبر کے عذاب سے اور دجال کے فتنہ سے اور زندگی اور موت کے فتنے سے۔

(۱۷) سورة بنی اسرائیل

سورۂ بنی اسرائیل کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سورت میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

چونکہ سورت کے شروع میں بنو اسرائیل کے ساتھ پیش آنے والے دو اہم واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس لئے سورت کا نام سورۂ بنی اسرائیل ہے اور اس کا دوسرا نام "سورۃ الاسراء" بھی ہے۔

اسراء سفر معراج کو اور خاص طور پر اس سفر کے اس حصے کو کہا جاتا ہے جس میں آنحضرت ﷺ کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک لے جایا گیا، سورت کا آغاز ہی چونکہ اس معجزانہ سفر کے تذکرے سے ہوا ہے، اس لئے اس کو "سورۃ الاسراء" بھی کہا جاتا ہے۔

رسالت کا ثبوت، معاندین کا انجام

اس سورت کی سب سے پہلی آیت ہی یہ بتا رہی ہے کہ اس کا نزول معراج مبارک کے واقعے کے بعد ہوا ہے۔ اگرچہ معراج کے واقعے کی ٹھیک ٹھیک تاریخ یقینی طور پر متعین کرنا مشکل ہے، لیکن زیادہ تر روایات کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ عظیم واقعہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے دس سال بعد اور ہجرت سے تین سال پہلے پیش آیا تھا۔ اس وقت تک اسلام کی دعوت کا پیغام نہ صرف عرب کے بت پرستوں تک، بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں تک بھی پہنچ چکا تھا۔ اس سورت میں معراج کے غیر معمولی واقعے کا حوالہ دیکر آنحضرت ﷺ کی رسالت کا ناقابل انکار ثبوت فراہم کر دیا گیا ہے۔

اس کے بعد بنو اسرائیل کے واقعے کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ کس طرح اُنہیں دو مرتبہ اللہ کی نافرمانی کی پاداش میں ذلت و رسوائی اور دشمن کے ہاتھوں بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔

اس طرح مشرکین عرب کو سبق دیا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی مخالفت سے باز آ جائیں، ورنہ انکو بھی اسی

قسم کے انجام سے سابقہ پیش آ سکتا ہے، کیونکہ اس وقت قرآن کریم ہی وہ واحد کتاب ہے جو اعتدال کے ساتھ سیدھے راستے کی طرف ہدایت کر رہی ہے۔

مسلمانوں کو دینی ومعاشرتی اور اخلاقی طرز عمل کی ہدایات

پھر [آیت نمبر ۹ اور آیت نمبر ۲۲ سے ۸۳ تک] مسلمانوں کو ان کے دینی، معاشرتی اور اخلاقی طرز عمل کے بارے میں نہایت اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ اور مشرکین کے نامعقول اور معاندانہ طرز عمل کی مذمت کر کے ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ ﷻ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتے رہیں۔

(۱) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

۴۷۰۸ - حدثنا آدم: حدثنا شعبة، عن أبي اسحاق قال: سمعت عبدالرحمٰن بن يزيد قال: سمعت ابن مسعود ﷺ قال في بني اسرائيل والكهف ومريم: انهن من العتاق الأول. وهن من تلادي.

﴿فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ﴾، قال ابن عباس: يهزون. وقال غيره: نغضت سنك أي تحركت. [أنظر: ۴۷۳۹، ۴۹۹۴] [۱]

ترجمہ: ابواسحٰق بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے سنا کہ وہ سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف اور سورہ مریم کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ اول درجہ کی عمدہ سورتوں میں سے ہیں اور میری پرانی یاد کی ہوئی ہیں۔

﴿فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ﴾ اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ **"یهزون"** کے معنی میں ہے یعنی وہ اپنے سروں کو ہلاتے ہیں۔ جبکہ ان کے علاوہ (حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ **"نغضت سنک"** کے معنی ہیں **"تحرکت"** یعنی تیرا دانت ہل گیا۔

---

[۱] انفرد به البخاري.

(۲) باب:

یہ باب بلاعنوان ہے۔

﴿وَقَضَيْنَا إِلَى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ﴾ اخبرناهم أنهم سيفسدون. والقضاء على وجوه. ﴿وَقَضَى رَبُّكَ﴾: أمر ومنه الحكم ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ﴾ ومنه الخلق ﴿فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ خلقهن.

﴿نَفِيْراً﴾ من ينفر معه. ﴿وَلِيُتَبِّرُوْا﴾: يدمروا ﴿مَا عَلَوْا﴾. ﴿حَصِيْراً﴾: محبسا، محصرا. ﴿حَقَّ﴾: وجب. ﴿مَيْسُوْراً﴾: لينا. ﴿خِطْئاً﴾: اثما، وهو اسم من خطئت. والخطأ مفتوح مصدره من الاثم. خطيئت بمعنى اخطات.

﴿تَخْرِقَ﴾: لن تقطع. ﴿وَإِذْ هُمْ نَجْوَى﴾: مصدر من ناجيت فوصفهم بها، والمعنى يتناجون. ﴿رُفَاتاً﴾: حطاما. ﴿وَاسْتَفْزِزْ﴾: استخف ﴿بِخَيْلِكَ﴾ الفرسان. والرجل والرجال والرجالة واحدها راجل مثل صاحب وصحب وتاجر وتجر.

﴿حَاصِباً﴾: الريح العاصف، والحاصب أيضا ما ترمى به الريح. ومنه ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾. يرمى به في جهنم وهم حصبها، ويقال: حصب في الأرض ذهب. والحاصب مشتق من الحصباء والحجارة.

﴿تَارَةً﴾ مرة. وجماعة تير وتارات. ﴿لَأَحْتَنِكَنَّ﴾: لأستأصلنهم. يقال: احتنك فلان ما عند فلان من علم: استقصاه. ﴿طَائِرَهُ﴾: حظه. قال ابن عباس: كل سلطان في القرآن فهو حجة. ﴿وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ﴾: لم يحالف أحدا.

ترجمہ وتشریح

آیت کریمہ ﴿وَقَضَيْنَا إِلَى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ﴾ کی طرف اشارہ ہے کہ اسکا معنی ہے کہ ہم نے خبر دی کہ وہ فساد کریں گے۔ لفظ "قضا" کے کئی معنی آئے ہیں:

حکم دینا جیسے کہ اس آیت میں ہے ﴿وَقَضَى رَبُّكَ﴾ یعنی تیرے رب نے حکم دیا، اسی سے ہے فیصلہ کرنا، جیسے ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ﴾ یعنی تیرے رب نے انکے درمیان فیصلہ کر دیا اور اسی کا یہ مطلب

بھی ہے "الخلق" یعنی پیدا کرنے کے معنی میں جیسے ﴿فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ﴾ پھر اسکے بعد ہم نے ساتوں آسمانوں کو پیدا کیا۔

ان معانی کے علاوہ بھی ہیں مثلاً بمعنی فراغت جیسے ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ﴾ وغیرہ۔

"نَفِيْراً" کے معنی ہیں وہ لوگ جو آدمی کے ساتھ کوچ کرے یعنی دشمن کے مقابلے کیلئے نکلے۔

"وَلِيُتَبِّرُوْا" بمعنی "يدمروا" یعنی ہلاک وستیاناس کردیں۔

"حَصِيْراً" کے معنی ہیں "محبسا" یعنی روکنے کی جگہ، صیغہ ظرف از باب ضرب۔ "مَحْصراً" گھیرنے جگہ یعنی قید خانہ، جیل خانہ کہ ہمیشہ اسی جیل میں رہیں گے نکلنا ممکن نہ ہوگا، صیغہ ظرف از باب نصر۔

"حَقَّ" بمعنی "وجب" یعنی ثابت ہوا، تمام ہوا، بعض نے تفسیر کی ہے "وجب عليها العذاب".

"مَيْسُوْراً" بمعنی "لينا" یعنی نرم وملائم۔

"خِطْئاً" بمعنی "الما" یعنی گناہ۔ "خِطْئاً"- بکسر الخاء- یہ اسم ہے "خَطِئَت" بروزن "سَمِعَت" کا۔ اور "خَطَاءً"- بفتح الخاء- بمعنی "الاثم" یعنی گناہ کرنا یہ مصدر ہے۔ "خَطِئْتُ" بمعنی "اَخْطاتُ" یعنی ثلاثی مجرد اور مزید دونوں ہم معنی ہیں۔

لن تقطع.

"تَخْرِقَ" بمعنی "لن تقطع" یعنی تُو زمین کو قطع نہیں کر سکے گا، طے نہیں کر سکے گا۔

آیت مبارکہ ﴿وَاِذْهُمْ نَجْوٰى﴾ میں لفظ "نَجْوَى" مصدر ہے "ناجيت" سے پس ان لوگوں یعنی مشرکین کی اس "نَجْوَى" کے ساتھ صفت بیان کی اور معنی یہ ہے کہ باہم سرگوشی کرتے ہیں۔

"رُفَاتاً" بمعنی "حطاما" یعنی ٹکڑا ٹکڑا ار ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

"وَاسْتَفْزِزْ" کے معنی ہیں "استخف" یعنی ہلکا کردے، راہ راست کی استقامت سے ڈگمگا دے۔

"بِخَيْلِكَ" کے معنی ہیں "الفرسان" یعنی شہسوار۔

"رجل، الرجال، رجالة" جمع ہے اسکا واحد "راجل" ہے جیسے "صاحب وصحب" اور "تاجر وتجر"- اسی طرح "راجل" کی جمع "رجل" ہے۔

"حَاصِباً" کے معنی ہیں تیز چلنے والی ہوا، آندھی، اور "الحاصب" اس کنکر اور ریت کو بھی کہتے ہیں جس کو ہوا پھینکے، یعنی اڑا کر لائے یعنی سخت آندھی۔

اور اسی کے مفہوم سے ماخوذ ہے ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ دوزخ کا ایندھن، جن کو جہنم میں ڈالا جائے گا، وہ دوزخ کا "حصب" یعنی ایندھن ہوں گے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں "حصب في الأرض ذهب" یعنی زمین میں گیا گھس گیا اور "حصب" مشتق ہے "الحصباء والحجارة" سے، جس کے معنی ہیں سنگریزے، پتھر۔

واضح رہے کہ یہاں اشتقاق سے اصطلاحی اشتقاق مراد نہیں ہے جیسا کہ فعل کا اشتقاق مصدر سے ہوتا ہے، بلکہ یہاں صرف مناسبت مراد ہے۔

"تَارَةً" بمعنی **"مرة"** یعنی دفعہ، مرتبہ، جیسے دوسری مرتبہ، دوسری دفعہ، اسکی جمع **"تیر وتارات"** ہے۔

"لَأَحْتَنِكَنَّ" بمعنی **"لاستاصلنهم"** یعنی استیصال کرنا، بیخ کنی کر دینا اس کی یہ ایک تفسیر ہے اور دوسری یہ ہے کہ قید کر دینا۔ **"حنک"** سے نکلا ہے کہ کسی کے جبڑے میں لگام ڈال دینا۔ شیطان کہتا ہے کہ میں بنی آدم کے جبڑے میں لگام ڈالوں گا۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ **"احتنک فلان ما عند فلان من علم"**، بمعنی **"استقصاه"** یعنی فلاں آدمی کے پاس جتنا علم تھا وہ فلاں شاگرد نے سارا حاصل کرلیا، اس کی انتہا کو پہنچ کر اس کا احاطہ کرلیا۔

"طَائِرَهُ" بمعنی **"حظة"** یعنی اسکا حصہ، اسکی قسمت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے **"طَائِرَهُ"** کی تفسیر **"عمل"** منقول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پورے قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی لفظ **"سلطان"** آیا ہے اس کے معنی حجت اور دلیل کے ہے۔ اس سورۃ میں **"سلطان"** کا لفظ تین جگہ آیا ہے۔

﴿وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ﴾ کی تفسیر بیان کر رہے ہیں کہ **"لم يحالف أحدا"** یعنی نہ اللہ ﷻ کی سلطنت میں کوئی شریک ہے، نہ کوئی اسکا ولی ہے جو اسکو ذلت سے بچائے کیونکہ اللہ ﷻ کے ہاں ذلت کا تصور ہی نہیں ہے، لہٰذا اسکے بچاؤ کیلئے اس کو کسی وکیل کی ضرورت نہیں۔

(۳) باب قوله: ﴿أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [۱]

اس ارشاد کا بیان: "جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے ۔۔۔"

مختصر واقعۂ معراج

اس سے معراج کے واقعے کی طرف اشارہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، اور رات کے وقت اُنہیں ایک جانور پر سوار کیا، جس کا نام "براق" تھا، وہ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آپ کو مسجدِ حرام سے بیت المقدس تک لے گیا۔

یہ سفرِ معراج کا پہلا مرحلہ تھا جسے **"أَسْرَى"** کہا جاتا ہے، **أَسْرَى** اس آیت کی نص قطعی سے ثابت ہے۔

پھر وہاں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کو ساتوں پر آسمانوں پر لے گئے، اس کا نام **"معراج"**

ہے، اور معراج کا ذکر سورۃ النجم کی آیت میں ہے اور احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے۔ ہر آسمان پر آپ ﷺ کی ملاقات پچھلے پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر سے ہوئی۔

اُس کے بعد جنت کے ایک درخت **"سدرة المنتهى"** پر تشریف لے گئے، اور آپ کو اللہ تعالیٰ سے براہِ راست ہم کلامی کا شرف عطاء ہوا۔ اُسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمت پر اوّل پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا حکم ملا، پھر تخفیف کر کے پانچ نمازیں فرض کر دی گئیں۔ اس سے تمام عبادات کے اندر نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ واپس بیت المقدس میں اُترے اور جن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختلف آسمانوں میں ملاقات ہوئی تھی وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ اترے، گویا آپ کو رخصت کرنے کے لئے بیت المقدس تک ساتھ آئے اس وقت آپ نے نماز کا وقت ہو جانے پر سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز اداء فرمائی۔

یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز کا وقت ہو جانے پر سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا فرمائی، یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز اسی دن صبح کی نماز ہو۔

یہ امامت انبیاء کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک آسمان پر جانے سے پہلے پیش آیا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ واقعہ واپسی کے بعد ہوا کیونکہ آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے ملاقات میں یہ منقول ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام سے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ کا تعارف کرایا۔

اگر امامت کا واقعہ پہلے ہو چکا ہوتا تو یہاں تعارف کی ضرورت نہ ہوتی اور یوں بھی ظاہر ہے کہ اس سفر کا اصل مقصد ملاء اعلیٰ میں جانے کا تھا، پہلے اسی کو پورا کرنا اقرب معلوم ہوتا ہے۔ پھر جب اصل کام سے فراغت ہوئی تو انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کے ساتھ مشایعت (رخصت) کے لئے بیت المقدس تک آئے اور آنحضرت ﷺ کو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے اشارہ سے سب کا امام بنا کر آپ کی سیادت اور سب پر فضیلت کا عملی ثبوت دیا گیا۔

اس کے بعد آپ بیت المقدس سے رخصت ہوئے اور براق پر سوار ہو کر رات ہی رات میں آپ واپس مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ [۲]

اسریٰ کے بعد **"بِعَبْدِهِ"** - کا ذکر فرما کر اپنے مقبولانِ بارگاہ کا اعزاز بڑھانا مقصود ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ کا عبدِ کامل بن جائے اس لئے کہ خصوصی اعزاز کے مقام پر آپ کی بہت سی صفاتِ کمال میں صفتِ عبدیت کو اختیار کیا گیا۔

---

[۲] تفسیر ابن کثیر، ج: ۵، ص: ۱۱، ۱۰، معارف القرآن، ج: ۵، ص: ۴۴۱،

اور اس لفظ سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی مقصود ہے کہ اس حیرت انگیز سفر جس میں اول سے آخر تک سب فوق العادت معجزات کے باوجود آنحضرت ﷺ اللہ کے بندے ہیں، خدا نہیں !!

دوسرا اشارہ لفظ **"عبد"** سے اس طرف ہے کہ اسراء ومعراج کا تمام سفر صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی تھا، کیونکہ **"عبد"** صرف روحانی نہیں بلکہ جسم وروح دونوں کے مجموعہ کے نام ہے۔

اس کے بعد **"لیلاً"** - کا لفظ ہے، یہ لفظ یہاں پر نکرہ لائے ہیں، اس سے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس تمام واقعہ میں پوری رات بھی صرف نہیں ہوئی، بلکہ رات کا ایک حصہ صرف ہوا۔ [۳]

۴۷۰۹ - حدثنا عبدان: حدثنا عبداللہ: أخبرنا یونس

ح. وحدثنا أحمد بن صالح: حدثنا عنبسة: حدثنا یونس، عن ابن شهاب: قال ابن المسیب: قال أبو هریرة أتی رسول اللہ ﷺ لیلة أسری به بإیلیاء بقدحین من خمر ولبن. فنظر إلیهما فأخذ اللبن، قال جبریل: الحمد للہ الذی هداک للفطرة. لو أخذت الخمر غوت أمتک. [راجع: ۳۳۹۴]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ معراج / اسراء کی رات جب رسول اللہ ﷺ کو ایلیاء یعنی بیت المقدس لیجایا گیا تو آپ کے سامنے دو پیالے پیش کئے گئے ایک شراب کا دوسرا دودھ کا، آنحضرت ﷺ نے دونوں کو دیکھا پھر دودھ کا پیالہ لے لیا، اس پر جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ جل جلالہ کا شکر ہے جس نے آپ کو فطرت سلیمہ کی طرف ہدایت کی۔ اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

دودھ اور شراب پیش کرنے کی حکمت

"قال جبریل: الحمد للہ الذی هداک للفطرة"

جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ جل جلالہ کا شکر ہے جس نے آپ کو فطرت سلیمہ کی طرف ہدایت کی۔

دودھ کا پیالہ پسند اور اختیار کرنے کو راہ فطرت یعنی نورِ ہدایت سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ اس عالم سفلی میں دودھ ایک ایسی چیز ہے جو پاک وصاف، خالص ولطیف اور سفید وشیریں ہونے کے اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور بچے کو سب سے پہلی پرورش اور سب سے پہلی غذا دودھ ہی سے ہوتی ہے۔

---

[۳] معارف القرآن، ج:۵، ص:۴۳۹، ۴۳۸، - اسکے علاوہ مزید تفسیر وتشریح کیلئے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر عثمانی، سورہ بنی اسرائیل، آیت:۱، فائدہ:۲، انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب کیف فرضت الصلاۃ فی الإسراء، ج: ۳، ص: ۶۷ - ۵۰

پس عالم بالا میں دودھ کی مثال ہدایت اور فطرت کو قرار دیا گیا، جس سے قوت وتوانائی اور غذائے روحانی ملتی ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ عالم بالا میں اس دنیا کی چیزوں کی مثالیں اور صورتیں مقرر ہیں جن سے مناسب معانی اور اشارے اخذ کئے جاتے ہیں۔

"لو أخذت الخمر غوت امتک"

اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

یہ اس لئے کہا گیا کہ آنحضرت ﷺ اس وقت شراب کے پیالے کو اختیار کر لیتے تو آپ ﷺ کی امت کے لئے شراب حلال ہو جاتی اور اس طرح امت کے لوگوں میں شراب نوشی کی برائی اور اس کے مضرات داخل ہو جاتے۔

واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات پاک چونکہ کسی بھی برائی میں مبتلاء ہونے سے ازلی وابدی طور پر محفوظ تھی اور آپ ﷺ کا کسی بھی گمراہی میں پڑنا متصور ہی نہیں ہوسکتا، اس لئے آپ ﷺ سے یہ نہیں کہا گیا کہ اگر تم شراب پی لیتے تو تم گمراہ ہو جاتے، بلکہ "گمراہی" کی نسبت آپ ﷺ کی امت کے لوگوں کی طرف کی گئی۔

حدیث کے اس جملہ سے یہ نکتہ معلوم ہوا کہ رہبر و پیشوا خواہ نبی ہو یا عالم ہو یا کسی قوم وملک کا بادشاہ وسربراہ ہو، اس کی استقامت واولوالعزمی، اس کے پیروں اور اس کے ماننے والوں کی استقامت واولوالعزمی کا ذریعہ وسبب ہے، کیونکہ اس کو وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو کسی جسم میں دوسرے اعضاء کی نسبت سے دل کو حاصل ہوتی ہے۔ [ع]

۴۷۱۰ ـ حدثنا أحمد بن صالح: حدثنا ابن وهب قال: أخبرني يونس، عن ابن شهاب: قال أبو سلمة: سمعت جابر بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت النبي ﷺ يقول: ((لمّا كذبني قريش قمت في الحجر فجلى الله لي بيت المقدس فطفقت أخبرهم عن آياته وأنا أنظر اليه)). زاد يعقوب بن ابراهيم: حدثنا ابن اخي ابن شهاب، عن عمه: ((لما كذبني قريش حين أسري بي الى بيت المقدس))، نحوه.

[ع] قوله: ((للفطرة)) : اي للإسلام الذي هو مقتضى الطبيعة السليمة التي فطر الله الناس عليها. عمدة القارى، كتاب التفسير، باب قوله: ﴿أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ج: ۱۹، ص: ۳۶،– قوله: ((للفطرة)) اي: للإسلام والاستقامة. قوله: ((ولو اخذت الخمر غوت امتک)) اي: ضلت وانهمكت في الشرب ولكن بلطف الله تعالى اختار اللبن لكونه سهلا طيبا طاهرا سائغا للشاربين سليم العاقبة. وفيه: استحباب حمد الله تعالى عند تجدد النعمة وحصول ما كان يتوقع حصوله. واندفاع ما كان يخاف وقوعه. عمدة القارى، كتاب الأشربة، ج: ۱۲، ص: ۱۶۴ .

﴿قَاصِفاً﴾: ریح تقصف کل شیء. [راجع: ۳۸۸۶]

ترجمہ: ابوسلمہ کہتے ہیں میں نے سنا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ جب قریش نے مجھ کو جھٹلایا تو میں مقام حجر (حطیم کعبہ) میں کھڑا ہوا تھا، پس اللہ ﷻ نے میرے لئے بیت المقدس کو ظاہر کر دیا میں اسے دیکھ دیکھ کر ان کے سامنے ایک ایک علامت بیان کرنے لگا۔ یعقوب بن ابراہیم نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ ہم سے ابن شہاب کے بھتیجے نے اپنے چچا سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ جب قریش نے مجھ کو واقعہ معراج کے سلسلے میں جھٹلایا، پھر آگے یہی حدیث بیان کی۔

"قاصِفاً" اس تیز ہوا، آندھی کو کہتے ہیں جو ہر ایک چیز کو اُکھاڑ پھینکے۔

قریش کے سوالات پر بیت المقدس آنحضرت ﷺ کے سامنے لانا

"فجلى الله لي بيت المقدس فطفقت أخبرهم عن آياته وأنا أنظر اليه"

پس اللہ ﷻ نے میرے لئے بیت المقدس کو ظاہر کر دیا میں اسے دیکھ دیکھ کر ان کے سامنے ایک ایک علامت بیان کرنے لگا۔

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب واقعہ معراج کے متعلق آپ ﷺ نے لوگوں کو بتایا تو کفار مکہ آپ کو جھٹلانے لگے اور آپ کا مذاق اُڑانے لگے اور بیت المقدس کی عمارتوں اور ان کی نشانیوں کے بارے میں سوالات کر رہے تھے اور آپ ﷺ کے ذہن میں بیت المقدس کا پورا عمارتی نقشہ اور اس کی نشانیاں محفوظ نہ رہنے کے سبب میں ان عمارتوں کو دوبارہ دیکھے بغیر ان کے جوابات نہیں دے سکتے تھے۔

تو قادر مطلق نے یوں مدد فرمائی کہ نبی کریم ﷺ اور بیت المقدس کے درمیان کے سارے فاصلے سمیٹ دیئے اور آپ کی نگاہوں کے سامنے سے وہ ساری رُکاوٹیں دور کر دیں جو آپ کے اور بیت المقدس کے درمیان حائل تھیں، اس طور سے پورا بیت المقدس آنحضرت ﷺ کے سامنے آگیا اور آپ بغیر کسی اشتباہ و احتمال کے اس کی ایک ایک چیز اچھی طرح دیکھ کر قریش مکہ کے ایک ایک سوال کا بالکل صحیح جواب دینے پر قادر ہو گئے۔

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ پورا بیت المقدس اٹھا کر لایا گیا ہو اور آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا ہو۔ جیسا کہ ایک روایت میں، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چنانچہ بیت المقدس اٹھا کر لائی گئی اور دار عقیل کے پاس رکھی گئی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ظہور معجزہ میں کامل ترین صورت بھی یہی ہے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں

ثابت ہے کہ ملکہ بلقیس کا تخت ایک لمحہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا تھا۔ [۵]

(۴) باب قوله تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان: ''اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے۔''

بنی آدم کی فضیلت کی وجہ

ترجمۃ الباب میں بیان کی گئی اس آیت میں اولادِ آدم کی اکثر مخلوقات پر فوقیت اور افضلیت کا ذکر ہے، اس میں دو باتیں قابلِ غور ہیں:

پہلی یہ کہ یہ افضلیت کن صفات اور کن وجوہ کی بناء پر ہے؟

دوسری یہ کہ اس میں افضلیت اکثر مخلوقات پر دینا بیان فرمایا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟

پہلی بات کی تفصیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بنی آدم کو مختلف حیثیات سے ایسی خصوصیات عطاء فرمائی ہیں جو دوسری مخلوقات میں نہیں ہیں۔ مثلاً حسنِ صورت، اعتدالِ جسم، اعتدالِ مزاج، اعتدال قد و قامت جو انسان کو عطاء ہوا ہے کسی دوسرے حیوان میں نہیں۔

اس کے علاوہ عقل و شعور میں اس کو خاص امتیاز بخشا گیا ہے، جس کے ذریعے وہ تمام کائنات علویہ اور سفلیہ سے اپنا کام نکالتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدرت بخشی ہے کہ مخلوقات الٰہیہ سے ایسے مرکبات اور مصنوعات تیار کرے جو اس کے رہنے سہنے اور نقل و حرکت اور طعام و لباس میں اس کے مختلف کام آئیں۔

نطق و گویائی اور افہام و تفہیم کا جو ملکہ اس کو عطا ہوا ہے وہ کسی دوسرے حیوان میں نہیں۔

اشارات کے ذریعے اپنے دل کی بات دوسروں کو بتلا دینا، تحریر اور خط کے ذریعے دل کی بات دوسروں تک پہنچانا، یہ سب انسان ہی کی امتیازات ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں سے کھانا بھی انسان ہی کی صفت مخصوصہ ہے، اس کے علاوہ تمام جانور اپنے منہ سے کھاتے ہیں۔ اپنے کھانے کی چیزوں کو مختلف اشیاء سے مرکب کر کے لذیذ اور مفید بنانے کا کام بھی انسان ہی کرتا ہے۔

---

[۵] مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الفضائل، باب ما أعطى الله محمداً ﷺ، رقم: ۳۱۷۰۰، ج: ۶، ص: ۳۱۲، و عمدة القاري، ج: ۱۹، ص: ۳۷

باقی سب جانور مفرد چیزیں کھاتے ہیں، کوئی کچا گوشت کھاتا ہے، کوئی گھاس، کوئی پھل وغیرہ ۔ بہرحال سب مفردات کھاتے ہیں انسان ہی اپنی غذا کے لئے ان سب چیزوں کے مرکبات تیار کرتا ہے۔

اور سب سے بڑی فضیلت عقل وشعور کی ہے جس سے وہ اپنے خالق اور مالک کو پہچانے اور اس کی مرضی، نامرضی کو معلوم کر کے مرضیات کا اتباع کرے، نامرضیات سے پرہیز کرے اور عقل وشعور کے اعتبار سے مخلوقات کی تقسیم اس طرح ہے کہ عام جانوروں میں شہوات اور خواہشات ہیں، عقل وشعور نہیں۔ انسان میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں عقل وشعور بھی ہے شہوات وخواہشات بھی ہیں، اسی وجہ سے جب وہ شہوات وخواہشات کو عقل وشعور کے ذریعہ مغلوب کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچالیتا ہے تو اس کا مقام بہت سے فرشتوں سے بھی اونچا ہو جاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اولادِ آدم کو اکثر مخلوقات پر فضیلت دینے کا کیا مطلب ہے، اس میں تو کسی کو اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں کہ دنیا کی تمام مخلوقات علویہ اور سفلیہ اور تمام جانوروں پر اولادِ آدم کو فضیلت حاصل ہے، اسی طرح جنات جو عقل وشعور میں انسان ہی کی طرح ہیں ان پر بھی انسان کا افضل ہونا سب کے نزدیک مسلّم ہے۔

اب معاملہ صرف فرشتوں کا رہ جاتا ہے کہ انسان اور فرشتہ میں کون افضل ہے؟

اس میں تحقیقی بات یہ ہے کہ انسان میں عام مومنین صالحین جیسے اولیاء اللہ وہ عام فرشتوں سے افضل ہیں، مگر خواص ملائکہ جیسے جبرائیل، میکائیل وغیرہ ان عام صالحین سے افضل ہیں اور خواص مومنین جیسے انبیاء علیہم السلام وہ خواص ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔

باقی رہے کفار وفجار انسان وہ ظاہر ہے کہ فرشتوں سے تو کیا افضل ہوتے وہ تو جانوروں سے بھی اصل مقصد فلاح ونجاح میں افضل نہیں ہیں، ان کے متعلق تو قرآن کا فیصلہ ہے کہ ﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ یعنی یہ تو چوپایہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ [٦]

كرّمنا وأكرمنا واحد. ﴿ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ﴾ عذاب الحياة وعذاب الممات. ﴿خِلَافَكَ﴾ وخلفك سواء. ﴿وَنَأَىٰ﴾: تباعد.

﴿شَاكِلَتِهِ﴾: ناحيته. وهي من شكله. ﴿صَرَّفْنَا﴾: وجهنا. ﴿قَبِيلًا﴾: معاينة ومقابلة. وقيل: القابلة لأنها مقابلتها، وتقبل ولدها.

﴿خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ﴾، يقال أنفق الرجل أملق. ونفق الشيء ذهب. ﴿قَتُورًا﴾: مقترا. ﴿لِلْأَذْقَانِ﴾: مجتمع اللحيين، الواحد ذقن.

---

[٦] معارف القرآن، ج:۵، ص:۵۰۷، ۵۰۶

وقال مجاهد: ﴿مَوْفُوْراً﴾: وافر. ﴿تَبِيعاً﴾: ثائرا، وقال ابن عباس: نصيرا. ﴿خَبَتْ﴾: طفئت. وقال ابن عباس: ﴿لاتُبَذِّرْ﴾: لاتنفق في الباطل. ﴿ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ﴾: رزق. ﴿مَثْبُوراً﴾: ملعونا. ﴿لاتَقْفُ﴾: لا تقل. ﴿فَجَاسُوا﴾: تيمموا. يزجي الفلك: يجري الفلك. ﴿يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ﴾: للوجوه.

ترجمہ وتشریح

"کرّمنا واکرمنا واحد" دونوں کے معنی ایک ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ دونوں متعدی ہے اگرچہ "کَرَّمْنَا" میں مبالغہ زیادہ ہے بمقابلہ "اکرمنا" کے۔

"ضِعْفَ الْحَيَاةِ" کے معنی ہیں "عذاب الحیاۃ" اور "وضِعْفَ الْمَمَاتِ" کے معنی "عذاب الممات"۔

"خِلافَکَ" اور "خَلفک" دونوں برابر ہیں یعنی دو قرأتیں ہیں اور دونوں کے معنی ایک ہیں۔

"وَنَایٰ" بمعنی "تباعد" یعنی دور ہوا، لیکن آیت میں چونکہ متعدی بالباء ہے اس لئے ترجمہ ہوگا اس نے اپنے پہلو کو دور کرلیا، کروٹ پھیرلی، پہلو پھیرلی۔

"شَاكِلَتِهِ" بمعنی "ناحیته" یعنی راستہ، طریقہ، یہ ماخوذ ہے شکل سے جسکے معنی قصد وارادہ، مثل ونظیر۔

"شاکلة" کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ مراد مذہب ہے جو اسکے مثل ومشابہ ہے ہدایت وضلالت میں اور اس تفسیر کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آگے ارشاد باری ہے ﴿فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا﴾۔

"صَرَّفْنَا" بمعنی "وجهنا" یعنی ہم نے سامنے لایا ہے، ہم نے بیان کیا ہے۔

"قَبِيلاً" کے معنی ہیں آنکھوں کے سامنے، روبرو، یہ حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کی تفسیر ہے، اور بعض دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ "القابلة" اس سے ماخوذ ہے یعنی دائی؛ بچہ جنانے والی دائی، کیونکہ بچہ جناتے وقت جننے والی عورت کے مقابل اور سامنے ہوتی ہے اور اسکے بچہ کی دایہ گیری کرتی ہے، سنبھالتی ہے۔

"خَشْيَةَ الإِنْفَاقِ" کے معنی: فقر وافلاس۔ جب کوئی شخص تنگ، مفلس ہوجائے تو کہتے ہیں کہ "انفق الرجل" یعنی آدمی مفلس ہوگیا اور جب کوئی چیز ختم ہوجائے تو "ونفق الشيء" کہا جاتا ہے۔

"قَتُوراً" جو صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنی اسم فاعل "مقترا" یعنی بخیل، کنجوس، نان ونفقہ میں کوتاہی وکمی کرنا۔

"للأذقان" کے معنی ہیں دونوں جبڑے ملنے کی جگہ اور اس کا واحد "ذقن" جس کا معنی ہے ٹھوڑی۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "مَوْفُوْراً" اسم مفعول بمعنی "وافر" اسم فاعل ہے، مطلب یہ ہے

کہ جیسے اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی اسم مفعول بمعنی اسم فاعل ہے۔

"تَبِيْعاً" بمعنی **"ثائرا"** ہے یعنی بدلہ لینے والا۔

"ثائر" معنی آتا ہے خون کا بدلہ لینا، خون کا مطالبہ کرنا اور ہر اس شخص کو جو بدلہ کا طالب ہو اس کو **"تبیع"** اور **"تابع"** بمعنی پیچھا کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ **"تَبِيْعاً"** بمعنی **"نصيرا"** ہے، اس صورت میں معنی ہوگا مددگار کیونکہ دیت طلب کرنے والا بھی ایک طرح سے مددگار ہوتا ہے۔

"خَبَتْ" بمعنی **"طفئت"** یعنی بجھنے لگے گی، آگ کا بجھنا، دھیما ہونا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ **"لاتُبَذِّرْ"** کے معنی ہیں **"لاتنفق فی الباطل"** یعنی بے ہودہ جگہ، ناجائز کاموں میں مال کو مت خرچ کرو۔

﴿ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ﴾ میں **"رحمة"** بمعنی رزق کے ہے۔

"مَثْبُوراً" بمعنی **"ملعونا"** یعنی لعنت ملامت کیا ہوا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر ہے۔

"لاتَقْفُ" کے معنی ہیں **"لاتقل"** یعنی اٹکل بات مت کہو جس کا تمہیں کو علم نہ ہو۔

اصل **"قفا - يقفوا - قفوا"** کا معنی ہے پیچھے چلنا، پیروی کرنا، اندھی تقلید کرنا۔

"فَجاسُوا" بمعنی **"تيمموا"** یعنی قصد کیا، مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے قتل و غارت کشت و خون کا بخت نصر نے قصد کیا۔

"يزجي" بمعنی **"يجري"** جس کے معنی ہیں چلانا، جاری کرنا۔

"يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ" مراد یہ ہے کہ چہروں کے بل گرتے ہیں سجدہ میں۔

باب: ﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا﴾ الآية [۱۶]

باب: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اُس کے خوش حال لوگوں کو (ایمان اور اطاعت کا) حکم دیتے ہیں۔"

عذاب الٰہی آنے کی علامت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و اختیار دیا اور عذاب و ثواب کے راستے متعین کر دیئے، جب کوئی اپنے

اختیار یہ ہے عذاب ہی کے کام کا عزم اور قصد کرے تو عادت اللہ یہ ہے کہ وہ اسی عذاب کے اسباب مہیا کر دیتے ہیں تو اصلی سبب عذاب کا خود ان کا عزم اور قصد ہے کفر و معصیت کا نہ کہ محض ارادہ اس لئے وہ معذور نہیں ہو سکتے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب بھیجتے ہیں تو اس کی ابتدائی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس قوم میں خوش عیش سرمایہ دار لوگوں کی کثرت کر دی جاتی ہے اور وہ اپنے فسق و فجور کے ذریعے پوری قوم کو عذاب میں مبتلا کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عیش پسندوں کی حکومت یا ایسے لوگوں کی قوم میں کثرت کچھ خوشی کی چیز نہیں بلکہ عذاب الٰہی کی علامت ہے۔

حق تعالیٰ جب کسی قوم پر ناراض ہوتے ہیں اور اس کو عذاب میں مبتلاء کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ابتدائی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس قوم کے حاکم و رئیس ایسے لوگ بنا دیئے جاتے ہیں جو عیش پسند، عیاش ہوں یا حاکم نہ بھی بنیں تو اس قوم کے افراد میں ایسے لوگوں کی کثرت کر دی جاتی ہے۔

دونوں صورتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ شہوات ولذات میں مست ہو کر اللہ کی نافرمانیاں خود بھی کرتے ہیں، دوسروں کے لئے بھی اس کی راہ ہموار کرتے ہیں بالآخر اُن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجاتا ہے۔ [۷]

۴۷۱۱ ـ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان: أخبرنا منصور، عن أبي وائل، عبدالله قال: كنا نقول لحي إذا كثروا في الجاهلية:۔ أمر بنو فلان.

حدثني الحميدي: حدثنا سفيان وقال: وأمر. [۸]

ترجمہ: ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ (بن مسعود) ﷺ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت جب کسی قبیلے کے لوگ بہت ہو جاتے تھے تو ہم کہتے تھے **أَمَرَ بنو فلان**۔ فلاں خاندان بہت بڑھ گیا۔

حمیدی نے بیان کیا کہ ہم سے سفیان بن عیینہ نے اس طرح بیان کیا **"أَمِرَ"**۔

(۵) باب ﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْداً شَكُوْراً﴾ [۳]

باب: ''اے اُن لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا! وہ بڑے شکر گزار بندے تھے۔''

---

[۷] تفسير القرطبي، ج: ۱۰، ص: ۲۳۲، ومعارف القرآن، ج: ۵، ص: ۴۵۹، ۴۵۸

[۸] انفرد به البخاري.

۴۷۱۲ - حدثنا محمد بن مقاتل: اخبرنا عبدالله: أخبرنا ابوحيان التيمى، عن أبى زرعة بن عمرو بن جرير، عن أبى هريرة ﷺ قال: أُتى رسول الله ﷺ بلحم فرفع اليه الذرع وكانت تعجبه، فنهس منها نهسة ثم قال: أنا سيد الناس يوم القيامة، وهل تدرون مم ذلك؟ يجمع الله الناس الأولين والآخرين فى صعيد واحد، يسمعهم الداعى وينفذهم البصر، وتدنو الشمس فيبلغ الناس من الغم والكرب ما لايطيقون ولايحتملون. فيقول الناس: ألاترون ما قد بلغكم؟ ألاتنظرون من يشفع لكم أى ربكم؟ فيقول بعض الناس لبعض: عليكم بآدم. فيأتون آدم ﷺ فيقولون له: أنت أبوالبشر، خلقك الله بيده ونفخ فيك من روحه، وأمر الملائكة فسجدوا لك، اشفع لنا الى ربك، ألا ترى الى ما نحن فيه؟ ألاترى الى ما قد بلغنا؟ فيقول آدم: ان ربى قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله، وانه نهانى عن الشجرة فعصيته، نفسى نفسى نفسى، اذهبوا الى غيرى، اذهبوا الى نوح. فيأتون نوحا فيقولون: يانوح انك أنت أول الرسل الى أهل الأرض وقد سماك الله عبداشكورا، اشفع لنا الى ربك، ألا ترى الى مانحن فيه؟ فيقول: ان ربى عزّ وجلّ قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله، وانه قدكانت لى دعوة دعوتها على قومى، نفسى نفسى نفسى، اذهبوا الى غيرى، اذهبوا ابراهيم. فيأتون ابراهيم فيقولون: يا ابراهيم، أنت نبى الله وخليله من أهل الأرض، اشفع لنا الى ربك. ألا ترى الى مانحن فيه؟ فيقول لهم: ان ربى قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله. وانى قد كنت كذبت ثلاث كذبات - فذكرهن أبو حيان فى الحديث - نفسى نفسى نفسى، اذهبوا الى غيرى، اذهبوا الى موسى. فيأتون موسى، فيقولون: يا موسى، أنت رسول الله، فضلك الله برسالته وبكلامه على الناس، اشفع لنا الى ربك ألا ترى الى ما نحن فيه؟ فيقول: ان ربى قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله، وانى قتلت نفسا لم أومر بقتلها، نفسى نفسى نفسى، اذهبوا الى غيرى اذهبوا الى عيسى. فيأتون عيسى فيقولون: أنت رسول الله وكلمته القاها الى مريم وروح منه وكلمت الناس فى المهد صبيا، اشفع لنا، ألا ترى الى مانحن فيه؟ فيقول عيسى: ان ربى قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله. ولم يذكر ذنبا، نفسى نفسى نفسى، اذهبوا الى غيرى، اذهبوا الى محمد ﷺ. فيأتون محمدا ﷺ فيقولون: يامحمد، أنت رسول الله ﷺ

وخاتم الأنبياء، وقد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر، اشفع لنا الى ربك، ألا ترى الى مانحن فيه؟ فانطلق فآتي تحت العرش، فأقع ساجدا لربي عزّ وجلّ. ثم يفتح الله عليّ من محامده وحسن الثناء، عليه شيئا لم يفتحه على أحد قبلي، ثم يقال: يا محمد، ارفع راسك، سل تعطه، واشفع تشفع. فارفع رأسي فأقول: أمتي يارب، أمتي يارب. فيقال: يامحمد، أدخل من أمتك من لاحساب عليهم من الباب الأيمن من أبواب الجنة، وهم شركاء الناس فيما سوى ذلك من الأبواب)). ثم قال: ((والذى نفسي بيده ان ما بين المصراعين من مصاريع الجنة كما بين مكة وحمير، أو كما بين مكة وبصرى)). [راجع: ۳۳۴۰]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گوشت لایا گیا اور دست کا حصہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا جو آپ کو بہت مرغوب تھا، آپ نے اس دست کا گوشت دانت سے کاٹ کر تناول فرمایا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز میں لوگوں کا سردار ہوں گا اور کیا تم جانتے ہو یہ کس وجہ سے ہوگا؟ سارے لوگ اگلے پچھلے ایک چٹیل میدان میں جمع کئے جائیں گے، وہاں پکارنے والا ان سب کو اپنی آواز سنا سکے گا اور اس کی نگاہ سب کو دیکھ سکے گی، سورج بالکل قریب ہو جائے گا، چنانچہ لوگوں کو رنج وغم پہنچے گا کہ طاقت سے باہر اور وہ برداشت نہ کرسکیں گے۔

آخر لوگ آپس میں کہیں گے تم دیکھتے نہیں کہ کیا نوبت پہنچی ہے؟ کیا تم نہیں دیکھو گے، ایسی ذات کو جو تمہارے رب کے پاس تمہاری سفارش کرے۔

پھر بعض لوگ بعض سے کہیں گے کہ آدم علیہ السلام کے پاس چلنا چاہئے۔ چنانچہ سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے آپ سب انسانوں کے باپ ہیں اللہ جل جلالہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور اپنی طرف سے خصوصیت کے ساتھ آپ میں روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا، چنانچہ انہوں نے آپ کو سجدہ کیا، اب آپ اپنے رب سے ہمارے لئے سفارش کیجئے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس تکلیف میں ہیں، اس حالت کو بھی دیکھ رہے ہیں جو ہمیں پہنچی ہے۔

اس پر حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے کہ میرا رب آج سخت غصے کی حالت میں ہے، اس سے پہلے اتنے غصے میں وہ کبھی نہیں ہوا تھا اور نہ آج کے بعد اتنا غضب ناک ہوگا، اور پروردگار نے مجھے بھی ایک درخت سے منع کیا تھا، لیکن میں نے اسکی نافرمانی کی، پھر کہیں گے کہ **نفسي، نفسي، نفسي**۔ یعنی مجھے خود اپنی فکر ہے، تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس چلے جاؤ، حضرت نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے اے نوح! آپ اہل زمین کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں، آپ کو اللہ ﷻ نے **"عبداشکورا"** شکر گذار بندہ کا خطاب دیا ہے، آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس تکلیف میں مبتلا ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام بھی کہیں گے کہ میرا رب اتنا غضب ناک ہوا ہے کہ اس سے پہلے اتنا غضبناک وہ کبھی نہیں ہوا تھا اور نہ آج کے بعد اتنا غضب ناک ہوگا، اور مجھے ایک دعا کی قبولیت کا یقین دلایا گیا تھا جو میں نے اپنی قوم کے خلاف کر لی **نفسی، نفسی، نفسی**۔ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، اور عرض کریں گے اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور اللہ کے خلیل ہیں آپ پروردگار کے پاس ہماری سفارش کیجئے، آپ دیکھ رہے ہیں ہم لوگ کس تکلیف میں ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کہیں گے، آج میرا رب اتنا غضب ناک ہے کہ اس سے پہلے اتنا غضبناک وہ کبھی نہیں ہوا تھا اور نہ آج کے بعد اتنا غضب ناک ہوگا، اور میں نے دنیا میں ایک خطاء کی تھی تین جھوٹ بولے تھے۔ ابوحیان نے اپنی حدیث میں ان تینوں کا ذکر کیا ہے۔ **نفسی، نفسی، نفسی**۔ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ ﷻ نے اپنی طرف سے رسالت اور اپنے کلام کے ذریعہ تمام لوگوں پر فضیلت دی، آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار کے پاس سفارش کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس تکلیف میں گرفتار ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے آج اللہ ﷻ بہت غضب ناک ہے، اتنا غضب ناک کہ نہ وہ پہلے ہوا تھا اور نہ آج کے بعد کبھی ہوگا، میں نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، حالانکہ اللہ ﷻ کی طرف سے اس کے قتل کا حکم نہیں ملا تھا۔ **نفسی، نفسی، نفسی**۔ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ ﷻ نے حضرت مریم علیہا السلام پر ڈالا تھا اور اللہ ﷻ کی طرف سے روح ہیں، آپ نے گود میں رہ کر بچپن میں لوگوں سے باتیں کی تھیں، اپنے رب کے پاس ہمارے لئے سفارش کیجئے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم لوگ کس تکلیف میں ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی کہیں گے کہ میرا رب اتنا غضب ناک ہے کہ نہ اس سے پہلے غضب ناک ہوا تھا اور نہ اس کے بعد ہوگا، اور اپنا کوئی قصور نہیں بیان کیا جیسے دوسرے انبیاء علیہم السلام نے لغزشیں بیان کیں۔

(لیکن دوسری ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام فرمائیں گے اللہ جل جلالہ کے سوا میں معبود ٹھہرایا گیا، مجھ کو لوگوں نے ابن اللہ کہا تھا اس لئے میں ڈرتا ہوں نفسی، نفسی، نفسی — میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ)۔

چنانچہ سب لوگ حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اور اللہ جل جلالہ نے آپ کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف کر دی ہیں آپ اپنے رب کے پاس ہمارے لئے سفارش کر دیجئے، آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ ہم لوگ کس تکلیف میں ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں چلوں گا اور عرش کے سائے تلے پہنچ کر اپنے رب کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر اللہ جل جلالہ اپنی تعریف اور حسن ثناء کی وہ باتیں میرے دل میں ڈالدیگا کہ مجھ سے پہلے وہ حمد وثناء کسی کو نہیں بتائی تھی۔

پھر کہا جائیگا اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا، سفارش کیجئے آپ کی سفارش قبول کی جائیگی۔ تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا کہ میری امت، اے میرے رب، میری امت، اے میرے رب۔ پھر کہا جائے گا، اے محمد! اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں ہے جنت کے داہنے دروازے سے داخل کر لیجئے اور یہ لوگ اس کے سوا باقی دروازوں میں بھی لوگوں کے شریک ہیں (مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو اختیار ہے کہ جس دروازہ سے چاہیں داخل ہو سکتے ہیں)۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے جنت کے دروازے کے دونوں کناروں میں یعنی جنت کے پھاٹک کے دونوں پٹوں میں اتنا فاصلہ ہے جیسے مکہ اور حمیر کے درمیان ہے یا جتنا مکہ اور بصریٰ کے درمیان۔

(۶) باب قولہ: ﴿وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُوراً﴾ [۵۵]

اس ارشاد کا بیان: ''اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی تھی۔''

۴۷۱۳ ۔ حدثنا اسحاق بن نصر: حدثنا عبدالرزاق، عن معمر، عن همام بن منبه، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((خفف علی داؤد القرآن فكان يأمر بدابته لتسرج، فكان يقرأ قبل أن يفرغ - يعني - القرآن)). [راجع: ۲۰۷۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر پڑھنا

یعنی زبور کی تلاوت آسان کر دیا گیا تھا، چنانچہ وہ اپنے جانور پر زین کسنے کا حکم دیتے پھر زین کسے جانے سے پہلے پڑھ چکتے یعنی زبور اللہ کی کتاب۔

(۷) باب: ﴿قُلِ ادْعُوْا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِهِ﴾ [۵۶]

باب: ''(جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کو مانتے ہیں، اُن سے) کہہ دو کہ: جن کو تم نے اللہ کے سوا معبود سمجھ رکھا ہے، انہیں پکار کر دیکھو۔''

۴۷۱۵ ـ حدثنی عمرو بن علی: حدثنا یحیی: حدثنا سفیان: حدثنی سلیمان، عن ابراھیم، عن ابی معمر، عن عبداللہ ﴿إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ﴾ قال: کان ناس من الانس یعبدون ناسا من الجن، فأسلم الجن وتمسک ھؤلاء بدینھم.

زاد الأشجعی، عن سفیان عن الأعمش ﴿قُلِ ادْعُوْا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِهِ﴾.

[أنظر: ۴۷۱۵] ۹

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے آیت ﴿إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ﴾ کی تفسیر کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے بیان کیا کہ کچھ لوگ جنوں کی پرستش کیا کرتے تھے، پھر ایسا ہوا کہ وہ جن مسلمان ہو گیا اور لیکن یہ لوگ اس کے دین کو پکڑے رہے (یعنی شرک پر بدستور قائم رہے)۔

اشجعی نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو سفیان ثوری سے روایت کیا اور انہوں نے اعمش سے روایت کی کہ انہوں نے اس آیت ﴿قُلِ ادْعُوْا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِهِ﴾ کے متعلق یہ روایت بیان کی۔

(۸) باب قوله: ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ﴾ الآية [۵۷]

اس ارشاد کا بیان: ''جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ تو خود اپنے پروردگار تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔''

---

۹ وفی صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب فی قوله تعالیٰ: ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ﴾. رقم: ۳۰۳۰

۴٧١٥ ۔ حدثنا بشر بن خالد: أخبرنا محمد بن جعفر، عن شعبة، عن سليمان، عن ابراهيم، عن أبي معمر، عن عبدالله ﷺ في هذه الآية ﴿أُولٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ﴾ قال: ناس من الجن يعبدون فأسلموا. [راجع: ۴٧١۴]

ترجمہ: ابومعمر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے اس آیت کریمہ ﴿أُولٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ﴾ کے بارے میں فرمایا کہ کچھ جن ایسے تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی، پھر وہ جن مسلمان ہوگئے۔

تشریح

کچھ لوگ جاہلیت میں جنات کی عبادت کرتے تھے، وہ جن مسلمان ہوگئے اور یہ پوجنے والے اپنی جہالت پر قائم رہے۔ ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض کہتے ہیں کہ جن، ملائکہ، مسیح وعزیر وغیرہ کے پوجنے والے سب اس میں شامل ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جن ہستیوں کو تم معبود ومستعان سمجھ کر پکارتے ہو، وہ خود اپنے رب کا بیش از بیش قرب تلاش کرتے ہیں، ان کی دوادوش صرف اس لئے ہے کہ خدا کی نزدیکی حاصل کرنے میں کون آگے نکلتا ہے، ان میں جو زیادہ مقرب ہے وہ ہی زیادہ قرب الٰہی کے طالب رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کسی سب سے زیادہ مقرب بندہ کی دعاء وغیرہ کو حصول قرب کا وسیلہ بنائیں۔

پس جب تمہارے تجویز کئے ہوئے معبودوں کا اللہ کے سامنے یہ حال ہے تو اپنے تئیں خود فیصلہ کرلو کہ اللہ ﷻ کو خوش رکھنا کہاں تک ضروری ہے، غیر اللہ کی پرستش سے نہ خدا خوش ہوتا ہے نہ وہ جنہیں تم خوش رکھنا چاہتے ہو۔

تنبیہ: ”توسل“ اور ”تعبد“ میں فرق ظاہر ہے، پھر توسل بھی اسی حد تک مشروع ہے جہاں تک شریعت نے اجازت دی۔ یعنی باوجود غایت قرب کے انکی امیدیں محض اللہ ﷻ کی مہربانی سے وابستہ ہیں اور اسی کے عذاب سے ہمیشہ لرزاں وترساں رہتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ہر قسم کا نفع پہنچانا، یا ضرر کو روکنا ایک خدا کے قبضہ میں ہے۔

(٩) باب: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ [٦٠]

باب: ”اور ہم نے جو نظارہ تمہیں دکھایا ہے، اُس کو ہم نے (کافر) لوگوں کیلئے بس ایک فتنہ بنادیا۔“

فتنہ میں ڈالنے سے مراد

اس آیت میں لفظ "فتنة" آیا ہے، عربی زبان میں یہ بہت سے معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔
اسکا ایک معنی ہے گمراہی کا۔
ایک معنی آزمائش کا بھی آتا ہے۔
ایک معنی کسی ہنگامہ وفساد کے برپا ہونے کے بھی آتا ہے۔
یہاں ان سب معانی کا احتمال ہوسکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت معاویہ ﷺ اور حضرت حسن بصری، حضرت مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر رحمہم اللہ اجمعین نے اس جگہ فتنہ سے مراد یہی آخری معنی لئے ہیں اور فرمایا کہ یہ فتنہ ارتداد کا تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر جانے اور صبح سے پہلے واپس آنے کا ذکر کیا تو بہت سے نومسلم لوگ جن میں ایمان راسخ نہ ہوا تھا اس کلام کی تکذیب کر کے مرتد ہو گئے۔

اسی واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ لفظ "رؤيا" عربی زبان میں اگرچہ خواب کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن اس جگہ مراد خواب کا قصہ نہیں کیونکہ ایسا ہوتا تو لوگوں کے مرتد ہو جانے کی کوئی وجہ نہیں تھی، خواب تو ہر شخص ایسے دیکھ سکتا ہے، بلکہ اس جگہ مراد "رؤيـــا" سے ایک واقعہ عجیبہ کا بحالت بیداری براہ راست آنکھ سے دکھلانا مراد ہے۔ [۱۰]

اور "رؤيا" کا یہ معنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے درج ذیل حدیث میں بھی منقول ہے۔

۴۷۱۶ ـ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان، عمرو، عن عكرمة، عن ابن عباس رضى الله عنهما ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ قال: هي رؤيا عين أريها رسول الله ﷺ ليلة أسري به،﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ﴾ قال: شجرة الزقوم. [راجع: ۳۸۸۸]

ترجمہ: حضرت عکرمہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ **﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾** کے بارے میں فرمایا کہ آنکھ کا دیکھنا مراد ہے، جو رسول اللہ ﷺ کو شب معراج میں دکھایا گیا، اور **﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ﴾** سے مراد "**شجرة الزقوم**" یعنی تھوہر کا درخت ہے۔

---

[۱۰] تفسير القرطبي، سورة الاسراء، آية: ۶۰، ج: ۱۰، ص: ۲۸۲

''رؤیا''- کی تشریح

﴿الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ - ''دکھاوے/نظارے'' سے مراد شب معراج کا نظارہ ہے، جس کے بیان سے لوگ جانچے جائیں گے، سچوں نے سن کر مانا اور کجی لوگوں نے جھوٹ جانا۔

تھوہر کا درخت؛ دوزخیوں کی خوراک

﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ﴾ - ''زقوم'' یعنی تھوہر کا درخت جس کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا کہ دوزخ والے کھائیں گے۔

اس بات پر ایمان والے یقین لائے اور منکروں نے کہا کہ دوزخ کی آگ میں سبز درخت کیونکر ہوگا؟ یہ بھی جانچنا مقصود تھا۔

ان دو مثالوں سے اندازہ کرلو کہ تصدیق خوارق کے باب میں انکی طبائع کا کیا حال ہے کہ آگ کے اندر درخت کا وجود انکی سمجھ میں نہ آیا حالانکہ کوئی محال بات نہیں کہ کسی درخت کا مزاج ہی اللہ تعالیٰ ایسا بنادیں کہ وہ پانی کے بجائے آگ سے پرورش پائے اور شجرہ زقوم کے انکار کے ساتھ ساتھ یہ لوگ استہزاء بھی کرتے تھے۔

(۱۰) باب قوله: ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ [۷۸]

اس ارشاد کا بیان: ''یادرکھو فجر کی تلاوت میں مجمع حاضر ہوتا ہے۔''

قال مجاهد: صلاة الفجر.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں فجر سے مراد فجر کی نماز ہے۔

۴۷۱۷ - حدثني عبدالله بن محمد: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن أبي سلمة وابن المسيب، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ((فضل الصلاة الجميع على صلاة الواحد خمس وعشرون درجة، وتجمع ملائكة الليل وملائكة النهار في صلاة الصبح)). يقول أبوهريرة: اقرؤا ان شئتم ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾. [راجع: ۱۷۶]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے

میں باجماعت نماز کی فضیلت پچیس گنا زیادہ ہے اور صبح کی نماز میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے ڈیوٹی بدلتے ہوئے اکھٹے ہوجاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھو ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾۔

فجر وعصر باجماعت پڑھنے کی خصوصی تاکید

"وتجمع ملائكة الليل وملائكة النهار في صلاة الصبح".

فجر اور عصر کے وقت دن اور رات کے فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے، لہٰذا ان دو وقتوں میں دن اور رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے، تو ہماری قرأت اور نماز اس کے روبرو ہوئی جو مزید برکت وسکینہ کا موجب ہے، اور اس وقت اوپر جانے والے فرشتے خدا کے ہاں شہادت دیں گے کہ جب گئے تب بھی ہم نے تیرے ان بندوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور جب واپس آئے تب بھی ان کو نماز پڑھتے دیکھا۔

اس کے علاوہ صبح کے وقت یوں بھی آدمی کا دل حاضر اور مجتمع ہوتا ہے۔

(۱۱) باب قوله: ﴿عَسٰى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا﴾ [۷۹]

اس ارشاد کا بیان: "اُمید ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقامِ محمود تک پہنچائے گا۔"

مقام محمود کا وعدہ

رسول اللہ ﷺ سے اس آیت میں مقام محمود کا وعدہ کیا گیا ہے اور یہ مقام تمام انبیاء علیہم السلام میں آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔

اس کی تفسیر میں اقوال مختلف ہیں، مگر صحیح وہ ہے جو احادیث صحیحہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، یہ مقام شفاعت کبریٰ کا ہے کہ میدانِ حشر میں جس وقت تمام بنی آدم جمع ہوں گے اور ہر نبی وپیغمبر سے شفاعت کی درخواست کریں گے تو تمام انبیاء علیہم السلام عذر کردیں گے، صرف رسول اللہ ﷺ کو یہ شرف عطاء ہوگا کہ تمام بنی آدم کی شفاعت فرمادیں گے، جیسا کہ پیچھے حدیث نمبر: ۴۷۱۲ میں تفصیل سے گذرا ہے۔

یعنی ــ **مقاما محمودا** ـ شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے، جب کوئی پیغمبر نہ بول سکے گا تب آنحضرت ﷺ اللہ ﷻ سے عرض کر کے خلقت کو تکلیف سے چھڑائیں گے، اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ ﷺ کی حمد

(تعریف) ہوگی اور اللہ ﷻ بھی آپ کی تعریف کرے گا، گویا شان محمدیت کا پورا پورا ظہور اس وقت ہوگا۔

۴۷۱۸ ۔ حدثنا اسماعیل بن أبان: حدثنا أبو الاحوص، عن آدم بن علی قال سمعت ابن عمر رضي الله عنهما يقول: ان الناس يصيرون يوم القيامة جثا، كل أمة تتبع نبيها، يقولون: يافلان اشفع، حتى تنتهي الشفاعة الى النبي ﷺ فذلك يوم يبعثه الله المقام المحمود. [راجع: ۱۴۷۵]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کے گروہ در گروہ ہو جائیں گے اور ہر گروہ اپنے نبی کے پیچھے لگ جائے گا اور سب کہیں گے اپنے نبی سے اے حضور! ہماری سفارش کیجئے، مگر سب معذرت کریں گے، یہاں تک کہ سفارش نبی کریم ﷺ تک پہنچے گی، پس یہی وہ دن ہے جس دن اللہ ﷻ حضور اقدس ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

۴۷۱۹ ۔ حدثنا علي بن عياش: حدثنا شعيب بن أبي حمزة، عن محمد بن المنكدر، عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ قال: ((من قال حين يسمع النداء: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّه، حلت له شفاعتي يوم القيامة)).

رواه حمزة بن عبدالله، عن أبيه عن النبي ﷺ. [راجع: ۶۱۴]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا پڑھے:

> **"اے اللہ! اس کامل پکار کے رب اور قائم ہونے والی نماز کے رب محمد کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور اس مقام محمود پر کھڑا کر جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے"۔**

تو اس شخص کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔

(۱۲) باب: ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ الآية [۸۱]

باب: "اور کہو کہ: حق آن پہنچا، اور باطل مٹ گیا۔"

﴿يَزْهَقُ﴾: يهلك.

ترجمہ: ''یزھق'' بمعنی ہلاک ہونا۔

حق کی برتری اور باطل کا سرنگوں کا خدائی اعلان

یہ آیت ہجرت کے بعد فتح مکہ کے بارے میں نازل ہوئی، درج ذیل حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سوساٹھ بتوں کے مجسمے کھڑے ہوئے تھے۔

بعض علماء نے اس خاص تعداد کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مشرکین مکہ سال بھر کے دنوں میں ہر دن کا بت الگ رکھتے تھے اور اس دن میں اس کی پرستش کرتے تھے۔ [۱]

جب آپ ﷺ وہاں پہنچے تو یہ آیت آپ کی زبان مبارک پر تھی اور آپ اپنی چھڑی سے ایک ایک بت کے سینے پر مارتے جاتے تھے، جب آنحضرت ﷺ کسی بت کے سینے پر اس کو مارتے تھے تو وہ الٹ کر گر جاتا تھا، یہاں تک کہ یہ سب بت گر گئے اور آپ ﷺ نے ان کے توڑنے کا حکم دیدیا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کسی بت کے سامنے سے تشریف لے جاتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے جس سے وہ خود ہی اوندھے منہ گر پڑتا یہاں تک کہ سارے بت گر گئے۔ [۲]

شرک وکفر اور باطل کی رسوم ونشانات کا مٹانا واجب ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ مشرکین کے بت اور

---

[۱] قال علماؤنا: إنما كانت بهذا العدد لأنهم كانوا يعظمون في يوم صنما ويخصون أعظمها بيومين. تفسير القرطبي، ج: ۱۰، ص: ۳۱۴

[۲] قوله: ((يعود في يده ويقول: جاء الحق))، في حديث أبي هريرة عند مسلم ((يطعنه بسية القوس)) وفي حديث ابن عمر عند الفاكهي وصححه ابن حبان ((فيسقط الصنم ولا يمسه))، وللفاكهي والطبراني من حديث ابن عباس ((فلم يبق وثن استقبله الا سقط لقفاه، مع أنها كانت ثابتة بالارض، وقد شد لهم ابليس أقدامها بالرصاص)) وفعل النبي ﷺ ذلك لاذلال الاصنام وعابديها، ولاظهار أنها لاتنفع ولاتضر، ولاتدفع عن نفسها شيئا... عند ابن أبي شيبة من حديث جابر نحو ابن مسعود وفيه ((فامر بها فكبت لوجوهها)). فتح الباري، ج:۸، ص:۱۷، وعمدة القاري، ج:۱۷،

دوسرے مشرکانہ نشانات کو مٹانا واجب ہے اور تمام وہ آلات جن کا مصرف صرف معصیت ہو ان کا مٹانا بھی اسی حکم میں ہے۔

ابن منذر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تصویریں اور مجسمے جو لکڑی پیتل وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں وہ بھی بتوں ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پردے کو پھاڑ ڈالا جس پر تصویریں نقش و رنگ سے بنائی گئی تھیں۔ اس سے عام تصویر کا حکم معلوم ہو گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں تشریف لائیں گے تو صحیح حدیث کے مطابق صلیبوں کے توڑیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے۔

یہ سب امور اس کی دلیل ہیں کہ شرک و کفر اور باطل کے آلات کو توڑنا اور ضائع کرنا واجب ہے۔[۱۳]

۴۷۲۰ - حدثنا الحميدي: حدثنا سفيان، عن أبي نجيح، عن مجاهد، عن أبي معمر، عن عبدالله بن مسعود ﷺ قال: دخل رسول الله ﷺ مكة وحول البيت ستون وثلاثمائة نصب فجعل يطعنها بعود في يده ويقول: ((﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً﴾. جاء الحق وما يبدئ الباطل وما يعيد)). [راجع: ۲۴۷۸]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اس وقت بیت اللہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے، آپ ﷺ ایک چھڑی سے، جو آپ کے دست مبارک میں تھی مارتے جاتے اور فرماتے جاتے **﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً﴾** حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو نہ کسی چیز کو شروع کر سکتا ہے اور بعد نہ لوٹا سکتا ہے۔

(۱۳) باب: ﴿وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ﴾ [۸۵]

باب: ”اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔“

---

[۱۳] في هذه الآية دليل عل كسر نصب المشركين وجميع الأوثان إذا غلب عليهم، ويدخل بالمعنى كسر آلة الباطل كله، وما لا يصلح إلا لمعصية الله كالطنابير والعيدان والمزامير التي لا معنى لها إلا اللهو بها عن ذكر لله تعالى. قال ابن المنذر: وفي معنى الأصنام الصور المتخذة من المدر والخشب وشبهها، وكل ما يتخذه الناس مما لا منفعة فيه إلا اللهو المنهي عنه. ولا يجوز بيع شي منه إلا الأصنام التي تكون من الذهب والفضة والحديد والرصاص، إذا غيرت عما هي عليه وصارت نقرا أو قطعا في جوز بيعها والشراء بها. تفسير القرطبي، ج: ۱۰، ص: ۳۱۳، وعمدة القاري، ج: ۱۹، ص: ۵۱

۴۷۲۱ - حدثنا عمرو بن حفص بن غیاث: حدثنا أبی: حدثنا الأعمش قال: حدثنی ابراهیم، عن علقمة، عن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال: بینا أنا مع النبی ﷺ فی حرث وهو یتکأ علی عسیب النخل إذ مر الیهود فقال بعضهم لبعض: سلوه عن الروح، فقال: ما رابکم الیه، وقال بعضهم: لایستقبلکم بشئی تکرهونه، فقالوا: سلوه، فسألوه عن الروح، فأمسک النبی ﷺ فلم یرد علیهم شیئا، فعلمت أنه یوحی الیه. فقمت مقامی، فلما نزل الوحی قال: (﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾). [راجع: ۱۲۵]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک کھیت میں تھا اور حضور اقدس ﷺ کھجور کی چھڑی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، کچھ یہود اس طرف سے گذرے ان میں سے ایک یہودی نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ ان سے (نبی کریم ﷺ) روح کے متعلق پوچھو، اس پر ان میں سے کسی نے کہا تمہارا ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور بعض نے کہا ایسی بات نہ کہو کہ وہ پھر تمہارے سامنے ایسی باتیں لے آئیں جوتم کو ناگوار گزریں، پھر ان سب یہودیوں نے کہا کہ چلو پوچھو، چنانچہ ان لوگوں نے روح کے متعلق پوچھا۔ نبی کریم ﷺ کچھ دیر خاموش رہے اور ان کو کوئی جواب نہ دیا، تو میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ چنانچہ میں اپنی جگہ کھڑا رہا، جب وحی نازل ہو چکی تو آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں علم تو تھوڑا ہی دیا گیا ہے“۔

رُوح کی حقیقت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کا امتحان لینے کے لئے یہ سوال کیا تھا کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے؟

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، اور جواب میں اتنی ہی بات بیان فرمائی گئی ہے جو انسان کی سمجھ میں آسکتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ رُوح کی پیدائش براہ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی ہے۔ انسان کے جسم اور دوسری مخلوقات میں تو یہ بات مشاہدے میں آجاتی ہے کہ انکی پیدائش میں کچھ ظاہری اسباب کا دخل ہوتا ہے مثلاً نر و مادہ کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن رُوح ایسی چیز ہے جس کی تخلیق کا کوئی عمل انسان کے مشاہدہ میں نہیں آتا۔ یہ براہ

راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آتی ہے۔

اس سے زیادہ روح کی حقیقت کو سمجھنا انسانی عقل کے بس میں نہیں ہے۔ اس لئے یہ فرمادیا کہ تمہیں بہت تھوڑا علم عطاء کیا گیا ہے، اور یہ بہت سی چیزیں تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔

ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں

امام جصاص رحمہ اللہ نے اس جواب سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مفتی اور عالم کے ذمہ یہ ضروری نہیں ہے کہ سائل کے ہر سوال اور اس کی ہر شق کا جواب ضرور دے بلکہ دینی مصالح پر نظر رکھ کر جواب دینا چاہئے۔ جو جواب مخاطب کے فہم سے بالاتر ہو یا اس کے غلط فہمی میں پڑ جانے کا خطرہ ہو تو اس کا جواب نہیں دینا چاہئے۔

اسی طرح بے ضرورت یا لایعنی سوالات کا جواب بھی نہیں دینا چاہئے، البتہ جس شخص کو کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس کے متعلق اس کو کچھ عمل کرنا لازم ہے اور خود وہ عالم نہیں تو مفتی اور عالم کو اپنے علم کے مطابق اس کا جواب دینا ضروری ہے۔ [۱۲]

(۱۴) باب: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ [۱۱۰]

باب: ”اور تم اپنی نماز نہ بہت اُونچی آواز سے پڑھو، اور نہ بہت پست آواز سے۔“

آیت کا شان نزول

جب مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ نماز میں بلند آواز سے تلاوت قرآن فرماتے تو مشرکین تمسخر و استہزاء کرتے اور قرآن اور جبرائیل امین اور خود اللہ جل شانہ کی شان میں گستاخانہ باتیں کہتے تھے۔

اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، جس میں آپ ﷺ کو جہر و اخفاء میں میانہ روی اختیار کرنے کی

---

[۱۲] وقد دلت هذه الآية على جواز ترك جواب السائل عن بعض ما يسئل عنه لما فيه من المصلحة في استعمال الفكر والتدبر والاستخراج وهذا في السائل الذي يكون من أهل النظر واستخراج المعاني فأما إن كان مستفتيا قد بلي بحادثة احتاج إلى معرفة حكمها وليس من أهل النظر فعلى العالم بحكمها أن يجيبه عنها بما هو حكم الله عنده. أحكام القرآن للجصاص، ج: ۵، ص: ۳۴، وفيه بلملك انه يجب على القاضي والمفتي والمدرس تقديم الأسبق لاستحقاقه بالسبق، عمدة القاري، ج: ۲، ص: ۱۰، مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۲، ص: ۵۹، كتاب العلم، رقم: ۵۹

تلقین فرمائی کہ ضرورت تو اس درمیانہ آواز سے پوری ہو جاتی ہے اور زیادہ بلند آواز سے جو مشرکین کو موقع ایذاء رسانی کا ملتا تھا اس سے نجات ہو۔

۴۷۲۲ ـ حدثنا يعقوب بن ابراهيم: حدثنا هشيم: أخبرنا أبو بشر، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله تعالىٰ: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ قال: نزلت ورسول الله ﷺ مختفي بمكة، كان اذا صلى بأصحابه رفع صوته بالقرآن فاذا سمع المشركون سبوا القرآن ومن انزله ومن جاء به، فقال الله تعالىٰ لنبيه ﷺ: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾: بقراء تك فيسمع المشركون فيسبوا القرآن، ﴿وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ عن أصحابك فلا تسمعهم ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا﴾. [أنظر: ۷۴۹۰، ۷۵۲۵، ۷۵۴۷] ؎۱۵

قرأت میں میانہ روی کا حکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے متعلق بیان کیا کہ یہ آیت ﴿وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَاتُخَافِتْ بِهَا﴾ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں چھپ کر رہتے تھے، جب آپ اپنے صحابہ کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے، مشرکین جب قرآن کی آواز سنتے تو قرآن کو، اس کے نازل کرنے والے کو اور جس پر اتارا جارہا تھا، ان سب کو برا بھلا کہتے تھے۔

اس پر اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ یعنی آپ کی قراءت کی آواز اتنی زیادہ بلند نہ ہو کہ مشرکین سن سکیں اور پھر قرآن کے بارے میں بکواس کرنے لگیں، ﴿وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ اور نہ اتنی آہستہ ہو کہ آپ کے ساتھی بھی نہ سن سکیں، ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا﴾ بلکہ قرأت درمیانی آواز میں ہونی چاہئے۔

؎۱۵ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التوسط في القرأة في الصلاة الجهرية بين والاسرار، اذا خاف من الجهر مفسدة، رقم: ۶۴۲، وسنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب من رأى الجهر بسم الله الخ، رقم: ۲۴۵، وأبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة بني اسرائيل، رقم: ۳۱۴۵، ۳۱۴۹، وسنن النسائي، كتاب الافتتاح، قوله عزوجل ﴿ولاتجهر بصلاتك ولاتخافت بها﴾، رقم: ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ومسند احمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، أول مسند عمر بن الخطاب ﷺ، رقم: ۱۵۵، ومن مسند بني هاشم، مسند عبدالله بن العباس بن عبدالمطلب عن النبي ﷺ، رقم: ۱۸۵۳

(۱۸) سورة الكهف

سورۂ کہف کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سودس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

سورت کی وجہ تسمیہ اور مرکزی موضوعات

حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس سورت کا شان نزول یہ نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ کے کچھ سرداروں نے دو آدمی مدینہ منورہ کے یہودی علماء کے پاس یہ معلوم کرنے کیلئے بھیجے کہ تورات اور انجیل کے یہ علماء آنحضرت ﷺ کے دعوائے نبوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

یہودی علماء نے ان سے کہا کہ آپ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے تین سوالات کیجئے، اگر وہ ان کا صحیح جواب دیدیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ واقعی اللہ جل جلالہ کے نبی ہیں اور اگر وہ صحیح جواب نہ دے سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا نبوت کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

پہلا سوال یہ تھا کہ ان نوجوانوں کا وہ عجیب واقعہ بیان کریں جو کسی زمانے میں شرک سے بچنے کے لئے اپنے شہر سے نکل کر کسی غار میں چھپ گئے تھے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ اُس شخص کا حال بتائیں جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دنیا کا سفر کیا تھا۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ ان سے پوچھیں کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟

چنانچہ یہ دونوں شخص مکہ مکرمہ واپس آئے اور اپنی برادری کے لوگوں کو ساتھ لیکر انہوں نے آپ ﷺ سے یہ تین سوال پوچھے۔ تیسرے سوال کا جواب تو پچھلی سورت (۱۷: ۵۸) میں آچکا ہے۔

اور پہلے دو سوالات کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں غار میں چھپنے والے نوجوانوں کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے، انہی کو **"اصحاب کہف"** کہا جاتا ہے۔

"کھف" عربی میں غار کو کہتے ہیں، **اصحاب کہف** کے معنی ہوئے غار والے اور اسی غار کے نام پر سورت کو **"سورة الكهف"** کہا جاتا ہے۔

دوسرے سوال کے جواب میں سورت کے آخر میں ذوالقرنین کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جنہوں نے مشرق ومغرب کا سفر کیا تھا۔اس کے علاوہ اسی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے جس میں وہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تھے اور کچھ عرصہ انکی معیت میں سفر کیا تھا۔

یہ تین واقعات تو اس سورت کا مرکزی موضوع ہیں۔ان کے علاوہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو خدا کا بیٹا قرار دے رکھا تھا، اس کی تردید بھی ہے اور حق کا انکار کرنے والوں کو وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں اور حق کے ماننے والوں کو نیک انجام کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔ [۱]

سورۂ کہف کی خصوصیات اور فضائل

سورۂ کہف کی تلاوت کے کئی فضائل احادیث میں آئے ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے سورۂ کہف کی پہلی دس آیات حفظ کرلیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ [۲]

خاص طور پر احادیث میں جمعہ کے دن اس سورت کی تلاوت کی بڑی فضیلت آئی ہے، اور اسی لئے بزرگان دین کا معمول رہا ہے کہ وہ جمعہ کے دن اس کی تلاوت کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

وقال مجاهد: ﴿تَقْرِضُهُمْ﴾: تتركهم. ﴿وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ﴾: ذهب وفضة. وقال غيره: جماعة الثُمُر. ﴿بَاخِعٌ﴾: مهلك. ﴿أَسَفاً﴾: ندما. ﴿الكَهْفِ﴾: الفتح في الجبل.

﴿وَالرَّقِيمِ﴾: الكتاب. ﴿مَرْقُوْمٌ﴾: مكتوب من الرقم. ﴿رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾: الهمنا هم صبرا. ﴿لَوْلا أنْ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾. ﴿شَطَطاً﴾: افراطا.

الوصيد: الفناءُ، جمعه وصائد ووصد. ويقال: الوصيد الباب، ﴿مُؤْصَدَةٌ﴾ مطبقة، آصد الباب وأو صد. ﴿بَعَثْنَاهُمْ﴾: احييناهم. ﴿أزْكٰى﴾: أكثر، ويقال: احل، ويقال: اكثر ريعا.

قال ابن عباس: ﴿أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ﴾: لم تنقص. وقال سعيد، عن ابن عباس: ﴿الرَّقِيمِ﴾: اللوح من رصاص. كتب عاملهم اسماء هم ثم طرحه في خزانته.

---

[۱] تفسير الطبرى، سورة الكهف، ج: ۱۷، ص: ۵۹۲، ۶۹۳

[۲] صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل سورة الكهف وآية الكرسى، رقم: ۲۵۷

﴿فَضَرَبَ اللهُ عَلى آذَانِهِمْ﴾ فناموا. وقال غيره: وألت تئل: تنجو. وقال مجاهد: ﴿مَوْئِلاً﴾: محرزا. ﴿لَايَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعاً﴾: لايعقلون.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "تَقْرِضُهُمْ" کے معنی ہیں "تتركهم" یعنی انکو چھوڑ دیتی ہے، ان سے کترا جاتی ہے۔

"وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ" کے معنی ہیں سونا اور چاندی یعنی مال اور مجاہد رحمہ اللہ کے علاوہ دوسرے یعنی قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ثُمُر" ثاء ومیم کے ضمہ کے ساتھ، یہ جمع ہے "ثَمر" کی، یعنی ثاء کے فتحہ کے ساتھ۔

حضرت مجاہد سے منقول ہے کہ "ثُمُر" بمعنی اموال، سونا چاندی اور "ثَمر" بمعنی پھل ہے۔

"بَاخِعٌ" یعنی ہلاک کرنے والا ہے۔

"أَسَفاً" بمعنی "ندما" یعنی ندامت کے ہے، اور یہ تفسیر حضرت ابوعبید رحمہ اللہ کی ہے، لیکن حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ "أَسَفاً" بمعنی "حزنا" یعنی غم کے ہے۔

"الكَهْفِ" کے معنی ہیں پہاڑ میں کھوہ، غار۔

"الرَّقِيْم" بمعنی "الكتاب" یعنی لکھا ہوا۔

"مَرْقُوْمٌ" اسم مفعول ہے "رقم" سے، جس کے معنی ہیں لکھی ہوئی دستاویز رلکھا ہوا دفتر۔

﴿رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ کے معنی ہیں ہم نے ان پر صبر کا الہام کیا یعنی ان کے دلوں کو مضبوط کیا۔

﴿لَوْلَا أَنْ رَبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا﴾ سورہ قصص کی یہ آیت بھی اسی معنی میں ہے۔

"شَطَطاً" کے معنی ہیں افراط یعنی حد سے تجاوز کرنا، بے جا اور غلط کہنا۔

"الوصيد" کے معنی ہیں "الفِناءُ" گھر کا صحن، دہلیز، اس کی جمع "وَصَائِدُ" اور "وُصُدٌ" ہے اور "وصيد" دروازہ کو بھی کہا جاتا ہے۔

"مُؤْصَدَةٌ" کے معنی ہیں بند کیا ہوا دروازہ۔ "آصد الباب" اور "أوصد الباب" کے معنی ہیں دروازہ کو بند کردیا۔ یہ سورۂ ہمزۃ میں ہے، مناسبت کی وجہ سے اس کو یہاں بیان کیا۔

"بَعَثْنَاهُمْ" کے معنی ہیں ہم نے انکو زندہ کیا مراد یہ ہے کہ نیند سے اٹھایا، بیدار کیا۔

"أَزْكٰى" بمعنی "اكثر" ہے یعنی جو شہروں والوں کی اکثر خوراک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے "ازكى" کی تفسیر "احل" منقول ہے یعنی

جو حلال تر کھانا ہو وہ لائے۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ **"أزكى"** کے معنی ہیں جو کھانا زیادہ ستھرا ہو، خوب پک کر بڑھ گیا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ **"أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ"** کے معنی ہیں اسکا پھل اور اس میں کچھ کمی نہیں کی، گھٹایا نہیں۔

آیت میں "**رَقِيم**" سے کیا مراد ہے؟

مفسرین کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ **"الرَّقِيم"** سیسے کی ایک تختی ہے، جس پر ان کے حاکم / بادشاہ وقت نے اصحاب کہف کے نام لکھ کر اپنے خزانہ میں ڈالدیا تھا۔ اسی وجہ سے اصحاب کہف کو اصحاب الرقیم بھی کہا جاتا ہے۔

﴿فَضَرَبَ اللهُ عَلى آذَانِهِمْ﴾ بمعنی **"فناموا"** کے معنی ہیں اللہ ﷻ نے ان کے کانوں پر پردہ ڈالدیا، پس وہ سو گئے دراصل غفلت کی نیند کو ان الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ نیند کے وقت سب سے پہلے آنکھ بند ہوتی ہے، مگر کان اپنے کام کرتے ہیں، آواز سنائی دیتی ہے، جب نیند مکمل اور غالب ہو جاتی ہے تو کان بھی اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسرے لوگوں نے **"مَوْئِلاً"**، اسم ظرف کے بارے میں کہا کہ **"وألت تئل"** از باب **"ضرب يضرب - وأل تئل"** بمعنی **"تنجو"** یعنی نجات پانے کے ہے، پس **"موئل"** کے معنی ہوئے پناہ کی جگہ۔

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ **"مَوْئِلاً"** بمعنی **"محرزا"** یعنی حفاظت کی جگہ، محفوظ مقام۔

﴿لايَسْتَطِيعُوْنَ سَمْعاً﴾ کے معنی ہی عقل نہیں رکھتے ہیں کہ غور وفکر کر کے ایمان لے آئیں۔

یہ تفسیر باللازم ہے، کیونکہ عقل کے یہی دو آلے ہیں سمع و بصر، جب آنکھوں پر پردہ اور کان بہرے ہوں تو عقل کیا کام کرے گی؟ تو یوں سمجھا جائے کہ **"عينهم"** سے عقل مراد ہیں۔

(۱) باب قوله: ﴿وَكَانَ الإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ [۵۴]

اس ارشاد کا بیان: ''اور اِنسان ہے کہ جھگڑا کرنے میں ہر چیز سے بڑھ گیا ہے۔''

۴۷۲۴ - حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا يعقوب بن ابراهيم بن سعد: حدثنا أبي عن صالح، عن ابن شهاب قال: أخبرني علي بن حسين أن حسين بن علي أخبره عن علي ﷺ:

أن رسول الله ﷺ طرقه وفاطمة، قال: ((ألا تصليان؟)). [راجع: ۱۱۲۷]

ترجمہ: حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تم دونوں (تہجد کی) نماز نہیں پڑھتے؟

آیت اور حدیث کی تشریح و ربط کی تفصیل "کتاب الصلاة" میں گزر چکی ہے۔ [۳]

﴿رَجماً بِالْغَيْبِ﴾: لم يستبن، يقال: ﴿فُرُطاً﴾: ندما. ﴿سُرَادِقُهَا﴾ مثل السرادق، والحجرة التي تطيف بالفساطيط. ﴿يُحَاوِرُهُ﴾ من المحاورة.

﴿لَكِنَّا هُوَ اللهُ رَبِّيْ﴾ أي لكن أنا هو الله ربي، ثم حذف الألف وأدغم احدى النونين في الأخرى. ﴿وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَراً﴾ تقول بينهما نهرا. ﴿زَلَقاً﴾: لا يثبت فيه قدم.

﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ﴾: مصدر الولي ولاء. ﴿عُقُباً﴾: عاقبة، وعقبى وعقبة واحد وهي الآخرة. ﴿قُبُلاً﴾ قَبَلاً وقُبْلاً: استينافا. ﴿لِيُدْحِضُوْا﴾: ليزيلوا، الدحض: الزلق.

ترجمہ و تشریح

﴿رَجماً بِالْغَيْبِ﴾ بمعنی "لم يستبن" یعنی حقیقت ظاہر نہیں ہوئی، ان کو کچھ علم نہیں کہ اصحاب کہف کتنے تھے، صرف بن دیکھے اٹکل چلاتے ہیں، صرف خیال و گمان پر بات پھینکنا ہے۔

"فُرُطاً" کے معنی ہیں "ندما" یعنی ندامت، شرمندگی اور اس کے اصل معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا۔

"سُرَادِقُهَا" اس کی مثال ایسی ہے جیسے چاروں طرف پردہ کی غرض سے قناتیں لگاتے ہیں یعنی شامیانہ کی طرح ہے، اور اسی طرح اس حجرہ کی طرح ہے جس کو چاروں طرف سے خیموں سے گھیر دے۔

دراصل "سرادق" ہر وہ چیز جو کسی شئی کا احاطہ کئے ہوئے ہو خواہ چاردیواری ہو یا شامیانہ یا خیمہ وہ "سرادق" ہے جمع "سرادقات"۔

"يُحَاوِرُهُ" محاورہ سے مشتق ہے یعنی باتیں رگفتگو کرنا۔

﴿لَكِنَّا هُوَ اللهُ رَبِّيْ﴾ یہ اصل میں "لكن أنا هو الله ربي" تھا پھر "أنا" کا ہمزہ حذف کر کے نون کو نون میں ادغام کر دیا "لكنّا" ہو گیا۔

---

[۳] عمدة القاري، ج: ۱۹، ص: ۶۰، - ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ۴، ص: ۳۰۳، کتاب التهجد، باب تحريض النبي ﷺ على قيام الليل والنوافل من غير ايجاب، رقم: ۱۱۲۷

﴿وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا﴾ یعنی ان دونوں باغات کے درمیان نہر تھی۔

"زَلَقاً" ایسا صاف چکنا کہ جس پر قدم نہ ٹھہرے بلکہ پھسل جائے۔

﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ﴾ اس آیت میں "ولاية" کا مصدر ہے "ولیٌّ"۔ جو مدد ونصرت کیلئے آتا ہے۔

"عُقباً" بمعنی "عاقبة" اور یہ عاقبت کے معنی میں ہے، ان سب کا معنی ایک ہی ہے آخرت، انجام۔

"قُبُلا" اور "قَبَلاً و قِبَلاً" تینوں کے معنی ایک ہی ہیں "استینافا" استقبال یعنی سامنے آنا، مقصد یہ ہے کہ ہر قرأت پر معنی ایک ہیں۔

"لِيُدْحِضُوْا" بمعنی "ليزيلوا" یعنی تاکہ زائل کردیں، اس کا مادہ "دحض" ہے، جس کے معنی باب فتح یفتح سے پھسلنے آتے ہیں اور باب افعال سے "الزلق" زائل کرنے کے معنی ہیں۔

(۲) باب قوله: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوْسَى لِفَتَاهُ لَاأَبْرَحُ حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُباً﴾ [۶۰]

اس ارشاد کا بیان: "اور (اُس وقت کا ذکر سنو) جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا تھا کہ: میں اُس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا جب تک دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ برسوں چلتا رہوں گا۔"

زمانا وجمعه أحقاب.

ترجمہ: "حقباً" کے معنی طویل زمانہ، اور اسکی جمع "احقاب" آتی ہے۔

۴۷۲۵ ۔ حدثنا الحميدي: حدثنا سفيان، حدثنا عمرو بن دينار قال: أخبرني سعيد بن جبير قال: قلت لابن عباس: ان نوفا البكالي يزعم أن موسى صاحب الخضر ليس هو موسى صاحب بني اسرائيل، فقال ابن عباس: كذب عدو الله، حدثني أبي بن كعب انه سمع رسول الله ﷺ يقول: ((ان موسى قام خطيبا في بني اسرائيل، فسئل: أي الناس أعلم؟ فقال: أنا، فعتب الله عليه اذ لم يرد العلم اليه. فأوحى الله اليه ان لي عبدا بمجمع البحرين هو أعلم منك. قال موسى: يارب فكيف لي به؟ قال: تأخذ معك حوتا فتجعله في مكتل فحيثما فقدت الحوت فهو ثم فأخذ حوتا فجعله في مكتل ثم انطلق وانطلق معه بفتاه يوشع بن نون حتى اذا أتيا الصخرة وضعا رؤوسهما فناما، واضطرب الحوت في

المكتل فخرج منه فسقط في البحر ﴿فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَباً﴾ وامسك الله عن الحوت جرية الماء فصار عليه مثل الطاق. فلما استيقظ نسى صاحبه أن يخبره بالحوت فانطلقا بقية يومهما وليلتهما حتى اذا كان من الغد قال موسى لفتاه: ﴿آتِنَا غَدَاءَ نَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَباً﴾ قال: ولم يجد موسى النصب حتى جاوزا المكان الذى أمر الله به. فقال له فتاه: ﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَا أَنْسَانِيْهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَباً﴾ قال: فكان للحوت سربا ولموسى ولفتاه عجبا. فقال موسى: ﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِيْ فَارْتَدَّا عَلٰى آثَارِهِمَا قَصَصاً﴾ قال: رجعا يقصان آثارهما حتى انتهيا الي الصخرة فإذا رجل مسجى ثوبا، فسلم عليه موسى فقال الخضر: وأنى بأرضك السلام؟ قال: أنا موسى، قال: موسى بني اسرائيل؟ قال: نعم أتيتك لتعلمني مما علمت رشداً، قال: ﴿إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْراً﴾ يا موسى انى على علم من علم الله علمنه لاتعلمه أنت، وأنت على علم من علم الله علمك الله لاأعلمه، فقال موسى: ﴿سَتَجِدُنِيْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِراً وَلاَ أَعْصِيْ لَكَ أَمْراً﴾ فقال له الخضر: فان اتبعتني فلا تسألني عن شيء حتى أحدث لك منه ذكرا. فانطلقا يمشيان على ساحل البحر. فمرت سفينة فكلموهم أن يحملوهم فعرفوا الخضر فحملوه بغيرنول، فلما ركبا في السفينة لم يفجا إلا والخضر قد قلع لوحا من ألواح السفينة بالقدوم. فقال له موسى: قوم حملونا بغير نول عمدت الى سفينتهم فخرقتها لتغرق أهلها لقد جئت شيئا امرا. قال: ﴿أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْراً﴾ قال: ﴿لاَ تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلاَ تُرْهِقْنِيْ مِنْ أَمْرِيْ عُسْراً﴾ قال: وقال رسول الله ﷺ: ((وكانت الأولى من موسى نسيانا. قال: وجاء عصفور فوقع على حرف السفينة فنقر في البحر نقرة. فقال له الخضر: ما علمي وعلمك من علم الله الامثل ما نقص هذا العصفور من هذا البحر، ثم خرجا من السفينة. فبينا هما يمشيان على الساحل إذ بصر الخضر غلاما يلعب من الغلمان، فأخذ الخضر رأسه بيده فاقتلعه بيده فقتله. فقال له موسى: ﴿أَقَتَلْتَ نَفْساً زَكِيَّةً - بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئاً نُكْراً﴾ قال: ﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْراً﴾ قال: وهذ أشد من الأولى قال: ﴿إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلاَ تُصَاحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّيْ عُذْراً﴾ فانطلقا حتى اذا أتيا أهل قرية استطعما أهلها فأبوا أن يضيفوا هما فوجدا فيها جدارا يريد أن ينقض -قال: مائل- فقام الخضر فأقامه بيده، فقال موسى: قوم أتيناهم فلم يطعمونا ولم

یضیفونا لو شئت لاتخذت علیه اجرا، قال: ﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾ الی قوله: ﴿ذٰلِكَ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْراً﴾ فقال رسول اللہ ﷺ: ((وددنا أن موسی کان صبر حتی یقص اللہ علینا من خبرهما)).

قال سعید بن جبیر: فکان ابن عباس یقرأ (وکان أمامهم ملک یأخذ کل سفینة صالحة غصبا) وکان یقرأ (وأما الغلام فکان کافرا وکان أبواه مؤمنین). [راجع: ۷۴]

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نوف بکالی کہتے ہیں کہ جو موسیٰ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھی تھے، وہ نبی اسرائیل کے صاحب رسول نہ تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، مجھ سے صحابی رسول حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرمارہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے وعظ کرنے کیلئے کھڑے ہوئے تو ان سے پوچھا گیا لوگوں میں بڑا عالم کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں بڑا عالم ہوں۔

اس پر اللہ جل جلالہ نے ان پر عتاب فرمایا، کیونکہ انہوں نے علم کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا (یعنی انہوں نے یوں نہیں کہا- **اللہ اعلم**) پھر اللہ جل جلالہ نے ان پر وحی بھیجی کہ میرا ایک بندہ ہے دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پر ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب! میں ان تک کیسے پہنچوں؟ فرمایا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی لے لو اور اسکو ایک تھیلے میں رکھ لو، پس جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ بندہ وہیں ملے گا۔

چنانچہ آپ علیہ السلام نے ایک مچھلی لی اور تھیلے میں رکھا اور روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ ایک نو جوان یوشع بن نون علیہ السلام بھی چلے، یہاں تک کہ جب یہ دونوں حضرات ایک چٹان کے پاس پہنچے تو دونوں سر رکھ کر سو گئے، اور اس جگہ مچھلی تھیلے میں پھڑ پھڑائی پھر نکل کر سمندر میں چلی گئی۔

﴿فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَباً﴾

پس اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کا راستہ بنالیا۔

اور اللہ جل جلالہ نے پانی کی روانی کو روک دیا جہاں یہ مچھلی گئی تھی، چنانچہ وہ ایک طاق سا ہو گیا۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو ان کے ساتھی مچھلی کے متعلق ان کو بتانا بھول گئے، اس لئے دن اور رات کا جو حصہ باقی تھا دونوں چلتے رہے، یہاں تک کہ جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس نو جوان سے کہا:

﴿آتِنَا غَدَاءَ نَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَباً﴾

ہمارا ناشتہ لاؤ، سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس میں سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہوگئی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت تک نہیں تھکے تھے جب تک وہ اس مقام سے آگے نہ بڑھ گئے جس کا اللہ ﷻ نے حکم فرمایا دیا تھا۔ تو اب اس نوجوان (یوشع بن نون علیہ السلام) نے کہا:

﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَباً﴾

بھلا بتائیے! (عجیب قصہ ہوگیا) جب ہم اُس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں مچھلی (کا آپ سے ذکر کرنا) بھول گیا۔ اور شیطان کے سوا کوئی نہیں ہے جس نے مجھ سے اس کا تذکرہ کرنا بھلایا ہو۔ اور اُس مچھلی نے تو بڑے عجیب طریقے سے دریا میں اپنی راہ لی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا مچھلی نے تو اپنا راستہ لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصاً﴾

اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی۔ چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ دونوں حضرات اپنے قدموں کے نشانات کو ڈھونڈتے ہوئے واپس لوٹے، یہاں تک کہ پھر اسی چٹان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی (حضرت خضر علیہ السلام) چادر اوڑھے ہوئے موجود ہیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے اٹھ کر کہا میری سرزمین میں سلام کہاں سے آگیا؟ (یعنی تم کون ہو؟) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں موسیٰ ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ آپ نے فرمایا جی ہاں، میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ جو ہدایت کا علم آپ کے پاس ہے وہ مجھے بھی سکھا دیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

﴿إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْراً﴾

مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کرسکیں گے۔

اے موسیٰ بات یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے مجھے ایک علم دیا ہے جو تمہارے کو نہیں دیا گیا ہے، اسی طرح آپ کو اللہ ﷻ کی طرف سے ایک علم ملا ہے، جس کو میں نہیں جانتا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِراً وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْراً﴾

ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے کسی
حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اگر آپ میرے ساتھ چلیں تو کسی چیز کے متعلق سوال نہ کریں یہاں تک کہ میں خود آپ کو اس کے متعلق بتادوں گا۔

اب دونوں روانہ ہوئے اور سمندر کے کنارے چلنے لگے، اتنے میں ایک کشتی گذری انہوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ انہیں بھی کشتی میں سوار کرلیں، تو کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور کسی کرایہ کے بغیر انہیں سوار کرلیا۔ جب دونوں حضرات کشتی میں بیٹھ گئے تو کچھ دیر نہ گذری تھی کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کلہاڑے سے کشتی کا ایک تختہ نکال ڈالا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کہ ان لوگوں نے ہمیں بغیر کسی کرایہ کے سوار کرلیا اور آپ نے ان ہی کی کشتی چیر ڈالی تاکہ سارے کشتی والے ڈوب جائیں، بلاشبہ آپ نے یہ بڑا ناگوار کام کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان کی بات سن کر کہا:

﴿أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْراً﴾

کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں
کرسکیں گے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْراً﴾

مجھ سے جو بھول ہوگئی، اس پر میری گرفت نہ کیجئے، اور
میرے کام کو زیادہ مشکل نہ بنائیے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ پہلی مرتبہ کا اعتراض حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھول کر ہی تھا۔ پھر فرمایا کہ اتنے میں ایک چڑیا آئی اور اس نے کشتی کے ایک کنارے بیٹھ کر سمندر میں ایک مرتبہ چونچ ماری تو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا میرا علم اور آپ کا علم اللہ جل جلالہ کے علم کے سامنے بس اتنا ہی ہے جتنا اس چڑیا نے اس سمندر سے کم کیا ہے، پھر دونوں حضرات کشتی سے اتر گئے۔

ابھی وہ دونوں ساحل سمندر پر چل ہی رہے تھے کہ خضر علیہ السلام نے ایک بچہ کو دیکھا جو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے اس بچہ کا سر اپنے ہاتھ سے پکڑا اور اسے اپنے ہاتھ سے اکھاڑ کر اس کی جان لے لی۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿أَقَتَلْتَ نَفْساً زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئاً

نُكْراً﴾

ارے کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو ہلاک کر دیا، جبکہ اُس نے کسی کی جان نہیں لی تھی جس کا بدلے اُس سے لیا جائے؟ یہ تو آپ نے بہت ہی بُرا کام کیا!

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْراً﴾

کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے؟

(راوی سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ یہ پہلے کلام سے زیادہ سخت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّيْ عُذْراً﴾

اگر اب میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے، یقیناً آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ گئے ہیں۔

پھر دونوں روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اوران سے کھانا مانگا تو ان لوگوں نے مہمان بنانے سے انکار کیا، پھر دونوں نے دیکھا کہ اس گاؤں میں ایک دیوار ہے جو بس گرنے کی جانب مائل تھی، حضرت خضر علیہ السلام کھڑے ہوگئے اور دیوار اپنے ہاتھ سے سیدھی کر دی، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ لوگ ایسے ہیں کہ ہم ان لوگوں کے پاس آئے مگر ان لوگوں نے نہ ہم کو کھانا کھلایا اور نہ ہماری ضیافت کی اگر آپ چاہتے تو دیوار کے اس سیدھا کرنے پر اجرت لے سکتے تھے، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾

لیجئے میرے اورآپ کے درمیان جدائی کا وقت آگیا ہے۔

(مذکورہ آیت سے لیکر درج ذیل آیت تک۔)

﴿ذٰلِكَ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْراً﴾

یہ تھا مقصد ان باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم تو چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا ہوتا تا کہ اللہ جل جلالہ ان کے واقعات ہم سے بیان کرتا۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب اس آیت کی تلاوت کرتے تھے (جس میں حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے کاموں کی وجہ بیان کی ہے کہ)، تو یہ کہتے تھے کہ کشتی والوں کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر اچھی کشتی کو چھین لیا کرتا تھا، اور یہ بھی کہتے تھے کہ اور وہ غلام نوعمر لڑکا تو وہ کافر تھا اور اسکے والدین مومن تھے۔

(۳) باب قوله: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ [۶۱]

اس ارشاد کا بیان: ''چنانچہ جب وہ سنگم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کا راستہ بنالیا۔''

مذهبا، يسرب: يسلك، ومنه: ﴿وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾.

ترجمہ: ''سَرَبًا'' بمعنی ''مذهبا'' چلنے کی جگہ، راستہ۔ ''يسرب: يسلك'' وہ چلتا ہے، اور اسی سے سورۃ الرعد کی یہ آیت ہے ﴿وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾۔

۴۷۲۶ - حدثنا ابراهيم بن موسى: أخبرنا هشام بن يوسف: ان ابن جريج أخبرهم قال: أخبرني يعلىٰ بن مسلم وعمرو بن دينار، عن سعيد بن جبير، يزيد أحدهما على صاحبه وغيرهما قد سمعته يحدثه عن سعيد قال: أنا لعند ابن عباس في بيته. إذ قال: سلوني، قلت: أي أبا عباس جعلني الله فداءك بالكوفة رجلا قاصا يقال له: نوف، يزعم أنه ليس بموسى بني اسرائيل، أما عمرو فقال لي: قال: قد كذب عدو الله. وأما يعلى فقال لي: قال ابن عباس: حدثني أبي بن كعب قال: قال رسول الله ﷺ: ((موسى رسول الله ﷺ، قال ذكر الناس يوما حتى إذا فاضت العيون ورقت القلوب، ولى فأدركه رجل فقال: أي رسول الله، هل في الأرض أحد أعلم منك؟ قال: لا، فعتب عليه اذ لم يرد العلم الى الله. قيل: بلى، قال: أي رب، فأين؟ قال: بمجمع البحرين، قال: أي رب اجعل لي علما أعلم ذلك منه))، فقال لي عمرو: قال: ((حيث يفارقك الحوت))، وقال لي يعلى: ((قال: خذ حوتا ميتا حيث ينفخ فيه الروح، فأخذ حوتا فجعله في مكتل فقال لفتاه: لا أكلفك الا أن تخبرني بحيث يفارقك الحوت، قال: ما كلفت كثيرا فذالك قوله جل ذكره:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوْسَى لِفَتَاهُ﴾، يوشع بن نون، ليست عن سعيد قال: فبينما هو في ظل صخرة في مكان ثريان اذ تضرب الحوت وموسى نائم، فقال فتاهُ: لا أوقظه حتى اذا استيقظ فنسي أن يخبره وتضرب الحوت حتى دخل البحر فامسک الله عنه جرية البحر حتى كأن اثره حجر-قال لي عمرو-هكذا كان أثره في حجر وحلق بين ابهاميه والتي تليا نهما ﴿لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ قال: قد قطع الله عنک النصب-ليست هذه عن سعيد-اخبره فرجعا فوجدا خضرا-قال لي عثمان بن أبي سليمان-على طنفسة خضراء على كبد البحر-قال سعيد بن جبير-: مسجى بثوبه: قد جعل طرفه تحت رجليه وطرفه تحت رأسه فسلم عليه موسى فكشف عن وجهه وقال: هل بأرضي من سلام؟ من أنت؟ قال: أنا موسى، قال: موسى بني اسرائيل؟ قال: نعم، قال: فما شأنک؟ قال: جئت لتعلمني مما علمت رشدا، قال: أما يكفيک أن التوراة بيديک وأن الوحي يأتيک يا موسى؟ ان لي علما لاينبغي لک أن تعلمه وان لک علما لاينبغي لي أن أعلمه. فأخذ طائر بمنقاره من البحر، وقال: والله ماعلمي وما علمک في جنب علم الله إلا كما أخذ هذا الطائر بمنقاره من البحر، حتى اذا ركبا في السفينة وجدا معابر صغارا تحمل أهل هذا الساحل الى أهل هذا الساحل الآخر عرفوه، فقالوا: عبدالله الصالح-قال: قلنا لسعيد: خضر؟ قال: نعم-لا نحمله بأجر فخرقها ووتد فيها وتدا، قال موسى: ﴿أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئاً إِمْرًا﴾-قال مجاهد: منكرا-قال: ﴿أَلَمْ أَقُلْ إِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ كانت الأولى نسيانا، والوسطى شرطا، والثالثة عمدا. قال: ﴿لَاتُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَاتُرْهِقْنِيْ مِنْ أَمْرِيْ عُسْرًا﴾ لقيا غلاما فقتله-قال يعلى: قال سعيد-: وجد غلمانا يلعبون فأخذ غلاما كافرا ظريفا فأضجعه ثم ذبحه بالسكين. قال: ﴿أَقَتَلْتَ نَفْساً زَكِيَّةً-بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ لم تعمل بالحنث-وابن عباس قرأها: زَكِيَّةً زَاكِيَةً زاكية مسلمة كقولک: غلاما زكيا، فانطلقا فوجد جدارا يريد أن ينقض فأقامه-قال سعيد بيده هكذا-ورفع يدى فاستقام-قال يعلى: حسبت أن سعيدا قال: فمسحه بيده فاستقام ﴿لَوْشِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجراً﴾- قال سعيد: أجرا نأكله- ﴿وَكَانَ وَرَاءَ هُمْ مَلِکٌ﴾ وكان أمامهم-قرأها ابن عباس: أمامهم ملک. يزعمون عن غير سعيد أنه هدد بن بدد الغلام المقتول: يزعمون اسمه حيسور- ﴿مَلِکٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْباً﴾ فأردت اذا هي مرت به أن يدعها لعيبها. فاذا جاوزوا أصلحوها فانتفعوا بها-ومنهم من يقول: سدوها بقارورة، ومنهم من يقول: بالقار-وكان

أبـواه مؤمنين و كان كافرا ﴿فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَاناً وَّكُفْراً﴾ أن يحملهما حبه على أن يتابعاه على دينه ﴿فَأَرَدْنَا أَنْ يُبَدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْراً مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْماً﴾ لقوله: ﴿أَقَتَلْتَ نَفْساً زَكِيَّةً﴾ وأقـرب رحـمـا: هما به أرحم منهما بالأول الذى قتل، خضر)). وزعم غير سعيد أنهما أبدلا جارية. وأما داؤد بن أبي عاصم فقال عن غير واحد: انها جارية. [راجع: ۷۴]

ترجمہ: سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ہم ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھے تھے، میں نے ان سے ان کی خواہش پر پوچھا کہ اللہ مجھے آپ پر قربان کرے، کوفہ کے ایک واعظ ''نوف'' کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی اور تھے، جو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہے وہ دوسرے تھے، کیا یہ درست ہے؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا خدا کے اس دشمن نے جھوٹ بولا۔

ابن جریج کا بیان ہے کہ یعلی بن مسلم نے مجھے جو حدیث بیان کی، اس میں یہ تھا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سعید سے یہ کہا کہ خدا کے اس دشمن نے جھوٹ بولا، بلکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سعید سے یہ کہا تھا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن موسیٰ علیہ السلام نے وعظ کہا، لوگوں پر رقت طاری ہوگئی اور بہت روئے، ایک شخص نے عرض کیا، کہ اے موسیٰ اللہ کے پیغمبر! کیا اس زمین میں آپ سے بھی زیادہ جاننے والا کوئی موجود ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناگوار ہوئی، کیونکہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے موسیٰ! ہمارے بعض بندے تم سے بھی زیادہ علم والے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولیٰ مجھے ان کا پتہ بتا، تاکہ میں ان سے ملوں، اور علم حاصل کروں۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ عمرو بن دینار نے مجھ سے اس طرح کہا کہ اللہ کی طرف سے ارشاد ہوا، کہ اس کا پتہ یہ ہے کہ جہاں تمہاری مچھلی گم ہو جائے گی، خضر علیہ السلام تم کو وہیں ملیں گے۔

یعلی نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا تھا کہ ایک مری ہوئی مچھلی لے لو، جہاں وہ زندہ ہو جائے گی، بس اُسی جگہ وہ شخص تم کو ملے گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی تھیلے میں ڈالی اور اپنے خادم یوشع کو ساتھ لیا، اور اس سے کہا کہ تم کو صرف اتنی تکلیف دیتا ہوں کہ جہاں مچھلی گم ہو جائے مجھے بتا دینا، یوشع نے کہا یہ کیا بڑی بات ہے، سعید کی روایت میں یوشع بن نون کا نام نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھی کے ساتھ پتھر کی ایک چٹان کے پاس دریا کے کنارے پہنچے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سو گئے، مچھلی تڑپ کر دریا میں چلی گئی، نوجوان ساتھی نے خیال کیا کہ جگانا نہیں چاہئے، جب اٹھیں گے تو کہہ دوں گا، مگر ان کے اٹھنے کے بعد بھول گیا۔

اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے جانے کی وجہ سے پانی کو روک دیا، اور پانی میں ایک خاص نشان سرنگ کی طرح بن گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ عمرو بن دینار نے یہ کہا تھا کہ وہ مچھلی پانی میں ایک سوراخ بنا کر چھوڑتی چلی گئی، اور پھر عمرو نے اپنے دونوں انگوٹھوں اور پاس والی انگلیوں سے حلقہ بنا کر بتایا۔

اس کے بعد یہ دونوں حضرت آگے چلے گئے، کچھ دور جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے سفر کی تھکن معلوم ہوتی ہے، یوشع نے کہا کہ اللہ نے آپ کی تھکن کو دور کر دیا، اس کے بعد یوشع نے کہا کہ مچھلی تو فلاں جگہ گم ہوگئی، اور میں آپ سے کہنا بھول گیا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لوٹ کر چٹان کے قریب آئے تو دیکھا کہ خضر علیہ السلام کھڑے ہیں، ابن جریج نے کہا کہ عثمان بن ابی سلیمان کا بیان ہے کہ آپ نے خضر علیہ السلام کو دریا میں سبز بستر پر بیٹھے دیکھا، سعید کہتے ہیں کہ کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، اور کپڑے کا ایک کنارا پیروں تلے دبایا ہوا تھا، اور دوسرا کنارہ سر پر تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا، خضر علیہ السلام نے کہا کہ میرے مُلک میں سلام کا طریقہ نہیں ہے، تم کون ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں، خضر علیہ السلام نے کہا کیا بنی اسرائیل کے موسیٰ ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا جی ہاں!

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا پھر یہاں کس کام کے لئے آئے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اس لئے کہ آپ مجھے اپنا علم سکھائیں، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کیا تورات اور وحی آپ کو کافی نہیں؟ اے موسیٰ میرا علم تم نہیں سیکھ سکتے، اور تمہارا علم میں نہیں سیکھ سکتا، حضرت خضر علیہ السلام یہ کہہ رہے تھے کہ ایک چڑیا نے دریا سے ایک چونچ پانی لیا، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا اے موسیٰ ہمارا اور تمہارا علم اللہ کے سامنے ایسا ہے جیسا وہ پانی جو اس پرندہ نے چونچ میں بھرا۔

پھر وہ ایک چھوٹی سی ناؤ میں سوار ہوئے، جو لوگوں کو اِدھر سے اُدھر لے جاتی تھی، کشتی والوں نے ان کو پہچان لیا، اور بلا اجرت کشتی میں بٹھا لیا، حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے ایک تختہ کو توڑ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ تو تم نے بہت برا کیا، اس سے تو کشتی والے ڈوب جائیں گے، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا دیکھو میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔

درحقیقت یہ پہلا اعتراض موسیٰ علیہ السلام نے بھولے سے کیا تھا، اور دوسری بار خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرط لگائی کہ اگر پھر ایسا ہوا، تو مجھے ساتھ نہ رکھنا، اور تیسرا اعتراض عمداً کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، میں بھول گیا ہوں، بھول پر معاف کرنا چاہئے، اس کے بعد آگے بڑھے، ایک بچہ ملا، حضرت خضر علیہ السلام نے اسے مار ڈالا، اور گلا کاٹ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ تو تم نے بلا وجہ ایک خون کر ڈالا، بے گناہ کو مار ڈالا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت ﴿أَقَتَلْتَ نَفْساً زَكِيَّةً﴾ کو دونوں طرح پڑھتے ہیں، ''زاکیة'' کے معنی اچھا نیک مسلمان، جیسے کہتے ہیں ''غلاما زکیا''۔

اس کے بعد دونوں ایک بستی میں پہنچے، ایک دیوار جو گرنے والی تھی، اور ٹیڑھی ہو رہی تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو ہاتھ لگا کر سیدھا کر دیا، سعید نے ہاتھ کا اشارہ کر کے بتایا، کہ دیوار کو اس طرح سیدھا کیا تھا، یعلی کہتے ہیں، میں خیال کرتا ہوں کہ سعید نے اسی طرح کہا تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار پر ہاتھ پھیرا تو وہ سیدھی ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا، اور کہا کہ اگر تم چاہتے، تو اس کی مزدوری لے سکتے تھے، اور اس میں کھانا پینا ہوسکتا تھا۔

اور ''وکان وراء ھم'' کے معنی ''امامھم'' کے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسی طرح پڑھا ہے۔

ابن جریج نے کہا کہ سعید کے سوا دوسرے راویوں نے بادشاہ بددین و بد بیان کیا ہے، اور وہ لڑکا جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے مارڈالا تھا، اس کا نام جیسور تھا، کشتی توڑنے کی وجہ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ بتائی کہ وہ بادشاہ جو کہ دریا سے پار تھا، ظالم تھا، اور بیگار میں کشتیاں پکڑتا تھا، اسے بیکار سمجھ کر چھوڑ دے گا، کشتی والے اسے ٹھیک کر کے کام چلائیں گے، بعض نے کہا کہ سیسہ گلا کر کشتی جوڑی اور بعض نے کہا کہ راکھ اور روغن سے جوڑا۔

وہ لڑکا کافر تھا، اور اس کے ماں باپ مومن تھے، مجھے یہ خیال ہوا کہ اس کی محبت والدین کو تباہ نہ کردے، لہٰذا میں نے اسکو اس لئے مارڈالا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے ماں باپ کو نیک اولاد عنایت فرمادے، جو اس سے ہر حالت میں نیک اور اچھا ہو۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کوئی نیک لڑکی عنایت کردے، چنانچہ داؤد بن عاصم کہتے ہیں کہ لڑکی ہی مراد ہے۔

تشریح

"واللہ ماعلمی وماعلمک فی جنب علم اللہ الا کما اخذ ھذا الطائر بمنقارہ من البحر"

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملے، حضرت خضر علیہ السلام نے آنے کا سبب پوچھا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آنے کا سبب بتلایا، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ اے موسیٰ! بلاشبہ اللہ جل جلالہ نے تمہاری تربیت فرمائی بات یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے ایک علم جزئیات کونیہ کا مجھ کو ملا ہے جو اتنی بہتات سے مجھ کو نہیں دیا گیا۔

اس کے بعد ایک چڑیا دکھا کر جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی، کہا کہ میرا، تمہارا بلکہ کل مخلوقات کا سارا علم

اللہ ﷻ کے علم میں سے اتنا ہے جتنا دریا کے پانی میں سے وہ قطرہ جو چڑیا کے منہ کو لگ گیا ہے۔
یہ بھی محض تفہیم کے لئے تھا ورنہ متناہی کو غیر متناہی سے قطرہ او دریا کی نسبت بھی نہیں۔ ؏

(۴) باب قوله: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَ نَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَباً﴾ الی قوله: ﴿قَصَصًا﴾ [۶۲-۶۴]

اس ارشاد کا بیان: ''پھر جب دونوں آگے نکل گئے، تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ: ہمارا ناشتہ لاؤ، سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس میں سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہوگئی ہے۔''

صنعا: عملاً. حولا: تحولاً ﴿قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰى آثَارِهِمَا قَصَصاً﴾ [۶۴]. نُكْراً: داهية. يَنْقَضَّ: ينقاض كما ينقاض السن. لتخذت واتخذت واحد.
رُحما من الرحم وهي أشد مبالغة من الرحمة ويظن أنه من الرحيم. وتدعى مكة أم رحم أي الرحمة تنزل بها.

ترجمہ وتشریح

''صنعا'' بمعنی ''عملاً'' یعنی اچھا کام کرنے کے معنی میں ہے۔

''حولا'' بمعنی ''تحولاً'' یعنی پھر جانا، واپس لوٹنا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ ﴿قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰى آثَارِهِمَا قَصَصاً﴾ حضرت موسیٰ ؑ نے کہا کہ اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی، چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔

''نُكْراً'' بمعنی ''داهية'' یعنی بڑا معاملہ، عجیب بات۔

''يَنْقَضَّ'' و ''ينقاض'' دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی گرنے کے معنی ہیں، جیسے کہتے ہیں ''ينقاض السن'' یعنی دانت گر رہا ہے۔

''لتخذت'' میں ایک قرأت ''لَتَخِذْتَ - تخذت'' اور ''اتخذت'' از باب سمع و افتعال دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی لینا۔

؏ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج:۲، ص:۱۹۸، کتاب العلم، رقم الحدیث: ۱۲۲.

"رُحمـا" ماخوذ ہے، "رُحم" سے بمعنی رحمت وشفقت اور اس میں رحمت سے زیادہ مبالغہ ہے، اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ "رحیم" سے ماخوذ ہے۔ مکہ کو "امّ رحمۃ" اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر اللہ ﷻ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

(۵) باب قوله تعالىٰ: ﴿قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ﴾ الى آخره

اس ارشاد کا بیان: ''اُس نے کہا: بھلا بتائیے! (عجیب قصہ ہوگیا) جب ہم اُس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں مچھلی (کا آپ سے ذکر کرنا) بھول گیا۔''

۴۷۲۷ـ حدثني قتيبة بن سعيد قال: حدثني سفيان بن عيينة، عن عمرو بن دينار، عن سعيد بن جبير قال: قلت لابن عباس: ان نوفا البكالي يزعم أن موسى نبي الله ليس بموسى الخضر، فقال: كذب عدو الله، حدثنا أبي بن كعب عن رسول الله ﷺ قال: ((قام موسى خطيبا في بني اسرائيل فقيل له: أي الناس أعلم؟ قال: أنا، فعتب الله عليه اذ لم يرد العلم اليه، واوحى اليه: بلى عبد من عبادي بمجمع البحرين هو أعلم منك. قال: أي رب، كيف السبيل إليه؟ قال: تأخذ حوتا في مكتل فحيثما فقدت الحوت فاتبعه. قال: فخرج موسى ومعه فتاه يوشع بن نون ومعهما الحوت حتى انتهيا الى الصخرة فنزلا عندها. قال: فوضع موسى رأسه فنام. - قال سفيان: وفي حديث غير عمرو قال: وفي أصل الصخرة عين يقال لها: الحياة، لايصيب من مائها شيء الا حيي. فأصاب الحوت من ماء تلك العين- قال: فتحرك وانسل من المكتل فدخل البحر فلما استيقظ موسى ﴿قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا﴾ الآية. قال: ولم يجد النصب حتى جاوز ما أمر به. قال له فتاه يوشع بن نون: ﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ﴾ الآية، قال: فرجعا يقصان في آثارهما فوجدا في البحر كالطاق ممر الحوت. فكان لفتاه عجبا وللحوت سربا، قال: فلما انتهيا الى الصخرة اذ هما برجل مسجى بثوب فسلم عليه موسى، قال: وأنى بأرضك السلام. فقال: أنا موسى، قال: له الخضر: يا موسى إنك على علم من علم الله علمكه الله لاأعلمه، وأنا على علم من علم الله علمنيه الله لا تعلمه. قال: بل اتبعك، قال: فان اتبعتني فلا تسألني عن شيء حتى أحدث لك منه ذكرا. فانطلقا

يمشيان على الساحل فمرت بهما سفينة فعرف الخضر فحملوهم في سفينتهم بغير نول - يقول: بغير أجر - فركبا السفينة. قال: ووقع عصفور على حرف السفينة فغمس منقاره في البحر فقال الخضر لموسى: ما علمك وعلمي و علم الخلائق في علم الله إلا مقدار ما غمس هذا العصفور منقاره. قال: فلم يفجا موسى إذ عمد الخضر الى قدوم فخرق السفينة، فقال له موسى: قوم حملونا بغير نول عمدت الى سفينتهم ﴿فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ﴾، الآية. فانطلقا اذ هما بغلام يلعب مع الغلمان. فأخذ الخضر برأسه فقطعه. قال له موسى: ﴿أَقَتَلْتَ نَفْساً زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئاً نُكْرًا. قال أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْراً﴾ الى قوله: ﴿فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَاراً يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ﴾ فقال بيده هكذا فأقامه، فقال له موسى: إنا دخلنا هذه القرية فلم يضيفونا ولم يطعمونا ﴿لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْراً، قال هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِع عَلَيْهِ صَبْراً﴾ فقال رسول الله ﷺ: ((وددنا أن موسى صبر حتى يقص علينا من أمرهما)). قال: وكان ابن عباس يقرأ ﴿وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ﴾ صالحة ﴿غَصْباً﴾ وأما الغلام فكان كافرا. [راجع: ۷۴]

مجمع البحرین

"مجمع البحرين" کے لفظی معنی ہر وہ جگہ جہاں دو دریا سمندر سے ملتے ہوں، اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے مواقع دنیا میں بے شمار ہیں۔ اس جگہ "مجمع البحرين" سے کونسی جگہ مراد ہے؟

کیونکہ قران وحدیث میں اس کو متعین طور پر نہیں بتلایا، اس لئے آثار وقرائن کے اعتبار سے مفسرین کے اقوال اس میں مختلف ہیں:

حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بحرِ فارس وروم کے ملنے کی جگہ مراد ہے۔

حضرت ابن عطیہ رحمہ اللہ نے آذر بائیجان کے قریب ایک جگہ کو کہا ہے۔

بعض نے بحرِ اردن اور بحر قلزم کے ملنے کی جگہ بتلائی ہے۔

بعض نے کہا یہ مقام طنجہ میں واقع ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ افریقہ میں ہے۔

سدی نے آرمینیہ میں بتلایا ہے۔

بعض نے بحر اندلس جہاں بحر محیط سے ملتا ہے، وہ موقع بتلایا ہے۔

اس میں سے بعض اقوال جغرافیائی حالات پر منطبق نہیں ہوتے۔

مثلاً بحر فارس اور بحر روم کہیں جا کر آپس میں ملتے ہی نہیں ہیں، لہٰذا وہاں **"مجمع البحرین"** کہنا ممکن ہی نہیں ہے۔

اس میں صحیح اور محقق بات یہ ہے کہ **"مجمع البحرین"** خلیج عقبہ ہے جو مصر اور اردن کے درمیان ہے، بحر احمر آگے جا کر بحر روم میں گر رہا ہے اور اس سے پہلے خلیج عقبہ آتی ہے تو خلیج عقبہ کا وہ حصہ جہاں آگے جا کر خلیج بحر احمر کے ساتھ مل رہی ہے اس کو "مجمع البحرین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [۵]

(۶) باب قوله: ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ [۱۰۳]

اس ارشاد کا بیان: "کہہ دو کہ: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں؟"۔

غلط عقیدہ اور ریاکاری کے ہوتے ہوئے اعمال بیکار ہیں

یہ آیت اپنے مفہوم عام کے اعتبار سے ہر اس فرد کو یا جماعت کو شامل ہے جو کچھ اعمال کو نیک سمجھ کر اس میں جدوجہد اور محنت کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی محنت برباد اور عمل ضائع ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ صورت دو چیزوں سے پیدا ہوتی ہے:

ایک فساد اعتقاد۔

دوسرا ریاکاری۔

یعنی جس شخص کا عقیدہ اور ایمان درست نہ ہو وہ عمل کتنے ہی اچھے کرے اور کتنی ہی محنت اٹھائے وہ آخرت میں بیکار اور ضائع ہے۔ اسی طرح جس کا عمل مخلوق کو خوش کرنے کے لئے ریاکاری سے ہو وہ بھی عمل کے ثواب سے محروم ہے۔

اسی مفہوم عام کے اعتبار سے بعض حضرات صحابہ کرام ﷺ نے اس کا مصداق خوارج کو قرار دیا ہے،

---

[۵] تفسیر القرطبی، ج: ۱۱، ص: ۹، وعمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۶۲

جیسے کہ درج ذیل حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ کا قول ہے اور بعض مفسرین نے اس کا مصداق معتزلہ اور روافض وغیرہ جیسے گمراہ فرقوں کو قرار دیا ہے۔

لیکن اگلی آیت میں یہ متعین کر دیا گیا ہے کہ اس جگہ مراد وہ کفار ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور قیامت و آخرت کے منکر ہیں۔ [۶]

۴۷۲۸ ـ حدثني محمد بن بشار: حدثنا محمد بن جعفر: حدثنا شعبة، عن عمرو، عن مصعب قال: سألت أبي ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ أَعْمَالًا﴾ هم الحرورية؟ قال: لا، هم اليهود والنصارىٰ. أما اليهود فكذبوا محمدا ﷺ، وأما النصارىٰ كفروا بالجنة وقالوا: لا طعام فيها ولا شراب. والحرورية الذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه، وان سعد يسميهم الفاسقين. [۷]

ترجمہ: مصعب بن سعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ سے دریافت کیا کہ جن لوگوں کا ذکر اس آیت ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ أَعْمَالًا﴾ میں ہے، کیا وہ حروریہ کے لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ وہ یہود و نصاریٰ ہیں، کیونکہ یہودیوں نے حضرت محمد ﷺ کو جھٹلایا، اور جبکہ نصاریٰ نے جنت کا انکار کیا اور کہتے ہیں کہ وہاں تو کھانے پینے کی کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ اور حروریہ والے وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اللہ کے ساتھ عہد کرنے کے بعد اس کو توڑا اور حضرت سعد ﷺ ان کو فاسق کہتے تھے۔

حدیث کی عبارت کی روشنی میں تشریح

حضرت مصعب بن سعد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد صحابی رسول حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ سے پوچھا کہ اس آیت کریمہ ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ أَعْمَالًا﴾ میں جن لوگوں کا ذکر ہے، ان سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا ان سے حروری (خارجی) مراد ہیں؟

حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ نے فرمایا نہیں، اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

---

[۶] الآية فيه دلالة على أن من الناس من يعمل العمل وهو يظن أنه محسن وقد حبط سعيه، والذي يوجب إحباط السعي إما فساد الاعتقاد أو المراء الخ، والمراد هنا الكفر. تفسير القرطبي، ج: ۱۱، ص: ۶۵.

[۷] انفرد به البخاري.

یہودی اس وجہ سے کہ انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب، کی جس کے سبب ان کے سارے اعمال صالحہ برباد ہوگئے۔ جبکہ نصاریٰ نے جنت کے وجود کا انکار کیا اور کہتے ہیں کہ وہاں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملے گی۔

حروریہ (خوارج) وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ ﷻ کے عہد و میثاق کو توڑا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خوارج کو فاسق کہا کرتے تھے۔ [۸]

(۷) باب: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ﴾ [۱۰۵]

باب: ”یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مالک کی آیتوں کا اور اُس کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا، اس لئے ان کا سارا کیا دھرا غارت ہوگیا۔“

میزانِ حساب میں بے وزن اعمال والے

اس جگہ اصل مراد وہی کفار ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت اور حساب و کتاب کے منکر ہوں، مگر صورۃً وہ لوگ بھی اس کے مفہوم عام سے بے تعلق نہیں ہو سکتے، جن کے اعمال ان کے عقائدِ فاسدہ نے برباد کر دیئے اور ان کی محنت رائیگاں ہوگئی۔

یعنی ان کے اعمال جو ظاہر میں بڑے بڑے نظر آئیں گے مگر میزانِ حساب میں اُن کا کوئی وزن نہ ہوگا، کیونکہ یہ اعمال کفر و شرک کی وجہ سے بے کار اور بے وزن ہوں گے، جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے۔ [۹]

۴۷۲۹ ــ حدثنا محمد بن عبداللہ: حدثنا سعید بن أبی مریم: أخبرنا المغیرة بن عبدالرحمٰن: حدثنی أبوالزناد، عن الأعرج، عن أبی ھریرة رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ قال: ((إنه ليأتی الرجل العظيم السمين يوم القيامة لا يزن عنداللہ جناح بعوضة. وقال: اقرؤا ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾)).

---

[۸] عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۴۳، رقم: ۴۷۲۸

[۹] تفسیر القرطبی، ج: ۱۱، ص: ۶۶۵.

وعن يحيى بن بكير، عن المغيرة بن عبدالرحمن، عن أبي الزناد مثله. [۱۰]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز ایک قد آور موٹا آدمی (یعنی دنیا کا امیر عزت دار) آئے گا، جو اللہ ﷻ کے نزدیک ایک مچھر کے برابر بھی وزن دار نہ ہوگا اور فرمایا یہ آیت پڑھو **﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْناً﴾** یعنی ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

[۱۰] وفي صحيح مسلم، كتاب صفة القيامة والجنة والنار، رقم: ۲۷۸۵

(۱۹) سورة کهیعص

سورۂ کھیعص — یعنی سورۂ مریم کا بیان

بسم الله الرحمن الرحیم

سورت کا بنیادی مقصد اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا بنیادی مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں صحیح عقائد کی وضاحت اور اُن کے بارے میں عیسائیوں کی تردید ہے، اگرچہ مکہ مکرمہ میں جہاں یہ سورت نازل ہوئی عیسائیوں کی کوئی خاص آبادی نہیں تھی، لیکن مکہ مکرمہ کے بت پرست کبھی کبھی آنحضرت ﷺ کے دعوائے نبوت کی تردید کے لئے عیسائیوں سے مدد لیا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ بہت سے مسلمان کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے، جہاں عیسائی مذہب ہی کی حکمرانی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ، حضرت مریم، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کی صحیح حقیقت سے واقف ہوں۔

چنانچہ اس سورت میں ان حضرات کے واقعات اسی سیاق وسباق میں بیان ہوئے ہیں۔

چونکہ یہ واضح کرنا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں ہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے بلکہ وہ انبیائے کرام ہی کے مقدس سلسلے کی ایک کڑی ہیں، اس لئے بعض دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی مختصر تذکرہ اس سورت میں آیا ہے۔

لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت اور اُس وقت حضرت مریم علیہا السلام کی کیفیات سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوئی ہیں، اس لئے اس کا نام سورۂ مریم رکھا گیا ہے۔

وقال ابن عباس: ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾، الله يقوله وهم اليوم لا يسمعون ولا يبصرون في ضلال مبين: يعني قوله: ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾ الكفار يومئذ أسمع شيء وأبصره.

﴿لَأَرْجُمَنَّكَ﴾: لأشتمنك. ﴿وَرِئْيًا﴾: منظرا. وقال أبو وائل: علمت مريم أن التقي ذو نهية حتى قالت: ﴿إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا﴾.

وقال ابن عيينة: ﴿تَؤُزُّهُمْ أَزًّا﴾: تزعجهم الى المعاصي ازعاجا. وقال مجاهد:

﴿إِدًّا﴾ : عوجا. وقال ابن عباس: ﴿وِرْدًا﴾ :عطاشا. ﴿أَثَاثًا﴾ : مالا. ﴿رِكْزًا﴾ : صوتا.
وقال غيره: ﴿غَيًّا﴾ : خسرانا. ﴿بُكِيًّا﴾ : جماعة باك. ﴿صِلِيًّا﴾ : صلى يصلى.
﴿نَدِيًّا﴾ -والنادي واحد-: مجلسا.

ترجمہ وتشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾ کی تشریح بیان کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ آج دنیا میں وہ لوگ یعنی کافر نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں بلکہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں، یعنی اللہ ﷻ کے قول ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾ سے مراد کافر لوگ ہیں کہ قیامت کے دن وہ خوب سنتے ہوں گے مگر اس وقت کا سننا دیکھنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔

"لَأَرْجُمَنَّكَ" کے معنی ہیں "لاشتمنک" یعنی میں تجھ پر گالیوں کا پتھراؤ کروں گا۔

"وَرِئْيًا" بمعنی "منظرا" یعنی نمود، دکھلاوا، ظاہری خوبی۔

ابو وائل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام یہ بات جانتی تھیں کہ متقی آدمی صاحب عقل ہوتا ہے اس لئے برے کام سے رُک جاتا ہے، اسی لئے جب تنہائی میں فرشتہ انسانی صورت میں ان کے پاس آیا تو انہوں نے یوں کہا:

﴿إِنِّيْ أَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾
میں تم سے خدائے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم میں خدا کا
خوف ہے (تو یہاں سے ہٹ جاؤ)۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ "تَؤُزُّهُمْ أَزًّا" کے معنی ہیں شیاطین ان کو گناہوں پر خوب ابھارتے اکساتے رہتے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "إِدًّا" بمعنی "عوجا" یعنی کج، ٹیڑھی بات، غلط اور بیہودہ بات۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "وِرْدًا" کے معنی ہیں "عطاشا" - پیاسے۔

"أَثَاثًا" بمعنی "مالا" یعنی گھر کا ساز وسامان، مال واسباب۔

"رِكْزًا" کے معنی ہیں صوت یعنی بھنک، آہستہ آواز۔

"غَيًّا" بمعنی "خسرانا" یعنی گھاٹا، نقصان۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ "غَيّ" جہنم کے ایک غار کا نام ہے جو بہت گہرا ہے۔

"بُكِيّاً" جمع ہے "باک" کی، روتے ہیں۔
"صِلِيّاً" مصدر ہے "صلی - یصلی" یعنی از باب سمع، آگ میں داخل ہونا۔
"نَدِيّاً" - اور "نادی" دونوں کا مطلب ایک ہی ہے، مجلس، محفل، اس کی جمع "ندیۃ" آتی ہے۔

(۱) باب قوله عزوجل: ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ [۳۹]

اللہ عزوجل کے ارشاد کا بیان: "اور (اے پیغمبر!) ان کو اُس پچھتاوے کے دن سے ڈرایئے۔"

یوم الحسرة ۔ حسرت کا دن

"یوم الحسرة" اس روز کو حسرت کا دن اس لئے کہا گیا ہے کہ اہل جہنم کو تو یہ حسرت ہونا ظاہر ہے کہ اگر وہ مؤمن صالح ہوتے تو ان کو جنت ملتی اب جہنم کے عذاب میں گرفتار ہیں۔

ایک خاص قسم کی حسرت اہل جنت کو بھی ہوگی۔ جیسا کہ طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت معاذ ﷺ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کو کسی چیز پر حسرت نہیں ہوگی بجز ان لحات و وقت کے جو بغیر ذکر اللہ کے گزر گئے۔ [۱]

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مرنے والے کو حسرت و ندامت سے سابقہ پڑے گا۔ صحابہ ﷺ نے سوال کیا کہ یہ ندامت و حسرت کس بنیاد پر ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نیک اعمال کرنے والوں کو اس پر حسرت ہوگی کہ اور زیادہ نیک اعمال کیوں نہ کئے کہ اور زیادہ درجات جنت ملتے اور بدکار آدمی کو اس پر حسرت ہوگی کہ وہ اپنی بدکاری سے باز کیوں نہ آگیا۔ [۲]

---

[۱] عن معاذ بن جبل ﷺ، قال: قال رسول الله ﷺ: ((ليس يتحسر أهل الجنة إلا على ساعة مرت بهم لم يذكروا الله فيها)). المعجم الكبير للطبراني، باب الميم، جبير بن نفير، عن معاذ بن جبل، رقم: ۱۸۲

[۲] يحيى بن عبيد الله، قال: سمعت أبي، يقول: سمعت أبا هريرة ﷺ، يقول: قال رسول الله ﷺ: ((ما من أحد يموت إلا ندم))، قالوا: وما ندامته يا رسول الله؟ قال: ((إن كان محسنا ندم أن لا يكون ازداد، وإن كان مسيئا ندم أن لا يكون نزع)). سنن الترمذي، أبواب الزهد، باب، رقم: ۲۴۰۳

۴۷۳۰ ۔ حدثنا عمر بن حفص بن غیاث: حدثنا أبی: حدثنا الأعمش: حدثنا ابو صالح، عن أبی سعید الخدری ﷺ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ((یؤتی بالموت کھیئۃ کبش أملح فینادی مناد: یا أھل الجنۃ، فیشرئبون وینظرون فیقول: ھل تعرفون ھذا؟ فیقولون: نعم، ھذا الموت، وکلھم قد رآہ. ثم ینادی: یا أھل النار، فیشرئبون وینظرون فیقولون: ھل تعرفون ھذا؟ فیقولون: نعم، ھذا الموت، وکلھم قد رآہ فیذبح. ثم یقول: یا أھل الجنۃ خلود فلا موت. ویا أھل النار خلود فلا موت، ثم قرأ ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ﴾ وھؤلاء فی غفلۃ أھل الدنیا، وھم یؤمنون)). [۳]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ﷺ نے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز موت ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی اور ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ اے جنت والو! پس جنتی لوگ گردن اٹھائیں گے اور دیکھیں گے، تو آواز دینے والا فرشتہ کہے گا کیا تم اس مینڈھے کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے ہاں! یہ موت ہے اور سب اس کو دیکھ چکے ہیں۔ پھر فرشتہ آواز دے گا کہ اے جہنم والو! یہ لوگ بھی گردن اٹھا کر دیکھیں گے خوش ہوں گے شاید دوزخ سے نکلنے کا حکم دیا جاتا ہے، تو فرشتہ کہے گا کیا تم اس مینڈھے کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے ہاں! یہ موت ہے، سب نے اسکو دیکھا ہے، پھر وہ مینڈھا ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر

---

[۳] وفی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معرفۃ طریق الرؤیۃ، رقم: ۸۳، وباب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار، رقم: ۱۸۴، ۱۸۵، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا وأھلھا، باب احلال الرضوان علی اھل الجنۃ فلا یسخط علیھم ابداً، رقم: ۲۸۲۹، باب النار یدخلھا الجبارون والجنۃ الضعفاء، رقم: ۲۸۴۹، وسنن الترمذی، أبواب صفۃ الجنۃ، باب، رقم: ۲۵۵۵، وباب ماجاء فی خلود أھل الجنۃ وأھل النار، رقم: ۲۵۵۸، وأبواب صفۃ جھنم، باب منہ، رقم: ۲۵۹۸، وأبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ مریم، رقم: ۳۱۵۶، وسنن النسائی، کتاب الایمان وشرائعہ، باب زیادۃ الایمان، رقم: ۵۰۱۰، وسنن ابن ماجہ، افتتاح الکتاب فی الایمان وفضائل الصحابۃ والعلم، باب فی العلم، رقم: ۶۰، وباب فیما أنکرت الجھمیۃ، رقم: ۱۷۹، وکتاب الزھد، باب ذکر البعث، رقم: ۴۲۸۰، وباب ذکر الشفاعۃ، رقم: ۴۳۰۹، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم: ۱۱۰۱۶، ۱۱۰۶۶، ۱۱۰۷۷، ۱۱۰۱۸، ۱۱۱۲۰، ۱۱۱۲۷، ۱۱۱۵۱، ۱۱۲۰۰، ۱۱۳۳۱، ۱۱۵۳۳، ۱۱۷۳۲، ۱۱۷۴۶، ۱۱۸۳۵، ۱۱۸۵۵، ۱۱۸۵۷، ۱۱۸۹۸، وسنن الدارمی، ومن کتاب الرقاق، باب ما یخرج اللہ من النار برحمۃ، رقم: ۲۸۵۹

آواز دینے والا فرشتہ کہے گا اے جنت والو! اب تمہارے لئے ہمیشگی ہے اب موت کبھی نہیں آئیگی اور اے جہنم والو! تمہارے لئے بھی ہمیشگی ہے تم پر بھی موت کبھی نہیں آئیگی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ﴾ اور یہ لوگ یعنی دنیا والے غفلت میں پڑے ہیں ایمان نہیں لاتے۔

(۲) باب قوله: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ﴾ [۶۴]

اس ارشاد کا بیان: ''اور (فرشتے تم سے یہ کہتے ہیں کہ) ہم آپ کے رَبّ کے حکم بغیر اُتر کر نہیں آتے۔ جو کچھ ہمارے آگے ہے، اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، وہ سب اُسی کی ملکیت ہے۔''

۴۷۳۱ ـ حدثنا أبونعيم: حدثنا عمر بن ذر قال: سمعت أبي، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما: قال النبي ﷺ لجبريل: ((مايمنعك أن تزورنا أكثر مما تزورنا؟)) فنزلت ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾. [راجع: ۳۲۱۸]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے جبرئیل! تم کو کس نے روکا ہے، کہ تم جتنی مرتبہ میرے پاس آتے ہو، اس سے زیادہ مرتبہ آؤ۔ تو اس پر یہ آیت اُتری کہ ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام ـ مامور من اللہ

ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کئی روز تک تشریف نہ آئے، اس پر آپ ﷺ منقبض تھے، اِدھر کفار نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد کو اسکے رب نے چھوڑ دیا ہے، اس طعن سے آپ اور زیادہ دلگیر ہوئے۔

آخر حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، آپ نے اتنے روز تک نہ آنے کا سبب پوچھا اور آپ نے فرمایا **''مايمنعك أن تزورنا أكثر مما تزورنا''** یعنی جتنا تم آتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟

تو اس پر اللہ ﷻ نے حضرت جبرئیل ؑ کو سکھلایا کہ جواب میں یوں کہو ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ یہ کلام ہوا اللہ ﷻ کا جبرئیل ؑ کی طرف سے۔

جیسا کہ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ میں ہم کو سکھلایا ہے۔

حاصل جواب یہ ہے کہ ہم خالص عبد مامور ہیں، بدون حکم الٰہی ایک پر نہیں ہلا سکتے۔ ہمارا چڑھنا اترنا سب اسکے حکم واذن کے تابع ہے، وہ جس وقت اپنی حکمت کاملہ سے مناسب جانے ہم کو نیچے اترنے کا حکم دے۔

کیونکہ ہر زمانہ ماضی، مستقبل، حال اور ہر مکان، آسمان وزمین اوران کے درمیان کا علم اسی کو ہے اور وہی ہر چیز کا مالک وقابض ہے، وہی جانتا ہے کہ فرشتہ کو پیغمبر کے پاس کس وقت بھیجنا چاہئے۔

مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے یا کسی کو اپنے پاس بلالے خدا کا ہر کام برمحل اور بروقت ہے، بھول چوک یا نسیان وغفلت کی اسکی بارگاہ میں رسائی نہیں، مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل ؑ کا جلد یا بدیر آنا بھی اس کی حکمت ومصلحت کے تابع ہے۔ [۴]

(۳) باب قوله: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا﴾ [۷۷]

اس ارشاد کا بیان: ”بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ: مجھے مال اور اولاد (آخرت میں بھی) ضرور ملیں گے۔“

۴۷۳۲ ـ حدثنا الحميدي: حدثنا سفيان، عن الأعمش، عن أبي الضحى، عن مسروق قال: سمعت خبابا قال: جئت العاص بن وائل السهمي أتقاضاه حقا لي عنده فقال: لاأعطيك حتى تكفر بمحمد ﷺ، فقلت: لاحتى تموت ثم تبعث، قال: وإني لميت ثم مبعوث؟ قلت: نعم، قال: ان لي هناك مالا وولدا فأقضيك، فنزلت هذه الآية ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا﴾. [راجع: ۲۰۹۱]

رواه الثوري وشعبة وحفص وأبو معاوية ووكيع، عن الأعمش.

ترجمہ: مسروق بن اجدع نے بیان کیا کہ میں نے حضرت خباب ؓ سے سنا کہ آپ نے بیان کیا کہ میں عاصم بن وائل سہمی کے یہاں اپنا حق جو اس پر باقی تھا، اس کا تقاضا کرنے کیلئے گیا تو وہ کہنے لگا میں تجھ کو اس

---

[۴] عمدة القاري، ج:۱۳، ص:۳۹۰.

وقت تک نہیں دوں گا جب تک تم محمد ﷺ کا انکار نہیں کرو گے۔ میں نے کہا میں حضور ﷺ کا انکار کبھی نہیں کروں گا، یہاں تک کہ تم مرنے کے بعد پھر زندہ کئے جاؤ۔ وہ کہنے لگا کیا میں مرنے کے بعد پھر سے زندہ کیا جاؤں گا؟ میں نے کہا ہاں! تو وہ کہنے لگا کہ پھر تو میرے پاس وہاں بھی مال واولاد ہوگی پس میں تیرا قرضہ ادا کردوں گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا﴾۔

سفیان ثوری، شعبہ، حفص، ابومعاویہ اور وکیع ان تمام حضرات نے یہ روایت اعمش سے روایت کی ہے۔

(۴) باب قوله: ﴿أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ [۷۸]

اس ارشاد کا بیان: ''کیا اُس نے عالمِ غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے، یا اُس نے خدائے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟

۴۷۳۳ - حدثنا محمد بن کثیر: أخبرنا سفیان، عن الاعمش، عن أبی الضحی، عن مسروق، عن خباب قال: کنت قیناً بمکة فعملت للعاص بن وائل السهمی سیفاً فجئت أتقاضاه فقال: لا أعطیک حتی تکفر بمحمد، قلت: لا أکفر بمحمد ﷺ حتی یمیتک الله ثم یحییک، قال: اذا أماتنی الله ثم بعثنی ولی مال وولد فأنزل الله ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ قال: موثقاً. [راجع: ۲۰۹۱]

لم یقل الأشجعی، عن سفیان: سیفاً، ولا موثقاً.

ترجمہ: حضرت خباب ﷺ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں لوہار تھا، میں نے عاص بن وائل سہمی کیلئے تلوار بنائی تھی، میں اس کے پاس اپنی اجرت کا تقاضا کرنے کے لئے آیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں اس وقت تک تمہارا حق ادا نہیں کروں گا کہ جب تک تم محمد کا انکار مت کردو۔ میں نے اس سے کہا کہ میں محمد ﷺ کا کسی صورت بھی انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ تمہیں ایک بار مرنے کے بعد دوبارہ سے زندہ کردے۔ اس پر اس نے کہا کہ اللہ جب مجھے دوبارہ زندہ کرے گا تو اس وقت بھی میرے پاس مال واولاد ہوگی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا الخ﴾۔ آیت میں ''عهداً'' کا معنی ''موثقاً'' سے کیا ہے جس کا معنی ہے مضبوط اقرار، وعدہ۔

اشجعی نے بھی سفیانؒ سے اس روایت کو نقل کیا ہے، لیکن اس میں نہ تلوار کا ذکر ہے نہ موثقا کا ذکر ہے۔

(۵) باب قوله: ﴿كَلَّا سَنَكْتُبُ ما يَقُولُ ونَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا﴾ [۷۹]

اس ارشاد کا بیان: ''ہرگز نہیں! جو کچھ یہ کہہ رہا ہے، ہم اُسے بھی لکھ رکھیں گے، اور اُس کے عذاب میں اور اضافہ کردیں گے۔

۴۷۳۴ـ حدثنا بشر بن خالد: حدثنا محمد بن جعفر، عن شعبة، عن سليمان: سمعت أبا الضحى يحدث عن مسروق، عن خباب قال: كنت قينا في الجاهلية وكان لي دين على العاص بن وائل، قال: فأتاه يتقاضاه فقال: لا أعطيك حتى تكفر بمحمد ﷺ فقال: والله لا أكفر حتى يميتك الله ثم تبعث، قال: فذرني حتى أموت ثم أبعث فسوف أوتى مالا وولدا فأقضيك. فنزلت هذه الآية ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا﴾. [راجع: ۲۰۹۱]

ترجمہ: حضرت خباب ﷺ فرماتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں لوہار تھا، اور میرا کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمہ تھا، کہتے ہیں کہ میں اس کے پاس اپنے قرض کا تقاضا کرنے کے لئے آیا۔ تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں اس وقت تک تمہارا حق ادا نہیں کروں گا کہ جب تک تم محمد ﷺ کا انکار مت کردو۔ تو میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں کسی صورت بھی انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ تمہیں موت دے پھر دوبارہ سے زندہ کردے۔ اس پر اس نے کہا کہ پھر مرنے تک مجھ سے قرض مت مانگو، جب مجھے دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس وقت بھی میرے پاس مال و اولاد ہوگی تو تب میں تمہارا قرض اُتار دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا الخ﴾۔

(۶) باب قوله: ﴿وَنَرِثُهُ ما يَقُولُ وَيَأْتِينا فَرْدًا﴾ [۸۰]

اس ارشاد کا بیان: ''اور جس (مال اور اولاد) کا یہ حوالہ دے رہا ہے، اُس کے وارث ہم ہوں گے، اور یہ ہمارے پاس تنِ تنہا آئے گا۔''

وقال ابن عباس: ﴿الجِبالُ هَدًّا﴾: هدماً.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت ﴿الجبال هداً﴾ کی تشریح فرماتے ہیں کہ "هداً" بمعنی "هدماً"، یعنی شکستہ ہوجانا، ڈھے جانا، گر جانا۔

۴۷۳۵۔ حدثنا یحیی: حدثنا وکیع، عن الأعمش، عن أبی الضحیٰ، عن مسروق. عن خباب قال: کنت رجلاً قینا وکان لی علی العاص بن وائل دین فأتیته أتقاضاه، فقال لی: لا أقضیک حتی تکفر بمحمد. قال: قلت: لن أکفر به حتی تموت ثم تبعث، قال: وانی لمبعوث من بعد الموت؟ فسوف أقضیک اذا رجعت الی مال وولد، قال: فنزلت: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالاً وَوَلَداً أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمٰنِ عَهْداً كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدّاً وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْداً﴾.

[راجع: ۲۰۹۱]

ترجمہ: حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں لوہار تھا، اور میرا کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمہ تھا، کہتے ہیں کہ میں اس کے پاس آیا تاکہ اپنے قرض کا تقاضا کروں۔ تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں اس وقت تک تمہارا حق ادا نہیں کروں گا کہ جب تک تم محمد کا انکار مت کردو۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں کسی صورت بھی ان کا انکار نہیں کروں گا، یہاں تک کہ تم مرجاؤ پھر دوبارہ سے زندہ کئے جاؤ۔ اس پر اس نے کہا کہ کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ سے زندہ کیا جاؤں گا؟ پھر تو جب مال اور اولاد بھی ملیں گے، تو تب ہی میں تمہارا قرض اتاروں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالاً وَوَلَدًا الخ﴾ یعنی بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ: مجھے مال اور اولاد (آخرت میں بھی) ضرور ملیں گے۔

سورة طٰه

سورۂ طٰہ کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں۔

سورت کا بنیادی مقصد اور ترتیبِ واقعات

یہ سورت مکہ مکرمہ کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی۔

جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی، وہ مسلمانوں کیلئے بڑی آزمائش اور تکلیفوں کا زمانہ تھا۔ کفار مکہ نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اس لئے اس سورت کا بنیادی مقصد ان کو تسلی دینا تھا کہ اس قسم کی آزمائشیں حق کے علمبرداروں کو ہر زمانے میں پیش آئی ہیں، لیکن آخری انجام انہی کے حق میں ہوا ہے۔

چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوا ہے جس سے دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں، یہ بھی کہ ایمان والوں کو آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ بھی کہ آخری فتح انہی کی مقدر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ثابت کرنا مقصود ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم اسلام کی بنیادی دعوت ایک ہی ہوتی ہے کہ انسان خدائے واحد پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ

مستند روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی سورت کو سن کر اسلام لائے تھے۔ ان کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور انکے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ ان سے پہلے خفیہ طور پر اسلام لا چکے تھے جس کا انہیں پتہ نہیں تھا۔ ایک روز وہ گھر سے آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے۔

راستے میں نعیم بن عبداللہ نامی ایک صاحب انہیں ملے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ پہلے اپنے گھر کی خبر لیں جہاں آپ کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے کے عالم میں واپس آئے تو بہن اور بہنوئی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے سورۂ طٰہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا

توانہوں نے وہ صحیفہ جس پر سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی، کہیں چھپادیا، لیکن حضرت عمر ﷜ پڑھنے کی آواز سن چکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو اور یہ کہہ کر بہن اور بہنوئی دونوں کو بہت مارا۔

اس وقت ان دونوں نے کہا کہ آپ ہمیں کوئی بھی سزا دیں، ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور حضرت محمد ﷺ پر جو کلام اللہ ﷻ کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر ﷜ نے کہا کہ اچھا مجھے بھی دکھاؤ، وہ کیسا کلام ہے۔ بہن نے ان سے غسل کرواکر صحیفہ ان کو دکھایا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ اسے پڑھ کر حضرت عمر ﷜ مبہوت رہ گئے اور انہیں یقین ہوگیا کہ یہ کسی انسان کا نہیں، اللہ ﷻ کا کلام ہے۔

حضرت خباب ﷜ نے بھی انہیں اسلام لانے کی ترغیب دی اور بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ! ابوجہل یا عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو اسلام کی توفیق دیکر اسلام کی قوت کا سامان پیدا فرمادے۔ چنانچہ اسی وقت وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔ [۱]

قال عكرمة والضحاك: بالنبطية، أى ﴿طٰهٰ﴾: يارجل، وقال مجاهد: ﴿أَلْقَى﴾ صنع. ﴿أَزْرِى﴾: ظهرى، ﴿فَيُسْحِتَكُمْ﴾: يهلككم.

﴿الْمُثْلَى﴾: تأنيث الأمثل يقول: بدينكم. يقال: خذ المثلى خذ الأمثل. ﴿ثُمَّ ائْتُوْا صَفّاً﴾. يقال: هل أتيت الصف اليوم؟ يعنى المصلى الذى يصلى فيه.

﴿فَأَوْجَسَ﴾: اضمر خوفا فذهبت الواو من ﴿خِيفَةً﴾ لكسرة الخاء. ﴿فِىْ جُذُوْعِ﴾: أى على جذوع النخل. ﴿خَطْبُكَ﴾: بالك. ﴿مِسَاسَ﴾: مصدر ماسه مساسا.

﴿لَنَنْسِفَنَّهُ﴾: لنذرينه. ﴿قَاعاً﴾: يعلوه الماء. والصفصف: المستوى من الأرض. وقال مجاهد: أوزارا أثقالا. ﴿مِنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ﴾: الحلى الذى استعاروا من آل فرعون. ﴿فَقَذَفْتُهَا﴾: فألقيتها. ﴿أَلْقَى﴾: صنع، ﴿فَنَسِيَ﴾ موسى هم: يقولونه: أخطأ الرب.

﴿لَايَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلاً﴾: العجل. ﴿هَمْساً﴾: حس الأقدام. ﴿حَشَرْتَنِىْ أَعْمَى﴾ عن حجتى ﴿وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْراً﴾ فى الدنيا. قال ابن عباس: ﴿بِقَبَسٍ﴾ ضلوا الطريق وكانوا شاتين، فقال: ان لم أجد عليها من يهدى الطريق آتكم بنار توقدون.

وقال ابن عيينة: ﴿أَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً﴾: أعدلهم. وقال ابن عباس: ﴿هَضْماً﴾: لايظلم فيهضم من حسناته. ﴿عِوَجاً﴾: واديا. ﴿وَلَا أَمْتاً﴾: رابية. ﴿سِيْرَتَهَا﴾: حالتها ﴿الْأُوْلَى﴾. ﴿النُّهَى﴾: التقى. ﴿ضَنْكًا﴾: الشقاء. ﴿هَوَى﴾: شقى.

---

[۱] تفسیر القرطبی، ج: ۱۱، ص: ۱۶۴، ۱۶۳

﴿بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ﴾: المبارک. ﴿طُوًى﴾: اسم الوادی. ﴿بِمَلْكِنَا﴾: بأمرنا.
﴿مَكَانًا سُوًى﴾: منصف بينهم. ﴿يَبَسًا﴾ ، ﴿عَلَىٰ قَدَرٍ﴾: موعد. ﴿لَا تَنِيَا﴾: تضعفا.

ترجمہ وتشریح

حضرت عکرمہ وحضرت ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نبطی زبان میں **"طٰهٰ"** بمعنی **"یا رجل"** یعنی اے مرد، اے شخص اور مراد حضور ﷺ ہیں۔

"نبطیہ" منسوب ہے **"نَبَط"** کی طرف یہ ایک قوم تھی، جو عراق عرب اور عراق عجم کے درمیان آباد تھی، پھر اسکا استعمال کاشتکار کے معنی میں ہونے لگا۔ ابن الانبار نے کہا کہ یہ لغت قریش کے موافق ہے، کیونکہ اللہ جل جلالہ نے آنحضرت ﷺ کو قریش کی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطاب نہیں فرمایا ہے۔ [۲]

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ **"القی"** بمعنی **"صنع"** بنایا، یعنی یہاں ڈالنے کے بجائے بنانے کے معنی میں ہے۔

"أَزْرِی" بمعنی **"ظهری"** یعنی پیٹھ ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ بمعنی قوت ہے۔

"فَيُسْحِتَكُمْ" بمعنی **"يهلككم"** یعنی بالکل ہلاک کردے۔

"الْمُثْلَىٰ" اسم تفضیل **"الأمثل"** کا مؤنث ہے، یہاں اس سے دین مراد ہے۔ جیسے بولتے ہیں کہ **"خذ المثلى خذ الامثل"** یعنی افضل اور بہتر طریقے کو اختیار کرے، اس سے مقصود تاکید مزید ہے۔

آیت کریمہ **﴿ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا﴾** یعنی پھر آؤ قطار باندھ کر۔ کہا جاتا ہے کہ کیا تم آج صف میں آئے تھے؟ یعنی اس مصلی (عیدگاہ) میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ یہاں صف بمعنی عیدگاہ ہے۔

"فَأَوْجَسَ" بمعنی **"اضمر"** یعنی دل میں پوشیدہ آواز پانا، گھبراہٹ محسوس کرنا۔ اور **"خيفة"** اصل میں **"خوفة"** تھا واؤ کسرہ ماقبل یعنی خاء پر کسرہ کی وجہ سے یاء سے بدل گئی۔

﴿فِي جُذُوعِ﴾ آیت میں **"في"** بمعنی **"على"** ہے۔

"خَطْبُكَ" بمعنی **"بالک"** یعنی حال، معاملہ۔

"مِسَاسَ" مصدر ہے، **"ماسه - مساسا"** کا۔

"لَنَنْسِفَنَّهُ" کے معنی ہیں ہم اس کو بکھیر دیں گے۔

---

[۲] عمدة القاری، ج: ۱۳، ص: ۱۵۳۔

"**قاعاً**" کے معنی ہیں ایسی زمین جس کے اوپر پانی چڑھ آئے اور "**الصفصف**" برابر وہموار زمین۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "**اوزاراً**" بمعنی "**الثقل**" یعنی بوجھ۔

﴿**مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ**﴾ سے مراد وہ زیور ہے جو بنی اسرائیل نے قوم فرعون سے مانگ کر لیا تھا، یعنی بنی اسرائیل نے عید کا بہانہ کر کے قبطیوں سے زیورات مستعار لے لئے تھے۔

"**فَقَذَفْتُهَا**" کا معنی ہے "**فالقیتها**" یعنی میں نے اس کو ڈال دیا۔

"**فَنَسِيَ**" کے معنی ہیں "**اخطأ الرب**" یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام چوک گئے، خطا کر گئے اپنے رب کو پہچاننے سے یعنی اس بچھڑے سے۔ پھر اسکے جواب میں یہ فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿**لَا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا**﴾ کہ یعنی وہ بچھڑا ان کی کسی بات جواب بھی نہیں دے سکتا۔ "**لایرجع**" میں ضمیر "**العجل**" کی طرف راجع ہے۔

"**همساً**" کے معنی ہیں قدموں کی آہٹ، سرسراہٹ۔

آیت مبارکہ ﴿**حَشَرْتَنِي أَعْمَى**﴾ میں لفظ "**اعمی**" کے معنی ہیں حجت ودلیل سے اندھا۔

جیسے کہ "﴿**وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا**﴾ **فی الدنیا**" یعنی دنیا میں تو مجھ کو دلیل وحجت بزعم خود معلوم ہوتی تھی یہاں تو نے بالکل اندھا کر کے کیوں اٹھایا کہ کسی حجت کی طرف رسائی نہیں ہوتی۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "**أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً**" کے معنی ہیں "**اعدلهم**" یعنی عقل ودانش کے اعتبار سے افضل وصاحب الرائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت میں "**هضماً**" کا معنی ہے اس پر ظلم نہیں کیا جائے گا کہ اسکی نیکیوں میں کمی کر دی جائے۔

"**عوجاً**" کا معنی ہے وادی اور نالہ۔

"**أمتاً**" کے معنی ہیں بلندی یعنی پہاڑ، ٹیلہ، مطلب یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ زمین کو بالکل ہموار کر دیں گے۔

"**سِيرَتَهَا الْأُولَى**" کے معنی ہیں پہلی حالت۔

"**النُّهَى**" بمعنی "**التُّقَى**" یعنی متقی، پرہیزگار، عقل مند۔

"**ضَنْكًا**" کے معنی ہیں بدبختی۔

"**هَوَى**" کے معنی ہیں بدبخت ہوا۔

﴿**بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ**﴾ اس آیت میں "**مُقَدَّسِ**" کے معنی ہیں مبارک، پاک، بابرکت۔ "**طُوًى**" وادی کا نام تھا۔

"**بِمَلْكِنَا**" کے معنی ہیں اپنے حکم سے، اپنے اختیار سے۔

"**مَكَانًا سُوًى**" کے معنی ہیں ایسی جگہ جو برابر ہو، فریقین کے درمیان نصفا نصف ہو، مسافت برابر ہو۔

"یبسا" جوطریق کی صفت ہے بمعنی "یابسا" یعنی خشک کہ پانی اور کیچڑ نہ رہے۔
"عَلٰی قَدَرٍ" بمعنی "موعد" یعنی معین وقت، مقررہ وقت پر۔
"لاتَنِیَا" بمعنی "تضعفا" سست ہونا، سستی کرنا۔

(۱) باب قوله: ﴿وَاصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِی﴾ [۴۱]

اس ارشاد کا بیان: "اور میں نے تمہیں خاص اپنے لئے بنایا ہے۔"

۴۷۳۶ - حدثنا الصلت بن محمد: حدثنا مهدی بن میمون: حدثنا محمد بن سیرین، عن أبی هریرة عن رسول الله ﷺ قال: ((التقی آدم وموسی فقال موسی لآدم: أنت الذی أشقیت الناس وأخرجتهم من الجنة؟ قال له آدم: أنت الذی اصطفاک الله برسالته، واصطفاک لنفسه، وأنزل علیک التوراة؟ قال: نعم، قال: فوجدتها کتب علیّ قبل أن یخلقنی؟ قال: نعم، فحج آدم موسی)). [راجع: ۳۴۰۹]

﴿الیَمُّ﴾: البحر.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام دونوں میں ملاقات ہوئی، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہ آپ ہی ہیں جس نے انسان کو مشقت مصیبت میں ڈالا اور انہی جنت سے نکالا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو جواب دیا کہ آپ وہی ہیں جن کو اللہ جل جلالہ نے اپنی رسالت کیلئے منتخب کیا اور اپنے لئے منتخب کیا اور آپ پر توریت نازل کی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا جی ہاں! حضرت آدم علیہ السلام نے کہا پھر تو آپ نے اس تورات میں پایا ہی ہوگا کہ میری پیدائش سے پہلے ہی یہ معاملہ میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جی ہاں! چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

"الیَمُّ" کے معنی ہیں سمندر کے۔

(۲) باب: ﴿وَلَقَدْ أَوْحَیْنَا اِلیٰ مُوْسَی أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقاً فِی الْبَحْرِ یَبَساً لاتَخَافُ دَرَکاً وَلاَ تَخْشَی فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهِ فَغَشِیَهُمْ مِنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَی﴾ [۷۷-۷۹]

باب: ''اور ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ: تم میرے بندوں کو لیکر راتوں رات روانہ ہو جاؤ، پھر ان کیلئے سمندر میں ایک خشک راستہ اس طرح نکال لینا کہ نہ تمہیں (دشمن کے) آ پکڑنے کا اندیشہ رہے، اور نہ کوئی اور خوف ہو۔ چنانچہ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت اُن کا پیچھا کیا تو سمندر کی جس (خوفناک) چیز نے انہیں ڈھانپا، وہ انہیں ڈھانپ کر ہی رہی۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو برے راستہ پر لگایا اور انہیں صحیح راستہ نہ دکھایا۔''

بنی اسرائیل کا عبور دریا اور فرعون کا تعاقب

جب فرعونیوں نے میدان مقابلہ میں شکست کھائی، ساحرین مشرف بایمان ہو گئے، بنی اسرائیل کا پلہ بھاری ہونے لگا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سالہا سال تک اللہ جل جلالہ کی آیات باہرہ دکھلا کر ہر طرح حجت تمام کر دی، اس پر بھی فرعون حق کو قبول کرنے کرنے اور بنی اسرائیل کو آزادی دینے پر آمادہ نہ ہوا، تب اللہ جل جلالہ نے حکم دیا کہ سب بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رات کے وقت مصر سے ہجرت کر جاؤ تا کہ اس طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو، راستہ میں سمندر (بحر قلزم) حائل ہوگا، لیکن تم جیسے اولوالعزم پیغمبر کے راستہ میں سمندر کی موجیں حائل نہیں ہونی چاہئیں، ان ہی کے اندر سے اپنے لئے خشک راستہ نکال لو، جس سے گذرتے ہوئے نہ غرق ہونے کا اندیشہ کرو اور نہ اس بات کا کہ شاید دشمن پیچھے سے تعاقب کرتا ہوا آ پکڑے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی ہدایت کے موافق سمندر میں لاٹھی ماری جس سے پانی پھٹ کر راستہ نکل آیا، خدا نے ہوا کو حکم دیا کہ زمین کو فوراً خشک کر دے، چنانچہ آناً فاناً سمندر کے بیچ میں خشک راستہ تیار ہو گیا، جس کے دونوں طرف پانی کے پہاڑ کھڑے ہوئے تھے **﴿فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ﴾**۔

بنی اسرائیل اس پر سے بے تکلف گذر گئے، پیچھے سے فرعون اپنے عظیم الشان لشکر کو لئے تعاقب کرتا آرہا تھا، خشک راستہ دیکھ کر اُدھر ہی گھس پڑا، جس وقت بنی اسرائیل عبور کر گئے اور فرعونی لشکر راستوں کے بیچوں بیچ پہنچا، اللہ جل جلالہ نے سمندر کو ہر طرف سے حکم دیا کہ ان سب کو اپنی آغوش میں لے لے، پھر کچھ نہ پوچھو کہ سمندر کی موجوں نے کس طرح ان سب کو ہمیشہ کے لئے ڈھانپ لیا۔

۴۷۳۷ ۔ حدثنی یعقوب بن ابراھیم: حدثنا روح: حدثنا شعبۃ: حدثنا أبو بشر، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال: لما قدم رسول اللہ ﷺ المدینۃ والیھود تصوم عاشوراء فسألھم فقالوا: ھذا الیوم الذی ظھر فیہ موسی علی فرعون،

فقال النبی ﷺ: ((نحن أولی بموسی منهم فصوموہ)). [راجع: ۲۰۰۴]

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے ان دنوں یہود عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے تو آپ نے یہودیوں سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس دن روزہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون پر غلبہ پایا تھا، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر ہم ان کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہیں تم لوگ بھی اس دن روزہ رکھو۔

عاشورہ کے دن روزہ کا حکم

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ اس وقت یہ روزہ فرض تھا بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور صرف استحباب باقی رہ گیا۔ [۳]

مزید تفصیل کتاب الصوم میں گزر چکی ہے۔ [۴]

(۳) باب قولہ: ﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ﴾ [۱۱۷]

اس ارشاد کا بیان: ”لہٰذا ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے، اور تم مشقت میں پڑ جاؤ۔“

بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ ضروریات زندگی بیوی کی مرد کے ذمہ ہیں، ان کے حصول میں جو محنت و مشقت ہو اس کا تنہا ذمہ دار مرد ہے۔

اسی لئے ”فَتَشْقَىٰ“ بصیغہ مفرد لاکر اشارہ کر دیا کہ زمین پر اُتارے گئے تو ان کی ضروریات زندگی کی تحصیل میں جو کچھ محنت مشقت اُٹھانی پڑے گی وہ حضرت آدم علیہ السلام پر پڑے گی، کیونکہ حواء کا نفقہ اور ضروریاتِ زندگی فراہم کرنا ان کے ذمہ ہے۔

---

[۳] عمدۃ القاری، ج: ۸، ص: ۲۲۳، المجموع، ج: ۶، ص: ۳۰۷، التمھید لابن عبدالبر، ج: ۷، ص: ۲۰۳، وشرح معانی الآثار، ج: ۲، ص: ۷۵۔

[۴] انعام الباری، شرح صحیح البخاری، ج: ۵، ص: ۵۷۰، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، رقم: ۲۰۰۴۔

نفقہ واجبہ صرف چار چیزیں ہیں

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس آیت نے ہمیں یہ بھی بتلا دیا کہ عورت کا جو نفقہ مرد کے ذمہ ہے وہ صرف چار چیزیں ہیں: **کھانا، پینا، لباس اور مسکن۔**

اس سے زائد جو کچھ شوہر اپنی بیوی کو دیتا یا اُس پر خرچ کرتا ہے وہ تبرع و احسان ہے، واجب ولازم نہیں۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیوی کے علاوہ جس کسی کا نفقہ شریعت نے کسی شخص کے ذمہ عائد کیا ہے اس میں بھی چار چیزیں اس کے ذمہ واجب ہوتی ہیں جیسے ماں باپ کا نفقہ اولاد کے ذمہ جبکہ وہ محتاج اور معذور ہوں وغیر ذلک جسکی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ [۵]

۴۷۳۸ ۔ حدثنا قتیبة بن سعید: حدثنا أیوب بن النجار، عن یحیی بن أبی کثیر، عن أبی سلمة بن عبدالرحمن، عن أبی هریرة ﷺ عن النبی ﷺ قال: ((حاج موسی آدم فقال له: أنت الذی أخرجت الناس من الجنة بذنبک فأشقیتهم؟ قال: قال آدم: یا موسی أنت الذی اصطفاک اللہ برسالاته وبکلامه، أتلومنی علی أمر کتبه اللہ علی قبل أن یخلقنی؟ أوقدره علی قبل أن یخلقنی؟)) قال رسول اللہ ﷺ: ((فحج آدم موسی)).
[راجع: ۳۴۰۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے بحث کی اور ان سے فرمایا کہ آپ ہی نے لوگوں کو جنت سے نکلوایا اپنی غلطی کی وجہ سے اور ان کو مشقت میں ڈالا، تو حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کیا تم وہی موسیٰ نہیں ہو، جن کو خدا نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کیلئے پسند فرمایا؟ تو کیا تم مجھ پر ایک ایسی چیز کا الزام عائد کرتے ہو، جسے خدا نے پہلے سے میری تقدیر میں لکھ دیا تھا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی تقدیر سے غالب آگئے۔

---

[۵] تفسیر القرطبی، ج: ۱۱، ص: ۲۵۳

سورة الأنبياء

سورۂ انبیاء کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

آپ ﷺ کی نبوت پر کفار مکہ کا ایک اعتراض یہ تھا کہ ایک ہم جیسے انسان کو پیغمبر بنا کر کیوں بھیجا گیا ہے؟
اسکے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ انسانوں کے پاس انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا مناسب تھا اور اس ضمن میں بہت سے پچھلے پیغمبروں کا حوالہ دیا گیا ہے کہ وہ سب انسان ہی تھے اور انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو انہی عقائد کی تعلیم دی تھی جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے عقائد ہیں۔
انبیاء کرام علیہم السلام کے اسی حوالے کی بنا پر اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء رکھا گیا ہے۔
اس سورت کا بنیادی مقصد اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات ہے اور ان عقائد کے خلاف کفار مکہ جو اعتراضات اٹھایا کرتے تھے، سورت میں ان کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

۴۷۳۹ ـ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن أبي اسحاق قال: سمعت عبدالرحمن بن يزيد، عن عبدالله قال: بني اسرائيل، والكهف، ومريم، وطه، والأنبياء، هن من العتاق الأول، وهن من تلادي. [راجع: ۴۷۰۸]

ترجمہ: ابواسحق بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے سنا کہ وہ سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف اور سورہ مریم کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ اول درجہ کی عمدہ سورتوں میں سے ہیں اور میری پرانی یاد کی ہوئی ہیں۔

وقال قتادة: ﴿جُذَاذاً﴾: قطعهن. وقال الحسن: في الفلك مثل فلكة المغزل.
﴿يَسْبَحُوْنَ﴾: يدورون.
قال ابن عباس: ﴿نَفَشَتْ﴾: رعت ليلا. ﴿يُصْحَبُوْنَ﴾: يمنعون.

﴿أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ قال: دينكم دين واحد. وقال عكرمة: ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾: حطب بالحبشة.

وقال غيره: ﴿أَحَسُّوْا﴾: توقعوه، من أحسست. ﴿خَامِدِيْنَ﴾: هامدين، الحصيد: مستأصل يقع على الواحد والاثنين والجميع.

﴿لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ﴾: لا يعيون، ومنه حسير وحسرت بعيري. ﴿نُكِسُوْا﴾: رُدُّوا. ﴿صَنْعَةَ لَبُوْسٍ﴾: الدروع.

﴿تَقَطَّعُوْا أَمْرَهُمْ﴾: اختلفوا. الحسيس والحس والجرس والهمس واحد وهو من الصوت الخفي.

﴿آذَنَّاكَ﴾: أعلمناك. ﴿آذَنْتُكُمْ﴾ إذا أعلمته فأنت وهو على سواء لم تغدر.

وقال مجاهد: ﴿لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُوْنَ﴾: تفهمون. ﴿ارْتَضَى﴾: رضي. ﴿التَّمَاثِيْلُ﴾: الأصنام. ﴿السِّجِلُّ﴾: الصحيفة.

ترجمہ وتشریح

حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ "جُــــذَاذاً" کا معنی ہے ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے، دراصل "جذ ـ یجذ" از نصر کا معنی ہے کاٹنا، توڑنا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا کہ ہر ایک اپنے دائرے میں گھومتے ہیں جیسے چرخہ کا تکلہ گھومتا ہے "یَسْبَحُوْنَ" بمعنی "یدورون" یعنی گھومتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "نَفَشَتْ" بمعنی "رعت لیلا" یعنی بکریاں رات کو چر گئیں۔

"یُصْحَبُوْنَ" کا معنی ہے روکے جائیں گے یعنی نہ کوئی ان کو ہمارے عذاب سے بچائے گا۔

﴿أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ کے معنی دین کے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم سب کا دین ایک دین ہے، ہر وہ جماعت جو ایک دین پر ہو اسے امت کہا جاتا ہے۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ آیت ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ "حَصَبُ" حبشی زبان میں لکڑی کو یا ایندھن کو کہتے ہیں۔

حضرت عکرمہ کے علاوہ یعنی حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "أَحَسُّوْا" کے معنی ہیں "توقعوہ" یعنی جب ہمارے عذاب کی توقع ہوئی، آہٹ پائی، یہ لفظ "أحسست" یعنی احساس مصدر سے مشتق ہے جس

کے معنی ہیں محسوس کرنا۔

"خَامِدِيْنَ" بمعنی "هامدين" یعنی مرا ہوا، بجھا ہوا۔

"الحصيد" کے معنی ہیں جڑ سے کٹا ہوا، یہ لفظ واحد، تثنیہ اور جمع سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

"لايَسْتَحْسِرُوْنَ" کے معنی ہیں "لايعيون" یعنی تھکتے نہیں ہیں اور اسی سے "حسير" تھکا ہوا، اور "حسرت بعيرى" میں نے اپنے اونٹ کو تھکا دیا۔

"نُكِسُوْا" بمعنی "رُدُّوا" ماضی مجہول ہے یعنی کفر کی طرف لوٹا دیئے گئے۔

"صَنْعَةَ لَبُوْسٍ" بمعنی "الدروع" یعنی زرہیں بنانا۔

"لبوس" جمع "لبس" جس کا معنی ہے لباس، لوہے کی زرہ، یہاں زِرہ مراد ہے۔

"تَقَطَّعُوْا أَمْرَهُمْ" کے معنی ہیں اختلاف پیدا کرلیا، جدا جدا طریقہ اختیار کرلیا۔

"الحسيس والحس والجرس والهمس" ان سب کا معنی ایک ہی ہے یعنی پست آواز۔

"آذَنَّاكَ" کا معنی ہے ہم نے تجھ کو اطلاع دیدی، خبر کردی۔

"آذَنْتُكُمْ" میں نے تم کو خبر کردی، اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو اطلاع دیدیں، پس تم اور دوسرا بندہ، مخاطب برابر ہوگئے اور تم نے اس سے کوئی دغابازی نہیں کی۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُوْنَ" کے معنی ہیں "تفهمون" یعنی شاید تم سمجھو۔

"ارْتَضَى" کے معنی ہے راضی ہوا، پسند کیا۔

آیت میں "التَّمَاثِيْلُ" کے معنی ہیں بت، مورتیں۔

"السِّجِلُّ" کے معنی ہیں صحیفہ، نوشتہ۔

(۱) باب: ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُهُ وَعْداً عَلَيْنَا﴾ [۱۰۴]

باب: "جس طرح ہم نے پہلی بار تخلیق کی ابتدا کی تھی، اسی طرح ہم اُسے دوبارہ پیدا کردیں گے۔"

۴۷۴۰ ـ حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا شعبة، عن المغيرة بن النعمان شيخ من النخع، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: خطب النبى ﷺ فقال: ((انكم محشورون الى الله حفاة عراة غرلا ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُهُ وَعْداً عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ﴾ ثم ان اول من يكسى يوم القيامة ابراهيم، الا أنه يجاء برجال من امتى فيؤخذ

بهم ذات الشمال فأقول: یا رب أصحابی، فیقال: لا تدری ما أحدثوا بعدک. فأقول کما قال العبد الصالح: ﴿وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيداً مَا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ الی قوله: ﴿شَهِيدٌ﴾ فیقال: ان هولاء لم یزالوا مرتدین علی اعقابهم منذ فارقتهم))۔ [راجع: ۳۳۴۹]

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم سب قیامت کے دن عریاں بدن اور غیر مختون حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور جمع کئے جاؤ گے **﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْداً عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾** ۔ پھر سب سے پہلے قیامت کے روز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ پھر میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے، پھر انھیں بائیں جانب لے جایا جائے گا، تو میں عرض کروں گا اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں، ارشاد ہوگا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کام کئے ہیں۔ اس وقت میں وہی کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے نے کہا تھا **﴿وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيداً مَا دُمْتُ فِيهِمْ﴾** اس ارشاد باری تعالیٰ تک **﴿شَهِيدٌ﴾** ۔ پھر ارشاد ہوگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی ایڑیوں کے بل اسلام سے پھر گئے تھے جب آپ ان سے جدا ہوئے تھے۔

میدانِ حشر کا احوال

نبی اکرم ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور فرمایا کہ تمہیں قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مختون حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور جمع کئے جاؤ گے۔ اور پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: **﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْداً عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾** ۔

یہاں پر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن جب مردے اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو ان کے جسم و بدن کے تمام اجزاء یک جا ہو کر مل جائیں گے اور پورا جسم اسی طرح کا ہو جائے گا جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ یہ بات نہ صرف یہ کہ حق تعالیٰ کے کمال علم اور کائنات کے ایک ایک جز و کل پر اس کے محیط ہونے کی دلیل ہے بلکہ اشیاءِ ممکنات کے تعلق سے اس کی قدرت کاملہ کی لامتناہی وسعتوں کی بھی علامت ہے۔

پھر فرمایا کہ "سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے"۔

ان کو یہ فضیلت محض اس لئے حاصل ہوگی کہ وہ ان لوگوں میں سب سے پہلے شخص ہیں جو فقراء اور ضرورت مندوں کو کپڑے پہناتے ہیں اور ان کی ستر پوشی کرتے ہیں یا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ سب سے پہلے شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے لباس کیا گیا تھا جب کہ انہیں نمرود کی آگ میں ڈالا گیا تھا۔

بس ان کی یہ مخصوص نوعیت کی فضیلت ہمارے پیغمبر ﷺ پر ان کی فضیلت کو ثابت نہیں کرتی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے لباس پہنایا جانا ان کے اس اعزاز واکرام کے طور پر ہوگا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے روحانی اور دینی والد ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو اولیت حاصل ہوگی وہ حقیقی ہے یا اضافی؟

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ اوّلیت حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے یعنی ان کو آنحضرت ﷺ کے علاوہ اور تمام لوگوں میں سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا!

اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جن کپڑوں میں دفن کیا گیا ہے آپ ﷺ قیامت کے دن انہیں کپڑوں میں اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے۔

جبکہ سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

"انا اول من تنشق عنه الارض فاكسى حلةمن حلل الجنة ثم اقوم عن يمين العرش ليس احد من الخلائق يقوم ذلك المقام غيرى"

یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے میں زمین سے پھٹ کر اٹھونگا اور جنت کا لباس پہنوں گا اور پھر عرش کے دائیں طرف کھڑا ہوں گا اور اس جگہ مخلوقات میں سے میری علاوہ کسی اور کھڑا ہونا نصیب نہیں ہوگا۔[1]

پھر میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے، پھر انھیں بائیں جانب لے جایا جائے گا، تو میں عرض کروں گا اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں، ارشاد ہوگا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کام کئے ہیں۔ اس وقت میں وہی کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے نے کہا تھا ﴿وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيداً مَا دُمْتُ فِيهِمْ﴾۔

یعنی جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اپنی قوم کی گمراہی اور بدعقیدگی و بدعملی سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے اور اپنی گمراہی قوم کے معاملے کو حق تعالیٰ کے عدل وانصاف پر چھوڑ دیں گے، اسی طرح میں بھی کہوں گا کہ پروردگار! میری امت کے یہ وہ لوگ ہیں دنیا میں میری موجودگی کے درمیان ایمان وعمل کی سیدھی راہ پر گامزن تھے اور میں ان کا نگران و ذمہ دار تھا۔

لیکن جب میں دنیا سے اٹھ گیا تو انہوں نے اپنے نفس اور شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر گمراہی کو اختیار کر لیا، اب ان کا معاملہ تیرے اوپر موقوف ہے، تیری عادل ومنصف بارگاہ ان کے بارے میں جو چاہے فیصلہ دے وہ سراسر عادلانہ اور منصفانہ ہوگا۔

---

[1] سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب، رقم: ۳۶۱۱

یا رب أصحابی - سے مراد

"فقول: یا رب أصحابی" واضح رہے کہ یہاں حدیث کے اس جملے میں اصحابی سے وہ صحابہ نہیں ہیں جن کو آپ ﷺ کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی آپ سے نسبت رہی اور جن کو حقیقت میں ''صحابہ'' کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کے بارے میں یقینی معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ان میں سے کوئی بھی صحابی مرتد نہیں ہوا اور نہ کسی عقیدہ وعمل کی کوئی ایسی گمراہی اختیار کی جس کی بناء پر انہیں دوزخی کہا جا سکے۔

لہذا اصحابہ سے مراد وہ اجڈ دیہاتی ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مشرف باسلام ہو گئے تھے لیکن آپ کی وفات کے بعد مسیلمہ کذاب اور اسود وغیرہ کی اتباع کرنے کے سبب مرتد ہو گئے تھے۔

(۲۲) سورة الحج

سورۂ حج کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ حج مدنی ہے، اور اس میں اٹھہتر آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

اس سورت کا کچھ حصہ مدنی ہے اور کچھ مکی، مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شروع ہو چکا تھا اور تکمیل ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔

وجہ تسمیہ

اسی سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حج کی عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کس طرح شروع ہوئی اور اس کے بنیادی ارکان کیا ہیں؟ اسی وجہ سے اس کا نام سورۂ حج ہے۔

صبر کے بعد جہاد کا حکم

مکہ مکرمہ میں مشرکین نے مسلمانوں کو طرح طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بنایا تھا وہاں مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی جاتی تھی، لیکن مدینہ منورہ آنے کے بعد اسی سورت میں پہلی بار مسلمانوں کو کفار کے ظلم وستم کے مقابلے میں جہاد کی اجازت دی گئی اور فرمایا گیا کہ جن کافروں نے مسلمانوں پر ظلم کر کے انہیں اپنا وطن اور گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا ہے، اب مسلمان ان کے خلاف تلوار اٹھا سکتے ہیں۔

اس طرح جہاد کو ایک عبادت قرار دیکر یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ نہ صرف اس کا ثواب آخرت میں ملے گا بلکہ دنیا میں بھی مسلمانوں کو انشاء اللہ فتح نصیب ہوگی۔

خصوصیات سورت

امام قرطبی رحمہ اللہ اس سورت کے بارے میں یہ بات نقل فرماتے ہیں کہ اس سورت کے عجائب میں

سے یہ بات ہے کہ اس کی آیات کا نزول بعض کا رات میں، بعض کا دن میں، بعض کا سفر میں، بعض کا حضر میں، بعض کا مکہ میں، بعض کا مدینہ میں، بعض کا جنگ وجہاد کے وقت اور بعض کا صلح وامن کی حالت میں ہوا ہے اور اس میں بعض آیات ناسخ ہیں اور بعض منسوخ، بعض محکم ہیں، بعض متشابہ کیونکہ تمام اصناف تنزیل پر شامل ہے۔ [1]

وقال ابن عُيينة: ﴿الْمُخْبِتِيْنَ﴾: الْمُطْمَئِنِّيْنَ.

وقال ابن عبّاس فی ﴿ إِذَا تَمَنّٰی اَلقی الشیطان فی أُمْنِيَّتِهِ﴾ اذا حدّث القی الشّيطان فی حديثه فيبطل الله مايُلقی الشّيطان ويحكم آياته ويقال أُمنِيّتُهُ: قِرَاءَ تُه.

﴿إِلَّا أَمَانِيَّ﴾: يقرؤ ن ولايكتبون. وقال مُجاهد: ﴿مَشِيْدٌ﴾ بالقَصَّةِ جص. وقال غيره: ﴿يَسْطُوْنَ﴾ يفرطون من السَّطْوَةِ، ويقال: يَسطون: يَبطُشونَ.

﴿وَهُدُوْا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ أُلهِمُوا إلى القرآن. ﴿وَهُدُوْا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ﴾ الإسلام، وقال ابن عبّاس: ﴿بِسَبَبٍ﴾ بحبل إلى سقف البيت. ﴿ثَانِيَ عِطْفِهِ﴾ مُستكبرٌ ﴿تَذْهَلُ﴾: تُشغلُ.

ترجمہ وتشریح

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرماتے ہیں کہ "الْمُخْبِتِيْنَ" کے معنی ہیں مطمئن یعنی جو اللہ ﷻ کی تقدیر وقضاء پر راحت وکلفت، فراخی وتنگی ہر حال میں مطمئن وراضی رہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کریمہ **﴿إِذَا تَمَنّٰی اَلقی الشیطان فی أُمْنِيَّتِهِ﴾** کی تفسیر میں فرمایا جب نبی کریم ﷺ کلام کرتے ہیں۔

یعنی آیات کی تلاوت کرتے ہیں، اللہ ﷻ کا پیغام سناتے ہیں تو شیطان آپ کی تلاوت میں اپنی طرف سے کچھ ملانے کی کوشش کرتا ہے، پھر اللہ ﷻ شیطان کے ڈالے ہوئے بات کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو محکم اور ثابت رکھتا ہے۔

اور کہا جاتا ہے کہ "**أُمنِيّتُهُ**" کے معنی قرأت (تلاوت) کے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ اسکے استشہاد میں سورہ بقرہ کی آیت پیش کرتے ہیں کہ **﴿إِلَّا أَمَانِيَّ﴾** کے معنی ہیں "**يقرؤن ولايكتبون**" یعنی پڑھتے ہیں لیکن لکھتے نہیں ہیں۔

---

[1] تفسير القرطبي، سورة الحج، ج: ۱۲، ص: ۱،

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ "مَشِیْدٌ" کے معنی ہیں چونا سے مضبوط کیا ہوا، پلاستر و قلعی کیا ہوا۔
اور بعض نے کہا کہ "یَسْطُوْنَ" کے معنی ہیں "یُفْرُطُونَ" یعنی زیادتی کر بیٹھیں، حملہ کر بیٹھیں، "یسطون" مشتق ہے "السّطوَۃِ" سے بمعنی حملہ کرنا۔
بعضوں نے کہا کہ "یَسطونَ" کا معنی ہے "یَبطُشونَ" سخت پکڑیں۔
﴿وَهُدُوْا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ اس آیت کریمہ میں "الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ" سے مراد قرآن ہے یعنی قرآن کی طرف الہام کئے گئے۔
جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ کلمہ طیب سے مراد "لا الہ الا اللہ" ہے۔
﴿وَهُدُوْا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ﴾ اس آیت میں "صِراطِ الحَمیدِ" سے مراد اسلام ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ "بِسَبَبٍ" اس رسی کہتے ہیں، جو چھت سے لگی ہو۔
﴿ثَانِيَ عِطْفِهِ﴾ یعنی تکبر کرنے والا۔
"تَذْهَلُ" بمعنی "تُشغلُ" یعنی بھول جائیں گی، یہ مشتق ہے "ذھول" سے جس کے معنی کسی شی میں اس طرح مشغول ہونے کے ہیں کہ غم اور بھول پیدا ہو جائے۔

(۱) باب قوله: ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى﴾ [۲]

اس ارشاد کا بیان: "اور لوگ تمہیں یوں نظر آئیں گے کہ جیسے وہ نشے میں بدحواس ہیں۔"

۴۷۴۱ ـ حدثنا عمر بن حفص: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش: حدثنا أبو صالح، عن أبي سعيد الخدري ﷺ قال: قال النبي ﷺ: ((يقول الله عزوجل يوم القيامة: ياآدم، فيقول لبيك ربنا وسعديك. فينادى بصوت: ان الله يأمرك أن تخرج من ذريتك بعثا الى النار. قال: يارب وما بعث النار؟ قال: من كل ألف -أُراه قال- تسعمائة وتسعة وتسعين، فحينئذ تضع الحامل حملها ويشيب الوليد ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى وَمَا هُمْ بِسُكَارٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللهِ شَدِيْدٌ﴾)) فشق ذلك على الناس حتى تغيرت وجوههم. فقال النبي ﷺ: ((مِنْ يأجوج ومأجوج تسعمائة وتسعة وتسعين ومنكم واحد. ثم أنتم في الناس كالشعرة السوداء في جنب الثور الأبيض أو كالشعرة البيضاء في جنب الثور الأسود. و إني لأرجوا أن تكونوا ربع أهل الجنة)) فكبرنا. ثم قال: ((ثلث أهل الجنة)) فكبرنا. ثم قال: ((شطر

أهل الجنة)) فكبرنا.

وقال أبو أسامة، عن الأعمش ﴿تَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَاهُمْ بِسُكَارَى﴾ قال: ((من كل ألف تسعمائة وتسعة وتسعين)).

وقال جرير وعيسى بن يونس وأبو معاوية: ﴿سَكْرَى وَمَاهُمْ بِسَكْرَى﴾. [راجع: ۳۳۴۸]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ قیامت کے دن حضرت آدم ؑ سے فرمائے گا، اے آدم! وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب میں حاضر ہوں، فرمانبرداری کیلئے، پھر بلند آواز میں پکارا جائے گا کہ اللہ ﷻ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے ان لوگوں کو نکالو جو جہنم کے مستحق ہیں، حضرت آدم ؑ عرض کریں گے اے رب! مستحقین جہنم کی کیا تعداد ہوگی؟ حکم ہوگا ہر ہزار آدمیوں میں سے۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ کہا جائے گا۔ نو سو ننانوے۔ یہ ایسا سخت وقت ہوگا کہ حاملہ عورت کا حمل گر جائے گا اور بچہ بوڑھا ہو جائے گا۔ اور تُو قیامت کے دن لوگوں کو ایسا دیکھے گا کہ ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللهِ شَدِيْدٌ﴾۔ یہ حدیث مجلس میں موجود صحابہ ﷺ پر سخت گذری، انکے چہروں کا رنگ بدل گیا، اس وقت نبی کریم ﷺ نے ان کی تسلی کیلئے فرمایا کہ نو سو ننانوے افراد یاجوج ماجوج کے ہوں گے اور تم میں سے ایک ہوگا۔ اس روز تم لوگ محشر میں دوسرے لوگوں کی نسبت ایسے ہو گے جیسے سفید بیل کے جسم پر ایک سیاہ بال ہوتا ہے یا بالکل سیاہ بیل کے جسم پر ایک سفید بال ہوتا ہے، اور مجھ کو یہ امید ہے کہ تم لوگ سارے جنتیوں کے ایک چوتھائی حصہ ہوگے، یہ سن کر ہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل جنت کے ایک تہائی ہوگے، پھر ہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل جنت کے آدھے ہوگے، ہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔

ابو اسامہ نے اعمش سے یوں روایت نقل کی ہے ﴿تَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَاهُمْ بِسُكَارَى﴾ اور کہا ہے کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔

جریر، عیسیٰ بن یونس اور ابو معاویہ نے یوں قرأت کی ﴿سَكْرَى وَمَاهُمْ بِسَكْرَى﴾۔

احوال قیامت

سورۃ الحج کی یہ ابتدائی آیات آنحضرت ﷺ پر جب نازل ہوئیں، تو آپ ﷺ نے اپنے رفقاء سفر صحابہ کرام ﷺ سے خطاب فرمایا، جس میں قیامت کے احوال بیان فرمائے۔

فرمایا کہ اللہ ﷻ قیامت کے روز حضرت آدم ؑ کو فرمائیں گے کہ اے آدم! حضرت آدم ؑ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب میں حاضر ہوں، فرمانبرداری کیلئے۔ پھر بلند آواز میں پکارا جائے گا کہ اللہ ﷻ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے ان لوگوں کو نکالو جو جہنم کے مستحق ہیں۔

حضرت آدم ؑ دریافت کریں گے کہ جہنم میں جانے والے کون لوگ ہیں؟

تو حکم ہوگا کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے لوگ جہنم میں جانے والے ہیں۔

اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہی وہ وقت ہوگا کہ ڈر اور خوف سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور حمل والی عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔

اس روز تم لوگوں کا یہ حال دیکھو گے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾

ترجمہ: اور لوگ تمہیں یوں نظر آئیں گے کہ جیسے وہ نشے میں بدحواس ہیں اور وہ نشہ کی حالت میں نہیں ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب بہت شدید ہے۔

روزِ قیامت کے یہ احوال سن کر مجلس میں موجود صحابہ کرام ؓ سہم گئے اور خوف کے مارے ان کے چہروں کی رنگت بدل گئی۔

اس وقت نبی کریم ﷺ نے ان کی تسلی کیلئے فرمایا کہ تم بے فکر رہو، جہنم میں جانے والے ہزار افراد میں یاجوج ماجوج میں سے نوسو ننانوے اور تم میں سے ایک فرد ہوگا۔ اس روز تم لوگ محشر میں دوسرے لوگوں کی نسبت ایسے ہوگے جیسے سفید بیل کے جسم پر ایک سیاہ بال ہوتا ہے یا بالکل سیاہ بیل کے جسم پر ایک سفید بال ہوتا ہے، اور مجھ کو یہ امید ہے کہ تم لوگ سارے جنتیوں کے ایک چوتھائی حصہ ہوگے۔

یہ سن کر صحابہ کرام ؓ نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل جنت کے ایک تہائی ہوگے، پھر ہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل جنت کے آدھے ہوگے، ہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔

جبکہ بعض دوسری روایات میں اس طرح ہے کہ اُس روز تم ایسی دو مخلوقوں کے ساتھ ہوگے کہ وہ جب کسی جماعت کے ساتھ ہوں گے تو وہی تعداد میں غالب اور اکثر رہیں گے۔ ایک یاجوج ماجوج اور دوسرے ابلیس اور اسکی ذریت اور اولادِ آدم میں سے جو لوگ پہلے مر چکے ہیں۔ [۲]

---

[۲] تفسیر القرطبی، ج: ۱۲، ص: ۳

(۲) باب: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ [۱۱]

باب: ”اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو ایک کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔“

شک. ﴿أترفناهم﴾: وسعناهم.

﴿عَلٰى حَرْفٍ﴾ کی تفسیر ”**شکّ**“ کے ساتھ کی ہے، یعنی شک کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

”**أترفناهم**“ بمعنی ”**وَسَّعْنَاهُم**“ ہم نے ان کو دنیا کی زندگی میں وسعت عطاء کی۔

یہ لفظ سورۃ المؤمنون کا ہے شاید کاتب کی غلطی سے یہاں لکھا گیا ہے۔

۴۷۴۲ - حدثنی ابراهیم بن الحارث: حدثنا یحیی بن أبی بکیر: حدثنا اسرائیل، عن أبی حصین، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾. قال: کان الرجل یقدم المدینة، فیسلم فان ولدت امرأته غلاما ونتجت خیله قال: هذا دین صالح، وان لم تلد امرأته ولم تنتج خیله قال: دین سوء. [۳]

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ بعض لوگ مدینہ آتے اور اپنے اسلام کا اظہار کرتے اس کے بعد اگر اس کی بیوی کے یہاں لڑکا پیدا ہوتا اور اس کی گھوڑی بھی بچہ دیتی تو وہ کہتے کہ یہ دین بڑا اچھا دین ہے، لیکن اگر انکے یہاں نہ لڑکا پیدا ہوتا اور نہ گھوڑی کوئی بچہ دیتی تو کہتے یہ تو بُرا دین ہے۔

میٹھا میٹھا ہپ ہپ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر کر رہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں مقیم ہو گئے تو بعض ایسے لوگ بھی آکر مسلمان ہو جاتے تھے، جن کے دل میں ایمان کی پختگی نہیں تھی۔

چنانچہ اگر اسلام لانے کے بعد اس کی اولاد اور مال میں ترقی ہوگئی تو کہتا تھا کہ یہ دین اچھا ہے اور اگر اس کے خلاف ہوا تو کہتا تھا کہ یہ دین بُرا ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ نازل ہوئی کہ

---

[۳] انفرد به البخاری.

یہ لوگ ایمان کے ایک کنارے پر کھڑے ہیں۔ اگر ان کو ایمان کے بعد دنیوی راحت اور مال وسامان ملا تو اسلام پر جم گئے اور اگر وہ بطور آزمائش کسی تکلیف و پریشانی میں مبتلاء ہو گئے تو دین سے پھر گئے۔

(۳) باب قوله: ﴿هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِي رَبِّهِمْ﴾ [۱۹]

اس ارشاد کا بیان: ''یہ (مؤمن اور کافر) دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کیا ہے۔''

حق و باطل، دو فریق

اس سے پہلے آیت ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئِيْنَ الخ﴾ میں جن فرقوں کا ذکر ہوا، ان سب کو حق و باطل پر ہونے کی حیثیت سے دو فریق کہہ سکتے ہیں۔

ایک مؤمنین کا گروہ جو اپنے رب کی سب باتوں کو من وعن تسلیم کرتا اور اسکے احکام کے آگے سربجود رہتا ہے۔

دوسرا کفار کا مجمع جس میں یہود ونصاریٰ، مجوس، مشرکین، صائبین وغیرہم سب شامل ہیں، جو ربانی ہدایات کو قبول نہیں کرتے اور اس کی اطاعت کے لئے سر نہیں جھکاتے۔

دونوں فریق دعاوی میں، بحث ومناظرہ اور جہاد وقتال کے مواقع میں بھی ایک دوسرے کے مدمقابل رہتے ہیں، خواہ قرنِ اول کے ہوں یا قرون مابعد کے۔

البتہ نزول اس آیت کا ان دو فریق کے بارے میں ہوا ہے جو میدانِ بدر کے مبارزہ ایک دوسرے کے مقابل نبرد آزما ہوئے تھے۔ مسلمانوں میں سے حضرت علی وحمزہ وعبیدہ رضی اللہ عنہم اور کفار میں سے عتبہ بن ربیعہ، اسکا بیٹا ولید اور بھائی شیبہ تھے، وہ تینوں مارے گئے اور مسلمانوں میں سے حضرت حمزہ وحضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں صحیح سالم واپس آئے اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو کر آئے اور آنحضرت ﷺ کے قدموں میں پہنچ کر دم توڑ دیا۔

آیت کا نزول ان مبارزین بدر کے بارے میں ہونا درج ذیل حدیث سے ثابت ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم ان کے ساتھ مخصوص نہیں پوری امت کے لئے عام ہے، چاہے کسی بھی زمانے میں ہوں۔ [۳]

---

[۳] تفسیر القرطبی، ج: ۱۲، ص: ۲۵

۴۷۴۳ ۔ حدثنا حجاج بن منهال: حدثنا هشيم: أخبرنا أبو هاشم، عن أبی مجلز عن قيس بن عباد، عن أبی ذر ﷺ أنه كان يقسم قسما: إن هذه الآية ﴿هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِی رَبِّهِمْ﴾ نزلت فی حمزة وصاحبيه، وعتبة وصاحبيه يوم برزوا فی يوم بدر.

رواه سفيان، عن أبی هاشم. وقال عثمان، عن جرير، عن منصور، عن أبی هاشم، عن أبی مجلز قوله. [راجع: ۳۹۶۶]

ترجمہ: حضرت ابوذر ﷺ نے قسم کھا کر بیان کیا کہ یہ آیت ﴿هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِی رَبِّهِمْ﴾ حضرت حمزہ ﷺ اور انکے ساتھیوں اور انکے مقابل عتبہ اور اس کے ساتھیوں کے متعلق جنگ بدر کے دن اس وقت نازل ہوئی، جب کہ یہ جنگ کیلئے جارہے تھے۔

اس حدیث کو سفیان ثوری نے ابو ہاشم سے اور عثمان نے جریر سے اور وہ منصور سے اور وہ ابو ہاشم سے اور وہ ابومجلز سے روایت کرتے ہیں۔

۴۷۴۴ ۔ حدثنا حجاج بن منهال: حدثنا معتمر بن سليمان قال: سمعت أبی قال: حدثنا أبو مجلز. عن قيس بن عباد، عن علی ﷺ قال: أنا أول من يجثو بين يدی الرحمٰن للخصومة يوم القيامة. قال قيس: وفيهم نزلت ﴿هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِی رَبِّهِمْ﴾ قال: هم الذين بارزوا يوم بدر: علی وحمزة وعبيدة، وشيبة بن ربيعة وعتبة بن ربيعة والوليد بن عتبة. [راجع: ۳۹۶۵]

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے بیان کیا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو خدا رحمٰن کے سامنے قیامت کے دن فیصلہ کے لئے دوزانو ہو کر بیٹھے گا، اور قیس بن عباد نے بیان کیا کہ ان ہی حضرات کے بارے میں آیت ﴿هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِی رَبِّهِمْ﴾ نازل ہوئی جو بدر کے دن مقابلے کیلئے نکلے تھے، یعنی حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ ﷺ، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔

(۲۳) سورة المؤمنون

سورۂ مؤمنون کا بیان

بسم الله الرحمن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ اور مؤمنوں کی صفات

سورت کے شروع میں اللہ ﷻ نے وہ بنیادی صفات ذکر فرمائی ہیں جو مسلمانوں میں پائی جانی چاہئیں۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں حضرت عمر ﷺ کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ اس سورت کی پہلی دس آیتوں میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں، اگر کوئی شخص وہ ساری باتیں اپنے اندر پیدا کر لے تو وہ سیدھا جنت میں جائیگا۔[۱]

اسی لئے اس سورة کا نام **"المؤمنون"** یعنی یہ سورت بیان کرتی ہے کہ مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہئے۔

نیز نسائی میں روایت ہے کہ ایک صاحب نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق اور اوصاف کیسے تھے؟

اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورۂ مؤمنون کی یہ دس آیتیں تلاوت فرمادیں کہ یہ سب آنحضرت ﷺ کے اوصاف تھے۔[۲]

مقصد زندگی

سورت کا بنیادی مقصد انسان کو اسکی اصلیت کی طرف متوجہ کر کے اس بات پر غور وفکر کی دعوت دینا کہ

---

[۱] مسند احمد، مسند العشرة المبشرین بالجنة، مسند الخلفاء الراشدین، أول مسند عمر بن الخطاب ﷺ، رقم: ۲۲۳

[۲] السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب التفسیر، سورة المؤمنون، رقم: ۱۱۲۸۷

ت: نیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور بالآخر مرنے کے بعد جو زندگی آنی ہے، اس میں انسان کا انجام کیا ہوگا؟
اس کے علاوہ حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بہت سے انبیاء کرام کے واقعات اس سورت میں دہرائے گئے ہیں تا کہ یہ بات واضح ہو کہ ان سب پیغمبروں کی دعوت تواتر کے ساتھ ایک ہی تھی اور جن لوگوں نے اُن کا انکار کیا، انہیں اللہ جل جلالہ کی طرف سے عذاب کا نشانہ بننا پڑا۔
مرنے کے بعد اللہ جل جلالہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے ان کی نیکیوں اور برائیوں کا حساب لینگے اور ہر انسان کو اپنے عقیدے اور عمل کے اعتبار سے جزاوسزا کا سامنا کرنا پڑیگا۔ اس عقیدے کو کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت خداوندی کی نشانیوں کی طرف متوجہ کر کے ثابت کیا گیا ہے۔

قال ابن عيينة: ﴿سَبْعَ طَرَائِقَ﴾ سبع سموٰت. ﴿لَهَا سَابِقُونَ﴾: سبقت لهم السعادة.

﴿قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾: خائفين. وقال ابن عباس: ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ﴾: بعيد بعيد.

﴿فَاسْأَلِ الْعَادِّيْنَ﴾ الملائكة. ﴿لَنَاكِبُوْنَ﴾: لعادلون. ﴿كَالِحُوْنَ﴾: عابسون.

وقال غيره: ﴿مِنْ سُلَالَةٍ﴾: الولد والنطفة السلالة.

والجنة والجنون واحد. والغثاء: الزبد وما ارتفع عن الماء وما لاينتفع به.

﴿يَجْأَرُوْنَ﴾ يرفعون اصواتهم كما تجأر البقرة. ﴿عَلَى أَعْقَابِكُمْ﴾ رجع على عقبيه.

﴿سَامِراً﴾ من السمر، والجمع السمار والسامر هاهنا في موضع الجمع ﴿تُسْحَرُوْنَ﴾ تعمون من السحر.

ترجمہ وتشریح

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا کہ "سَبْعَ طَرَائِقَ" سے ساتوں آسمان مراد ہیں۔
"لَهَا سَابِقُونَ" کے معنی ہیں "**سبقت لهم السعادة**" یعنی ان کیلئے سعادت سبقت کر چکی ہے، ان کی قسمت میں سعادت لکھ دی گئی ہے جس کی وجہ سے یہ نیکیوں کی طرف دوڑتے ہیں۔
﴿قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ اس آیت میں لفظ "وَجِلَةٌ" بمعنی "**خائفين**" یعنی خوفزدہ، ڈرانے والے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت میں **﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ﴾** کے معنی بعید کے ہیں۔
﴿فَاسْأَلِ الْعَادِّيْنَ﴾ کے معنی ہیں گننے والے فرشتوں سے پوچھ لو جو اعمال کا حساب رکھتے ہیں۔
"لَنَاكِبُوْنَ" کے معنی ہیں "**لعادلون**" یعنی پھر جانے والے، اعراض کرنے والے۔

"كَالِحُوْنَ" کے معنی ہیں **"عابسون"** یعنی ترش رو، بدشکل۔

اس میں **"الولد"** مبتدا ہے اور **﴿مِنْ سُلَالَةٍ﴾** خبر یعنی ولد سلالہ ہے، **"سُلَالَةٍ"** کے معنی ہیں نچوڑی ہوئی چیز، نچوڑ، خلاصہ۔ یہ مشتق ہے **"سل"** سے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو کسی چیز سے نچوڑنے اور کھینچنے کے۔

مطلب آیت کریمہ کا یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا مٹی کے خلاصہ یعنی نچوڑی ہوئی چیز سے اور نطفہ یعنی **"سُلَالَةٍ"** سے۔

فرماتے ہیں **"الجنة والجنون"** دونوں کے معنی ایک ہیں۔

"الغُثاء" کے معنی ہیں جھاگ یعنی وہ چیز جو پانی کے اوپر اٹھ جاتی ہے اور جس سے کوئی نفع نہیں ہوتا۔

"يَجْأَرُوْنَ" آواز بلند کریں گے، جیسے گائے کی وہ آواز جو تکلیف کے وقت نکلتی ہے۔

"عَلَى أَعْقَابِكُمْ" ایڑیوں کے بل لوٹ گئے، اہل عرب کا مقولہ ہے **"علی عقبیہ"** پیٹھ پھیر کر چل دیا۔

"سَامِراً" یعنی قصہ گو، فسانہ گو، یہ مشتق ہے لفظ **"سمر"** سے اور اسکی جمع ہے **"السمار والسامر"** اور یہاں پر یہ جمع کیلئے آیا ہے، **"تُسْحَرُوْنَ"** جادو سے اندھے ہور ہے ہو۔

(۲۴) سورۃ النور

سورۃ النور کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بے حیائی وفحاشی کی روک تھام، عفت وعصمت کے فروغ کے احکام

اس سورت کا مرکزی موضوع معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کو روکنے اور عفت وعصمت کو فروغ دینے کیلئے ضروری ہدایات اور احکام دینا۔

پچھلی سورت کے شروع میں مومنوں کی جو خصوصیات بیان فرمائی گئی تھیں، ان میں سے ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی باعفت زندگی گذارتے ہیں، اب اس سورت میں باعفت زندگی گذارنے کے ضروری تقاضے بیان فرمائے گئے ہیں۔

چنانچہ سورت کے شروع ہی میں زنا کی شرعی سزا بیان فرمائی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح زنا انتہائی گھناؤنا جرم ہے، اسی طرح کسی بے گناہ پر شرعی ثبوت کے بغیر زنا کا الزام لگانا بھی نہ صرف سخت گناہ ہے، بلکہ اس پر بھی سخت قانونی سزا مقرر فرمائی گئی ہے۔

غالب گمان یہ ہے کہ یہ سورت ہجرت کے بعد چھٹے سال نازل ہوئی، اس سال آنحضرت ﷺ کو عرب کے ایک قبیلے بنو المصطلق کے بارے میں یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ آپ پر حملہ کرنے کیلئے ایک لشکر جمع کر رہا ہے، آپ نے اس کے حملے سے پہلے ہی پیش قدمی کر کے اس کے عزائم کو خاک میں ملا دیا، اسی سفر سے واپسی پر منافقین نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بڑی کمینگی کے ساتھ ایک بے بنیاد تہمت لگائی اور اسے مدینہ منورہ میں بڑے پیمانے پر شہرت دی جس سے کچھ مخلص مسلمان بھی متاثر ہو گئے۔

اس سورت کی آیات: ۱۱ تا ۲۰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا علان کرنے کیلئے نازل ہوئیں، اور جن لوگوں نے تہمت لگانے کا گھناؤنا جرم کیا تھا، ان کو اور معاشرے میں عریانی وفحاشی پھیلانے والوں کو سخت عذاب کی وعیدیں سنائی گئیں۔

نیز عفت وعصمت کی حفاظت کے پہلے قدم کے طور پر خواتین کو پردے کے احکام بھی اسی سورت میں

دیئے گئے ہیں اور دوسروں کے گھر جانے کے لئے ضروری آداب واحکام کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ [۱]

﴿مِنْ خِلَالِهِ﴾: من بين أضعاف السحاب. ﴿سَنَا بَرْقِهِ﴾: وهو الضياء. ﴿مُذْعِنِيْنَ﴾، يقال للمستخذى: مذعن. ﴿أَشْتَاتًا﴾ وشتى وشتات وشت واحد.

وقال إبن عباس: ﴿سُوْرَةٌ أَنْزَلْنَاهَا﴾: بيناها. وقال غيره: سمى القرآن لجماعة السور وسميت السورة لانها مقطوعة من الاخرى. فلما قرن بعضها الى بعض سمى قرآنا. وقال سعد بن عياض الثمالي: المشكاة: الكوة بلسان الحبشة.

وقوله تعالىٰ: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ تاليف بعضه الى بعض ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ فاذا جمعناه وألفناه فاتبع قرآنه، أى ماجمع فيه فاعمل بما أمرك وانته عما نهاك. ويقال ليس: لشعره قرآن أى تاليف، وسمى الفرقان لأنه يفرق بين الحق والباطل. ويقال للمرأة: ما قرأت بسلاً قط أى لم تجمع فى بطنها ولدًا.

وقال: ﴿فَرَّضْنَاهَا﴾: أنزلنا فيها فرائض مختلفة. ومن قرأ ﴿فَرَضْنَاهَا﴾ يقول: فرضنا عليكم وعلى من بعدكم. قال مجاهد: ﴿أَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا﴾: لم يدروا لما بهم من الصغر. وقال الشعبى ﴿أُوْلِى الْإِرْبَةِ﴾ من ليس له أرب. وقال مجاهد: لا يهمه إلا بطنه؛ ولا يخاف على النساء. وقال طاؤس: هو الأحمق الذى لا حاجة له فى النساء.

ترجمہ وتشریح

"مِنْ خِلَالِهِ" کے معنی ہیں بادل کے پردوں کے درمیان سے۔

"خلال" جمع ہے "خلل" کی جس کا معنی ہے درمیان وسط۔ "اضعاف" جمع ہے "ضعف" کی، اور "اضعاف الکتاب" کا مطلب ہے کتاب کے سطور کا فاصلہ "الأضعاف من الجد" اعضاء، جسم یا ہڈیاں، یہاں "اضعاف" بمعنی "السحاب" یعنی بادل کے پردے۔

"سنا بَرْقِهِ" کے معنی ہیں ضیاء یعنی روشنی۔

"مُذْعِنِيْنَ" بمعنی "مستخذی" جس کے معنی ہیں "مذعن" تابعدار، فرمانبردار، اطاعت گذار۔

"أَشْتَاتًا" اور "شتّٰی ۔ شَتَاتٌ ۔ وشَتٌّ" چاروں کے معنی ایک ہیں۔

---

[۱] تفسير القرطبى، سورة النور، ج: ۱۲، ص: ۱۵۸، و روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم والسبع المثانى، ج: ۹، ص: ۲۷۳

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿**سُوْرَةٌ أَنْزَلْنَاهَا**﴾ بمعنی "**بیناها**" یعنی ہم نے سورت کو کھول کر بیان کیا۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ "**سمی القرآن لجماعة السور**" قرآن نام اس لئے ہے کہ یہ سورتوں کا مجموعہ ہے، "**وسميت السورة لانها مقطوعة من الاخرى**" اور سورت کو سورت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دوسری سورت سے علیحدہ ہوتی ہے، "**فلماقرن بعضها الى بعض سمى قرآنا**" پھر جب ایک سورت کو دوسری سورت کے ساتھ جمع کر دی جائے تو اس کا نام قرآن ہو جاتا ہے۔

سعد بن عیاض ثمالی رحمہ اللہ نے کہا کہ حبشہ کی زبان میں "**المشكاة**" کے معنی روشندان یعنی طاق کے ہیں۔ واضح ہو کہ لفظ طاق جس میں چراغ رکھا جاتا ہے اس کو اردو، ہندی اور فارسی میں طاق کہتے ہیں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے ﴿**إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَه**﴾ اور ہمارے ذمہ ہے اسکا جمع کرنا اور تالیف ہے، یعنی اسکے بعض ٹکڑے کو بعض سے جوڑنا اور ملانا۔

مقصد یہ ہے کہ قرآن جو "**قرء**" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کر جمع کرنا، یعنی قرآن یہاں بمعنی تلاوت سے نہیں ہے۔

﴿**فَإِذَا قَرَأْنَاه فَاتَّبِعْ قُرْآنَه**﴾ پھر ہم جب اس کو جوڑ دیں اور ملا دیں تو اس مجموعہ کی اتباع کیجئے یعنی اس کے مجموعے پر عمل کیجئے اور جن سے اللہ نے منع کیا اس سے باز رہئے۔

"**ويقال ليس: لشعره قرآن اى تاليف**" اور عرب لوگ جب کسی کے اشعار کا مجموعہ نہ بنایا گیا ہو تو کہتے ہیں اسکے شعروں کا قرآن نہیں ہے، یعنی تالیف، اور مجموعہ نہیں ہے۔

قرآن کا نام فرقان اس لئے ہے کہ "**لأنه يفرق بين الحق والباطل**" وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتا ہے۔

عورت کیلئے بولتے ہیں "**ماقرأت بسلا قط**" یعنی اس نے اپنے پیٹ میں بچہ کبھی نہیں رکھا، ظاہر ہے کہ "**قرء**" بمعنی تلاوت اور پڑھنے کے نہیں ہو سکتا بلکہ صرف جمع کرنے کے معنی ہیں۔

اس لفظ میں "**فرضنا**" میں دو قرأت ہے، ایک راء کی تشدید کے ساتھ "**فَرَّضْنَاهَا**"۔ اس قرأت پر معنی ہوگا ہم نے اس سورت میں مختلف فرائض احکام نازل کئے اور جس نے پڑھا یعنی دوسری قرأت جو جمہور کی ہے راء کی تخفیف یعنی فتحہ رز بر کے ساتھ "**فَرَضْنَاهَا**"۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تم پر اور جو لوگ قیامت تک تمہارے بعد آئیں گے ان پر فرض کیا یعنی قطعی احکام مقرر کیا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے ﴿**أَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا**﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد وہ کم سن بچے ہیں جو کم سنی کی وجہ سے عورتوں کے پردہ کی چیزوں کو نہیں سمجھتے۔

امام شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿أُولِي الإِرْبَةِ﴾ سے وہ شخص مراد ہے جس میں قوت مردمی نہ ہو۔

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ﴿أُولِي الإِرْبَةِ﴾ ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کو بس اپنے پیٹ کی فکر ہو یعنی کھانے پینے کے سوا کسی چیز کی غرض نہ ہو اور یہ ڈر نہ ہو کہ عورتوں کو ہاتھ لگائے گا۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے وہ احمق مراد ہے جو عورتوں سے بے پرواہ ہو یعنی خیال نہ ہو۔

(١) باب قوله عزوجل: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ﴾ الآية [٦].

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: ''اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں، اور خود اپنے سوا اُن کے پاس کوئی اور گواہ نہ ہوں۔''

لعان کا حکم اور طریقہ کار

سورت میں زناء کا حکم اور قذف کے بیان کے بعد اب لعان کا حکم بیان کیا جارہا ہے۔

''لعان'' اور **''ملاعنت''** کے معنی ایک دوسرے پر لعنت اور غضب الٰہی کی بددعاء کرنے کے ہیں۔

اصطلاح شرع میں میاں بیوی دونوں کو چند خاص قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے۔

جس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی پر زناء کا الزام لگائے یا اپنے بچے کو کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں ہے اور یہ عورت جس پر الزام لگایا گیا ہے اُس کو جھوٹا کہے اور اُس کا مطالبہ کرے کہ مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی ہے اس لئے شوہر پر تہمتِ زناء کی سزاء اسی (٨٠) کوڑے جاری کئے جائیں گے تو اس وقت شوہر سے مطالبہ کیا جائے گا کہ الزامِ زناء پر چار گواہ پیش کرے۔ اگر اس نے چار گواہ پیش کر دیئے تو عورت پر حدِ زناء لگائی جائے گی اور اگر وہ چار گواہ نہ لاسکا تو اس دونوں میں لعان کرایا جائے گا۔

یعنی اول مرد سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ ان الفاظ سے جو قرآن میں مذکور ہیں یہ شہادت دے کہ میں اس الزام میں سچا اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

اگر شوہر ان الفاظ کے کہنے سے رُکے تو اس کو قید کر دیا جائے گا کہ یا تو تم اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرو یا مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ یہ قسمیں کھاؤ اور جب تک وہ ان دونوں میں سے کوئی کام نہ کرے اُس کو قید رکھا جائے گا۔ اگر اس نے اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر لیا تو اس پر حدِ قذف یعنی تہمتِ زنا کی شرعی سزاء جاری ہوگی۔

اور اگر الفاظِ مذکورہ کے ساتھ پانچ مرتبہ قسمیں کھالیں تو پھر اس کے بعد عورت سے اُن الفاظ میں پانچ قسمیں لی جائیں گی جو قرآن میں عورت کے لئے مذکور ہیں۔ اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اُس کو اُس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک کہ وہ یا تو شوہر کی تصدیق کرلے اور اپنے جرم زناء کا اقرار کرے تو اس پر حدّ زناء جاری کردی جائے اور یا پھر وہ الفاظِ مذکورہ کے ساتھ پانچ قسمیں کھالے۔ اگر وہ الفاظِ مذکورہ سے قسمیں کھانے پر راضی ہوجائے اور قسمیں کھالے تو اب لعان پورا ہوگیا۔

جس کے نتیجے میں دُنیا کی سزاء سے دونوں بچ گئے، آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی ہے کہ اُن میں سے کون جھوٹا ہے، جھوٹے کو آخرت میں سزاء ملے گی، لیکن دنیا میں بھی جب دو میاں بیوی میں لعان کا معاملہ ہوگیا تو یہ ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتے ہیں شوہر کو چاہئے کہ اس کو طلاق دے کر آزاد کردے۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم ان دونوں میں تفریق کرسکتا ہے جو بحکمِ طلاق ہوگی، بہرحال اب دونوں کا آپس میں دوبارہ نکاح بھی کبھی نہیں ہوسکتا۔

لعان کا قانون شریعت اسلام میں شوہر کے جذبات ونفسیات کی رعایت کی بنا پر نافذ ہوا ہے، کیونکہ کسی شخص پر الزامِ زناء لگانے کا قانون جو پہلی آیات میں گزر چکا ہے اس کی رُو سے یہ ضروری ہے کہ الزامِ زناء لگانے والا چار گواہ عینی پیش کرے اور جو یہ نہ کرسکے تو اُلٹا اسی پر تہمتِ زناء کی حد جاری کی جائے گی۔

عام آدمی کے لئے تو یہ ممکن ہے کہ چار گواہ میسر نہ ہوں تو وہ الزام زنا لگانے سے خاموش رہے تاکہ تہمتِ زناء کی سزاء سے محفوظ رہ سکے لیکن شوہر کے لئے یہ معاملہ بہت سنگین ہے جب اُس سے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا اور گواہ موجود نہیں اگر وہ بولے تو تہمتِ زناء کی سزاء پائے اور نہ بولے تو ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا رہے اور اس کی زندگی وبال ہوجائے۔ اس لئے شوہر کے معاملے کو عام قانون سے الگ کرکے اس کا مستقل قانون بنادیا گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ لعان صرف میاں بیوی کے معاملہ میں ہوسکتا ہے دوسروں کا حکم وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

آیاتِ لعان کا شانِ نزول

اس سورت میں امام بخاری رحمہ اللہ نے لعان کے حوالے سے دو واقعات ذکر کئے ہیں، ایک حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کا واقعہ، اور دوسرا واقعہ حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کا ہے۔

ان میں سے آیاتِ لعان کا شانِ نزول کون سا واقعہ ہے! اس میں ائمہ تفسیر کے اقوال مختلف ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے آیات کا نزول مکرر مان کر دونوں کو شانِ نزول قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ نو وی رحمہما اللہ ان دونوں حضرات نے دونوں واقعات میں تطبیق دے کر ایک ہی نزول میں دونوں کو شانِ نزول آیات لعان قرار دیا ہے، ان حضرات کی توجیہ زیادہ بہتر ہے۔

ان دونوں حضرات نے تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا واقعہ حضرت ہلال بن امیہ ﷺ کا تھا اور آیاتِ لعان کا نزول اسی واقعے کے بارے میں ہوا ہے، اس کے بعد حضرت عویمر عجلانی ﷺ کا واقعہ پیش آ گیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سارا معاملہ بیان کیا، کیونکہ ان کو ہلال بن امیہ ﷺ کا معاملہ معلوم نہیں ہوگا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتایا کہ تمہارے معاملے کا فیصلہ یہ ہے۔

اور اس بات کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ ﷺ کے واقعہ میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **"فنزل جبرئیل"** اور حضرت عویمر ﷺ کے واقعہ میں یہ الفاظ ہیں **"قد انزل اللہ فیک"** جس کا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے جیسے ایک واقعہ میں اس کا حکم نازل فرمایا ہے۔ [۲]

ان واقعات کی روشنی میں چند فقہی مسائل ملاحظہ فرمائیں:

مسئلہ: جب میاں بیوی کے درمیان حاکم کے سامنے لعان ہو جائے تو یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے جیسے حرمتِ رضاعت ابدی ہوتی ہے۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ **"المتلاعنان لایجتمعان ابداً"** حرمت تو لعان ہونے سے ہی ثابت ہو جاتی ہے لیکن عورت کو دوسرے مرد سے بعد عدت نکاح کرنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب جائز ہوگا جبکہ مرد طلاق دیدے یا زبان سے کہہ دے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور اگر مرد ایسا نہ کرے تو حاکم قاضی ان دونوں میں تفریق کا حکم کردے گا تو وہ بھی بحکم طلاق ہو جائے گا پھر عدت طلاق تین حیض پورے ہونے کے بعد عورت آزاد ہوگی اور دوسرے کسی شخص سے نکاح کرے گی۔

مسئلہ: جب لعان ہو چکا اس کے بعد اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو وہ اُس کے شوہر کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ اُس کی نسبت اُس کی ماں کی طرف کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہلال بن امیہ و عویمر عجلانی رضی اللہ عنہما دونوں کے معاملات میں یہی فیصلہ فرمایا۔

مسئلہ: لعان کے بعد اگرچہ اُن میں جو جھوٹا ہے اس کا عذابِ آخرت پہلے سے بڑھ گیا مگر دنیا کی سزاء ساقط ہوگئی۔ اسی طرح دنیا میں اُس کو زانیہ اور بچے کو ولد الزناء کہنا بھی کسی کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ حضرت ہلال بن امیہ ﷺ کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ میں یہ حکم بھی فرمایا۔ [۳]

---

[۲] فتح الباری، ج: ۸، ص: ۴۵۱، ۴۵۰، تفسیر القرطبی، ج: ۱۲، ص: ۱۸۴، ۱۸۳، وعمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۱۵،

[۳] معارف القرآن، ج: ۶، ص: ۳۵۷، عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۱۷، ۱۱۶، و المبسوط للسرخسی، ج: ۷، ص: ۳۹

۴۷۴۵ ـ حدثنا اسحق: حدثنا محمد بن یوسف الفریابی: حدثنا الأوزاعی قال: حدثنی الزهری، عن سهل بن سعد، أن عویمر أتی عاصم بن عدی و کان سید بنی عجلان فقال: کیف کیف تقولون فی رجل وجد مع امرأته رجلا؟ أیقتله فتقتلونه؟ أم کیف یصنع؟ سل لی رسول اللہ ﷺ عن ذلک. فأتی عاصم النبی ﷺ فقال: یارسول اللہ، فکرہ رسول اللہ ﷺ المسائل فسأله عویمر فقال: ان رسول اللہ ﷺ کرہ المسائل وعابها. قال عویمر: واللہ لا أنتهی حتی أسأل رسول اللہ ﷺ عن ذلک، فجاء عویمر فقال: یارسول اللہ، رجل وجد مع امرأته رجلا أیقتله فتقتلونه؟ أم کیف یصنع؟ فقال رسول اللہ ﷺ: ((قد أنزل اللّٰہ القرآن فیک وفی صاحبتک)). فأمرهما رسول اللہ ﷺ بالملاعنة بما سمی اللہ فی کتابه فلاعنها ثم قال: یارسول اللہ ﷺ، ان حبستها فقد ظلمتها، فطلقها. فکانت سنة لمن کان بعدهما فی المتلاعنین. ثم قال رسول اللہ ﷺ: ((أنظروا فان جاء ت بہ أسحم أدعج العینین، عظیم الألیتین، خدلج الساقین، فلا أحسب عویمراً إلا قد صدق علیها. وان جاء ت به أحیمر کأنه وحرة فلا أحسب عویمرا إلا قد کذب علیها)). فجاء ت به علی النعت الذی نعت رسول اللہ ﷺ من تصدیق عویمر، فکان بعد ینسب إلی أمه. [راجع: ۴۲۳]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عویمر حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بنی عجلان کے سردار تھے۔ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ لوگ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو پائے؟ کیا وہ اسے قتل کر دے، پھر آپ لوگ اسے قتل کردو گے؟ آخر ایسی صورت آدمی کیا کرے؟ اس لئے آپ رسول اللہ ﷺ سے اس سے متعلق پوچھ کر مجھے بتایئے۔ چنانچہ عاصم رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! (اس صورت میں آدمی کیا کرے، آپ کیا فرماتے ہیں؟ اور صورت مذکورہ کو بیان کی)۔ رسولُ اللہ ﷺ نے ان مسائل میں بلاضرورت سوال وجواب کو ناپسند فرمایا۔

جب عویمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سوال کو ناپسند فرمایا اور عیب سمجھا۔ عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! میں اس بات کو اسوقت تک نہیں ختم کروں گا، جب تک میں خود رسول اللہ سے اس کے متعلق نہ پوچھ لوں۔ چنانچہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ خود حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو دیکھتا ہے، کیا وہ اس کو قتل کر دے، لیکن پھر آپ اس آدمی کو قتل کر دیں گے؟ آخر ایسی صورت آدمی کیا کرے؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل جلالہ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں قرآن کی آیت نازل کی ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق دونوں کو لعان کا حکم دیا، اور عویمر نے اپنی بیوی سے لعان کیا، پھر عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میں اپنے بیوی کو رو کے رکھوں تو میں ظالم ہوں گا، تو انہوں نے اسے طلاق دے دی، پھر ان دونوں کے بعد والوں کیلئے لعان کرنے والے زوجین کے درمیان فرقت جدائی کا طریقہ جاری ہو گیا۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا دیکھتے رہو کہ اگر اس عورت کے یہاں کالا، بہت کالی پتلیوں والا، بھاری سرین والا، موٹی پنڈلی والا بچہ پیدا ہو تب تو میں سمجھوں گا کہ عویمر نے غلط الزام نہیں لگایا ہے اور اگر سرخ گرگٹ کی طرح کے رنگ پر پیدا ہوا تو میرا خیال ہے عویمر نے اپنی عورت پر جھوٹ الزام لگایا ہے، اس کے بعد اس عورت کا جو بچہ پیدا ہوا تو وہ ان ہی صفات کے مطابق تھا جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا تھا، جس سے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کی تصدیق ہوتی تھی، چنانچہ اس لڑکے کا نسب اس کی ماں کی طرف رکھا گیا۔

(۲) باب: ﴿وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ﴾ [۷]

باب: ”اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: اگر میں (اپنے الزام میں) جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔“

۴۷۴۶ ۔ حدثنی سلیمان بن داؤد أبو الربیع: حدثنا فلیح، عن الزهری، عن سهل بن سعد: أن رجلا أتی رسول الله ﷺ فقال: یا رسول الله، أرأیت رجلا رأی مع امرأته رجلا، أیقتله فتقتلونه؟ أم کیف یفعل؟ فأنزل الله فیهما ماذکر فی القرآن من التلاعن، فقال له رسول الله ﷺ: ((قد قضی فیک وفی امرأتک))، قال: فتلاعنا وأنا شاهد عند رسول الله ﷺ ففارقها فکانت سنة أن یفرق بین المتلاعنین، وکانت حاملاً فأنکر حملها وکان ابنها یدعی الیها. ثم جرت السنة فی المیراث أن یرثها وترث منه مافرض الله لها. [راجع: ۴۲۳]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! ایسے شخص کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے جس نے اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو دیکھے تو کیا وہ اس کو قتل کر دے، پھر آپ قصاص میں اس قاتل کو قتل کر دیں گے؟ یا پھر اس صورت میں وہ کیا کرے؟ ان دونوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے وہ آیت نازل کیں جو قرآن میں لعان کے متعلق مذکور ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے اور تمہاسے بیوی کے بارے میں فیصلہ کیا جا چکا ہے۔
حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر دونوں میاں بیوی نے لعان کیا اور میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

حاضر تھا، پھر آپ نے دونوں میں جدائی کرادی اور دولعان کرنے والوں کے درمیان بعد میں یہی طریقہ جاری ہو گیا کہ ان میں جدائی کرادی جائے۔ ان کی بیوی حاملہ تھی، لیکن انہوں نے اس حمل کا بھی انکار کیا، چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو اس عورت کے بچہ کو ماں ہی طرف منسوب کیا جانے لگا، میراث کا یہ طریقہ مقرر ہوا کہ اس کے بعد میراث میں بیٹا ماں کا وارث ہوگا اور ماں بیٹا کی اور اسے اتنا حصہ ملے گا جو کتاب اللہ میں موجود ہے۔

(۳) باب: ﴿وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ﴾ الآية [۸]

باب: ''اور عورت سے (زنا کی) سزا دُور کرنے کا راستہ یہ ہے۔''

۴۷۴۷ ۔ حدثني محمد بن بشار: حدثنا ابن أبي عدي، عن هشام بن حسان: حدثنا عكرمة، عن ابن عباس: أنّ هلال ابن أمية قذف امرأته عند النبي ﷺ بشريك ابن سحماء، فقال النبي ﷺ: ((البينة أو حدٌّ في ظهرك))، فقال يارسول الله، إذا رأى أحدنا على امرأته رجلا ينطلق يلتمس البينة؟ فجعل النبي ﷺ يقول: ((البينة وإلا حدٌّ في ظهرك)). فقال هلال: والذي بعثك بالحق إني لصادق ولينزلن الله مايبرئ ظهري من الحدّ. فنزل جبريل وأنزل عليه ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ﴾ فقرأ حتى بلغ ﴿إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ﴾ فانصرف النبي ﷺ فأرسل إليها فجاء هلال فشهد والنبي ﷺ يقول: ((إن الله يعلم أن أحد كما كاذب، فهل منكما تائب؟)) ثم قامت فشهدت، فلما كانت عند الخامسة وقّفوها وقالوا: إنها موجبة. قال ابن عباس: فتلكأت ونكصت حتى ظننا أنها ترجع ثم قالت: لا أفضح قومي سائر اليوم فمضت، فقال النبي ﷺ: ((أبصروها، فإن جاء ت به أكحل العينين، سابغ الأليتين، خدلج الساقين، فهو لشريك ابن سحماء)). فجاء ت به كذلك. فقال النبي ﷺ: ((لولا ما مضى من كتاب الله لكان لي ولها شأن)).

[راجع: ۲٦۷۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ ﷺ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ تہمت لگائی۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم گواہ لاؤ، ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر ہم میں سے کوئی اپنی بیوی پر کسی غیر مرد کو مبتلا دیکھے تو کیا وہ ایسی حالت میں گواہ تلاش کرنے جائے گا؟

لیکن نبی کریم ﷺ یہی فرماتے رہے کہ گواہ لاؤ، ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی، اس پر حضرت ہلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ یعنی نبوت دے کر بھیجا، میں بلاشبہ سچا ہوں اور اللہ ﷻ ضرور کوئی ایسا حکم نازل فرمائیں گے جس کے ذریعہ میری پیٹھ کو حد سے بری کردے گا۔

پھر حضرت جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور حضور اقدس ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ﴾ حضور اقدس ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں یہاں تک کہ اس پر پہنچ گئے ﴿إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ﴾۔

پھر نبی کریم ﷺ لوٹے اور ان کی زوجہ کو بلا بھیجا، پھر حضرت ہلال رضی اللہ عنہ آئے اور آیت کے مطابق چار مرتبہ شہادت دی اور نبی کریم ﷺ اس موقع پر فرما رہے تھے کہ اللہ ﷻ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے، تو کیا تم دونوں میں سے کوئی جو اللہ ﷻ کے عذاب سے ڈرے اور توبہ کرے؟

اسکے بعد عورت کھڑی ہوئی اور اس نے بھی شہادت دی، پھر جب پانچویں پر پہنچی (تو لوگوں نے عورت کو سمجھایا کہ دیکھو یہ آخری شہادت ہے اور خدا کا عذاب لوگوں کی سزا یعنی حد زنا سے سخت تر ہے، اس لئے اللہ ﷻ سے ڈرو اور سچی بات کہو) اور لوگوں نے کہا کہ یہ پانچویں شہادت اگر جھوٹی ہوئی تو تُو موجبِ عذاب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس پر وہ عورت ہچکچائی اور رک گئی، ہم نے سمجھا کہ اب وہ اپنا بیان واپس لے لے گی، لیکن پھر یہ کہتے ہوئے کہ میں زندگی بھر کیلئے اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی پانچویں بار بھی قسم کھالی۔

پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دیکھنا اگر بچہ خوب سیاہ آنکھوں والا، بھاری سرین، موٹی پنڈلیوں والا پیدا ہو تو وہ شریک بن سحماء ہی کا ہوگا، چنانچہ بچہ اسی شکل وصورت کا پیدا ہوا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ کا حکم نہ آچکا ہوتا تو میں اس عورت پر حکم جاری کرتا (یعنی سزا رجم دیتا)۔

(۴) باب قوله: ﴿وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ﴾ [۹]

اس ارشاد کا بیان: ”اور پانچویں مرتبہ یہ ہے کہ: اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔“

۴۷۴۸ ۔ حدثني مقدم بن محمد بن يحيى: حدثنا عمي القاسم بن يحيى، عن عبيدالله وقد سمع منه، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن رجلا رمى امرأته فانتفى من ولدها في زمن رسول الله ﷺ فأمر بهما رسول الله ﷺ فتلاعنا كما قال الله ثم قضى

بالولد للمرأة وفرّق بين المتلاعنين. [أنظر: ۵۳۰۶، ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، ۵۳۱۵، ۶۷۴۸] ۶؎

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک آدمی نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور اسکے حمل کے متعلق کہا کہ یہ میرا نطفہ نہیں ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان لعان کا حکم دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، دونوں نے لعان کیا اس کے بعد بچہ عورت کو دلا دیا اور شوہر و بیوی میں تفریق کرادی۔

(۵) باب قوله: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ﴾ الآية [۱۱]

اس ارشاد کا بیان: ''یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گھڑ کر لائے ہیں، وہ تمہارے اندر ہی کا ایک ٹولہ ہے۔''

افاک: کذاب.

۴۷۴۹ ۔ حدثنا أبو النعيم: حدثنا سفيان عن معمر، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها ﴿وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ﴾ قالت: عبدالله بن أبي بن سلول. [راجع: ۲۵۹۳]

۶؎ وفي صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفى عنها زوجها وغيرها بوضع الحمل، رقم: ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، وسنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في اللعان، رقم: ۲۲۵۷، ۲۲۵۸، ۲۲۵۹، وسنن الترمذي، أبواب الطلاق واللعان، باب ماجاء في اللعان، رقم: ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، وأبواب التفسير القرآن، باب ومن سورة النور، رقم: ۳۱۷۸، وسنن النسائي، كتاب الطلاق، باب عظمة الامام الرجل والمرأة عند اللعان، رقم: ۳۴۷۳، وباب التفريق بين المتلاعنين، رقم: ۳۴۷۴، وباب استتابة المتلاعنين بعد اللعان، رقم: ۳۴۷۵، وباب اجتماع المتلاعنين، رقم: ۳۴۷۶، وباب نفي الولد باللعان والحاقه بامه، رقم: ۳۴۷۷، وسنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب اللعان، رقم: ۲۰۶۹، وموطا مالک، كتاب الطلاق، باب ماجاء في اللعان، رقم: ۳۵، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن عمر رضي الله عنهما، رقم: ۴۴۷۷، ۴۵۲۶، ۴۶۰۳، ۴۶۹۳، ۴۹۴۵، ۴۹۵۳، ۵۰۰۹، ۵۲۰۲، ۵۳۱۲، ۵۴۰۰، ۶۰۹۸، وسنن الدارمي، ومن كتاب النكاح، باب في اللعان، رقم: ۲۲۷۷، ۲۲۷۸، ومن كتاب الفرائض، باب في ميراث ابن الملاعنة، رقم: ۳۰۰۷

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ﴿وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ﴾ اس آیت میں جس آدمی کا ذکر ہے وہ عبداللہ بن ابی ابن سلول ہے۔

تشریح

روایات کثیرہ میں تصریح ہے کہ یہی شخص لوگوں کو جمع کرتا اور ابھارتا اور نہایت چالاکی سے خود دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا، اس کیلئے آخرت میں بڑا عذاب ہے ہی، دنیا میں بھی ملعون خوب ذلیل ورسوا ہوا اور قیامت تک اسی ذلت وخواری سے یاد کیا جائے گا۔

(۶) باب: ﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ الى قوله: ﴿الْكَاذِبُونَ﴾ [۱۲-۱۳]

باب: ”جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مؤمن مرد بھی اور مؤمن عورتیں بھی اپنے بارے میں نیک گمان رکھتے۔“ اس آیت کے آخر تک ”وہی جھوٹے ہیں۔“

۴۷۵۰ - حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن يونس، عن ابن شهاب قال: أخبرني عروة بن الزبير، وسعيد بن المسيب، وعلقمة بن وقاص، وعبيدالله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود، عن حديث عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ حين قال لها أهل الإفك ما قالوا، فبرأها الله مما قالوا، وكل حدثني طائفة من الحديث. وبعض حديثهم يصدق بعضا، وإن كان بعضهم أوعى له من بعض. الذي حدثني عروة، عن عائشة: أن عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ قالت: كان رسول الله ﷺ إذا أراد أن يخرج أقرع بين أزواجه فأيتهن خرج سهمها خرج بها رسول الله ﷺ معه. قالت عائشة: فأقرع بيننا في غزوة غزاها فخرج سهمي، فخرجت مع رسول الله ﷺ بعد ما نزل الحجاب فأنا أحمل في هودجه وأنزل فيه. فسرنا حتى إذا فرغ رسول الله ﷺ من غزوته تلك وقفل ودنونا من المدينة قافلين، آذن ليلة بالرحيل فقمت آذنوا بالرحيل فمشيت حتى جاوزت الجيش فلما قضيت شأني أقبلت إلى رحلي فإذا عقد لي من جزع أظفار قد انقطع فالتمست عقدي وحبسني ابتغاؤه. وأقبل الرهط الذين كانوا يرحلون لي فاحتملوا هودجي فرحلوه

علی بعیری الذین کنت رکبت وهم یحسبون انی فیه. وکان النساء إذ ذاک خفافا لم یثقلهن اللحم انما یأکلن العلقة من الطعام فلم یستنکر القوم خفة الهودج حین رفعوه، وکنت جاریة حدیثة السن، فبعثوا الجمل وساروا، فوجدت عقدی بعدما استمر الجیش فجئت منازلهم ولیس بها داع ولامجیب فأممت منزلی الذی کنت به وظننت انهم سیفقدونی فیرجعون الیّ. فبینا أنا جالسة فی منزلی غلبتنی عینی فنمت. وکان صفوان بن المعطل السلمی ثم الذکوانی من وراء الجیش فأدلج فاصبح عند منزلی فرأی سواد انسان نائم، فأتانی فعرفنی حین رآنی، وکان یرانی قبل الحجاب، فاستیقظت باسترجاعه حین عرفنی فخمرت وجهی بجلبابی، واللہ ماکلمنی کلمة ولا سمعت منه کلمة غیر استرجاعه حتی أناخ راحلته فوطئ علی یدیها فرکبتها، فانطلق یقود بی الراحلة حتی أتینا الجیش بعد مانزلوا موغرین فی نحر الظهیرة، فهلک من هلک. وکان الذی تولی الإفک عبداللہ بن أبی ابن سلول. فقدمنا المدینة فاشتکیت حین قدمت شهراً والناس یفیضون فی قول أصحاب الإفک ولا أشعر بشئ من ذلک وهو یریبنی فی وجعی أنی لاأعرف من رسول اللہ ﷺ اللطف الذی کنت اری منه حین اشتکی، إنما یدخل علی رسول اللہ ﷺ فیسلم ثم یقول: ((کیف تیکم؟)) ثم ینصرف فذاک الذی یریبنی ولا أشعر بالشر حتی خرجت بعدما نقهت فخرجت معی أم مسطح قبل المناصع وهو متبرزنا وکنا لا نخرج إلاّ لیلا الی لیل وذلک قبل أن نتخذ الکنف قریبا من بیوتنا، وأمرنا أمر العرب الأول فی التبرز قبل الغائط، فکنا نتأذی بالکنف أن نتخذها عند بیوتنا، فانطلقت أنا وأم مسطح، وهی ابنة أبی رهم بن عبدمناف، وأمها بنت صخر ابن عامر خالة أبی بکر الصدیق، وابنها مسطح بن أثاثة فاقبلت أنا وأم مسطح، قبل بیتی وقد فرغنا من شأننا فعثرت أم مسطح فی مرطها فقالت: تعس مسطح، فقلت لها: بئس ما قلت، أتسبین رجلا شهد بدرا؟ قالت: أی هنتاه، أولم تسمعی ما قال؟ قالت: قلت: وما قال ؟ قالت فأخبرتنی بقول أهل الإفک فازددت مرضا علی مرضی، قالت فلما رجعت الی بیتی ودخل علی رسول اللہ ﷺ ۔ تعنی سلم ۔ ثم قال:((کیف تیکم؟)) فقلت: أتأذن لی أن آتی أبوی؟ قالت: وأنا حینئذ أرید أن أستیقن الخبر من قبلهما، قالت: فأذن لی رسول اللہ ﷺ فجئت أبوی فقلت لأمی: یا أمتاه، مایتحدث الناس؟ قالت: یا بنیة هونی علیک، فواللہ لقلما کانت امرأة قط وضیئة عند رجل یحبها ولها ضرائر إلا أکثرن علیها. قالت: فقلت: سبحان اللہ،

او لقد تحدث الناس بهذا؟ قالت: فبكيت تلك الليلة حتى أصبحت لا يرقأ لي دمعٌ و لا اكتحل بنوم حتى أصبحت ابكي. فدعا رسول الله ﷺ على ابن أبي طالب وأسامة بن زيد رضي الله عنهما حين استلبث الوحي يستأمرهما في فراق أهله. قالت: فأما أسامة بن زيد فأشار على رسول الله ﷺ بالذي يعلم من براءة أهله، وبالذي يعلم لهم في نفسه من الود، فقال: يارسول الله، أهلك وما نعلم إلا خيراً، وأما علي بن أبي طالب فقال: يا رسول الله، لم يضيق الله عليك والنساء سواها كثير، وإن تسأل الجارية تصدقك. قالت: فدعا رسول الله ﷺ بريرة: فقال: ((أي بريرة هل رأيت من شيء يريبك؟)) قالت بريرة: لا والذي بعثك بالحق، إن رأيت عليها أمرا أغمصه عليها سوى انها جارية حديثة السن تنام عن عجين أهلها فتأتي الداجن فتأكله. فقام رسول الله ﷺ فاستعذر يومئذ من عبدالله بن أبي ابن سلول. قالت: فقال رسول الله ﷺ وهو على المنبر: ((يا معشر المسلمين، من يعذرني من رجل قد بلغني أذاه في أهل بيتي؟ فوالله ما علمت على أهلي إلا خيرا، ولقد ذكروا رجلا ما علمت عليه إلا خيرا، وما كان يدخل على أهله إلا معي)). فقام سعد بن معاذ الأنصاري فقال: يا رسول الله أنا أعذرك منه، إن كان من الأوس ضربنا عنقه، وإن كان من اخواننا من الخزرج أمرتنا ففعلنا أمرك. قالت: فقام سعد بن عبادة وهو سيد الخزرج، وكان قبل ذلك رجلا صالحا ولكن احتمله الحمية فقال لسعد: كذبت، لعمرا لا تقتله ولا تقدر على قتله . فقام أسيد بن حضير وهو ابن عم سعد فقال لسعد بن عبادة : كذبت لعمر الله لنقتلنه فانك منافق تجادل عن المنافقين. فثاور الحيان الأوس و الخزرج حتى هموا أن يقتتلوا ورسول الله ﷺ قائم على المنبر. فلم يزل رسول الله ﷺ يخفضهم حتى سكتوا وسكت. قالت: فمكثت يومي ذلك لايرقأ لي دمع ولا أكتحل بنوم. قالت: فاصبح أبواى عندي وقد بكيت ليلتين ويوما، لا أكتحل بنوم ولا يرقأ لي دمع، يظنان أن البكاء فالق كبدي. قالت: فبينما هما جالسان عندي وأنا أبكي فاستأذنت على امرأة من الأنصار، فأذنت لها. فجلست تبكي معي، قالت: فبينا نحن على ذلك دخل علينا رسول الله ﷺ فسلم ثم جلس. قالت: ولم يجلس عندي منذ قيل ما قيل قبلها. وقد لبث شهراً لايوحى إليه في شأني، قالت: فتشهد رسول الله ﷺ حين جلس، ثم قال: ((أما بعد، يا عائشة فإنه قد بلغني عنك كذاو كذا، فان كنت بريئة فسيبرئك الله، وإن كنت ألممت بذنب فاستغفري الله وتوبي اليه. فان العبد إذا اعترف بذنبه ثم تاب الى الله تاب

الله عليه)). قالت: فلما قضى رسول الله ﷺ مقالته قلص دمعي حتى ما أحس منه قطرة، فقلت لأبي: أجب رسول الله ﷺ فيما قال. قال: والله ما أدرى ما أقول لرسول الله ﷺ، فقلت لأمي: أجيبي رسول الله ﷺ، قالت: مادرى ما أقول لرسول الله ﷺ، قالت: قلت وأنا جارية حديثة السن لا أقرأ كثيرا من القرآن: إني والله لقد علمت لقد سمعتهم هذا الحديث حتى استقر في أنفسكم وصدقتم به، فلئن قلت لكم: إني بريئة، والله يعلم أني بريئة، لاتصدقونني بذلك. ولئن اعترفت لكم بأمر والله يعلم أني منه بريئة لتصدقني، والله ما أجد لكم مثلا إلا قول أبي يوسف قال: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُوْنَ﴾ قالت: ثم تحولت فاضطجعت على فراشي. قالت: وأنا حينئذ أعلم أني بريئة، وان الله مبرئي ببراءتي. ولكن والله ماكنت أظن أن الله منزل في شأني وحيا يتلى، ولشأني في نفسي كان أحقر من أن يتكلم الله في بأمر يتلى، ولكن كنت أرجو أن يرى رسول الله ﷺ في النوم رويا يبرئني الله بها. قالت: فوالله مارام رسول الله ﷺ ولاخرج أحد من أهل البيت حتى أنزل عليه فأخذه ماكان يأخذ من البرحاء، حتى إنه ليتحدر منه مثل الجمان من العرق، وهو في يوم شات من ثقل القول الذي ينزل عليه. قالت: فلما سرى عن رسول الله ﷺ سرى عنه وهو يضحك، فكان أول كلمة تكلم بها: ((يا عائشة، أما الله عز وجل فقد برّاك)). فقالت أمي: قومي إليه، قالت: فقلت: والله لاأقوم إليه ولاأحمد إلاالله عز وجل. وأنزل الله عزوجل ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ جَاؤُا بِالإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ لاَ تَحْسَبُوْهُ﴾ العشر الآيات كلها، فلما أنزل الله في براءتي قال أبو بكر الصديق ﷺ وكان ينفق على مسطح بن اثاثة لقرابته منه وفقره: والله لاأنفق على مسطح شيئا أبداً بعد الذي قال لعائشة ما قال. فأنزل الله ﴿وَلاَ يَأْتَلِ أُولُوْ الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوْا أُوْلِي الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِي سَبِيْلِ اللهِ، وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا أَلاَ تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾ قال أبو بكر: بلى والله اني أحب أن يغفر الله لي، فرجع الى مسطح النفقة التي كان ينفق عليه. وقال: والله لا أنزعها منه أبدا. قالت عائشة: وكان رسول الله ﷺ يسأل زينب ابنة جحش عن أمري، فقال: ((يازينب ما ذا علمت أورأيت؟)) فقالت: يارسول الله، أحمي سمعي وبصري، ما علمت إلا خيرا. قالت: وهي التي كانت تساميني من أزواج رسول الله ﷺ فعصمها الله بالورع. وطفقت أختها حمنة تحارب لها فهلكت فيمن هلك من أصحاب الإفك. [راجع: ۲۵۹۳]

ترجمہ: عبد العزیز بن عبد اللہ، ابراہیم بن سعد، صالح بن کیسان، ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ مجھ سے عروہ بن زبیر ﷺ سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے حدیث بیان کی کہ ان چاروں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ محترمہ آنحضرت ﷺ کے خلاف اس تہمت کا قصہ بیان کیا، ان میں سے ہر ایک اس حدیث کا ایک ایک ٹکڑا روایت کرتے ہیں، اور بعض کو بعض سے یہ حدیث زیادہ یاد تھی، بیان کرنے میں بہت صحیح تھے، میں نے ہر ایک کی حدیث جو انہوں نے مجھ سے بیان کی یاد رکھی ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض حضرات کو بعض دوسرے کے مقابلے میں حدیث زیادہ بہتر طریقہ پر محفوظ تھی یعنی اختلاف حفظ کے باوجود سب کا بیان یکساں و متحد تھا۔

مجھ سے عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے اس طرح بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ اندازی کرتے، جن کا نام نکل جاتا انہیں اپنے ساتھ لے جاتے۔

آپ نے بیان کیا کہ ایک غزوہ یعنی غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر ہمارے درمیان قرعہ ڈالا گیا، تو میرا نام نکلا پھر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئی، یہ واقعہ پردہ کے حکم کے نازل ہونے کے بعد کا ہے، مجھے ہودج سمیت اونٹ پر چڑھا دیا جاتا تھا اور اسی طرح یعنی ہودج سمیت اونٹ پر سے اتار لیا جاتا تھا، یوں ہمارا سفر جاری رہا، پھر جب رسول اللہ ﷺ اپنے اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو ایک رات کوچ کا حکم ہوا تو جس وقت کوچ کا اعلان ہوا میں اٹھی اور قضاء حاجت کے لئے چل پڑی، یہاں تک لشکر کے پڑاؤ سے دور نکل گئی، اور قضاء حاجت کے بعد اپنے کجاوے کے پاس آئی تو دیکھا کہ میرا ظفار کے موتیوں کا بنا ہوا ہار کہیں راستہ میں گر گیا ہے، میں اپنا ہار تلاش کرنے لگی اور اس میں اتنا محو ہو گئی کہ کوچ کا خیال ہی نہ رہا۔ اتنے میں جو لوگ میرے ہودج کو سوار کیا کرتے تھے آئے اور میرے ہودج کو اٹھا کر اس اونٹ پر رکھ دیا جو میری سواری کے لئے تھا، انہوں نے یہی سمجھا کہ میں اس میں بیٹھی ہوئی ہوں۔ ان دنوں عورتیں بہت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، گوشت سے ان کا جسم بھاری نہیں ہوتا تھا، کیونکہ کھانے پینے کو بہت کم ملتا تھا، یہی وجہ تھی کہ جب لوگوں نے ہودج کو اٹھایا تو اس کے ہلکے پن میں انہیں کوئی اجنبیت نہیں محسوس ہوئی اور میں اس وقت یوں بھی کم عمر لڑکی تھی، چنانچہ ان لوگوں نے اس اونٹ کو اٹھایا اور چل پڑے۔

مجھے ہار اس وقت ملا جب لشکر گذر چکا تھا، میں جب لشکر کے ٹھکانوں پر پہنچی تو وہاں نہ کوئی پکارنے والا تھا اور نہ کوئی جواب دینے والا، میں نے اپنی جگہ کا قصد کیا جہاں میں تھی، مجھے یقین تھا کہ جلد ہی انہیں میرے نہ ہونے کا علم ہو جائے گا اور پھر وہ لوگ مجھے تلاش کرنے کے لئے یہاں آئیں گے، میں اپنی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گئی۔

صفوان بن معطل سلمی ثم ذکوانی لشکر کے پیچھے پیچھے گرے پڑے کی خبر گیری کے لئے مقرر تھے، وہ رات کے آخری حصہ میں آرہے تھے جب میرے مقام پر پہنچے تو صبح ہو چکی تھی، انہوں نے دور سے ایک انسانی سایہ دیکھا کہ پڑا ہوا ہے، وہ میرے قریب آئے اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے۔ پردہ کے حکم سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا، جب وہ پہچان گئے تو **"انا للّٰہ وانا الیہ راجعون"** پڑھنے لگے، میں ان کی آواز پر جاگ گئی اور اپنا چہرہ اپنی چادر سے چھپالیا، خدا کی قسم اس کے بعد انہوں نے نہ ایک لفظ بھی کہا اور نہ میں نے **"انا للّٰہ وانا الیہ راجعون"** کے سوا ان کی زبان سے کوئی کلمہ سنا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی اونٹ کو بٹھا دیا، اور اس کے پاؤں کو اپنے پاؤں سے دبائے رکھا تا کہ میں سوار ہوسکوں، چنانچہ میں اس پر سوار ہوگئی پھر وہ خود پیدل اونٹ کو آگے سے کھینچتے ہوئے چلے، ہم لشکر سے اس وقت ملے جب وہ بھری دوپہر میں دھوپ سے بچنے کیلئے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، اس کے بعد جسے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا۔ اس تہمت میں پیش پیش عبداللہ بن ابی بن سلول منافق تھا۔

میں مدینہ پہنچ کر بیمار پڑ گئی اور ایک مہینہ تک بیمار رہی، اس عرصہ میں لوگوں میں تہمت لگانے والوں کی باتوں کا بڑا چرچا رہا، لیکن مجھے اس تہمت کے متعلق کوئی خبر نہ ہوئی، صرف ایک معاملہ سے مجھے شبہ سا ہوتا تھا کہ میں اپنی اس بیماری میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس لطف ومحبت کا اظہار نہیں دیکھتی تھی، جو سابقہ علالت کے دنوں میں دیکھ چکی تھی، رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لاتے اور سلام کرتے، صرف اتنا پوچھ لیتے کہ کیا حال ہے؟ پھر واپس چلے جاتے، آنحضور ﷺ کے اس طرز عمل سے مجھے شبہ ہوتا تھا، لیکن طوفان بد کی مجھے کوئی خبر نہیں۔

ایک دن بیماری سے افاقہ کے بعد جب کہ کمزوری باقی تھی تو میں باہر نکلی، اور میرے ساتھ ام مسطح بھی نکلی، ہم مناصع کی طرف گئے، قضاء حاجت کے لئے ہم لوگ وہیں جایا کرتے تھے ہم لوگ صرف رات ہی کو جایا کرتے تھے اور یہ مناصع کی طرف جانا اس سے قبل کی بات ہے کہ ہمارے گھروں کے قریب بیت الخلاء نہیں بنے تھے، اس وقت ہم قدیم عرب کے دستور کے مطابق قضائے حاجت کے لئے آبادی سے دور جایا کرتے تھے، اس سے ہمیں تکلیف ہوتی تھی کہ بیت الخلا ہمارے گھروں کے قریب بنائیں جائیں۔

خیر میں اور ام مسطح قضاء حاجت کے لئے روانہ ہوئے وہ ابورہم بن عبد مناف کی صاحبزادی تھیں اور اس کی ماں رائطہ نامی صخر بن عامر کی بیٹی تھیں، جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں، ان کا صاحبزادہ مسطح بن اثاثہ ہیں، میں اور ام مسطح قضاء حاجت کے بعد جب گھر واپس آنے لگے تو ام مسطح کا پاؤں انہی کی چادر میں الجھ کر پھسل گیا، اس پر ان کی زبان سے نکلا "مسطح برباد ہو"۔

تو میں نے کہا آپ نے بری بات کہی، کیا آپ ایسے شخص کو برا کہتی ہیں جو غزوہ بدر میں شریک رہا ہے؟ انہوں نے کہا واہ اس کی بات آپ نے نہیں سنی؟ میں نے پوچھا انہوں نے کیا کہا؟ پھر انہوں نے مجھے تہمت والوں کی بات بتائیں، میں پہلے سے بیمار تھی ہی ان باتوں کو سن کر میرا مرض اور بڑھ گیا، پھر جب میں گھر پہنچی اور

رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے تو آپ نے سلام کیا اور دریافت فرمایا کہ طبیعت کیسی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت دیں گے؟ اور میرا مقصد والدین کے یہاں جانے سے صرف یہ تھا کہ اس خبر کی حقیقت ان سے پوری طرح معلوم ہو جائے گی۔ نبی کریم ﷺ نے مجھے جانے کی اجازت دیدی اور میں اپنے والدین کے گھر آ گئی۔

میں نے والدہ سے پوچھا کہ یہ لوگ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا بیٹی صبر کرو کم ہی کوئی ایسی حسین وجمیل عورت کسی ایسے مرد کے نکاح میں ہوگی جو اس سے محبت رکھتا ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں اور پھر بھی وہ اس طرح نیچا دکھانے کی کوشش نہ کریں۔ اس پر میں نے کہا سبحان اللہ! کیا اس طرح کا چرچا لوگوں نے کر دیا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں رونے لگی، اور رات بھر روتی رہی، صبح ہوگئی، لیکن میرے آنسو نہیں تھمتے تھے، اور نہ نیند کا آنکھوں میں نام ونشان تھا، صبح ہوگئی اور میں روتے جا رہی تھی۔

اسی عرصہ میں رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا، کیونکہ اس معاملہ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، آپ ﷺ ان سے میرے چھوڑ دینے کے لئے مشورہ لینا چاہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے تو حضور ﷺ کو اسی کے مطابق مشورہ دیا جس کا انہیں علم تھا کہ آپ ﷺ کی اہلیہ اس تہمت سے بری ہیں۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو ان سے کتنا تعلق خاطر ہے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی اہلیہ کے بارے میں خیر وبھلائی کے سوا اور ہمیں کسی چیز کا علم نہیں۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے غم وفکر کو دیکھ کر آپ کی تسلی کے لئے کہا یا رسول اللہ! اللہ جل جلالہ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی ہے عورتیں ان کے سوا اور بھی بہت ہیں اور اگر آپ خادمہ بریرہ سے دریافت فرمالیں تو آپ کو سچ سچ حالت بتا دے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے بریرہ کو بلایا اور دریافت فرمایا بریرہ! کیا تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس سے تم کو شبہ گذرا ہو؟ بریرہ نے عرض کیا نہیں، حضور! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جس پر میں عیب لگا سکوں، ہاں ایک بات ضرور ہے کہ وہ کم عمر لڑکی ہیں اپنے گھر والوں کے آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے اتنے میں بکری آتی ہے اور کھا جاتی ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اس روز آپ نے عبداللہ بن ابی بن سلول کے مقابل مدد چاہی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا اے مسلمانوں کے گروہ! ایک ایسے شخص کے بارے میں کون میری مدد کرتا ہے جس کی اذیت رسانے اب میرے گھر تک پہنچ گئی ہے، خدا کی قسم میں اپنی اہلیہ کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا ہوں، اور یہ لوگ جس مرد کا نام لے رہے ہیں، ان

کے بارے میں بھی خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتا، وہ جب بھی میرے گھر گئے ہیں تو میرے ساتھ ہی گئے ہیں۔

اس پر حضرت سعد بن معاذ انصاری ﷛ قبیلہ اوس کے سردار اٹھے اور کہا یا رسول اللہ! اس شخص کے مقابل میں آپ کی مدد کروں گا، اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا، اور اگر ہمارے بھائیوں یعنی خزرج کا ہے تو آپ ہمیں حکم دیں ہم حکم کی تعمیل کریں گے۔

راوی نے بیان کیا کہ اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ ﷛ کھڑے ہو گئے وہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے، اس سے پہلے وہ مرد صالح تھے، لیکن آج ان پر قومی حمیت غالب آ گئی تھی، عبداللہ بن ابی ابن سلول منافق ان ہی کے قبیلہ یعنی قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا، انہوں نے سعد بن معاذ ﷛ سے کہا اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے، تم اسے قتل نہیں کر سکتے، تم میں اس کی قتل کی طاقت بھی نہیں ہے۔

پھر حضرت اسید بن حضیر ﷛ کھڑے ہوئے، اور آپ حضرت سعد بن معاذ ﷛ کے چچا زاد بھائی تھے، آپ نے سعد بن عبادہ ﷛ سے کہا، خدا کی قسم! تم جھوٹے ہو، ہم اسے ضرور قتل کریں گے، تم منافق ہو، منافقوں کی طرف داری میں لڑتے ہو، اتنے میں دونوں قبیلے اٹھ کھڑے ہوئے اور نوبت آپس میں ہی قتل وقتال پہنچ گئی اور رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے تھے، آپ لوگوں کو خاموش کرنے لگے، آخر سب لوگ چپ ہو گئے، اور آنحضور ﷺ بھی خاموش ہو گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں اس دن بھی برابر روتی رہی نہ آنسو تھمتا تھا اور نہ نیند آتی تھی، حضرت عائشہؓ نے بیان کیا جب دوسری صبح ہوئی تو میرے والدین میرے پاس موجود تھے، دو راتیں اور ایک دن مسلسل روتے ہوئے گذر گیا تھا، اس عرصہ نہ مجھے نیند آئی تھی اور نہ آنسو تھمتے تھے، والدین سوچنے لگے کہ روتے روتے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ابھی وہ دونوں میرے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے اور میں روئے جا رہی تھی کہ قبیلہ انصار کی ایک خاتون نے اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے انہیں اندر آنے کی جازت دیدی، پھر وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونے لگی، ہم لوگ اس حال میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے آپ ﷺ نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب سے مجھ پر تہمت لگائی گئی تھی اس وقت سے اب تک آنحضرت ﷺ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے، آپ نے ایک مہینہ اس معاملہ میں انتظار کیا، آپ ﷺ پر میرے معاملہ میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بیان کیا کہ بیٹھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھا پھر فرمایا، امابعد! اے عائشہ! تمہارے بارے میں مجھے اس طرح کی خبریں پہنچیں ہیں پس اگر تم بری ہو تو اللہ ﷻ تمہاری

برأت خود کرے گا، لیکن اگر تم سے غلطی سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو اللہ ﷻ سے استغفار کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے، پھر اللہ ﷻ سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ ﷻ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی گفتگو ختم کر چکے تو یکبارگی میرے آنسو اس طرح خشک ہو گئے جیسے ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا ہو، میں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے کہا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے۔ انہوں نے فرمایا خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلے میں کیا کہوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی باتوں کا میری طرف سے آپ جواب دیجئے، انہوں نے بھی یہی کہا کہ خدا کی قسم! مجھے نہیں معلوم میں رسول اللہ ﷺ سے کیا عرض کروں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر میں خود ہی بولی، میں اس وقت نوعمر لڑکی تھی، میں نے بہت زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا۔ میں نے عرض کیا خدا کی قسم! میں یہ تو جانتی ہوں کہ ان افواہوں کے متعلق جو کچھ آپ لوگوں نے سنا ہے وہ آپ لوگوں کے دلوں میں جم گیا ہے اور آپ لوگ اسے صحیح سمجھنے لگے ہیں۔ اب اگر میں یہ کہتی ہوں کہ میں ان تہمتوں سے بری ہوں اور اللہ ﷻ خوب جانتا ہے کہ میں واقعی بری ہوں تو آپ لوگ میری باتوں کا یقین نہیں کریں گے، لیکن اگر میں ان تہمتوں کا اقرار کر لوں حالانکہ اللہ ﷻ خوب جانتا ہے میں قطعاً اس سے بری اور پاک ہوں، تو آپ لوگ میری تصدیق کرنے لگیں گے۔

خدا کی قسم! میرے پاس آپ لوگوں کے لئے کوئی مثال نہیں سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد کے اس ارشاد کے کہ انہوں نے فرمایا تھا **"فصبر جمیل، واللہ المستعان علی ما تصفون"** اب صبر ہی بہتر ہے، اور تم جو کچھ بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی مدد کرے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر میں نے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے پورا یقین تھا کہ میں بری ہوں اور اللہ ﷻ میری برأت ضرور کرے گا، لیکن خدا کی قسم! مجھے اس کا وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ اللہ ﷻ میرے بارے میں ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی تلاوت کی جائے گی، میں اپنی حیثیت اس سے کم تر سمجھتی تھی کہ اللہ ﷻ میرے بارے میں وحی متلو قرآن کی آیت نازل فرمائیں، البتہ مجھے اس کی توقع ضرور تھی کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے اور اللہ ﷻ اس کے ذریعے میری برأت کر دیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ ابھی اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے، گھر والوں میں سے کوئی بھی باہر نہ نکلا تھا کہ آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا اور وہی کیفیت آپ پر طاری ہوئی جو وحی کے نازل ہوتے ہوئے طاری ہوتی تھی، یعنی آپ پسینے پسینے ہو گئے اور پسینہ موتیوں کی طرح آپ کے جسم

اطہر سے ڈھلنے لگا حالانکہ سردی کے دن تھے، یہ کیفیت آپ ﷺ پر اس وحی کی شدت کی وجہ سے طاری ہوتی تھی، جو آپ پر نازل ہوتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا جب نبی کریم ﷺ کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ تبسم فرما رہے تھے اور سب سے پہلا کلمہ جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا یہ تھا کہ عائشہ! اللہ نے تمہیں بری قرار دیا ہے۔ میری والدہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے شکریہ ادا کرنے کیلئے کھڑی ہو جاؤ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا خدا کی قسم! میں آپ کے سامنے کھڑی نہیں ہوں گی اور اللہ کے سوا اور کسی کی تعریف نہیں کروں گی۔

اللہ ﷻ نے جو آیت نازل کی تھی وہ یہ تھی **﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ﴾** بیشک جن لوگوں نے تہمت لگائی ہے وہ تم میں سے ایک چھوٹا سا گروہ ہے، مکمل دس آیتوں تک۔

جب اللہ ﷻ نے یہ آیتیں میری برأت میں نازل کر دیں تو حضرت ابو بکر صدیق ﷺ جو مسطح بن اثاثہ کے اخراجات ان سے قرابت اور ان کی محتاجی کی وجہ سے خود اٹھایا کرتے تھے، آپ نے ان کے متعلق فرمایا، خدا کی قسم! اب میں مسطح پر کبھی کچھ بھی خرچ نہیں کروں گا، اس کے بعد کہ اس نے عائشہ پر کیسی تہمت لگائی اور قرابت کا کچھ بھی خیال نہیں کیا، اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

''اور جو لوگ تم میں سے بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ قرابت والوں کو اور مسکینوں کو اور اللہ کے راستہ میں ہجرت کرنے والوں کو مدد دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں چاہئے کہ معاف کرتے رہیں اور درگذر کرتے رہیں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرتا رہے، بیشک اللہ بڑا مغفرت والا اور بڑا رحمت والا ہے''۔

حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے فرمایا کہ ہاں خدا کی قسم! میری تو یہی خواہش ہے کہ اللہ ﷻ میری مغفرت فرما دیں، چنانچہ مسطح کو وہ تمام اخراجات دینے لگے جو پہلے دیا کرتے تھے، اور فرمایا کہ خدا کی قسم! اب کبھی ان کا خرچ بند نہیں کروں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اور رسول اللہ ﷺ طوفان کے زمانہ میں ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی میرے معاملے میں پوچھا تھا، آپ نے دریافت فرمایا: زینب تم کو کیا معلوم ہے؟ تم نے کبھی کوئی چیز دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں کہ

خلاف واقعہ نسبت کروں میں ان کے متعلق خیر کے سوا کچھ نہیں جانتی ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ازواج مطہرات میں وہی ایک تھیں جو میرا مقابلہ کرتی تھیں، لیکن اللہ ﷻ نے ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے انہیں تہمت لگانے سے محفوظ رکھا، لیکن ان کی بہن حمنہ ان کے لئے لڑی اور تہمت لگانے والوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئیں۔ ۵

(۷) باب قوله: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [۱۴]

اس ارشاد کا بیان: ''اور اگر تم پر دُنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے، اُن کی وجہ سے تم پر اُس وقت سخت عذاب آپڑتا۔''

وقال مجاهد: ﴿تَلَقَّوْنَهُ﴾: يرويه بعضكم عن بعض. ﴿تُفِيضُونَ﴾: تقولون.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں ﴿تَلَقَّوْنَهُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اس بات کو نقل کرنے لگ گئے۔

۴۷۵۱ ــ حدثنا محمد بن كثير: حدثنا سليمان، عن حصين، عن أبي وائل، عن مسروق، عن أم رومان أم عائشة، أنها قالت: رُميت عائشة خرت مغشيا عليها. [راجع: ۳۳۸۸]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تھی تو وہ بے ہوش ہو کے گر پڑی تھیں۔

(۸) باب: ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ﴾ الآية [۱۵]

باب: ''جب تم اپنی زبانوں سے اس بات کو ایک دوسرے سے نقل کر رہے تھے، اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا۔''

۵ حدیث افک کی تفصیل کتاب المغازی میں گزر چکی ہیں ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، کتاب المغازی، باب حدیث الافک، ج: ۹، صفحہ ۴۴۳ - ۴۷۱۔

۴۷۵۲ ـ حدثنا ابراهيم بن موسى: حدثنا هشام: أن ابن جريج أخبرهم: قال ابن أبي مليكة: سمعت عائشة تقرأ ﴿إِذْ تَلِقُوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ﴾. [راجع: ۴۱۴۴]

ترجمہ: حضرت ابن ملیکہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ﴿إِذْ تَلِقُوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ﴾ پڑھتے ہوئے سنا۔

سنگین جرم

کسی محصنہ خصوصاً پیغمبر ﷺ کی زوجہ مطہرہ اور مؤمنین کی روحانی والدہ کو متہم کرنا، اللہ ﷻ کے نزدیک بہت بڑا سنگین جرم ہے اس کو محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا، یہ اصل جرم سے بھی بڑھ کر جرم تھا۔

اس لئے آیت میں خاص کر ان مسلمانوں کو خطاب فرمایا ہے جو منافقین کی افواہوں سے متاثر ہو کر شریک طوفان ہو گئے تھے، پھر نزول آیات کے بعد تائب ہوئے، مثلاً حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم، دنیا میں ان بزرگوں پر اللہ ﷻ کا فضل یہ ہوا کہ توبہ کی مہلت ملی اور آخرت کا فضل و کرم یہ کہ توبہ کی توفیق دی اور توبہ قبول بھی کر لیا۔

باب: ﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَا يَكُوْنُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا﴾ الآية [۱۶]

باب: ''جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، اُسی وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ: ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم یہ بات منہ سے نکالیں۔''

مسلمان کے ایمانیت کا تقاضا

یعنی اول تو حسن ظن کا اقتضاء یہ تھا کہ دل میں بھی یہ خیال نہ گذرنے پائے، لیکن اگر شیطانی اغواء سے فرض کیجئے کسی کے دل میں کوئی برا وسوسہ گذرے تو پھر یہ جائز نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان پر لائی جائے۔

چاہئے کہ اس وقت مؤمن اپنی حیثیت اور دیانت کو ملحوظ رکھے اور صاف کہہ دے کہ ایسی بے سر و پا بات کا زبان سے نکالنا مجھ کو زیب نہیں دیتا، کس طرح لوگ ایسی نامعقول بات منہ سے نکالتے ہیں!؟

بھلا جس پاکباز خاتون کو سید الانبیاء اور رأس المتقین ﷺ کی زوجیت کیلئے چنا گیا، کیا وہ ــ معاذ اللہ ــ خود بے آبرو ہو کر پیغمبر ﷺ کی آبرو کو بٹہ لگائے گی؟

نہیں ایسا کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتا۔
بلکہ ہونہ ہو دشمنوں نے ایک بے قصور پر بہتان باندھا ہے۔

۴۷۵۳ ـ حدثنا محمد بن المثنى: حدثنا يحيى، عن عمر بن سعيد بن أبي حسين قال: حدثني ابن أبي مليكة قال: استأذن ابن عباس قبل موتها على عائشة وهي مغلوبة قالت: أخشى أن يثني علي، فقيل: ابن عم رسول الله ﷺ ومن وجوه المسلمين، قالت ائذنوا له، فقال: كيف تجدينك؟ قالت: بخير إن اتقيت، قال: فأنت بخير إن شاء الله تعالىٰ، زوجة رسول الله ﷺ ولم ينكح بكراً غيرك، ونزل عذرك من السماء. ودخل ابن الزبير خلافه فقالت: دخل ابن عباس فأثنى علي و وددت أني كنت نسيا منسيا. [راجع: ۳۷۷۱]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سے تھوڑی دیر پہلے جب کہ وہ نزع کی حالت میں تھیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری تعریف نہ کرنے لگیں، کسی نے عرض کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں اور خود بھی عزت دار ہیں۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر انہیں اجازت دے دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا آپ کس حال میں ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر میں تقویٰ اختیار کرنے والوں میں سے ہوں تو خیریت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ان شاء اللہ آپ اچھی ہی رہیں گی، آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں، آپ کے سوا آنحضرت ﷺ نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا، اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔ پھر ان کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا کہ ابھی ابن عباس آئے تھے اور انہوں نے میری تعریف کی ہے تو میں چاہتی ہوں کہ میں بھولی بسری گمنام ہوتی۔

۴۷۵۴ ـ حدثنا محمد بن المثنى: حدثنا عبد الوهاب بن عبد المجيد: حدثنا ابن عون، عن القاسم: أن ابن عباس رضي الله عنهما استأذن على عائشة نحوه، ولم يذكر: نسيا منسيا. [راجع: ۳۷۷۱]

ترجمہ: ابن عون بیان کرتے ہیں قاسم کے واسطے سے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنے کی اجازت چاہی، پھر مذکورہ روایت بیان کی، لیکن اس میں راوی نے لفظ "نسیا منسیاً" کو ذکر نہیں کیا۔

(۹) باب قوله: ﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهِ أَبَدًا﴾ الآية [۱۷]

اس ارشاد کا بیان: ’’اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔‘‘

۴۷۵۵ ـ حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا سفيان، عن الأعمش، عن أبي الضحى، عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها قالت: جاء حسان بن ثابت يستأذن عليها، قلت: أتأذنين لهذا؟ قالت: أوليس قد أصابه عذاب عظيم؟ قال سفيان: تعني ذهاب بصره، فقال:

حصان رزان ما تزن بريبة وتصبح غرثى من لحوم الغوافل

قالت: لكن أنت. [راجع: ۴۱۴۶]

ترجمہ: حضرت مسروق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت ﷺ نے ان کے پاس آنے کی اجازت چاہی، مسروق کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ کیا آپ انہیں اجازت دیتی ہیں آنے کی؟ (انہوں نے تہمت لگانے والوں کا ساتھ دیا تھا اس لئے یہ بات کہی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا انہیں اس کی بڑی سزا نہیں چکی ہے؟ راوی سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس بات سے انکے نابینا ہونے کی طرف اشارہ تھا۔ پھر حضرت حسان بن ثابت ﷺ نے یہ شعر پڑھا:

وہ پاکدامن وباوقار ہیں کبھی ان پر تہمت نہیں لگائی جاسکتی وہ صبح میں بھوکی رہتی ہیں، بے خبر عورتوں کے گوشت سے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لیکن آپ ایسے نہیں ہیں۔

(۱۰) باب: ﴿وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [۱۸]

باب: ’’اور اللہ تمہارے سامنے ہدایت کی باتیں صاف صاف بیان کررہا ہے۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ہے۔‘‘

۴۷۵۶ ـ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا ابن أبي عدي: أنبأنا شعبة، عن الأعمش، عن أبي الضحى، عن مسروق قال: دخل حسان بن ثابت على عائشة فشبّب وقال:

حصان رزان ما تزن بريبة وتصبح غرثى من لحوم الغوافل

قالت عائشة: لست كذاك، قلت: تدعين مثل هذا يدخل عليك وقد أنزل الله

﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ﴾ فقالت: وأي عذاب أشد من العمى، وقالت: وقد كان يرد عن رسول الله ﷺ. [راجع: ۴۱۴۶]

ترجمہ: حضرت مسروق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور یہ شعر پڑھا:

وہ پاکدامن وباوقار ہیں کبھی ان پر تہمت نہیں لگائی جاسکتی وہ صبح میں بھوکی رہتی ہیں، بے خبر عورتوں کے گوشت سے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لیکن آپ ایسے نہیں ہیں۔ بعد میں عرض کیا کہ آپ ایسے شخص کو اپنے پاس کیوں آنے دیتی ہیں جن کے بارے میں یہ آیت بھی اللہ تعالی کی جانب سے نازل ہوئی ہے ﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ﴾، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نابینا ہونے سے بڑھ کر کیا عذاب ہوگا؟ اور پھر فرمایا کہ حسان بن ثابت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کفار کی ہجو کا رد کیا کرتے تھے۔

(۱۱) باب: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الفاحِشَةُ في الَّذِينَ آمَنُوا﴾ الآية إلى قوله: ﴿رَؤُوْفٌ رَحِيْمٌ﴾[۱۹-۲۰] ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوْا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسَاكِيْنَ﴾ إلى قوله: ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾[۲۲]

باب: ''یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے۔'' (آیت:۱۹) اس آیت تک: ''اور اللہ بڑا شفیق، بڑا مہربان ہے۔'' (آیت:۲۰)

''اور تم میں سے جو لوگ اہلِ خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں کو کچھ نہیں دیں گے۔'' یہاں تک۔''اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔''

۴۷۵۷ـ وقال أبو أسامة، عن هشام بن عروة قال: أخبرني أبي، عن عائشة قالت: لما ذكر من شأني الذي ذكر وما علمت به قام رسول الله ﷺ فيّ خطيباً فتشهد فحمدالله وأثنى عليه بما هو أهله ثم قال: ((أما بعد، أشيروا علي في أناس أبنوا أهلي. وايم الله ما علمت على أهلي من سوءٍ، وأبنوهم بمن والله ما علمت عليه من سوءٍ قط. ولا يدخل بيتي قط إلا وأنا حاضر، ولا غبت في سفر إلا غاب معي)). فقام سعد بن معاذ فقال: ائذن لي يارسول الله أن نضرب أعناقهم. وقام رجل من بني الخزرج وكانت أم حسان بن ثابت من

رهط ذلک الرجل فقال: كذبت، اما والله أن لو كانوا من الأوس ما أحببت أن تضرب أعناقهم، حتى كاد أن يكون بين الأوس والخزرج شر في المسجد، وما علمت. فلما كان مساء ذلک اليوم خرجت لبعض حاجتي ومعي أم مسطح فعثرت وقالت: تعس مسطح. فقلت: أى أم، تسبين ابنک؟ وسكتت ثم عثرت الثانية فقالت: تعس مسطح، فقلت لها: تسبين ابنک؟ ثم عثرت الثالثة فقالت: تعس مسطح، فانتهرتها، فقالت: والله ما أسبه إلا فیک. فقلت: فی أی شأنی؟ قالت: فبقرت لی الحديث، فقلت: وقد كان هذا؟ قالت: نعم، والله فرجعت إلى بيتي كان الذی له لا أجد منه قليلاً ولا كثيراً. ووعكت فقلت لرسول الله ﷺ أرسلني إلى بيت أبي، فأرسل معي الغلام فدخلت الدار فوجدت أم رومان في السفل وأبا بكر فوق البيت يقرأ. فقالت أمي: ما جاء بک يا بنية؟ فأخبرتها وذكرت لها الحديث وإذا هو لم يبلغ منها مابلغ مني. فقالت: يا بنية، خفضي عليک الشأن فإنه والله لقلما كانت امرأة قط حسناء عند رجل يحبها لها ضرائر إلا حسدنها وقيل فيها، وإذا لم يبلغ منها ما بلغ مني. قلت: وقد علم به أبي؟ قالت: نعم. قلت: ورسول الله ﷺ؟ قالت: نعم، ورسول الله ﷺ. واستعبرت وبكيت فسمع أبوبكر صوتي وهو فوق البيت يقرأ فنزل فقال لأمي: ما شأنها؟ قالت: بلغها الذی ذكر من شأنها ففاضت عيناه. قال: أقسمت عليک أى بنية إلا رجعت الى بيتک، فرجعت. ولقد جاء رسول الله ﷺ بيتي فسأل عني خادمتي فقالت: لا والله ما علمت عليها عيبا إلا أنها كانت ترقد حتى تدخل الشاة فتأكل خميرها أو عجينها. وانتهرها بعض أصحابه فقال: اصدقي رسول الله ﷺ، حتى اسقطوا لها به. فقالت: سبحان الله، والله ما علمت عليها إلا ما يعلم الصائغ على تبر الذهب الأحمر. وبلغ الأمر إلى ذلک الرجل الذی قيل له، فقال: سبحان الله، والله ما كشفت كنف أنثى قط. قالت عائشة: فقتل شهيداً في سبيل الله، قالت: وأصبح أبوای عندی فلم يزالا حتى دخل علی رسول الله ﷺ وقد صلى العصر. ثم دخل وقد اكتنفني أبوای عن يميني وعن شمالي. فحمدالله وأثنى عليه، ثم قال: ((أما بعد، يا عائشة إن كنت قارفت سوءاً أو ظلمت فتوبی إلى الله فإن الله يقبل التوبة عن عباده)). قالت: وقد جاء ت امرأة من الأنصار فهي جالسة بالباب. فقلت: ألا تستحي من هذه المرأة أن تذكر شيئاً؟ فوعظ رسول الله ﷺ فالتفت إلى أبي فقلت: أجبه، قال: فماذا أقول؟ فالتفت إلى أمي فقلت: أجيبيه، فقالت: أقول ماذا؟ فلما لم يجيباه تشهدت فحمدت الله تعالى وأثنيت عليه بما هوا أهله. ثم قلت: أمابعد،

فواللہ لئن قلت لکم: إنی لم أفعل، واللہ عزوجل یشهد إنی لصادقة، ما ذاک بنافعی عندکم، لقد تکلمتم به وأشربته قلوبکم، وإن قلت: إنی فعلت، واللہ یعلم أنی لم أفعل لتقولن قد باء ته علی نفسها، وإنی واللہ ما أجد لی ولکم مثلاً۔ والتمست اسم یعقوب فلم أقدر علیه۔ إلا أبا یوسف حین قال: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُوْنَ﴾. وأنزل علی رسول اللہ ﷺ من ساعته فسکتنا فرفع عنه وإنی لأتبین السرور فی وجهه وهو یمسح جبینه ویقول: ((أبشری یا عائشة، فقد أنزل اللہ براء تک)). قالت: وکنت أشد ما کنت غضباً، فقال لی أبوای: قومی إلیه، فقلت: واللہ لا أقوم إلیه ولا أحمده ولا أحمدکما، ولکن أحمد اللہ الذی أنزل براء تی. لقد سمعتموه فما أنکرتموه ولا غیرتموه: وکانت عائشة تقول: أما زینب ابنة جحش فعصمها اللہ بدینها فلم تقل إلا خیراً، وأما أختها حمنة فهلکت فیمن هلک. وکان الذی یتکلم فیه مسطح وحسان بن ثابت والمنافق عبداللہ بن أبی وهوالذی کان یستوشیه ویجمعه وهو الذی تولی کبره منهم هو وحمنة. قالت: فحلف أبوبکر أن لا ینفع مسطحاً بنافعة أبداً، فأنزل اللہ عزوجل ﴿وَلاَ يَأْتَلِ أُولُوْ الْفَضْلِ مِنْكُمْ﴾ الی آخر الآیة، یعنی أبابکر ﴿وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوْا أُوْلِى الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِيْنَ﴾ یعنی مسطحاً، وإلی قوله: ﴿أَلاَ تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَكُمْ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ حتی قال أبوبکرٍ: بلی واللہ یا ربنا إنا لنحب أن تغفرلنا، وعاد له بما کان یصنع. [راجع: ۲۵۹۳]

صحابۂ کرام ﷺ کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم

ولا یاتل - ائتلاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے واقعہ میں مسلمانوں میں سے حضرت مسطح اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما مبتلاء ہوگئے تھے، جن پر رسول اللہ ﷺ نے نزولِ آیت برأت کے بعد حدِّ قذف جاری فرمائی۔ حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما دونوں ہی جلیل القدر صحابی غزوۂ بدر کے شرکاء میں سے ہیں، مگر ایک لغزش ہوگئی جس سے توبہ صادقہ نصیب ہوئی اور حق تعالیٰ نے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت نازل فرمائی، اسی طرح ان مؤمنین کی توبہ قبول کرنے اور معاف کرنے کا بھی اعلان کردیا۔ مسطح بن اثاثہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے عزیز / رشتہ دار بھی تھے اور مفلس بھی، حضرت ابوبکر صدیق ﷺ ان کی مالی مدد فرمایا کرتے تھے۔

جب واقعہ افک میں ان کی گونہ شرکت ثابت ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد کی شفقتِ پدری اور بیٹی کو ایسا سخت صدمہ پہنچانے کی وجہ سے طبعی طور پر مسطح سے رنج پیدا ہو گیا اور قسم کھا بیٹھے کہ آئندہ ان کی کوئی مالی مدد نہیں کریں گے۔

یہ ظاہر ہے کہ کسی خاص فقیر کی مالی مدد کرنا کسی خاص مسلمان پر علی الیقین واجب نہیں، اور جس کی مالی مدد کوئی کرتا ہے، اگر وہ اُس کو روک لے تو گناہ کی کوئی وجہ نہیں مگر صحابۂ کرام ﷺ کی جماعت کو حق تعالیٰ دنیا کے لئے ایک مثالی معاشرہ بنانے والے تھے اس لئے ایک طرف جن لوگوں سے لغزش ہوئی ان کو سچی توبہ اور آئندہ اصلاحِ حال کی نعمت سے نوازا۔

دوسری طرف جن بزرگوں نے طبعی رنج وملال کے سبب ایسے غریب فقیر کی مدد ترک کرنے کی قسم کھالی اُن کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی گئی کہ اُن کو یہ قسم توڑ دینا اور اسکا کفارہ ادا کر دینا چاہئے، انکی مالی امداد سے دست کش ہو جانا اُن کے مقامِ بلند کے مناسب نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کو معاف کیا اِن کو بھی عفو ودرگزر سے کام لینا چاہئے۔

چونکہ حضرت مسطح بن اثاثہ ﷺ کی مالی امداد کرنا کوئی شرعی واجب حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے ذمہ نہیں تھا اس لئے قرآن کریم نے عنوان یہ اختیار فرمایا کہ اہلِ علم وفضل جن کو اللہ نے دینی کمالات عطا فرمائے ہیں اور جن کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وسعت وگنجائش بھی ہے ان کو ایسی قسمیں نہیں کھانی چاہئیں۔ آیت میں دو لفظ **"اولوا الفضل"** اور **"والسعة"** اسی معنی کے لئے آیا ہے۔

اسی آیت کے آخری جملے میں جو ارشاد ہوا کہ ﴿**أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ**﴾ یعنی کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے؟

تو حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے فوراً فرمایا کہ **"بلی واللہ یا ربنا إنا لنحب أن تغفرلنا، وعاد له بما كان يصنع"** یعنی کیوں نہیں! اللہ کی قسم! میں ضرور یہ چاہتا ہوں کہ اے ہمارے رب! تو ہماری مغفرت فرمادے۔ اور پھر پہلے کی طرح حضرت مسطح ﷺ کی امداد جاری فرمادی۔

یہ وہ مکارم اخلاق ہیں جن سے صحابۂ کرام ﷺ کی تربیت کی گئی ہے۔

(۱۲) باب: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ﴾

باب: ''اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔''

۴۷۵۸ - وقال احمد بن شبيب: حدثنا أبي، عن يونس: قال ابن شهاب، عن

عروة، عن عائشة رضی الله تعالٰی عنها قالت: یرحم الله نساء المهاجرات الأول، لما أنزل الله ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ شققن مروطهن فاختمرن بها. [أنظر: ۴۷۵۹] ۷

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالٰی ان عورتوں پر رحم فرمائے جنہوں نے پہلی بار ہجرت کی تھی، جب اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ بدن تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر اپنے دوپٹے بنا لئے۔

۴۷۵۹ ـ حدثنا أبو نعیم: حدثنا ابراهیم بن نافع، عن الحسن بن مسلم، عن صفیة بنت شیبة: أن عائشة رضی الله تعالٰی عنها كانت تقول: لما نزلت هذه الآية ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ أخذن ازرهن فشققنها من قبل الحواشی فاختمرن بها. [راجع: ۴۷۵۸]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ (تو انصار کی عورتوں نے سنتے ہی) اپنی چادروں کے کنارے پھاڑ کر انکی اوڑھنیاں بنالیں۔

زینت اور پردہ کی توضیح

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾

"زِينت" لغوی معنی کے اعتبار سے اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے انسان اپنے آپ کو مزین اور خوش منظر بنائے۔ وہ عمدہ کپڑے بھی ہو سکتے ہیں، زیور بھی۔

یہ چیزیں جبکہ کسی عورت کے بدن پر نہ ہوں تو باتفاق امت ان کو دیکھنا مردوں کے لئے بھی حلال ہے جیسے بازار میں بکنے والے زنانہ کپڑے اور زیور کہ اُن کے دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اس لئے جمہور مفسرین نے اس آیت میں زینت سے مراد محلِ زینت یعنی وہ اعضاء جن میں زینت کی چیزیں زیور وغیرہ پہنی جاتی ہیں وہ مراد لئے ہیں اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ عورتوں پر واجب ہ کہ وہ اپنی زینت کے مواقع زینت کو ظاہر نہ کریں۔

اس آیت میں جو عورت کیلئے اظہارِ زینت کو حرام قرار دیا ہے آگے اس حکم سے دو استثناء بیان فرمائے گئے ہیں:

---

۷ وفی سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی قوله: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾، رقم: ۴۱۰۲

ایک منظور کے اعتبار سے ہے یعنی جس کی طرف دیکھا جائے۔
دوسرا ناظر یعنی دیکھنے والوں کے اعتبار سے۔

احکام پردہ سے استثناء

پہلا استثناء **"ماظهر منها"** کا ہے یعنی عورت کے لئے اپنی زینت کی کسی چیز کو مردوں کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں۔ بجز ان چیزوں کے جو خود بخود ظاہر ہو ہی جاتی ہیں یعنی کام کاج اور نقل وحرکت کے وقت جو چیزیں عادتاً کھل ہی جاتی ہیں اور عادۃً ان کا چھپانا مشکل ہے وہ مستثنیٰ ہیں اُن کے اظہار میں کوئی گناہ نہیں ہے

اس سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیریں مختلف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے فرمایا کہ **"ماظهر منها"** میں جس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ اوپر کے کپڑے ہیں جیسے برقع یا لمبی چادر جو برقع کے قائم مقام ہتی ہے- یہ کپڑے زینت کے کپڑوں کو چھپانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ تو آیت سے مراد یہ ہے کہ زینت کی کسی چیز کو ظاہر کرنا جائز نہیں بجز ان اوپر کے کپڑوں کے جن کا چھپانا بضرورت باہر نکلنے کے وقت ممکن نہیں جیسے برقع وغیرہ۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں کیونکہ جب عورت کسی ضرورت سے باہر نکلنے پر مجبور ہو تو نقل وحرکت اور لین دین کے وقت چہرے اور ہتھیلیوں کا چھپانا مشکل ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کی تفسیر کے کے مطابق تو غیر محرم مردوں کے سامنے عورت کو چہرہ اور ہاتھ کا کھولنا بھی جائز نہیں صرف اوپر کے کپڑے برقع وغیرہ کا اظہار بضرورت مستثنیٰ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق چہرہ اور ہاتھوں کی ہتھیلیاں بھی غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے۔

اس لئے فقہائے امت کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں پردے سے مستثنیٰ اور ان کا غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے یا نہیں؟

مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر چہرہ اور ہتھیلیوں پر نظر ڈالنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان کا دیکھنا بھی جائز نہیں اور عورت کو اُن کو کھولنا بھی جائز نہیں۔ اسی طرح اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ ستر عورت جو نماز میں اجماعاً اور خارج نماز علی الاصح فرض ہے اُس سے چہرہ اور ہتھیلیاں مستثنیٰ ہیں، اگر ان کو کھول کر نماز پڑھی تو نماز باتفاق صحیح و درست ہو جائے گی۔

آیت کا مقتضاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کی کسی چیز کو بھی ظاہر نہ ہونے دے بجز اُس کے جو نقل و حرکت اور کام کاج میں عادتاً کھل ہی جاتی ہے اور ان میں برقع اور چادر بھی داخل ہیں اور چہرہ اور ہتھیلیاں بھی کہ جب عورت کسی مجبوری اور ضرورت سے باہر نکلتی ہے تو برقع چادر وغیرہ کا ظاہر ہونا تو متعین ہی ہے لین دین کی ضرورت میں بعض اوقات چہرہ اور ہاتھ کی ہتھیلیاں بھی کھل جاتی ہیں تو وہ بھی معاف ہیں گناہ نہیں۔

لیکن اس آیت سے یہ کہیں ثابت نہیں کہ مردوں کو چہرہ اور ہتھیلیاں بھی دیکھنا بھی بلا ضرورت جائز ہے بلکہ مردوں کا تو وہی حکم ہے کہ نگاہ پست رکھیں اگر عورت کہیں چہرہ اور ہاتھ کھولنے پر مجبور ہو جائے تو مردوں کو لازم ہے کہ بلا عذر شرعی اور بلا ضرورت کے اس کی طرف نہ دیکھیں۔ اس توجیہ میں دونوں روایتیں اور تفسیریں جمع ہو جاتی ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ غیر محرم کے چہرہ اور ہتھیلیوں پر نظر کرنا بھی بغیر ضرورت صحیحہ کے جائز نہیں۔ ۷

اور زواجر میں ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے کہ اگر چہ عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر عورت میں کے فرض میں داخل نہیں ان کو کھول کر بھی نماز ہو جاتی ہے مگر غیر محرم مردوں کا ان کا دیکھنا بلا ضرورت شرعیہ جائز نہیں ہے۔ ۸

اور یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ جن فقہاء نے چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز قرار دیا ہے وہ بھی اس پر متفق ہیں کہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو چہرہ وغیرہ دیکھنا بھی ناجائز ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حسن اور زینت کا اصل مرکز انسان کا چہرہ ہے اور زمانہ فتنہ و فساد اور غلبہ ہوئی اور غفلت کا ہے اس لئے بجز مخصوص ضرورتوں کے مثلاً علاج، معالجہ یا کوئی خطرہ شدید وغیرہ کے عورت کو غیر محارم کے سامنے قصداً چہرہ کھولنا بھی ممنوع ہے اور مردوں کو اُس کی طرف قصداً نظر کرنا بھی بغیر ضرورت شرعیہ کے جائز نہیں۔

آیت مذکورہ میں زینتِ ظاہرہ کے استثناء کے بعد ارشاد ہے **﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾** یعنی اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔

"خُمُر" - **خمار** کی جمع ہے اُس کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت سر پر استعمال کرے اور اُس سے گلا اور سینہ بھی چھپ جائے۔

---

۷ مواهب الجليل في شرح مختصر الخليل، ج: ۵، ص: ۳۹۳،

۸ الزواجر عن اقتراف الكبائر، ج: ۲، ص: ۶، المجموع شرح المهذب، باب ستر العورة، ج: ۳، ص: ۱۶۷

"جیوب" — جیب کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں گریبان۔ چونکہ زمانہ قدیم سے گریبان سینہ ہی پر ہونے معمول ہے اس لئے "جیوب" کے چھپانے سے مراد سینہ کا چھپانا ہے۔

بدن کی خلقی زیبائش میں سب سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا ابھار ہے، اس کے مزید تستر کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بھی بتلا دی۔

شروع آیت میں اظہارِ زینت کی ممانعت تھی، اس جملہ میں اخفاء زینت کی تاکید اور اس کی ایک صورت کا بیان ہے جس کی اصل وجہ ایک رسمِ جاہلیت کا مٹانا ہے زمانۂ جاہلیت میں عورتیں دوپٹہ سر پر ڈال کر اس کے دونوں کنارے پشت پر چھوڑ دیتی تھیں، جس کی وجہ سے گریبان، گلا، سینہ اور کان کھلے رہتے تھے، اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی، یہ گویا حسن کا مظاہرہ تھا۔

اس لئے مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسا نہ کریں، بلکہ دوپٹے کو سر پر سے لاکر کے دونوں دوسرے پر پلٹ دیں تاکہ اس طرح کان، گردن اور سینہ پوری طرح مستور ہو جائیں اور یہ سب اعضاء چھپ جائیں۔ [۹]

---

[۹] تفسیر القرطبی، سورة النور، ج: ۱۲، ص: ۲۲۸ – ۲۳۱، واحکام القرآن للجصاص، ج: ۳، ص: ۳۱۵، معارف القرآن، ج: ۷، ص: ۴۱۹، و ج: ۶، ص: ۲۹۵، تکملة فتح الملهم، ج: ۴، ص: ۲۶۱ – ۲۶۹، الهدایة، ج: ۴، ص: ۴۵۸، الدر المختار، ج: ۶، ص: ۳۷۰، رد المحتار، ج: ۱، ص: ۴۰۶، و ج: ۶، ص: ۳۷۰، امداد الفتاوی، ج: ۴، ص: ۱۹۷، وبہشتی زیور، حصہ سوم، ص: ۲۸۱۔

انعام الباری شرح صحیح البخاری

تعارف: علمی ودینی رہنمائی کی ویب سائٹ

www.deenEislam.com

☆............اغراض ومقاصد............☆

اسلامی تعلیمات: ویب سائٹ www.deenEislam.com کا مقصد اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر کے مسلمانوں تک پہنچانا ہے۔

جدید فقہی مسائل: اس کے ساتھ عصرِ حاضر کے جدید مسائل جن کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو، اس کے بارے میں قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح رہنمائی کرنا ہے۔

دفاع توہینِ رسالت وناموسِ رسالت و: توہینِ رسالت کے حملوں کا مؤثر جواب اور دنیا بھر کے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے اوصاف وکمالات اور تعلیمات سے آگاہی بھی پروگرام میں شامل ہے۔

شبہات کے جوابات: اسلام کے خلاف پھیلائی گئی غلط فہمیوں کو دور کرنا اور مسلمانوں کے ایمانی جذبات کو بیدار رکھنا بھی اس کوشش کا حصہ ہے۔

☆............آن لائن اصلاحی بیانات............☆

❁ صدر جامعہ دارالعلوم کراچی مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان۔

❁ شیخ الاسلام جسٹس (ر) شریعت اپلیٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان مولانا مفتی محمد تقی عثمانیصاحب مدظلہ

❁ مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی، حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ کی ہفتہ واری (جمعہ، اتوار ومنگل) کی اصلاحی مجالس آئن لائن لائیو بیان۔

❁ سالانہ تبلیغی اجتماع اور دیگر علماء پاک وہند کی تقاریر بھی اب انٹرنیٹ پر اس ویب سائٹ پر سُنی جاسکتی ہیں۔

☆............آپ کے مسائل اوران کا حل؛ آن لائن دارالافتاء............☆

❁ اسی طرح آپ کے مسائل اوران کا حل "آن لائن دارالافتاء" سے بھی گھر بیٹھے بآسانی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

Contact / رابطہ

PH:00922135046223 Cell:00923003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com

E-Mail:info@deeneislam.com

WebSite:www.deeneislam.com

منشورات مكتبة الحراء

اِنْعَامُ الْبَارِیْ

دُرُوسِ بخاری شریف

افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

Publisher
Maktabatul Hira
8/131, Double Room 'K' Area
36-A, Korangi, Karachi. 74900
Ph: 021-35046223, 35159291, Cell: 0300-3360816
E-mail: maktabahera@yahoo.com, & info@deeneislam.com
Website: www.deeneislam.com